

إِتِّمَامُ الْبُرْهَانِ

فی رد

تَوْضِیحِ الْبَکِیَانِ

﴿مکمل چار حصے﴾

شیخ الحدیث
حضرت مولانا محمد سرفراز خان مدظلہ
صفر

نزد مدرسہ نصرۃ العلوم
گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

مکتبہ صفائی

مسلّمہ ہیں نظر فوق نذر خوب ہے لیکن جوشے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

اِقْسَامُ الْبُرْهَانِ

تَوْضِيحُ فِي السَّبِيحِ

علمائے کرام نے قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں متعدد تراجم امت مسلمہ کی سہولت کے لئے کئے ہیں، اردو زبان میں بھی کئی تراجم ہیں اور متعدد تراجم میں شعوری یا غیر شعوری طور پر غلطیاں بھی موجود ہیں لیکن بریلوی حضرات کے اعلیٰ حضرت نے قرآن کریم کے لفظی ترجمہ میں جو اپنے من یا اور باطل عقائد داخل کئے ہیں اور ان کے لائق شاگرد مراد آبادی صاحب نے اپنی تفسیر میں ان تراجم کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ایٹری چوٹی کا جو زور صرف کیا ہے کسی زبان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی ہم نے فرس کفار ادا کرتے ہوئے بعض نہاد گور کے حکم اور نشر سے تنقید متین بر تفسیر نسیم الدین میں خالص علمی انداز میں ان غلط تراجم اور ان کی خود ساختہ تفاسیر پر گرفت کی تھی جس پر ان کی جماعت کے ایک نام نہاد محقق اور مدق صاحب کی باسی کڑی میں اُبال اگیا اور توضیح البیان کے نام سے رطبے یا بس اکٹھا کر کے ایک ضخیم کتاب لکھ ماری اس توضیح البیان کا خالص علمی انداز سے رد اس زیر نظر کتاب اقسام البرہان میں کیا گیا ہے جو کئی سال سے لکھی ہوئی تھی مگر کثرت مشاغل نیز عدالت کی وجہ سے نظر ثانی کا موقع نہیں مل سکا تھا اس کے کئی حصے ہیں پہلا یہ ہے النشار اللہ الغریبہ جو بیان حق کو اس میں خالص علمی مواد ملے گا اور ٹھوس حوالوں کو پڑھ کر وہ بڑے مطمئن ہوں گے اس کو پڑھ کر کچھ چہرے ضرور ادا اس بھی ہوں گے مگر یہ ایک فطری بات ہے جو ہمارے بس کی نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ

احقر

ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ و

صدر مدرس مدرسہ "نصرة العلوم" گوجرانوالہ

۵ شوال ۱۴۱۵ھ / ۲۶ اگست ۱۹۸۱ء

فہرست

﴿جملہ حقوق بحق مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ محفوظ ہیں﴾

طبع چہارم اپریل ۲۰۰۵ء

نام کتاب..... اتمام البرہان مکمل چار حصے

مصنف..... شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوزہد محمد سر فراز خان صفدر مدظلہ

تعداد..... گیارہ سو (۱۱۰۰)

ناشر..... مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

قیمت..... ایک سو پچاس روپے (۱۵۰/-)

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ ☆ مکتبہ امدادیہ ملتان

☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی ☆ مکتبہ حقانیہ ملتان

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار ☆ مکتبہ مجیدیہ ملتان

☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور ☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی ☆ اسلامی کتب خانہ ڈاگامی ایبٹ آباد

☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد ☆ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد

☆ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیروو ڈینگورہ ☆ دارالکتب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ لکی مروت ☆ مدینہ کتب گھر اردو بازار گوجرانوالہ

☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ فاروقیہ حفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوجرانوالہ

☆ کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ لکھنؤ

☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۷	اور اس کا جواب	۹	سخن گفتنی
۲۸	معلق غیب کی نفی نادانی ہے	۱۳	فاضل بریلی کے غلط تراجم کی چند مثالیں
۱۵	اور اس کا جواب	۱۵	توضیح البیان کے جواب کی وجہ
۲۹	کیا معلق غیب بعض امور غیبیہ کے منافی ہے	۱۷	باب اول
۱۸	اور اس کا جواب	۱۸	غیب بتانے والا نبی
۳۰	نبی کے غیوم میں کلی غیب شامل ہے	۱۹	مؤلف توضیح البیان کی گزشت
۳۱	اور اس کے جواب	۲۰	نشخ کا حوالہ
۳۲	پہلی وحی کے متبع پر آپ کو ماضی اور مستقبل کا علم حاصل تھا۔	۲۱	اور اس کا جواب
۳۳	اور اس کا جواب	۲۲	علامہ قاسم بن قطلوبغا کا حوالہ
۳۴	باب دوم	۲۳	اور اس کا جواب
۳۵	استغاثت از غیر اللہ تعالیٰ	۲۴	علماء و فقیہوں کی عقل پنج کا متفقہ فیصلہ
۳۶	استغاثت ہر قسم کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ	۲۵	اور اس کا جواب
۳۷	مختص ہے	۲۶	علم غیب ذاتی اور عطائی کی وجہ سے الزام
۳۸	اللہ تعالیٰ کے ساتھ مافوق الاسباب	۲۷	اور اس کا جواب
۳۹	استغاثت کو مختص کرنا تحریف قرآن کریم	۲۸	اعلیٰ حضرت پر کلی غیب دانی کے دعوے کا الزام
۴۰	استغاثت کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص	۲۹	اور اس کا جواب
۴۱	ہونے کی مدار استغاثت اور عدم استقلال پر ہے۔	۳۰	خالص صاحب کے متعدد حوالے
۴۲		۳۱	خالص صاحب کا دعویٰ جمیع ماکان و مایکون کا ہے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۷	ان تمام شقوں کے جوابات	۵۷	مردوں سے استمداد کا ثبوت اور اس کی مثالیں
۵۸	ما فوق الاسباب امور میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استعانت	۵۸	ان کے جوابات
۶۵	اس کی احادیث سے چند مثالیں	۶۵	سرفراز صاحب کی شرک کی بحث میں دوسری غلطی
۶۶	ان کے جوابات	۶۶	کہ وہ زندہ اور پاس ہی موجود شخص کی قید لگاتے ہیں
۶۸	خلق اور کسب	۶۸	اس میں کئی وجوہ سے خرابیاں ہیں
۶۸	افعال عادیہ اور غیر عادیہ میں خلق اور کسب کا فرق کرنا باطل ہے۔	۶۸	شرح عقائد سے شرک کا معنی
۶۸	افعال غیر عادیہ کی نسبت بھی بندوں کی طرف کی گئی ہے۔	۶۸	مؤلف برائین قاطعہ پر بلاوجہ غصہ
۶۸	اس کی چند مثالیں	۶۸	الفوز الکبیر کا حوالہ
۶۸	ان کے جوابات	۶۸	مدار شرک تین چیزیں ہیں غیر اللہ کو واجب الوجود ماننا۔ اسکو مستحق عبادت سمجھنا۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ اس میں تسلیم کرنا۔
۵۵	سرفراز صاحب کی بحث شرک میں پہلی غلطی	۵۵	مؤلف تنقید متین کا یہ کہنا کہ دنیا میں آج تک کسی نے خدا تعالیٰ کے سوا واجب الوجود نہیں مانا غلط ہے۔
۶۸	اگر اختیار سے علی وجہ الایجاد مراد ہے تو یہ شرک ہے اور اگر علی وجہ الکسب ہے تو یہ امور غیر عادیہ ہیں بھی ہے۔	۶۸	نہ اس اور تفسیر کبیر کا حوالہ
۶۸	حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے ما فوق الاسباب امور میں استعانت کی	۶۸	مشترکین اس لیے شرک نہ کہے کہ وہ اللہ کو مستحق عبادت سمجھتے تھے۔
۶۸	بب دل الیا کر سکتے ہیں تو نبی بطریق اولیٰ کر سکتے ہیں۔	۶۸	صدر الافضل کے ذہن کی نامہواری کا شکوہ غلط ہے۔
۵۶	سبقت شرع کا بلاذکر نقل کردہ حکم جہاں سے لے کر	۵۶	ان تمام امور کے مفصل جوابات
۷۵		۷۵	واجب الوجود

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۱	اس کے بارے میں چند حوالے	۷۵	جوہی دوا واجب الوجودات میں تفسیر کبیر
۹۵	ان کے جوابات	۷۶	اس کا مفصل جواب
۹۶	استمداد کا ثبوت اعلام اُمت سے	۷۸	امام رازی کا حوالہ
۸۰	اشعۃ اللمعات کا حوالہ	۸۰	شرک دو صورتوں میں ہی منحصر نہیں ہے
۸۱	اس کا جواب	۸۱	شیاطین کی اطاعت بھی شرک ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی مشیت میں کسی کو شرک کرنا بھی شرک ہے۔ حدیث شریف
۹۸	استمداد کا انکار بدعت ہے۔	۸۱	شرک کی اور صورتیں بھی ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب
۹۹	شیخ محقق اور امام رازی سے	۸۱	ما فوق الاسباب شفاعت بھی شرک ہے۔ قرآن کریم
۱۰۰	اس کا جواب	۸۱	تفسیر کبیر کا حوالہ
۱۰۱	امام رازی کا حوالہ	۸۲	صاحب مالابہ منہ کی عبارت سمجھنے میں سرفراز صاحب کی غلطی
۱۰۱	معجزات اور کرامات کے ذریعہ تصرف	۸۲	اور یہ غلطی کئی وجوہ سے
۱۰۲	مقدمہ میں غلطوں کا حوالہ	۸۵	اس کا جواب کئی وجوہ سے
۱۰۲	ارشاد الطاہرین کا حوالہ	۸۵	افراء عظیم کہ مولوی سرفراز صاحب حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام کی حیات کے منکر ہیں۔
۱۰۳	معجزہ و کرامت اور سحر و شعبہ بازی میں مابہ الاقتیاز فرق	۸۸	ان کی حیات کے بارے میں چند حوالے
۱۰۳	دیوبند کے مسلم اکابر سے استعانت کا ثبوت۔	۸۸	اس کا جواب
۱۰۳	ادراس کی چند مثالیں	۸۹	فتاویٰ عزیزی۔ ارشاد الطاہرین
۱۰۴	اس کا جواب	۸۹	تعلیم الدین اور عاشق فیض الباری
۱۰۸	فتاویٰ عزیزی کا حوالہ		
۱۰۹	اہل قبور سے فیض		
۱۰۹	تعلیم الدین اور عاشق فیض الباری		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۴	ارشاد الطالبین کے مزید حوالے	۱۲۷	ان کے جوابات
۱۱۴ تا ۱۱۵	تفسیر عزیزی کے حوالے	۱۲۸	مقیاس حقیقت کا حوالہ کہ رسول غیر اللہ نہیں
۱۱۵	ارشاد الطالبین کا حوالہ	۱۱۵	تفسیر عزیزی کا حوالہ
۱۱۷	تفسیر عزیزی کے حوالے	۱۲۹	تفسیر عزیزی کا اور حوالہ
۱۱۸	تفسیر عزیزی کا مکمل حوالہ	۱۳۰	فیض الباری کا مفصل حوالہ
۱۱۹	بروز کا معنی فتاویٰ عزیزی -	۱۳۱	اللہ تعالیٰ کی صورت پر سونے کا مطلب ؟
۱۱۹	و تعلیم الدین سے	۱۳۱	فیض الباری کا اور حوالہ
۱۲۰	یہ تصرف اللہ تعالیٰ سے مختص ہے	۱۳۲	فتاویٰ عزیزی کا حوالہ
۱۲۰	لطیفہ لفظ سلوک کس کی جمع ہے ؟	۱۳۲	فیض الباری کا اور حوالہ
۱۲۰	قاموس مختار الصحاح سے	۱۳۵	حضرت ملا علی القاری کا حوالہ
۱۲۰	المنجد سے	۱۳۶	حضرت شیخ عبدالحق کا حوالہ
۱۲۰	سرفراز صاحب کا وجہ فاسدہ سے	۱۳۶	صدر الافاضل اور شاہ عبدالعزیز دونوں
۱۲۰	استدلال اور اس کے جوابات	۱۳۶	نے استغاثت کی ایک جیسی تفسیر کی ہے
۱۲۱	کئی وجہ سے	۱۳۸	اس کا جواب
۱۲۱	ان کے جوابات	۱۳۹	تفسیر عزیزی کا اور حوالہ
۱۲۵	منظر افعال و صفات	۱۴۰	تفسیر عزیزی کا اور حوالہ
۱۲۵	اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے استمداد	۱۴۳	تفسیر عزیزی کا اور حوالہ
۱۲۵	غیر اللہ سے استمداد نہیں	۱۴۳	تفسیر عزیزی کا اور حوالہ
۱۲۵	حدیث فکنت سمع الذی الخیرت	۱۴۵	حیرت اور تانسف
۱۲۵	سے استدلال	۱۴۶	تفسیر عزیزی کا مفصل حوالہ
۱۲۶	فیض البدی اور تفسیر کبیر کا حوالہ	۱۴۷	اس کا نتیجہ
۱۲۷	مرقات کا حوالہ	۱۴۸	استغاثت کی بحث میں حرف آخر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵۵	حضرات انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام	۱۲۸	حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور
۱۵۵	کو بیوک و بیاس لگتی تھی۔	۱۲۸	مولانا ناتوئی کا حوالہ
۱۵۶	تفہیمات کا حوالہ۔	۱۲۹	کبریت احمد اور البیوا قیت و الجواب
۱۵۶	روح سے استفادہ کا مطلب ؟	۱۲۹	کا حوالہ۔
۱۵۷	درمیں کا حوالہ	۱۵۰	مولانا ناتوئی کے شعر کا جواب
۱۵۷	کبریت احمد اور البیوا قیت کا حوالہ	۱۵۱	استمداد از روح محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ
۱۵۸	قطب کا معنی	۱۵۱	وسلم کا مطلب ؟
۱۵۸	فتوحات مکیدہ اور کبریت احمد سے	۱۵۲	تفہیمات کے حوالے
۱۶۰	چار پیغمبر زندہ ہیں، الہیالی	۱۵۳	ارشاد الطالبین کے حوالے
۱۶۰	روح کا لفظ قرآن کریم پر اطلاق ہوتا ہے	۱۵۳	تعلیم الدین کا حوالہ
۱۶۱	مؤلف مذکور کی کوتاہ فہمی	۱۵۳	روح سے استمداد
۱۶۱	کبریت احمد کی عبادت	۱۵۳	اس سے کیا مراد ہے ؟
۱۶۲	قطب کسی کو تعطیلات نہیں دے سکتا	۱۵۵	عقیدہ کاشات کس دلیل سے ہوتا ہے
۱۶۳	تمت بالخیر	۱۵۵	تفہیمات کا حوالہ

حضرت العلامة مولانا عبدالربان صاحب کلیم دام مجید
فاضل دارالعلوم دیوبند و مدرس پشاور یونیورسٹی
باسمہ تبارک و تعالیٰ !

محبتی و محترمی مشیخ الحدیث صاحب زید مجید کم و عنایتکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - مزاج ؟

آپ کو معلوم ہے کہ سنت اور بدعت میرا دل پسند موضوع ہے۔ اس لیے اتمام البرہان کا مطالعہ بہت ذوق و شوق سے کیا۔ بعض مقامات پر زکریا پرچھے اور ہر تہ نیا کیف حاصل ہوا آپ کی فرمائش نہ بھی ہوتی تو پھر بھی میں اپنا تاثر آپ سے چھپانے کی کوشش ہرگز نہ کرتا۔ کتاب پڑھنے کے بعد جو تاثر میں نے لیا ہے اس کی تفصیل اس لیے لکھ رہا ہوں تاکہ اگر میرا تاثر غلط ہو تو آپ اس کی اصلاح فرمادیں گے۔ کتاب اتمام البرہان فی رد تو ضیح البیان موری اعتبار سے خوب اور معنوی اعتبار سے خوب ترکا مصداق ہے معلومات اتنی مفید اور اہم ہیں کہ کتاب کا مطالعہ شروع کرنے کے بعد ختم کیے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ انداز بیان انتہائی دلچسپ، لہجہ متین، استدلال محققانہ، اور نکات عارفانہ ہیں۔ آپ کے حقیقت نگار قلم نے اہل سنت کی حجت اور اہل بدعت والحاد کی تردید میں دلائل کا انبار لگا دیا ہے جو بات کہی گئی ہے میرا ن عدل میں تول تول کر کہی گئی ہے۔ اہل بدعت کے مخصوص مسائل پر ایک جاتا نامواد اتمام البرہان پانچ حصوں کے علاوہ شاید ہی کسی اور کتاب میں مل سکے میری نظر میں اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت اور امتیازی وصف یہ ہے کہ فریق مخالف کی اکثر لمبی عبارتیں خود ان ہی کے الفاظ میں اور یا معمولی اختصار کے ساتھ نقد کی کسوٹی پر پرکھ کر تحلیل و تجزیہ کے بعد کھوٹ اور سونا الگ الگ قاری کے سامنے رکھ دیے ہیں۔

دائے گرامی مولانا موصوف نے کتابت وغیرہ کی متذلل غلطی کی نشاندہی فرمائی ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ اب درست کر دی گئی ہیں۔ صنف، طالب بغیر مع الخیر ہے۔ فقط والسلام !
عبدالربان ۱۲ فروری ۱۹۸۶ء

سخن گفتنی

مُبَسِّمًا وَحَمِيدًا وَصَلِيًّا ۵ ا مابعد راقم الحروف نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صرف اچھا دین کی غرض سے متعدد کتابیں تحریر کی ہیں جو محمد اللہ تعالیٰ کی کئی بار طبع ہو چکی ہیں اور خواص و عوام نے ان سے خوب استفادہ کیا ہے اور ان میں درج شدہ ٹھوس اور واضح دلائل اور مقبول براہین اور صریح عقلی و نقلی حوالوں کی بہت ہی زیادہ قدر کی گئی ہے اور ان کے معرض وجود میں آنے کو جبر سر اہا کیا ہے اور قدر دان حضرات نے خوب داؤ بھین دی ہے۔ مگر اہل بدعت حضرات کو ان سے بچد کوفت ہوئی ہے اور ان سے خاصے سیخ پا ہوئے ہیں ایسی دلائل کتابوں سے ان کا پریشانی ہونا ایک نفسی امر ہے خیر ہماری بلا سے کوئی خوش ہو یا ناخوش، ہمارا خالق حقیقی ہم سے راضی ہو جائے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت حقہ سے شرک و بدعت اور رسم و رواج کے دبیز پردے دور ہو جائیں۔ دین اسلام اپنی اصلی شکل میں لوگوں کے سامنے آ جا کر اور محفوظ ہو جائے جس پر وہ کار بند ہو کر دونوں جہانوں میں سرخرو ہو جائیں تو بہ ہمارے لئے سب سے بڑی سعادت ہے۔ آخر بدعات و رسومات کی شب ظلمت اور تاریکی کتبک فضا پر چھائی رہے گی حکمت خداوندی کے تحت آخر آفتاب ہدایت کا ظہور بھی تو ایک فطری امر ہے۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوة خورشید سے
یہ چمن معور ہوگا نغمہ توجید سے

فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے جس میں انہوں نے پوری ملت اسلامیہ کے معتبر اور مستند مفسرین کرام کے خلاف اور اسلامی تعلیم کے برعکس کئی مقامات پر اپنے اختراعی عقائد و نظریات کو پیش نظر رکھ کر اوقوافِ عربی کو بالائے طاق رکھ کر محض اپنی مرضی کا ترجمہ کیا ہے تاکہ عوام الناس یہ سمجھ لیں کہ یہ اختراعی عقائد و نظریات تو قرآن کریم کے تحت اللفظ ترجمہ سے ثابت ہیں پھر ان کے صحیح اور حق ہونے میں کیا شبہ اور کلام ہو سکتا ہے؟ ہم نے اپنی کتاب تنقید متنبین ص ۲۸۲ میں ان کے غلط لفظی ترجمہ کی بعض مثالیں عرض کی ہیں ان کو قارئین کرام وہاں ہی ملاحظہ کر لیں۔ مزید چند مثالیں یہاں بھی دیکھ لیں تاکہ حقیقت آشکار ہو جائے۔

۱) اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ الْمَحْبُوبَ: بیشک ہم نے تمہاری طرف پالْحَقِّ (پ، النساء: ۱۰۵) بھی کتاب اتاری۔ ص ۱۳۹

اس میں غا صاحب نے اے محبوب کے الفاظ لفظی ترجمہ میں زائد کر کے تحریف کا دروازہ کھولا ہے۔

۲) فَتَنْظُرُوهُمْ فَتَكُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ پھر انہیں تم دور کر دو تو یہ کام انصاف سے (پ، النعام: ۵۲) بعید ہے۔ ص ۱۹۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بالاتفاق معصوم ہے اس میں کوئی نزاع نہیں ہے اور کسی لفظ کی تفسیر میں احسن سے احسن اور بہتر سے بہتر تعبیر اختیار کرنا بھی محل نزاع سے خارج ہے لیکن لفظی ترجمہ میں فَتَكُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ کا ترجمہ تو یہ کام انصاف سے بعید ہے ہرگز لفظی ترجمہ نہیں ہو سکتا۔

۳) قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا (پ، یونس: ۴۹) تم فرماؤ میں اپنی جان کے برے بھلے کا (ذاتی) اختیار نہیں رکھتا۔ ص ۳۹۰

اس ترجمہ میں اگرچہ یہ اختیار ملکی گئی ہے کہ لفظ ذاتی تو سب میں درج کیا ہے لیکن عوام الناس کے لئے اپنے باطل نظریہ ذاتی اور عطائی کے لئے پور دروازہ نوکھول گئے ہیں کہ اگرچہ آپ ذاتی طور پر نافع اور ضار نہیں مگر عطائی طور پر ہیں۔

۴) حَتَّىٰ اِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَاُذِنَ لِلَّذِينَ عَلِمُوا عَلٰى سَبَاطِ الْمُسْتَقِيمِ (پ، یوسف: ۱۱۰) یہاں تک کہ جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی ص ۳۵۹

یہاں اعلیٰ حضرت نے ظاہری اسباب لفظی ترجمہ میں اپنی طرف سے بڑھائے ہیں۔ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۵) قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پ، مریم: ۱۱۰) تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ (ص ۲۴۱)

اس مقام پر ظاہر صورت الخ کے الفاظ غا صاحب نے ترجمہ میں اپنی طرف سے زائد کئے ہیں۔

۶) اَنْزِلْ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ (پ، عنکبوت: ۲۵) اے محبوب پر صو جو کتاب تمہاری طرف وحی کی گئی (ص ۵۸)

یہاں بھی اے محبوب کے الفاظ لفظی ترجمہ میں اپنی طرف سے بڑھائے ہیں۔

۷) لَيَا يَكْفُرُهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا (پ، الاحزاب: ۳۵) ہم نے نہیں بھیجا حاضر ناظر (ص ۶۱۱)

یہاں نبی کا ترجمہ غیب کی خبریں بتانے والے اور شاہد کا معنی حاضر ناظر کر کے اپنا باطل عقیدہ ثابت کیا ہے۔ حالانکہ پہلی ہی وحی میں آپ نبی بنا دیئے گئے ہیں اور اس وقت متعارف غیب کی کوئی خبر نازل نہیں ہوئی تھی۔

۸) فَاِنْ يَشَاءِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ (پ، الشوری: ۲۸) اور اللہ چاہے تو تمہارے اوپر اپنی رحمت و حفاظت کی مہر کر دے (ص ۳۱۱)

اس جگہ قلب کا لفظی ترجمہ کھا گئے ہیں اور اپنی رحمت و حفاظت کے الفاظ لفظی ترجمہ میں اپنی طرف سے بڑھا گئے ہیں۔

۹) اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا (پ، الفتنہ: ۲۱) بیشک ہم نے نہیں بھیجا حاضر ناظر (ص ۴۲)

یہاں بھی شاہد کا ترجمہ حاضر ناظر سے کر کے اپنے فاسد عقیدہ کی ترجمانی کی ہے جو روح اسلام کے سرسرخ خلاف ہے

۱۰) فَالْتَجِدْ إِذَا هَوَىٰ (پکا، الخیم: ۱) اس پیارے چنے نامے محمدی قسم جب یہ مرج سے اترے (ص ۶۷)

قارئین کرام غور فرمائیں کہ لفظی ترجمہ میں اعلیٰ حضرت نے یہ کیا کچھ داخل کر دیا ہے اگر اس آیت کا لفظی ترجمہ کر کے یہ الفاظ اس کی تفسیر میں تحریر کرتے تو پھر معاملہ بدانتظامیہ کا مقصد افسوس کہ یہ سب کچھ انہوں نے لفظی ترجمہ میں کیا ہے۔

۱۱) خَلَقَ الْإِنْسَانَ عِلْمُهُ الْإِنْسَانِيَّةَ (پکا، الرحمن: ۳۰) انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا۔ ماکان و مایکون کا بیان نہیں سکھایا۔

غور فرمائیے کہ انسان کا معنی اعلیٰ حضرت نے انسانیت کی جان محمد کیا اور بیان سے ماکان و مایکون کا بیان لے لیا۔

۱۲) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ (پکا، الخیم: ۱) اے نبی! تم اپنے آپ کو حرام کئے لیتے ہو، جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا۔

اس میں خالص صاحب نے لفظی ترجمہ میں اپنے آپ کے الفاظ بڑھائے ہیں جو ایک قسم کی تحریف ہے۔

۱۳) وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيَاكَ وَالْآٰلِیْنِ وَآٰلِیْمِیْنِ (پکا، محمد: ۱۹) اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگ

اس میں اے محبوب کے الفاظ اور لِدُنْيَاكَ کا معنی اپنے خاصوں کا کر کے خالص صاحب نے لفظی ترجمہ میں نہایت غلط راہ نکالی ہے یہ یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معصوم ہونا اجماعی عقیدہ ہے اس مقام سے دُنْیَا سے خطائے اجتہادی اور لغزش اور خلاف اولیٰ وغیرہ کوئی بات بھی مراد ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ”نزدیکیاں رابینش بود جیرانی“ لیکن لفظی ترجمہ جو خالص صاحب نے کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہی تو ہے

۱۴) لِيُخَفِّرَكَ اللَّهُ مَا نَفَقَتْ مِنْ نَفْسِكَ وَمَا نَفَقَتْ مِنْ نَفْسِكَ (پکا، الفتح: ۲) تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہاری اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے (ص ۶۷)

۱۵) خَلَقَ الْغَيْبَ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ غَيْبَ حَانِئٍ وَلَا نَوَاسِئَ غَيْبٍ بِرُحْسٍ كَوْسَلِ (پکا، الخیم: ۱) خالص صاحب نے یہاں کی طبعی خطاب سے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کا لفظی ترجمہ کر کے اپنی جان پر ظلم کیا ہے

۱۶) عَلَّمَ الْغَيْبَ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ غَيْبَ حَانِئٍ وَلَا نَوَاسِئَ غَيْبٍ بِرُحْسٍ كَوْسَلِ (پکا، الخیم: ۱) اس ترجمہ میں اظہار علی غیبیہ کے معنی سلا کر کے علم غیب کے بارے میں اپنا بیانیہ عقیدہ داخل کیا ہے۔

۱۷) وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهْدَىٰ (پکا، الضحیٰ: ۷) اور تمہیں اپنی محبت میں خود رستہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔ (ص ۸۳)

اس میں اپنی محبت میں اور اپنی طرف کے الفاظ لفظی ترجمہ میں داخل کر کے اپنے غلو کا ثبوت دیا ہے۔

۱۸) إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (پکا، الزمر: ۱۵) شاہد اعلیٰ علیک کہ (پکا، الزمر: ۱۵) کہ تم پر حاکم ناظر ہیں (ص ۸۳)

اس میں بھی خالص صاحب نے شاہد کا معنی اور لفظی ترجمہ حاضر ناظر کر کے محض اپنے بے بنیاد عقیدہ کی پاسبانی کی ہے۔

قارئین کرام! ہم نے خالص صاحب سے قرآن کریم کی متعدد آیات کو بیان کے غلط تراجم کے چند نمونے باحوالہ عرض کر دیئے ہیں فرصت نہیں کہ ان کے پورے ترجمہ کو بالاستیعاب دیکھا جاسکے اور چند غلطی کی طرف ہم نے تنقید متین میں اشارہ کیا تھا مثلاً خالص صاحب وَلَا عَلَّمَ الْغَيْبَ کا معنی کرتے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لینا ہوں (ص ۱۹) جس کی تفسیر ان کے لائق شاگرد صدق الا فضل مراد آبادی یہ کرتے ہیں نہ میرا دعویٰ ذاتی غیب دانی کا ہے الٰہی ان قال اس آیت سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم عطائی کی نفی کس طرح مراد نہیں ہو سکتی الخ (ص ۱۹) اور مثلاً خالص صاحب قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا کا معنی ایک مقام میں یہ کرتے ہیں یہ تم فرمادیں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں (ص ۲۵) اور ان کے شاگرد رشید مراد آبادی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں

تو حاصل کلام یہ ہوگا کہ اگر میں نفع و ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا ہوں تو اس کا استعمال کرنا کریم کی ایک
 آیت کریمہ کا غلط ترجمہ بھی سنگین جرم ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خانصاحب نے اپنے تمام
 غلط عقیدے مثلاً علم غیب عطائی - ماکان و مایکون کا علم - عطائی اختیالات آنحضرت صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا اور حقیقت میں نور ہونے ہوئے ظاہر صورت بشری میں جلوہ گر
 ہونا وغیرہ وغیرہ قرآن کریم کے لفظی ترجمہ میں گھسیٹ دیئے ہیں اور یہ تمام مشرکانه عقیدے ہیں اس
 سے بڑھ کر قرآن کریم کی تحریف کیا ہو سکتی ہے؟ اور اس سے بڑا ظلم قرآن کریم پر اور کیا ہو سکتا
 ہے؟ افسوس ہے کہ علماء کرام کی اکثریت اس کی طرف توجہ نہیں دے رہی۔ اگرچہ بعض علماء
 کرام نے اب بعض اغلاط کی نشان دہی کی ہے مگر آنے والی نسلوں کو تحریف معنوی سے
 بچانے کے لئے جتنی محنت دیکر رہے وہ نہیں ہوتی اور نہ ہوتی ہے ہمارا مقصد یہاں ان
 عقائد پر بحث کرنا نہیں ہے کیونکہ بفضلہ تعالیٰ ہم نے مسئلہ علم غیب پر ازالۃ الريب میں اور
 مسئلہ حاضر و ناظر پر نیز بہ التواظف اور تفریح الخواطر میں اور مسئلہ مختار ل پر دل کا سرور میں اور
 مسئلہ نور و بشریت پر تنقید متین میں باحوالہ مبسوط بحث کر دی ہے یہاں تو صرف خانصاحب
 کی بعض اغلاط کی نشاندہی کرنا ہے جو قارئین کرام کے سامنے ہے ہم تو خانصاحب
 اور ان کے حواریوں سے پس بھی کہہ سکتے ہیں کہ ع

خوش را تاویل کنی نے ذکر را

ہمارا مقصد خانصاحب کے ترجمہ کی اغلاط کا استنباط نہیں اور نہ یہ ہمارے
 پس کا روگ ہے صرف چند اغلاط کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ انہوں نے لفظی ترجمہ میں اپنے
 اختراعی اور خود ساختہ عقائد کے اثبات کے لئے کس دیدہ دلیری اور جسارت سے کام لیا
 ہے اور ان کے لائق شاکر و مراد آبادی صاحب کی بعض تفسیری اغلاط کا کچھ نمونہ بھی ہم
 نے تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین میں عرض کر دیا ہے بجائے اس کے کہ فریق مخالف ان اغلاط
 کو ٹھنڈے دل سے سوچا اور آنے والی نسلوں کو اس تحریف معنوی سے بچانے کی فکر
 کرنا اور خود اس تحریف معنوی سے بیزاری کا اظہار کرنا۔ انا انہوں نے اس کی ناپید کی ٹھان
 ہے اور فریق مخالف کے بقول ان کے محقق اور مدقق وکیل نے تو بیچ البیان نامی ایک کتاب

لکھ ماری ہے جو چار سو تیس صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں وہی پرانی اور قسودہ باتیں اور
 تاویلیں پیش کی گئی ہیں جو ان کے بڑے پیش کرتے چلے آئے ہیں جن میں اکثر باتوں کا محض
 اور باحوالہ جواب ہم اپنی متعدد کتابوں میں دے چکے ہیں ایسا لگتا ہے کہ مؤلف توضیح البیان
 نے ان کو دیکھا اور پڑھا ہی نہیں اور یا بکونترہ کی طرح بالکل ان سے آنکھیں ہی بند کر لی ہیں،
 انہوں نے اپنی کتاب میں تعلق - من ترانی اور چیلنج بازی کے ذریعہ مفت میں ایک سنوار گھاٹی
 کو سر کرنے اور اپنے ناخواندہ حواریوں کو مغالطہ دینے اور ان سے سستی و اطمینان حاصل کرنے
 کی بے جا کاوش کی ہے مگر علمی اور تحقیقی میدان میں ان مغالطہ آفرینوں کا کیا مقام ہے؟
 اور ان سے اہل علم کتب مغالطہ کھاتے اور کھا سکتے ہیں؟ وہ تو ان مغالطات کے دام
 ہمرنگ زمین سے نکلنے کے لئے قطعاً کوئی دشواری محسوس نہیں کریں گے کیونکہ یہ
 ہے یاد مجھے نکتہ سلمان خوش آہنگ دینا نہیں مردان جفاکش کے لئے تنگ

توضیح البیان کے سطحی مغالطات کے جوابات کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہ
 تھی کیونکہ ان میں سے بیشتر مغالطات کے جوابات ہم اپنی کتابوں میں دے چکے ہیں
 جن کا کوئی محقول جواب فریق مخالف نے تاہنوز ہمیں نہیں دیا اور نہ آئندہ کسی صحیح
 و محقول علمی جواب کی ان سے کوئی توقع ہے۔ دیدہ پایدہ اور بعض ایسے بیجان
 مغالطات ہیں جن کو عالم اور محقق تو کیا ایک معمولی سمجھ والا آدمی بھی بخوبی دلائل کے
 سیلاب میں ڈبو سکتا ہے مگر چونکہ عوام الناس بڑے سطحی قسم کے ہوتے ہیں اس شدہ
 کے پیش نظر کہ کہیں وہ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں کہ موٹی ضخیم اور حجم والی کتاب
 توضیح البیان کا جواب ہے جی تو اس کا جواب بھی سے نہیں ہو سکا اس لئے ہم نے
 اس کا جواب دینا ضروری سمجھا ہے ہم اس کتاب میں ان کے قابل قدر اور برتر ان
 کے مشکل اور لائیل مغالطات کو نقل کر کے ان کے اختصار سے جوابات عرض کریں گے
 جن سے اہل حقیقت بھر کر سامنے آجائے گی اور عامۃ المسلمین حقیقت کی تہ تک پہنچ
 جائیں گے کیونکہ جب طرفین کے دعویٰ اور دلائل سامنے نہ آئیں تو کاروائی ایک طرف
 رہتی ہے اور حقیقت کھل کر سامنے نہیں آتی اسی لئے تو جمہوری ملکوں میں حزب اختلاف کا

موجود ملکی اور مذہبی مسائل کو حل کرنے کے لئے ضروری تصور کیا جاتا ہے اور جمہوری ممالک میں حزب اختلاف کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

وہی جہاں ہے تیرا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تیری نگاہ میں ہے

اور جب قارئین کرام کو روزنی مخالطات کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تو دیگر عام مخالطات کی حقیقت خود بخود سامنے آجائے گی اور اسکوٹ فی معرض البیان بیان کا علی لطف آجائے گا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ مولف توفیق ابیان کو بھی اپنے گلشن کی حقیقت معلوم ہو جائے گی اور شاید ان کو یوں گویا ہونا پڑے کہ ج
گلشن میں کچھ بہار کے سامان ہوئے تو ہیں

باب اول

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى
سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ ۝ وَعَلَى مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ ۝ بِسْمِ اللَّهِ ۝ عَلَى الْإِلَهِ وَأَحْبِبِهِ ۝ وَأَنْتَ لَا
وَأَنْتَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ ۝ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لَا يُجِيبُ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالشَّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا
مَنْ ظَلَمَ ۝ وَقَالَ آيَةُ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ۝ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا ۝ وَقَالَ آيَةُ الَّذِينَ النَّصِيحَةُ قُلْنَا
لِمَنْ قَالَ اللَّهُ وَلِكِتَابٍ وَلِرَسُولٍ ۝ وَلَا يَخْفَى الْمُسْلِمِينَ ۝ وَعَايَنَهُمْ أَتَابَعْتُمْ بَعْدَ
مُظْلُومٍ اس دور میں اسلام ہے شاید ہی اتنا مظلوم کوئی اور ہو جس کی عالم اسباب میں وجہ یہ
ہے کہ اس کا مؤثر مکران اور مدافع کوئی نہیں مگر اس غلط سے غلط آرڈر اور حکم کی حفاظت کے
لئے سنگینوں کی نوکیں ہر وقت تیار رہتی ہیں لیکن اس مظلوم کی جو من مانی تعبیر اس دور میں کوئی
کون سے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے سچی کہ غیر اسلامی امور کو خالص اسلام بنانے والے موجود
ہیں مگر ان پر کوئی قدغن نہیں اور ضروریات دین کے منکر اور ماول موجود ہیں مگر ان پر کوئی
پابندی نہیں مگر آہ اس پر بھی ہے

مری حسرت کی نظروں ہی پہ ظالم اس قدر بگڑا
کہیں دروگر سے جہنم تر ہوئی تو کیا ہوتا

اس پیش نظر کتاب میں ہم محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے توفیق البیان کی اصل عبارت
اور کہیں اس کا حاصل یا حوالہ نقل کر کے تردید کریں گے اُس کے مفہوم کو اور ہمارے جوابات کو

بظرف غائر والصف دیکھنا تارین کرام کا کام ہے۔

غیب بتانے والے نبی | خالصا صاحب نے یاتھا اللہ کے معنی اے غیب

بتانے والے نبی کے ہیں ہم نے اس پر تنقید میں گرفت کی کہ اگر غیب سے بعض خبریں مراد ہے تو بجا ہے لیکن اگر کلی غیب مراد ہے جس میں تمام خبریں شامل ہوں تو یہ درست نہیں (اور خالصا صاحب غیب سے کلی غیب ہی مراد لیا کرتے ہیں) کیونکہ نبوت تو آپ کو غار حرا میں عطا ہوئی تھی اور پہلی وحی ملنے کے ساتھ ہی آپ نبی تھے مگر آپ کو غیب کی سب خبریں وہاں عطا نہیں کی گئی تھیں تو کیا معاذ اللہ تعالیٰ آپ اس وقت نبی نہ تھے؟ (محصلا ص ۲۱۲) اس پر مولف توضیح البیان گرفت کرتے ہوئے اور زعم خویش علمی دھاک بٹھانے ہوئے موح میں آکر بارہ جوابات دیتے ہیں جن کا خلاصہ مع جوابات درج ذیل ہے۔

اول۔ علامہ قاضی عیاضؒ نبی کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں (ہم نے عربی عبارت اختصاراً ترک کر دی ہے اور ترجمہ مؤلف توضیح البیان کا ہی ہے اور اس کا بھی ہم اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے عربی عبارات نہیں نقل کریں گے بلکہ ترجمہ برہی انفا کیوں گے الا ماشاء اللہ تعالیٰ۔ صفحہ ۱) نبی اسے کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کر دے اور اسے یہ بتلا دے کہ وہ نبی ہے۔ اور اس وقت نبی فعل یعنی مفعول کے ہو گا یا نبی کا معنی ہے جو ان (امو غیبیہ) کی خبر دے جنہیں اللہ نے اسے دے کر بھیجا ہے اور اس وقت فعل یعنی فاعل ہو گا (شفافہ ص ۱۸۱) قاضی عیاضؒ کے کلام سے ثابت ہوا کہ نبی کا معنی غیب جاننا بھی ہے اور غیب بتلانا بھی اگر معنی مفعول ہو تو غیب جاننا معنی ہے اور اگر معنی فاعل ہو تو غیب بتلانا اس کا معنی ہے اور یہی قاضی عیاضؒ شفافہ ص ۱۸۱ پر لکھتے ہیں نبوت غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے انتہی بلطفہ (ص ۳۶۳) توضیح البیان محروضات

الجواب: مؤلف مذکور نے اپنے پیشرو بزرگوں کی طرح علامہ قاضی عیاضؒ کی اس عبارت سے صریح دھوکہ دینے کی بجائے کوشش کی ہے کیونکہ جوابات ہم نے تنقید میں ہی کی ہے شفا کی یہ عبارات سرسوس کے خلاف نہیں بلکہ میں مطابق ہے کیونکہ ہم نے

یہ کہا تھا کہ غیب سے اگر بعض خبریں مراد ہے تو بجا ہے اور اگر کلی غیب مراد ہے تو یقیناً غلط ہے اور یہی کچھ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کاش کہ مولف مذکور اگر شفا کی دوسری مفصل عبارات کو بھی پیش نظر رکھتے تو معاملہ صاف کھل کر سامنے آ جانا چنانچہ قاضی عیاضؒ تحریر فرماتے ہیں۔

فاما ما تعلق منها باموال دنیا فلا يشترط به حال وه علم من كان تعلق ديني امور سے ہے في حق الانبياء الحمة من عدم معرفة سوان میں سے بعض کے نہ جاننے سے اور الانبياء ببعضها اذا اعتقادها على ان کے متعلق خلاف واقع اعتقاد قائم کر لینے خلاف ما هي عليه ولا هم عليه حفيہ سے حضرات انبياء کو اعم عليهم الصلوة والسلام اذ هم متعلق بالآخرة وانبائهم کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے اور ان امور واموال الشريعة وقوانينها واموال الدنيا کے نہ جاننے کی وجہ سے ان پر کوئی دھتہ نہیں آتا کیونکہ ان کی تمام نہایت اور توجہ آخرت واداس کی خبروں اور شریعت اور اس کے قوانین کے ساتھ متعلق ہے اور دینی امور ان کے برعکس ہیں۔

علامہ قاضی عیاضؒ کی یہ صریح اور غیر مبہم عبارت صاف طور پر یہ بتاتی ہے کہ نبی کے لئے تمام امور کا علم ضروری نہیں اور نہ یہ نبی کے معنی اور اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ مولف مذکور کے رد کے لئے قاضی عیاضؒ کی یہ عبارت ہی بالکل کافی ہے اس کی مزید تفصیل از اللہ الريب میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوم۔ مولف مذکور لکھتے ہیں کہ علامہ شیخ قاسم بن المتوفی ص ۸۹ شرح مسائرہ میں نبی کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لفظ نبی فعل یعنی مفعول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی سے اسرافیل کی خبر دی ہیں بلطفہ شرح مسائرہ ص ۲۱۱ ص ۳۶

(محروضات)

الجواب: بہ حوالہ بھی مولف مذکور کو سود مند نہیں ہے کیونکہ نزاع اس امر میں ہے

کہ نبی کے معنی اور مفہوم میں تمام خبروں کا جاننا اور بتانا داخل ہے یا نہیں؟ سو علماء قطلوبغا کی اس عبارت سے تو یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ نبی کے مفہوم میں تمام خبریں جاننا اور بتانا داخل ہے وہ خود اس کے خلاف تصریح کرتے ہیں۔

انما هي من الكلام في حقيقة الروح وهي غير حقيقة روح کے بارے میں کلام کرنے معلومتاً للبشر أصلاً بل هي في علم الله تعالى سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور یہ بشر کو معلوم الذي احاط بكل شيء علماً معلوم نہیں بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم

(شرح المسألة ج ۲ صفحہ طبع مصر) میں ہے جس نے ہر چیز کو علم میں احاطہ کر رکھا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ روح کی حقیقت بقول علامہ فاسم کی بشر کو معلوم نہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نبی بھی شامل ہیں اگر نبی کے مفہوم اور معنی میں ہر ہر چیز کو جاننا اور اس کی خبر دینا داخل ہوتا تو ضروری امر ہے کہ روح کی حقیقت کا علم بھی ان کو ہوتا جس کی وہ خبر دیتے بلکہ اس سے زیادہ صراحت سے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

قال عبد الله بن بريدة ان الله تعالى له امام عبد الله بن بريدة نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بطبع على الروح ملكاً مقرباً ولا يبين مسلماً نے روح (کی حقیقت) پر نہ تو کسی مقرب (ایضاً ج ۲ صفحہ ۱)

فرشتہ کو اطلاع دی ہے اور نہ کسی نبی پر اس کی ایسی تصریح کی موجودگی میں یہ دعویٰ کرنا اور لوگوں کو یہ باور کرنا کہ نبی کے معنی اور مفہوم میں ہر ہر چیز کا جاننا اور اس کے بارے میں خبر دینا داخل ہے قطعاً بے نیلہ امر ہے اور حقیقت سے اس کا ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔ نبوت کے لئے نزول وحی و قرآن سب سے بڑا اعزاز ہے۔

یہ جلوہ خن سبحان اللہ یہ نور ہدایت کیسا کہنا، جس سینے میں قرآن اُنزا ہوا اس سینے کی عظمت کیا کہنا

موسم: مولف مذکور لکھتے ہیں کہ دس علماء دیوبند کی فل پنج کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نبوت کا معنی ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام یا کہ غیب کی بات بتانا اور نبی کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی بنا پر غیب کی باتیں بتانے والا (لغات المفہر فی اردو ج ۲۲)

اگر حضرت نے نبی کے معنی غیب بتانے والا کیا ہے تو آپ کیوں سچ پاہو گئے ہیں بلکہ شامی کہا بکی طرح جل ٹھن کر لگے ہذیان کرنے اپنے جفا دی مولویوں کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا (محصلاً ۳۶ معروضات)

الجواب: علماء دیوبند کی فل پنج کا متفقہ فیصلہ بھی مولف مذکور کو ہرگز مفید نہیں اس لئے کہ علماء دیوبند کا جب نصوص قطعیہ کے تحت عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کلی غیب نہیں تو پھر ان کے فحی کے خلاف ان کی عبارت سے یہ مطلب اور معنی کشید کرنا کہ وہ کلی غیب مراد لیتے ہیں قطعاً غلط ہے اور یہ بالکل توجیہ القول بمالہ برضی یہ قائم کا مصداق ہے ان حضرات نے جو معنی کیا ہے وہی کچھ ہم کہتے ہیں اور وہی کتب اسلام سے ثابت ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ سے ہر چیز وحی اطلاع یا کہ غیب کی بعض خبریں بتاتے ہیں لیکن جب انہوں نے غیب کی ایک خبر بھی نہیں بتائی تھی صرف وحی ہی سے نوازے گئے تھے وہ نبی کی وقت بھی تھے ہند معلوم ہوا کہ نبی کے مفہوم میں غیب شامل نہیں بلکہ کو اخبار غیب سے نوازے گئے۔

چہاں ہم: مولف مذکور راقم انیم کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ نے لکھا ہے کہ یہ ایک ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ سے وحی پا کر احکام خداوندی بتاتے ہیں اور غیب کی خبریں بھی بتاتے ہیں دیکھئے اس عبارت میں آپ نے نبی علیہ السلام کے لئے عطائی علم غیب مان لیا، حالانکہ تنقید میں ۱۹۳۳ء پر آپ لکھتے ہیں خالصاً کا یہ بے بنیاد دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر نہیں بلکہ عطائی طور پر علم غیب حاصل تھا اور دل کا سرور کے سرور کی پشت پر اپنی ایک کتاب کے اشتہار میں آپ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ذاتی اور عطائی ہر طرح علم غیب ماننا شرک ہے اب بتلائیے کہ آپ کے کلام میں اور ایک مجنون کی بڑی کیا فرق رہ گیا؟ آپ جس شے کو ایک جگہ بے بنیاد اور شرک قرار دیتے ہیں دوسری جگہ اس کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں (صفحہ ۳ معروضات)

الجواب: مولف مذکور تو دل میں بڑے ہی خوش ہوئے ہوں گے کہ انہوں نے راقم انیم کے کلام میں بظاہر تعارض قائم کر کے عظیم محاذ فتنہ کو لیا ہے اور ان کے علم و تحقیق سے

بے برہم مسلک لوگ بھی اس جواب کو سنہری جواب تصور کرتے ہوں گے مگر یقیناً جانیں گے کہ اس میں پھر کے پُرقتنا وزن بھی نہیں ہے اور تشکول کا یہ پُل آپ لوگوں کو ہی مبارک ہو سکتا ہے عقل مندوں کو بات سمجھانی بھی جاسکتی ہے اور وہ خود ہر بات سمجھنے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں مصیبت تو آپ جیسے مجنونوں کو سمجھانے کی ہے جن کی ساری ناکارہ زندگی جُوری کھانے میں گذرتی ہے۔ اور خون دینے کی نوبت نسبتاً بہت ہی کم آتی ہے سو گزارش ہے کہ بھلا اللہ تعالیٰ راقم کے کسی کلام میں تعارض نہیں اور بے تعلل تعالیٰ راقم نے کامل اسنادوں سے تعلیم حاصل کی ہے اور کم و بیش جاہلین تک پڑھایا ہے۔ راقم نے جو چیز ثابت کی ہے وہ غیب کی خبریں ہیں اور جس چیز کی نفی کی ہے وہ علم غیب ہے وہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذاتی طور حاصل تھا اور نہ عطائی طور پر اگر آپ کو انباء الغیب اخبار الغیب اور علم غیب میں فرق معلوم نہیں یا آپ کے لائق اسنادوں نے آپ کو نہیں بتایا تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے! آپ دیوبندی مسلک کے کسی طالب علم ہی سے یہ فرق معلوم کر لیتے اور اب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہم نے یہ فرق ازالۃ الريب مسئلہ علم غیب اور حضرت ملا علی القاری اور تفریح الخواطر وغیرہ کتابوں میں عرض کر دیا ہے۔

ملاحظہ کر لیں

باغ عدن سے اے غم مستی بہ صد نیاز

لایا ہوں ایک صید ترے دام کے لئے

پہچم و ششم و ستم و ہفتم مولف مذکور لکھتے ہیں کہ آپ نے تحریر کیا ہے لیکن جس مطلق اور کلی غیب کے اثبات کے درپے خانصاحب ہیں اس کا علم اور بتانا کسی طرح نبی کے معنی و مفهوم اور ان کے منصب میں داخل نہیں ہے؟ اعلیٰ حضرت نے تو باری تعالیٰ کا معنی اے غیب بتانے والے نبی بتلائے ہیں تو ہم نے کلی غیب کہاں سے لیا جبکہ اعلیٰ حضرت نے کلی غیب کا ذکر نہیں کیا پھر کلی غیب پر غیض و غضب اور اعلیٰ حضرت کے صحیح ترجمہ پر ناراضگی کا کیا جواز۔ آپ اپنے فرقہ کے عالم دین سمجھے جاتے ہیں سفید جھوٹ نہ بولا کیجئے آپ نے کلی کا پیوند لگا کر اسرائیلی ذہن کا مظاہرہ کیا ہے اور اگر

یہ کہا جائے کہ اگرچہ خانصاحب نے یہاں کلی کا ذکر نہیں کیا لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے لہذا یہ بھی اسی پر محمول ہے تو جواب یہ ہے کہ عقیدہ تو امور غیبیہ سے ہے جب آپ کے نزدیک رسول اللہ سے علم غیب منطقی ہے تو آپ پر یہ غیب کیسے منکشف ہو گیا؟ اور اگر مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تحریر سے یہ عقیدہ ثابت ہے تو چشم ماروٹن دل شاد اعلیٰ حضرت کی وہ نص پیش کیجئے جس سے یہ ثابت ہو کہ نبی وہ ہوتا ہے جو کلی غیب کو جانے، میں آپ کو تمام مبتدعین دیوبند سمیت چیلنج کرتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کی کسی عبارت سے یہ عقیدہ ثابت کریں اور اگر نہ ثابت کر سکے اور انشاء اللہ قیامت تک ثابت نہ سکیں گے تو اپنے اس جھوٹ و افتراء سے رجوع کر لیں (محصلہ ص ۳۸ و ۳۹ معروفاً)

الجواب: مولف مذکور کو غصہ تھوک دینا چاہیے غصہ کسی دلیل اور برہان کا نام نہیں ہے اگر خان ہونے کی وجہ سے آپ اقم کو اسرائیلی ذہن کا مالک کہتے ہیں تو معاف رکھنا آپ کے اعلیٰ حضرت بھی خانصاحب ہی تھے اس لئے وہ بڑے اور اقدم اسرائیلی کھلائیں گے اور ان کا منتہی ذہن تو آپ اور آپ کی جماعت سے بھی مخفی نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ مولانا کوکب صاحب کے علاوہ آپ تمام حضرات ملی بھگت کر کے خانصاحب کے منشد ہونے کے باوجود ان کے اخلاق کے نرانے اور گیتیں گاتے ہیں تو اس سے حقیقت تو نہیں چھپ سکتی۔ حقیقت آخر حقیقت ہی ہوتی ہے بلاشبہ اس مقام پر خانصاحب نے لفظ کلی تو نہیں بولا مگر وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ابتداءً و فریش سے تا دخول جنت و نار سب ماکان و مایکون اور ان میں سب اشیاء کا احاطہ اور ہر ہر ذرہ کا تفصیلی علم مانتے ہیں اور اسی کا نام ہماری اصطلاح میں کلی علم غیب ہے جس کو خانصاحب اپنی بعض کتابوں میں بعض علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں و لا مشأحة فی الاصطلاح گویا خانصاحب کا بعض بھی سارے جان کے کل سے لبا ہے ہم تو بفضلہ تعالیٰ جھوٹ نہیں بولتے نہ سفید نہ نیلا لیکن آپ بھی آخر مولوی ہیں کم از کم ریچلے جھوٹ ہی سے اجتناب کیا کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ دیگران را نصیحت اور خود میاں نصیحت

کا مصداق ہو جائیں خالص صاحب نے اگرچہ لفظاً اس مفہام پر مکتی کا ذکر نہیں کیا لیکن وہ عموماً اور ہر مفہام پر لفظ غیب سے جمع ہا کا ن دما بکون ہی مراد لیتے ہیں اور اہل حق سے ان کا اختلاف اور نزاع بلکہ عناد بھی اسی بات میں ہے اس لئے ان کے ذہن کے مطابق یہاں کلی ہی مراد ہے۔ رہا آپ کا یہ کہنا کہ عقیدہ نوامور غیب سے ہے جب آپ کے نزدیک رسول اللہ سے علم غیب منافی ہے تو آپ پر یہ غیب کیسے منکشف ہو گیا؟ سو گذارش یہ ہے کہ آپ کا یہ جملہ مجنونوں کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اس لئے کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ علم غیب اور چیز ہے جس کی نفی ہے۔ اور امور غیبیہ اخبار الغیب اور انباء الغیب اور چیز ہے جس کا دلائل تطبیع سے ثبوت ہے جب نفی اور ثبوت کا محل ایک نہیں تو ان کو آپس میں ٹکرانے کا کیا مطلب؟ باقی آپ کا راقم اثیم کو تمام علماء دیوبند سمیت سے یہ چیلنج کرنا کہ آپ کے اعلیٰ حضرت کی کسی عبارت سے یہ بتایا جلتے اور بزرگم آپ کے یہ قیامت تک نالکھن ہے تو یہ چیلنج آپ کی اپنے اعلیٰ حضرت کی کتابوں سے جمالت کا رونا ہی نہیں رہا بلکہ کھلا نوحہ کر رہا ہے افسوس کہ آپ کو اپنے ہی اعلیٰ حضرت کی مخالطات سے پرتالیفات ہی کا علم ہوتا تو بھی ایک بات بھی سیر دست ہم آپ کا غرور توڑنے کے لئے چند حوالے عرض کرتے ہیں اگر آپ نے اس کے خلاف قلم اٹھایا تو پھر انشاء اللہ العزیز ہم مزید کچھ عرض کریں گے۔ یا رزندہ محبت باقی۔

① آپ کے اعلیٰ حضرت امام قسطلانی جی کی مواہب لدینیہ (کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے یا اپنا مرسوم عقیدہ کشید کرتے ہوئے صفاً) کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں

النبوة هي الاطلاع على الغيب نبوت کے معنی یہ ہیں کہ غیب کا جاننا۔
(خالص الاعتقاد ص ۵۲)

② آپ کے اعلیٰ حضرت حضرت مجاہد کے منافقین سے متعلق ایک بے سند اثر کو (جو دفتر ج ۳ ص ۲۵۷ وغیرہ میں منقول ہے) قرآن کریم کی آیت کریمہ وَلَكِنْ مَا لَكُمْ بِآيَةِ الْكِتَابِ الْاٰتِيَةِ کا شان نزول قرار دے کر پڑی موج میں اگر اللہ تعالیٰ پر اقرار باندھتے ہوئے یہ لکھتے ہیں۔

ماں اللہ عزوجل یہ حکم لگا رہا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی

نے منکر ہو وہ کافر ہے وہ اللہ و رسول سے ٹھٹھا کرتا ہے وہ کلمہ کوئی کر کے مرتد ہوتا ہے۔ الخ (خالص الاعتقاد ص ۲) دہا میں دیکھ بالغیب؟ کا جملہ حضرت مجاہد کا قول ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد بتا کر یہ لکھنا کہ یہاں اللہ عزوجل یہ حکم لگا رہا ہے الخ خالص صاحب کی بے انتہا ڈوبہ دیرری ہے قطع نظر اس بات سے ان دونوں حوالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نبوت کے معنی یہ ہیں کہ غیب کا جاننا اور بقول خالص صاحب جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی سے منکر ہو وہ کافر ہے اس سے بصراحت یہ معلوم ہوا کہ نبوت کے مفہوم میں غیب دانی شامل ہے اور اس کا انکار کفر و ارتداد ہے اب یہ ملاحظہ کیجئے کہ خالص صاحب کے نزدیک جو غیب انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت ہے وہ کیسا؟ اور کتنا ہے چنانچہ خالص صاحب لکھتے ہیں۔

③ بیشک حضرت عزت عظمیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا شرق تا غرب عرش یا فرش سب انہیں دکھایا ملکوت السموات والارض کا شاہد بنایا، روزا نزل سے روزا خزنک کا سب ہا کا ن دما بکون انہیں بتایا اشیا ئے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا علم عظیم حبیب کریم افضل الصلوٰۃ والتسلیم ان سب کو محیط ہوا نہ صرف اجمالاً بلکہ ہر صغیر و کبیر ہر طب و یابس جو شہ گزرتا ہے زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ کہیں پڑا ہے سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا والحمد للہ حمداً کثیراً بلکہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہرگز ہرگز محمد رسول اللہ کا پورا علم نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی آلہ وصحبہ جمعین و کرم بلکہ علم حضور سے ایک چھوٹا حصہ ہے ہنوز اعطاء علم محمدی میں وہ ہزار در ہزار بے حد و یکینا سمندر لہر ہے میں جن کی حقیقت وہ جانیں یا ان کا عطا کرنے والا ان کا مالک مولیٰ جل و علا والحمد للہ العلی الاعلی الخ (انوار المصطفیٰ ص ۳)

فرمائیے جناب! روزا نزل سے روزا خزنک کوئی چیز ایسی باقی رہ جاتی ہے جو بقول خالص صاحب کے انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم نہ ہو بلکہ بقول خالص صاحب کے یہ سب کچھ ایک چھوٹا حصہ ہے جو آپ کے سمندر بے کنار کے ہزار در ہزار حصہ کو بھی نہیں

پہنچا اور لطف یہ ہے کہ یہ سارا کچھ بقول خالص صاحب کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف اجمالاً ہی معلوم نہیں بلکہ ہر ذرہ تفصیلاً معلوم ہے فرمائیے کلی غیب اور کس ملا کا نام ہے؟ اور یہ سب کچھ خالص صاحب کی عبارت سے ثابت ہے

(۴) خالص صاحب منکرہ کے تجزیہ میں واقع ہونے اور لفظ کل کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں تو بحمد اللہ تعالیٰ کیسے نص صریح قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ غرض جل نے تمام موجودات جملہ ماکان وما یکون الی یوم القیمة جمع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا۔ اور مشرق و غرب و سما و ارض و فرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ واللہ الحجة السامیة اھ (امناء المصطفیٰ ص ۷۸) جناب! یہ آپ کے اعلیٰ حضرت ہیں جو عبارت کی ٹی وی سے بول رہے ہیں اس سے زیادہ صراحت اور کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور آپ کس جمالت میں مبتلا ہو کر راقم اثیم اور علماء حق علماء دیوبند کو چیلنج کر رہے ہیں؟ معاف رکھنا یہ آپ کے درس کا مخصوص یا فہم و بصیرت سے محروم تلامذہ کا حلقہ نہیں کہ آپ جو بیان کر دیں اس پر وہ سر دھنستے رہیں اور واہ واہ کی صدا بلند کرتے رہیں یہاں بفضلہ تعالیٰ آپ کے مخاطبات اور مکاتذ کو غفی کونوں سے اُجاگر کرنے والے اور آپ کے مبلغ علم کو طشت از بام کرنے والے بھی موجود ہیں۔ باقی خالص صاحب جس طرز استدلال کو نص صریح قطعی سے تعبیر کرتے ہیں وہ ان کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے اس کی پوری حقیقت انزالۃ الریب میں ملاحظہ فرمائیں یہ یاد رہے کہ خالص صاحب کا یہ دعویٰ کہ روز ازل سے روز آخر تک کی تمام اشیاء اور ہر ذرہ ذرہ کا تفصیلی علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے ایک نہ ا کفر یہ دعویٰ ہے اس لئے نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ مساوات لازم آتی ہے۔ (کیونکہ مساوات علم باری کا کسی کے نزدیک وہم و تصور بھی نہیں) اور نہ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بالاستقلال اور ذاتی طور پر ان مذکورہ اشیاء کا علم ثابت کیا جا رہا ہے (کیونکہ غیر اللہ کے لئے بالاستقلال اور ذاتی علم کا کوئی بھی

قائل نہیں) بلکہ اس لئے یہ نظریہ اور عقیدہ کفریہ ہے کہ اس سے بیشتر اخصوص قطعاً یہ کا دیا تم از تم تاویل لازم آتی ہے اور ضروریات دین میں تاویل بھی کفر سے نہیں بچاتی (ملاحظہ ہو عبد الحکیم علی الخیالی ص ۲۶) اور مزید تحقیق انزالۃ الریب میں دیکھیں! ہشتنم: مولف مذکور لکھتے ہیں کہ غیب کلی سے کیا مراد ہے۔ جمیع معلومات الہیہ؟ اگر یہ مراد ہے تو اعلیٰ حضرت نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور کے علم کو اللہ کے علم کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہوتی ہے (الملفوظ ج ۱ ص ۱۷) اور اگر جمیع ماکان وما یکون مراد ہے تو اس کا حصول تدبیری طور پر نبی علیہ السلام کے لئے دلائل قاہرہ سے ثابت ہے لیکن اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ نبی کے مفہوم میں کلی غیب کا حاشا داخل ہے اس کی پوری بحث اس کتاب کے باب علم غیب میں آ رہی ہے۔ (محصلہ ص ۳۸ و ۳۹ معروضات)

الجواب: خالص صاحب غیب کلی سے جمیع معلومات الہیہ مراد نہیں لے رہے اور نہ ہمارا ان کے خلاف یہ دعویٰ ہے اور نہ یہ الزام ہے وہ علم غیب کلی کا اطلاق جمیع ماکان وما یکون پر ہی کرتے ہیں جیسا کہ پہلے ان کی عبارات کے حوالہ سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے لیکن تدبیری طور پر جمیع ماکان وما یکون کے علم کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حصول پر آپ کے پاس اور آپ کے خالص صاحب کے پاس کو کسی قطعی دلیل موجود ہے؟ ذرا مہربانی فرما کر اس قطعی الدلالة آیت کریمہ یا خبر متواثر یا اجماع قطعی کا حوالہ تو دیں اور اپنی علمی پیاری سے ایسی دلیل نکالیں تو سہی دلائل قاہرہ کا ذکر ہی چھوڑ دینے ایک ہی دلیل قاہرہ اور صریح پیش کر دیجئے کہ اس دلیل قاہرہ سے جمیع ماکان وما یکون کا علم آپ کے لئے ثابت ہے اور اس کے بعد وحی کا ایک حرف بھی نازل نہیں ہوا (کیونکہ آخر وہ بھی تو ماکان وما یکون میں داخل ہے) میں آپ کو اور آپ کی پوری جماعت کو چیلنج کرتا ہوں کہ ایسی کوئی قطعی اور صریح دلیل پیش کریں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک آپ پیش نہیں کر سکیں گے دیدہ باید۔ باقی یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ آپ کے خالص صاحب نبوت کے مفہوم ہی میں غیب کا بتانا

ثبوت کرنے ہیں اور غیب بھی وہ جس کا تذکرہ خود ان کی عبارات سے نقل کیا جا چکا ہے اور خود مؤلف مذکور نے بھی اس عبارت میں جمیع مآکان و مآیکون پر کلی غیب کا اطلاق تسلیم کیا ہے باقی آپ کی پوری بحث چھب باب علم غیب میں آنے کی توہم بھی ضرورت پڑی تو انشاء اللہ تعالیٰ وہاں کچھ عرض کر دیں گے کیونکہ بفضلہ تعالیٰ مع کلک مایہ زبانی و مایہ وارد

نہم: مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے کہا ہے کہ حضور اکے لئے مطلق غیب نہ ثابت ہے نہ منصب نبوت کے لائق ہے کا اثر آپ نے شرح تہذیب ہی کسی بریلی کے طالب علم سے پڑھی ہوئی تو آپ کو سمجھا دینا کہ مطلق الثئی یحقق بتحقق فرداً سرفراز صاحب مطلق غیب تو غیب کے ایک فرد کے ثبوت سے بھی ہو جاتے گا یا دیوبند کے عشاق رسول کے نزدیک رسول اللہ کے لئے علم غیب کا ایک فرد بھی ثابت نہیں (ص ۳۹)

الجواب: بحمد اللہ تعالیٰ سرفراز توجا لیش سال سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھا پڑھا کر بوڑھا ہو گیا ہے اس کو بفضلہ تعالیٰ اب کوئی کتاب کسی محقق دیوبندی عالم سے بھی پڑھنے کی ضرورت نہیں چر جائیکہ وہ کسی بریلی سے اور پھر مبنی طالب علم سے پڑھے مگر معاف رکھنا، آپ خود علم سے بے بہرہ ہیں اور ہمہ دانی کے جہل مرکب کا شکار ہیں زیادہ مناسب ہے کہ آپ اگلی دیوبندی عالم سے بھی کچھ عرصہ استفادہ کریں تاکہ آپ کو علم سے بھی کوئی حصہ حاصل ہو جائے آپ کے معلومات کے لئے عرض ہے کہ ایک ہے الغیب المطلق اور ایک ہے مطلق الغیب بالفاظ دیگر ایک ہے الثئی المطلق اور ایک ہے مطلق الثئی ان دونوں میں بڑا فرق ہے مطلق الثئی کا تحقق تو ایک فرد کے تحقق سے بھی ہو جاتا ہے لیکن الثئی المطلق عام ہے وہ اپنے جملہ افراد کے ایک ایک فرد کے لئے عام ہے اس کا تحقق کسی ایک فرد کے تحقق سے پورا نہیں ہوتا اس کا تحقق جی ہو گا جب اس کے تمام افراد تحقق ہو جائیں آپ اپنے مطالعہ کو ذرہ وسعت دیں اور شرح تہذیب سے آگے نکل کر ادبی کتابیں بھی پچیں صرف

آپ کی راہنمائی کے لئے ہم ایک حوالہ یہاں عرض کئے دیتے ہیں آپ حافظ ابن القیم راہ المتوفی (ص ۱۵۷) کی کتاب بدائع الفوائد ج ۴ ص ۱۶۱ ملاحظہ کریں جہاں انہوں نے الامر المطلق اور مطلق الامر وغیرہ الفاظ کے علمی طور پر دس فرق بیان کئے ہیں اور بات اپنے کسی لائق ادا کہ نہ مشتق استناد سے (بشرطیکہ دستیاب ہو جائے) دریافت فرمائیں کہ کلی غیب کے جہد کے ساتھ جو لفظ مطلق بولا جاتا ہے اس سے الغیب المطلق مراد ہوتی ہے یا مطلق الغیب؟ بحمد اللہ تعالیٰ علماء دیوبند جو صحیح معنی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشاق ہیں سے ہیں وہ تو اس کا فرق بخوبی جانتے ہیں اور وہ بھی جانتے ہیں کہ مثبت کیا چیز ہے اور منفی کیا چیز ہے؟ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ادراپ کی جماعت کو بھی سمجھ عطا فرمائے تاکہ ضلوا و اضلو کے چکر سے نکل کر لوگوں کی صحیح راہنمائی کر سکیں کیونکہ سمجھے بغیر کتابیں پڑھنا اور پڑھنا بھل اسفاراً کا مصداق تو ہو سکتا ہے لیکن اس سے فہم و بصیرت اور خدا غنی حاصل نہیں ہو سکتی۔

ترے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

دہم مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ آپ نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ نبی غیب کی خبر بتانے ہیں اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مطلق غیب نبی کے لئے ثابت نہیں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مطلق غیب بعض امور غیبیہ کے منافی ہے اگر آپ کو مطلق غیب اور بعض امور غیبیہ کے مطلب کی سمجھ نہیں تو کسی سے سمجھ کر تصنیف شروع کی ہوتی، اگر سمجھ نہی تو پھر کیا نشہ میں ڈوب کر لکھ رہے تھے! (ص ۳۹)

الجواب: الحمد للہ تعالیٰ راقم کو تصنیف شروع کرنے سے پہلے ہی ایسی علمی اصطلاحات کی سمجھ تھی کیونکہ جن اساتذہ کرام سے راقم انیم نے پڑھا ہے وہ اپنے وقت کے ماہر اساتذہ تھے البتہ گزارش ہے کہ آپ کو اعتراض کرنے سے پہلے ایسی علمی اصطلاحات کی ضرورت تھی حاصل کہ یعنی چاہتے تھے تاکہ شرمندگی حاصل نہ ہوتی یہاں مطلق غیب سے مطلق الغیب مراد نہیں جس کا تحقق کسی ایک فرد کے تحقق سے ہو جاتا ہے اور جو امور

غیبیہ کو بھی شامل ہے بلکہ یہاں الغیب المطلق کے معنی میں ہے جو کلی غیب کے معنی میں ہے اور یہ امور غیبیہ کے بد مقابل ہے اور دونوں کا بٹا فرق ہے جس کی طرف باحوالہ اشارہ پہلے کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو علمی اصطلاحات سمجھنے کی توفیق بخشے گو بدعت کے ساتھ اس کی توقع نہیں کر سکتے۔

یازدہم۔ رافق انیم نے تنقید متین میں لکھا تھا کہ اگر نبی کے مفہوم میں کلی غیب شامل ہو تو حجب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوت مل گئی تھی لیکن غیب کی حامل نہ تھا لہذا صاحب کے قاعدہ سے لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپ اس وقت نبی نہ تھے مؤلف مذکور اس کا حوالہ دے کر اور پھر آگے اس کا خلاصہ بیان کر کے لکھتے ہیں (سرفراز صاحب کا یہ اعتراض انتہائی خام اور طفلانہ ذہنیت کا حامل ہے۔ شیخ سرفراز صاحب۔ اس وقت بھی نبی علیہ السلام کو بے شمار علوم غیبیہ کا علم تھا ازاں جملہ یہ ہے (۱) جبرائیل عا کا علم ہوا اور وہ عالم غیب سے ہیں (۲) حضور کو وحی کا علم ہوا اور وحی عالم غیب سے ہے (۳) حضور کو ذات حق کا علم ہوا اور ذات حق غیب الغیوب سے ہے (۴) اقرؤ یا سم ربك سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا علم ہے اور صفت ربوبیت عالم غیب سے ہے (۵) الذی خلق سے صفت خالقیت کا علم ہوا اور یہ عالم غیب سے ہے (۶) علما الانسان مالم یعلم میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ بتلایا کہ حضرت آدم کو جمیع اسماء کا علم عطا فرمایا اور اس کا غیب ہونا واضح ہے (دیکھئے تفسیر خازن ج ۴ ص ۳۹) اور اس کے تحت یہ بھی مفسرین نے ذکر فرمایا ہے کہ الانسان سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے یعنی پہلی وحی کے موقع پر ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ سب کچھ بتلادیا تھا جس کو آپ نہ جانتے تھے اور یہ سرفراز صاحب اور جمیع ذریت دیوبند پر بھاری عذاب ہے (خازن ج ۴ ص ۳۹) انتہی بلفظہ (ص ۳۹)

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جو لکھا ہے ممکن ہے کہ ان کی جماعت کی طفل تسلی اور اثنک شونی تو ہو مہائے لیکن علمی دنیا میں اس لفظی شعبہ بازی کا ہرگز

کوئی مقام نہیں ہے۔

اولاً۔ اس لئے کہ نزاع اور اختلاف بے شمار امور غیبیہ میں نہیں ہے بلکہ کلی غیب میں ہے جو آپ کے اعلیٰ حضرت اور آپ کی اصطلاح میں جمیع ماکان و مایکون ہے اور اس ابتدائی وحی سے یہ ثابت نہیں ہے۔

وثانیاً آپ نے بٹا زور مار کر بے شمار علوم غیبیہ کے معروض ازاں جملہ سے صرف کچھ کا عدد پورا کیا ہے اور کچھ کا عدد قابل شمار ہے بے شمار نہیں۔

وثالثاً اگرچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور وحی عالم غیب میں سے ہیں اور ان کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہلی وحی کے موقع پر ہوا لیکن آپ کا یہ کہنا کہ ذات حق کا علم بھی آپ کو اسی موقع پر ہوا یہ آپ کا خالص جابلانہ نظریہ ہے ذات حق کا علم تو مشرکین مکہ کو بھی تھا جو ستر نامہ شرک میں ڈوبے ہوئے تھے (اس کے دلائل گلدستہ توحید میں ملاحظہ کریں) کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر تک ذات حق تعالیٰ کا علم نہ تھا؟ اگر ایسا ہی تھا تو بتلانیے کہ آپ نبوت ملنے سے قبل غار حرا میں عبادت کس کی کرتے تھے؟ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نبوت سے قبل بتوں کے نام پر فوج لگتے ہوئے حانور کا حجب گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے صاف اور صریح الفاظ میں یہ قبول فرمایا کہ

ولا اکل الا ما ذکر اسم الله عليه میں صرف وہی چیز کھاؤں گا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۵)

اگر آپ وحی ملنے سے قبل ذات حق تعالیٰ کو نہیں جانتے تھے تو آپ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟

دابعاً آپ کا یہ کہنا کہ صفت ربوبیت اور صفت خالقیت کا علم آپ کو ابتدائے وحی کے موقع پر ہوا قطعاً مردود ہے اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت اور خالقیت کا علم مشرکین مکہ کو بھی تھا اور وہ اس کے منکر نہ تھے (دیکھئے گلدستہ توحید) تو نبی معصوم کے بارے میں یہ بالکل نظریہ کہ چالیس سال تک آپ کو نبوت ملنے سے قبل صفت ربوبیت

اور خالقیت کا علم نہ تھا ایک مجنون بڑے پیغمبر نبوت ملنے سے قبل بھی اللہ تعالیٰ ہی کو رب اور خالق مانتے ہیں اور ایک لمحہ بھی ان پر ایسا وقت نہیں آتا جس میں معاذ اللہ تعالیٰ غیر اللہ کے رب اور خالق ہونے کا وہ تصور کرتے ہوں حافظ ابن العلام الحنفیؒ المتوفی ۷۵۱ھ) قاضی ابوبکر محمد بن الطیب الباقلائی المالکیؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

انہ لم یبعث من اشرك بالله طرفة محسب ایسی شخصیت کو نبوت نہیں عطا کی گئی عین (المسائل مع المسائل ۳ ص ۱۳۷) جس نے آنکھ جھپکنے کے اندازہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ہو۔

وخاصاً حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر اس مقام پر بالکل غیر متعلق بات ہے، بات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ابتداء وحی کی ہو رہی ہے علاوہ حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ بھی مؤلف مذکور کو سودمند نہیں ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے نام بتائے گئے ہیں مثلاً اس کو اونٹ کہتے ہیں اس کو گھوڑا کہتے ہیں اس کو بیل کہتے ہیں اس کو بکری کہتے ہیں وغیرہ ان کے تمام افراد اور افراد کی جملہ کیفیات اور ان کے جملہ حالات کی تعلیم کا ذکر کہاں ہے جس سے کلی غیب ثابت کیا جا رہا ہے؟ مزید بحث الیالہ الرب میں دیکھیں۔

سادساً مؤلف مذکور کا موعج میں اگر یہ دعویٰ کرنا کہ پہلی وحی کے موقع پر ہی حضور کو سب کچھ بتلادیا جس کو آپ نہ جانتے تھے خالص افتراء اور سفید جھوٹ ہے کیونکہ اگر سب کچھ آپ کو اس موقع پر بتلادیا تھا تو دیگر امور کا قصہ ہی چھوڑیے قرآن کریم کے اس کے بعد پورے تیس سال میں نزول کے کیا معنی؟ اور اس کے فریاد آپ کو وقتاً فوقتاً حالات اور واقعات اور احکام وغیرہا سے آگاہ کرنے کا کیا مطلب؟ خدا کے بند سے مولوی ہو کر اتنا مزاج اور سفید جھوٹ تو نہ بولا کیجئے کچھ تو خالق و خلق سے شرم کیجئے جب آپ کا مفروضہ ہی ایک نری افتراء ہے تو سرفراز اور ذریت دیوبند پر یہ کیسے عذاب ہو سکتا ہے؟ علی دنیا میں غفل و خرد کی باتیں کیا کریں یہ عقلی کا یہاں

کیا واسطہ ہے؟ مگر افسوس کہ

رہے نہ اہل بصیرت تو بے خرد چمکے!
فروغ نفس ہوا غفل کے زوال کے بعد

دوازدہم: سرفراز صاحب نے لکھا ہے کہ پہلی وحی کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ماضی اور مستقبل سے متعلق غیب کی خبریں نہیں دیں سوال یہ ہے کہ اس تفسیر کی کیا ضرورت ہے؟ اگر اعلیٰ حضرت نے اس طرح فرمایا ہوتا کہ نبی وہ ہوتا ہے جو آئندہ یا گذرے زمانے کی خبریں سے تب تو اس تفسیر کا کوئی منشاء ہوتا، لیکن اعلیٰ حضرت نے تو فرمایا ہے کہ یہ غیب بتانے والے کو کہتے ہیں پس اعلیٰ حضرت نے نبوت کے مفہوم میں مطلق غیب جاننے کا ذکر کیا ہے لہذا اس کا رد جب ہوگا جب آپ بیثبات کر دیں کہ پہلی وحی کے موقع پر حضور کو مطلق غیب کا علم نہ تھا اور ہم بطور الامین ذکر کر چکے ہیں کہ حضور کے لئے اس موقع پر غیب کا علم ثابت تھا بلکہ ماضی اور مستقبل کا غیب بھی حاصل تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات ماضی مستقبل اور حال تینوں زمانوں کو شامل ہیں واللہ الحمد علی ذلک یا ایہا النبی کے ترجمہ پر سرفراز صاحب نے اپنی بے علی بے ماسگی اور عناد نبوت سے جو اعتراض کیا تھا بحمد اللہ العزیز بارہ دہرے سے ہم نے اس کا حساب بے باق کر دیا ہے اور (۱) لکھا

الجواب: پہلے گذر چکا ہے کہ آپ کے اعلیٰ حضرت نے نبوت کا معنی غیب کی خبریں بتانا لکھا ہے اسنی بات تو تقریباً اور حضرات بھی لکھتے ہیں لیکن خالصاً صاحب روزانہ سے لے کر روز آخر تک جمع ماکان دھا کیون کا علم تفصیلاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرتے ہیں کہ امتو لہذا خالصاً صاحب پر دستور ہمایہ پہاڑ کی طرح وزنی اعتراض موجود ہے اور آپ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور بحمد اللہ تعالیٰ سرفراز کے مضبوط دعاوی اور محکم دلائل اور اٹل براہین کا جواب آپ کے پس کا روک بھی نہیں ہے اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مطلق غیب آپ کو پہلی وحی کے ساتھ ہی حاصل تھا جو امور غیبیہ ابتداء غیب اور اخبار غیب کی مد میں ہے اور غیب المطلق

جس کو جمع ماکان و مایکون کا مفصل علم یا کلی علم غیب کہتے ہیں آپ کو زندگی کے آخری لمحے تک بھی حاصل نہ تھا، ماضی اور مستقبل کے علم غیب سے اگر امور غیبیہ مراد ہیں تو وہ محل نزاع نہیں اور اگر جمع ماکان و مایکون مراد ہے تو وہ کسی قطعی اور صریح دلیل سے آپ کو حاصل نہیں باقی اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے ماضی حال اور مستقبل کسی ماز کا محتاج نہیں اور نہ یہاں ظرف و مظهر کا معاملہ ہے اگر یہ مراد ہے کہ ان زمانوں میں مثلاً اللہ تعالیٰ کی تخلیق و تزیین اجبار و امانت وغیرہ صفات خداوندی کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور ان صفات کے ظہور کے تمام مظاہر کو اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تفصیلاً جانتے ہیں تو یہ بھی قطعاً باطل مردود اور اسوس قطعیہ کے صریح خلاف ہے اور یہی امراہل غی اور اہل بدعت کے درمیان اختلافی اور نزاعی ہے مولف مذکور نے اثنا عشر مرتبہ سے فارورہ ملائے ہوئے بارہ وجوہ تو بیان کئے مگر اپنی جہالت اور کم فہمی کی وجہ سے ہمارے اعتراضات کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکے ان کو صرف قرآن کریم کی نصوص قطعیہ حادیث متواترہ اور اجماع امت سے ضد ہے جس کی وجہ شرک و بدعت میں فلو اور انہماک ہے اس لئے جیسے آدھی کی طرح کوئی چیز ان کو اپنی اصلی شکل میں نظر ہی نہیں آ رہی اور نہ آ سکتی ہے جی طرح توحید و سنت اور شرک و بدعت آپس میں جمع نہیں ہو سکتے اسی طرح شرک و بدعت کے ساتھ علم و بصیرت اور انابت الی اللہ اور اطاعت رسول اور سلامت روی بھی اکٹھی نہیں ہو سکتی۔ تعلیم مذہبی کا خلا صدی ہی تو ہے۔ ع

سب مل گیا اُسے جسے اللہ مل گیا

باب دوم

استعانت از غیر اللہ تعالیٰ ہم نے تنقید متین میں مولوی نعیم الدین صاحب سے

آیت اِیَّاكَ تَسْتَعِیْنُ کی تفسیر میں اس جہد پر کہ اس سے سمجھنا کہ اولیاء انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے عقیدہ باطل ہے کیونکہ مقرران حق کی امداد امداد الہی ہے استعانت بالغیر نہیں الخ باحوالہ تنقید کی بھی مولف توضیح الالبیان ہمارے پیش کردہ حوالوں کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکے ہم بالانصاف حضرات کو دعوت فکری دیتے ہیں کہ وہ تنقید متین میں اس بحث کا ضرور مطالعہ کریں اور انصاف سے فرمائیں کہ مولف مذکور نے ان میں سے کس کا باحوالہ جواب دیا ہے صرف عوام کو کچھ کر دکھانے کی خاطر اور مردہ صر کی باتیں لکھ کر چند صفحات ضرور سیاہ کئے ہیں اور عوام کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ جواب ہو گیا جو باتیں انہوں نے ص ۱۲۷ میں کہی ہیں ان کا نہایت اختصار کے ساتھ اجمالی خاکہ یہ ہے۔

۱۔ مفسرین کرام نے ہر باب میں استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی محقق کی ہے خواہ مافوق الاسباب امور میں ہو یا ماتحت الاسباب امور میں مدارک میں ہے استعانت کو مطلقاً ذکر کرنے میں بیہکمت ہے کہ ہر مستعان کو شامل ہو (مدارک کی عبارت میں مستعان فیہ کے الفاظ میں اسوس ہے کہ مولف توضیح البیان کو مستعان اور مستعان فیہ کا فرق بھی معلوم نہیں لیکن تصنیف کا شوق ضرور ہے جعفر خازن میں ہے تیری عبادت اور باقی امور کی انجام دہی پر تجھ سے طاقت طلب کرتے ہیں جہل میں ہے حذف مفعول سے

استغانت کے تمام امور کو شامل ہونے کا فائدہ حاصل ہوا۔

۲۔ مفسرین کرام تو بہر قسم کی استغانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص فرما رہے ہیں اور سرفراز صاحب نے صرف مافوق الاسباب امور میں استغانت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کر کے قرآن کریم کی خالص تحریف کی ہے چنانچہ تنقید منہیں صفحہ ۲۷ میں ہے استغانت کی ایک قسم کا نصوص شرعی سے جواز ثابت ہے وہ یہ کہ کوئی شخص کسی زندہ یا پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادتاً اس کے بس و اختیار میں ہو اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استغانت کہا جاتا ہے انتہی سرفراز صاحب نے محسوس کی طرح تفہیم کار کر لی ہے کچھ کام خدا کے ساتھ خاص کر دیئے اور کچھ بندوں کے ساتھ۔

۳۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے فرمایا کہ استغانت خواہ واسطہ ہو یا بے واسطہ استغانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے بندوں کے ہاتھ پر امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ ان کا خلق اور ایجاد اللہ ہی کا خاصہ اور بندوں کے ہاتھ سے جس قسم کے امور بھی ظاہر ہوں وہ صرف بلحاظ کسب بندوں سے صادر ہوتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استغانت کے اختصاص اور عدم اختصاص کا منطوق استقلال اور عدم استقلال ہے نہ کہ مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب جیسا کہ سرفراز صاحب نے علمی بے مائیگی کی وجہ سے ایسا یقین کر لیا ہے۔

۴۔ استغانت کے جواز عدم جواز کا مدار استقلال اور عدم استقلال ہے مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب نہیں خود دیوبند کے محمود الحسن صاحب نے آیات کائنات کے تحت اپنی تفسیر میں لکھا ہے اگر مقبول بندے کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استغانت ظاہری اس سے کی جائے تو یہ جائز ہے کہ بل استغانت و تحقیق اللہ تعالیٰ ہی سے استغانت ہے انتہی جو بات مولوی نعیم الدین صاحب نے کہی وہی بات تمہارے شیخ نے کہی اور جو فتویٰ کفر و شرک کا ان پر لکھا ہے سوان پر بھی لکھا چاہیے اب تو غلطی سے تو بہر کچھ (محملہ)

الجواب: آپ ترتیب وار ہر ایک شن کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ حضرات مفسرین کرام نے جو کچھ کہا ہے وہ سب بجا ہے اور ان کی پیش اور بیان کردہ

کوئی بات اور حوالہ ہمارے خلاف نہیں وہ سب ہماری تائید میں ہیں بات صرف سمجھنے کی ہے استغانت ظاہری ہو یا باطنی مافوق الاسباب ہو یا ماتحت الاسباب مستقل ہو یا غیر مستقل خلق کے درجہ میں سب اللہ تعالیٰ سے مختص ہے باری معنی کہ ہر چیز کا خالق صرف وہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مکلف مخلوق کو ایک صفت عطا کی ہے جس کا نام حضرات تمکلیین کے نزدیک کسب ہے مافوق الاسباب امور میں نہ بندے کا خلق کے لحاظ سے دخل ہے اور نہ کسب کے لحاظ سے اور ماتحت الاسباب امور میں بندے کے خلق کا نہ کوئی دخل نہیں ہاں البتہ اس کے کسب کا دخل ضرور ہے اور اسی اعتبار سے ان کی نسبت بندوں کی طرف کی جاتی ہے ہم نے حضرت دلی اللہ صاحب وغیرہ حضرات کی متعدد عبارتیں اس سلسلہ میں باحوالہ نقل کی ہیں لیکن افسوس کہ مولف مذکور ان کو گیارہویں مرتبہ کا میٹھا دودھ سمجھ کر پی گئے ہیں صرف مالا بامدہ کی ایک عبارت کا سرسری حوالہ دیا ہے جس کی بقدر ضرورت بحث آگے آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ اور بندوں کے لئے کسب کی اس صفت کو خود مولف مذکور نے توضیح البیان ص ۱۷ میں ان الفاظ سے تسلیم کیا ہے اور بندوں کے ہاتھ سے جس قسم کے امور بھی ظاہر ہوں وہ صرف بلحاظ کسب بندوں سے صادر ہوتے ہیں بلقلم جہاں علامت ماتحت الاسباب اور غیر مستقل کے الفاظ بولتے ہیں ان سے ان کی مراد یہی کسب ہونا ہے یہ مولف مذکور کی نادانی ہے کہ وہ ماتحت الاسباب اور غیر مستقل کو الگ الگ امور تصور کئے بیٹھے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ تو جدا جدا ہیں لیکن مال و دولت کا ایک ہی ہے حضرات تمکلیین نے خلق اور کسب کا فرق بیان کرتے ہوئے ایک فرق یہ بیان کیا ہے کہ۔

ان الکسب واقع بالة والخلق کسب آله سے واقع ہوتا ہے اور خلق کا وقوع لا بالة (شرح العقائد ص ۶) آله کے بغیر ہوتا ہے۔

آلہ ظاہری ہو جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء یا باطنی ہو جیسے قلب اور عقل وغیرہ اس سے واضح ہوا کہ کسب سبب اور آلہ کا محتاج ہوتا ہے اور خلق کے لئے سبب اور آلہ کی ضرورت نہیں ہوتی الغرض جس چیز کو وہ ماتحت الاسباب سے تعبیر کرتے ہیں

وہ کسب کہلاتی ہے جس کا اقرار خود مؤلف مذکور کو ہے ان کی ہی اسناد ادا و نالیت پر حجت ہوتی ہے کہ وہ کسب خلق کی تعبیر کا اقرار تو کرتے ہیں مگر ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب کے الفاظ سے کھیراتے ہیں کاشقو حمر و مستنفل و قوت من قسودۃ اور ایک فرق یہ بیان کیا ہے۔

والکسب یصح افراد القادر علی الخلق کسب میں اس پر قدرت رکھنے والے کا افراد یصح (شرح العقائد ص ۶) استقلال صحیح نہیں ہے اور خلق میں صحیح ہے۔ اور اس کی تشریح یوں کی گئی ہے۔

لان قدرة العبد غیر مؤثرة فلا یصح منه الفعل الا بقدره الله سبحانه والخلق یصح فان الله سبحانه یخلق ما شاء بلا حاجة الى کسب العبد (نبراس ص ۲۷) اس لئے کہ بندہ کی قدرت مؤثر نہیں ہے سراسر سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بغیر فعل صادر نہیں ہو سکتا اور خلق میں صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرتا ہے اسے بندہ کے کسب کی حاجت ہی نہیں ہے۔

کسب و خلق کا پہلا فرق تو یہ تھا کہ کسب سبب آلہ کے ذریعہ ہوتا ہے یعنی ماتحت الاسباب ہے اور خلق اسباب و آلات سے بالاتر ہے یعنی مافوق الاسباب اور اب دوسرا فرق یہ بیان ہوا ہے کہ کسب میں کسب کی قدرت مؤثر نہیں ہوتی اور وہ اس میں منفرد اور مستقل ہوتا ہے اور خلق میں قادر کی قدرت مؤثر ہوتی ہے اور وہ اس میں منفرد اور مستقل ہوتا ہے گویا جس امر کو حضرات متکلمین کسب خلق سے تعبیر کرتے ہیں وہی دوسرے الفاظ میں بالاستقلال اور غیر بالاستقلال ہے غرضیکہ مال کے لحاظ کسب خلق، ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب اور مستقل اور غیر مستقل کے عنوان میں کوئی فرق نہیں ہے لہذا مؤلف مذکور کا غیر مستقل کے جملہ پر زور صرف کرنا اور ماتحت الاسباب کے لفظ سے بدکناری جہالت ہے۔

حضرات مفسرین کرام کے جملہ پیش کردہ حوالے ہماری نایب دہانت ہیں کہ قسم کی استنانت اللہ تعالیٰ سے شخص بنے خلق کے درجہ میں تو بالکل ظاہر ہے اور کسب کے درجہ

میں باہر طور کہ بندہ کو اسباب و آلات۔ اعضاء و جوارح وغیرہ عطا کرنا پھر ان میں اثر ڈالنا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور بندہ کو جس قدر اختیار حاصل ہے وہ ماتحت الاسباب غیر مستقل اور کسب ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب (الفتاویٰ ص ۲۹) استنانت کی بحث کرتے ہوئے اس میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں۔

واگر عام است در امور دنیا و دین پس وجه این اختصا اس است کہ ہر کہ غیر خود را اعانت می کند منتہائے کار او است کہ در دل او داعیہ اعانت آں غیر می اندازند و ایں فعل اولیائی است پس گویا بندہ می گوید کہ غیر ترا اعانت من ممکن نیست مگر چون او را تو اعانت فرمائی تا اسباب اعانت بھم رساند باز در دل او داعیہ اعانت من اندازی پس من اندو سائط قطع نظری کنم و غیر از اعانت ترا نمی بینم (تفسیر عزیزی پ ۱ ص ۳۸) اور اگر یہ دینی امور کے لئے عام ہے تو دوسرا اس اختصا کی یہ ہے کہ جو شخص کسی غیر کی اعانت کرتا ہے تو اس کا انتہائی کام یہ ہے کہ اس کے دل میں غیر کی اعانت کا سبب پیدا کر دیا جائے اور یہ کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے تو گویا بندہ یوں کہتا ہے کہ میرے بغیر میری اعانت کسی سے ممکن نہیں مگر جب کہ تو اس کی اعانت فرمائے کہ تو اعانت کے اسباب پیدا کر دے پھر تو اس کے دل میں میری امداد کا داعیہ پیدا کر دے سو میں وسائل سے قطع نظر کرتا ہوں اور میری امداد کے بغیر اد کچھ نہیں دیکھ رہا۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ مخلوق کی اعانت اسباب کے تحت ہوتی ہے جن کو عطا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور مخلوق کے دل میں کسی کی اعانت کا داعیہ اور محرک پیدا کرنا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے اور اسباب کے تحت مخلوق جو کسی کی اعانت کرتی اور کر سکتی ہے تو وہ ظاہری اعانت ہے چنانچہ خود حضرت شاہ صاحب نے بحث کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پس مرد مومن را کہ از شرک مے گریزد سومرد مومن کو جو شرک سے گریز کرتا ہے

اول وہ بایں کہ اعانت غیر را کہ تطاہر
اعانت است و در معنی اصل قدرت
ندارد از نظر بند از دو با اعانت قادر
حقیقی انکشاف نماید الخ

چاہیے کہ پہلے ہی مرحلہ میں غیر کی اعانت
کو جو ظاہر تو اعانت ہے مگر حقیقت میں
وہ بالکل قدرت نہیں رکھتا یا بالکل نظر انداز
کرتے اور قادر حقیقی کی امداد پر ہی انکشاف
کرتے۔

(تفسیر عزیزی پ ۳۵)

اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ غیر اللہ کی اعانت صرف ظاہری ہوتی ہے اور
درحقیقت اس کو اس پر کوئی قدرت نہیں ہوتی۔

۲۔ حضرات مفسرین کرام نے جو کچھ کہا ہے بحمد اللہ تعالیٰ وہی کچھ سرفراز نے کہا ہے
اور وہ قرآن کریم کے عین مطابق ہے اس کی تخریف ہرگز نہیں مگر خود مؤلف مذکور
سو فہم اور جمل مرکب کا شکار ہیں جو علمی بانیں سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے، اور
التا اقم انیم سے کہا جا رہا ہے کہ سرفراز صاحب نے مجوسیوں کی طرح تقسیم کار کر لی ہے
کچھ کام خدا کے ساتھ خاص کر دیئے اور کچھ بندوں کے ساتھ اور خیر سے خود بھی مستقل
اور غیر مستقل اور خلق و کسب کی دو قسمیں تسلیم کر کے بقول خود مجوسیوں کے زموں میں
شامل ہو گئے ہیں کہ کسب بندے کا فعل تسلیم کرتے ہیں اور خلق خدا تعالیٰ کا تعجب ہے
کہ چھاتی کو کوزے کے دو سوراخ تو نظر آتے ہیں لیکن اپنے بی شمار سوراخ نظر نہیں
آتے خود تقسیم کار کر لیں تو درست اور اگر سرفراز کر لے تو معاذ اللہ تعالیٰ مجوسیوں
میں شامل ہو جاتے؟ سبحان اللہ تعالیٰ ع

ایں گناہیہیت کہ در شہر شمایز کنند

حضرت شہناہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی استمداد کے جائز اور ناجائز طریقوں پر
بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

مدد خواستن و بطوری باشد مدد خواستن
مخلوق سے از مخلوق سے سلی انکہ از امیر بادشاہ
نوکر و گداور ہمت خود دومی جو بند و عوام
اپنی ضرورتوں میں امیر اور بادشاہ سے مدد

الناس از اولیاء دعائی خواہند کہ از غیاب
الہی فلاں مطلب مارا در خواست
نمایند ایس نوع مدد خواستن در شرع
از زندہ و مردہ جائز است آدم آئند
بالاستقلال چیزیکہ خصوصیت بخواب
الہی وار مثل دادن فرزند یا بارش
باران یا دفع امراض یا طول عمر مانند
ایں چیز ہائے آنکہ دعا و سوال از جناب
الہی در نسبت منظور باشند از مخلوق
در خواست نمایند ایس نوع حرام مطلق
بلکہ کفر است و اگر از مسلمانان کہے
از اولیائے مذہب خود خواہ زندہ باشند
یا مردہ ایس نوع مدد خواہ از دائرہ مسلمانان
خارج ہے شہود

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۳۳ و ۳۴)

چاہتے ہیں اور عوام الناس اولیاء کہ اہم سے دعا
کراتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے فلاں کام
کے لئے درخواست کریں اس قسم کی مدد چاہنا
شرعیت میں زندہ سے جو یا مردہ سے جائز
ہے دوسری یہ کہ اس چیز میں منتقل ہونا جناب
باری تعالیٰ کی خصوصیت ہو جسے لڑکا دینا
یا بادش برسانا یا امراض کا دور کرنا یا عمر لمبی کرنا
اور ان کی مانند دیگر اشیاء بغیر اس کے کہ نیت
میں دعا اور سوال جناب الہی سے منظور ہو
مخلوق سے درخواست کرے تو قسم مطلقاً
حرام بلکہ کفر ہے اور اگر مسلمانوں میں سے
کوئی اپنے مذہب کے اولیاء کو اہم میں سے
خواہ زندہ ہوں یا مردہ اس قسم کی امداد
طلب کرے تو وہ مسلمانوں کے دائرہ سے
خارج ہو جائے گا۔

اس عبارت میں استمداد کی پہلی قسم وہی ہے جو ماتحت الاسباب اور کسب کے
درجہ میں ہے۔ جو بقول حضرت شہناہ صاحب شرع میں جائز ہے اور دوسری قسم وہ
ہے جو خلق کے درجہ میں ہے جس میں اللہ تعالیٰ مستقل و منفرد ہے جس میں بندے
کا کچھ اثر وارد دخل نہیں اور وہ مافوق الاسباب ہے اس قسم کی استمداد مخلوق سے طلب
کرنا حرام بلکہ کفر ہے مؤلف مذکور انصاف سے فرماتے ہیں (اگر ان کے ہاں انصاف نام
کی کوئی چیز ہے) کہ جو بات سرفراز نے تنقید متین میں کہی تھی کہ استعانت کی ایک قسم
کا انصاف شرعیہ سے جواز ثابت ہے الخ کیا یہ وہی نہیں ہے جو حضرت شہناہ عبدالعزیز
نے فرمائی ہے؟ اور کیا اس تقسیم کار کی وجہ سے آپ حضرت شہناہ صاحب پر بھی معاذ اللہ

ثم معاذ اللہ تعالیٰ جو کسی ہونے کا فتویٰ صادر کریں گے یا یہ سببی سبب سرفراز گنہگار کے لئے ہی وقف ہے؟

۳۔ ہم نے باحوالہ یہ بات ثابت کی ہے کہ خلق و ایجاد صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے ہم نے اس کا انکار نہیں کیا نہ امور عادیہ میں اور نہ غیر عادیہ میں یہ مؤلف مذکور کی کم فنی ہے کہ جہالت کی وجہ سے وہ کچھ کا کچھ سمجھ رہے ہیں جس کسب کو وہ بندوں کی صفت تسلیم کرنے ہیں ہم بھی صرف اُسی کے تحت اور اُسی کے مطابق بات کر رہے ہیں اور مؤلف مذکور کا استعانت کے اختصا ص اور عدم اختصا ص کا مدار استقلال اور عدم استقلال پر رکھنا اور مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب کا انکار کرنا ان کی جہالت کا زندہ جاوید کرشمہ ہے جس کی بقدر ضرورت بحث پہلے ہو چکی ہے۔

۴۔ حضرت شیخ الہندؒ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل بجا اور صحیح ہے اور انہوں نے وہی کچھ فرمایا ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے استدلال کی جائز قسم میں تحریر فرمایا ہے کہ عوام الناس اندر اولیاء و عامی خواہند از ہی استعانت ظاہری۔ غیر مستقل اور ماتحت الاسباب ہے حضرت شیخ الہندؒ کی عبارت میں غیر مستقل کا لفظ دیکھ کر بلا توجہ سمجھے اور بلا وجہ مؤلف مذکور نے خوشی کا اظہار کیا ہے اور خود حقیقت کو نہیں سمجھے مؤلف مذکور کا اخلاقی قریضہ ہے کہ وہ غلط چیز کو ترک کر کے خلی کو قبول کر لیں نہ اپنی آخرت برباد کریں اور نہ مخلوق خدا کی راہ مابین اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔

تیری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں کہ یہ چہار سو بدل جائے

مؤلف مذکور نے بھی مافوق الاسباب امور میں رسول اللہ سے استعانت سرخی قائم کی ہے اور پھر ۵۵ و ۵۶ میں غیر متعلق حوالے نقل کر کے عوام الناس کو صریح دھوکہ دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ سرفراز صاحب امور عادیہ میں ظاہری استعانت کو جائز قرار دیتے ہیں اور غیر عادیہ

۳۳ میں ناجائز مگر دلائل عقلیہ و نقلیہ دونوں سے یہ باطل و مردود ہے احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ امور غیر عادیہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے استعانت کی اور آپ نے ان کی مدد کی (محصلاً)

۲۔ مشکوٰۃ ص ۵۳۳ میں بخاری شریف کی روایت ہے کہ غزوہ خیبر میں حضرت سلمانؓ کو ع کی پینڈی کو چوٹ لگی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے دم فرمایا وہ ٹھیک ہو گئے اور فرماتے ہیں کہ آج تک مجھے تکلیف نہیں ہوئی (محصلاً) مشکوٰۃ ص ۳۱۱ میں بخاری کے حوالہ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس چاندی کی ڈبیائیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بال مبارک تھے جب کسی کو نظر لگتی یا کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس جانا وہ ڈیبا کو پانی میں ڈال کر نکالتیں پس وہ شخص اس پانی کو پیتا (محصلاً)

لطیفہ مؤلف مذکور کی عربی دانی ملاحظہ کریں کہ وہ اذا اصاب الانسان عين او شئاً کا معنی بول کرتے ہیں جب کسی شخص کی آنکھ میں یا کسی اور جگہ زخم پہنچتا، ان کو آنا بھی معلوم نہیں کہ اصابۃ عین کا معنی نظر لگنا ہے آنکھ میں زخم نہیں ہے، شاید مؤلف مذکور العین بحق کا معنی آنکھ خن اور سچی ہوتی ہے کر دیں مشکوٰۃ ص ۳۷۷ میں مسلم کے حوالہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک مخصوص جعبہ تھا جو بالآخر حضرت اسماءؓ کے پاس چلا گیا، جب کوئی بیمار ہو جاتا تو وہ حضرت اس کو دھوکہ پلاتے اور اس کے توسل سے شفاء طلب کرتے۔ (محصلاً)

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پینے ہوئے کپڑوں، آپ کے بالوں اور آپ کی پھونک سے لوگ شفا حاصل کرتے تھے یہ مافوق الاسباب امور میں استعانت ہے جڑی بوٹی اور دوائوں کی طرح یہ اسباب عادیہ نہیں کہ ہر ایک کے لباس، پھونک اور بالوں سے شفا حاصل ہو۔ (محصلاً)

۴۔ سرفراز صاحب ینباتیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے یہ شرک کیوں کیا؟ اور

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ تم میرے پاس ٹوٹی ہوئی ٹانگ لے کر کیوں آئے ہو میں تو کسی کو نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتا تم یہ ٹانگ کسی جراح اور طبیب کے پاس لے جاؤ میں تو بس احکام شرعیہ پہنچانے آیا ہوں (محصّل)
۵۔ سرفراز صاحب آنکھیں کھول کر ذرہ ہوش میں آکر جواب دو کیا یہ صحابہ کرام نہ مشترک ہوئے یا نہیں! یا رافضیوں کی طرح صحابہ کرام پر بھی ہاتھ صاف کرو گے اور اپنے عناد فطری کی وجہ سے رسول اللہ پر کیا حکم لگاؤ گے (محصّل)

الجواب: ایسا محسوس اور معلوم ہوتا ہے کہ مولف مذکور کو علم و فہم سے کوئی مس ہی نہیں ہے ان کے نزدیک علم شناسد مولویانہ وضع قطع اور جبر کو دیکھنا کابھی نام ہے آپ علی الترتیب جواب ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ہم نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالہ سے امور عادیہ اور غیر عادیہ کا اور ان میں جواز استعانت اور عدم جواز کافرق واضح کر دیا ہے نیز استعانت ظاہری کا مطلب بھی عرض کر دیا ہے کسی عقلی اور نقلی دلیل سے اور کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے امور غیر عادیہ میں مدد طلب کی ہو یہ مولف مذکور کا ترا مفروضہ اور ختم خیالی ہے لاشک شک فیہ۔

۲۔ جتنے حوالے اور حدیثیں مولف مذکور نے پیش کی ہیں اور ان سے انہوں نے اپنے باطل دعویٰ پر جو استدلال کیا ہے وہ سراسر مردود اور باطل ہے اس لئے کہ وہ ہمارے غلط فہمی کا شکار ہیں۔

اولاً اس لئے کہ جس طرح دعا ایک سبب ہے اسی طرح دعا اور بزرگوں کے تبرکات (جن سے شفا حاصل ہو جاتی ہے) بھی ایک سبب ہے جس طرح سستی سبب پر کبھی نتیجہ مرتب ہوتا ہے اور کبھی مرتب نہیں ہوتا اسی طرح عا پر بھی جو ایک معنوی اور روحانی سبب ہے کبھی نتیجہ مرتب ہوتا ہے اور کبھی مرتب نہیں ہوتا نفس دعا ایک سبب ہے ہاں اس پر شفا کا مرتب ہو جانا خارق عادت ہے حضرت امام غزالی

(التوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ

فالدعاء سبب لود البلاء ووجود
الرحمة كما ان الترس سبب لدفع
السلح والماء سبب لخرق الثياب
من الارض الخ (ہاشم بنواہل)

اس لحاظ سے دعا مافوق الاسباب امر نہیں اور نہ دعا کرنا یا نہ کرنا غیر عادی امور میں داخل ہے ہاں اس پر شفا کا ترتیب خرق عادت امر ہے (الحیالی صلح)

وفاقیاً حضرات صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس لئے تو ہرگز حاضر نہیں ہوتے تھے کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپ ان کو شفا دے سکتے تھے اور دے دیتے تھے ایسا باطل نظریہ حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں تو کوئی بد مذہب بھی نہیں رکھتا ان حضرات کا آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد صرف یہ تھا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور پیارے رسول ہیں اور نسبت دوسروں کے آپ کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے آپ ہاتھ اٹھائیں اور دعا فرمائیں تو اللہ تعالیٰ شفا دے گا مرد تو خبر مرد تھے عورتیں بھی جو عموماً ناقصات عقل و دین کی مد میں ہیں ان کا بھی یہی نظریہ تھا چنانچہ بخاری ج ۲ ص ۸۲ میں روایت ہے کہ ایک کالے رنگ کی دراز قد بنی (حضرت ام زفرؓ) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ حضرت مجھے مرگی کا دورہ پڑھاتا ہے فادع اللہ لی الحدیث آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا فرمائیں۔ دعا میں یہی ہوتا ہے کہ ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں منہ سے دعائیہ کلمات نکالے جاتے ہیں اور یہ سب کچھ ماتحت الاسباب ہے اور امور عادیہ میں سے ہے دعا پر شفا کا نتیجہ مرتب کرنا خرق عادت امر ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اسی طرح آپ کے کپڑوں اور بالوں سے تبرک حاصل کرنا اور ان کی برکت اور نوس سے اللہ تعالیٰ سے شفا طلب کرنا بجا اور درست ہے مگر اس کو مافوق الاسباب یا امور غیر عادیہ سے تعبیر کرنا بالکل غلط ہے یہ چیزیں خود خرق

عادت نہیں ہیں اس اختیار کردہ طریقہ پر اثر ترتیب کا فرق عادت سے مگر وہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے فایں الشری من النثریا کاش کہ مولف مذکور اس واضح فرق کو سمجھ لیں گو علم ایک گہرا سمندر ہے جس میں غوطہ خوری کے لئے ماہر استادوں سے ضروری ہے۔

سلسلہ مہنتی کا ہے اک بحر ناپیدا کنار

اور اس دریائے بے پایاں کی ہیں موجیں ہزار

۳۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑوں اور بالوں اور منہ مبارک سے نکلتے وقت پھونک مارنے کو باقی اسباب کتنا علم و خرد کا منہ چڑانا ہے کیونکہ یہ سب چیزیں عالم اسباب کی ہیں پھر جس کپڑے بال اور پھونک تو بلا شک کوئی چیز نہیں لیکن جب ان بالوں کپڑوں اور پھونک کی نسبت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی طرف ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی نسبت سے یہ امور ایک قوی سبب قرار پاتے ہیں خود مولف مذکور ص ۱۸ میں لکھتے ہیں۔ انگلی سے اشارہ کرنا دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا یہ سب ہے الخ اور ظاہر امر ہے کہ سب ماتحت اسباب سے نہ کہ باقی اسباب۔ الغرض مبارک نسبت کو بھی ملحوظ رکھئے اور کسب و خلق کو بھی اور عقل و خرد کا خیال بھی کیجئے ادھر اور ادھر کی باتوں میں نہ الجھیے مگر تیرے محیط میں کہیں بھی گوہر زندگی نہیں !

ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف

۴۔ جب حضرات صحابہ کرام نے شرک کیا ہی نہیں تو سرفراز پر کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ پاک ہستیوں اور نفوس قدسیہ کی طرف شرک کی نسبت کرے البتہ سرفراز پر ضرور گزارش کرے گا کہ آپ کہیں سے علم نافع حاصل کریں (اور وہ دیوبندیوں ہی سے حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ علم ان کی وراثت اور شرعی قاعدہ ہے کہ وراثت صلی اولاد کو ملا کرتی ہے لفظ اور لے بالک کو نہیں ملا کرتی) اور اپنے سوز مزاج کا روحانی علاج کرائیں رہا مولف مذکور کا یہ کہنا کہ آپ نے اس صحابی کو جراح و طبیب کے پاس کیوں نہیں بھیجا،

اور کیوں نہیں فرمایا کہ میں کسی کو تفع و ضرر نہیں پہنچا سکتا (محصلہ) تو یہ صرف ایک غلط ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علاج کے دونوں طریقے ثابت ہیں دعا کے ذریعہ سے بھی اور دوا کے ذریعہ سے بھی مولف مذکور کو کتب حدیث میں کم از کم کتاب الطب ہی غور سے پڑھ لینا چاہیئے اور آپ کا یہ ارشاد بھی یاد رکھنا چاہیئے۔

تداود اذ ان الله تعالى لم يضع داءً الا وضع له دواءً (الحديث) (ابو داؤد ج ۲ ص ۱۸۱ واللفظ له ومستدرک ج ۲ ص ۱۹۶) دواؤد الظمان ط ۳۹

اور مولف مذکور کو یہ روایت بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے۔

عاد رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلاً به جرح فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ادع له طبيباً بنى فلان قال فدعوه فجاءه الحديث (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۷۱ رواه احمد و جال الصغیر)

اس صحیح حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ آپ نے حکیم اور طبیب کی طرف مراجعت کا حکم بھی دیا ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر امتی کی سہولت کے لئے دونوں طریقے بتائے ہیں دعا کا بھی اور طبیب طلب کرنا اس سے علاج و معالجہ کا بھی مولف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ شرعی دائرہ میں رہ کر علاج و معالجہ بھی فی الجملہ احکام شرعیہ میں داخل ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو کتب حدیث میں محدثین کرام باب الطب کو کبھی جگہ نہ دیتے یہ مولف مذکور کی کوتاہ فہمی ہے کہ وہ اس سے صرف نظر کرتے ہیں اور یوں گویا ہیں کہ آپ یوں فرماتے کہ میں تو بس احکام شرعیہ پہنچانے آیا ہوں (محصلہ) اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے بشرطیکہ ان کو اس کی طلب بھی ہو۔

مثلاً کلیم ہو اگر مگر کہ ازما کوئی !
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاف

۵۔ بحمد اللہ تعالیٰ سرفرازی آنکھیں تو اس دن سے کھلی ہوئی ہیں جس دن سے اس کو علماء دیوبند سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا ہے اور وہ حضرات صحابہ کرام کے بلند مقام اور دینی کارناموں کو تاریخی طور پر بخوبی جانتا ہے اس کو ان کے خلاف کچھ کہنے کی ہمت ہی نہیں وہ تو ان کے نقش قدم پر چلنا اور ان کی پیروی کرنا اپنے لئے فخر سمجھتا ہے یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ارفع اور اقدس ذات پر معاذ اللہ تعالیٰ کوئی حکم لگانا یا سوء ادب کی ادنیٰ سی نسبت بھی کرنا تو یہ کسی بے حیا آدمی کا کام ہی ہو سکتا ہے کوئی مسلمان اس کا ادنیٰ تصور بھی نہیں کر سکتا یہ مولف مذکور کی نادانی ہے کہ انہوں نے عوام الناس کے جذبات کو بلاوجہ اُبھارنے کے لئے اس قسم کی تعبیر سے کام لیا ہے ہم تو بانگِ دہل کہتے ہیں کہ

جو اس دنیائے فانی میں طلبِ کارِ ہدایت ہو
وہ سچے دل سے پیغمبر کا پیروکار ہو جائے

خلق اور کسب | مولف مذکور نے یہ عنوان قائم کیا ہے پھر اس کے باب میں ص ۸۰ میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اس مقام پر یہ حضرات کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو نبی کا معجزہ ہے اور معجزہ خدا کا فعل ہو ہے فیضِ دہوکہ دہی کے سوا کچھ نہیں کیونکہ نبی کا معجزہ ہو یا ولی کی کرامت یا عام لوگوں کے افعال سب کا حقیقتہً خالق اور فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے بندوں کی طرف ان افعال کی نسبت خواہ عادیہ ہوں یا غیر عادیہ محض ظاہری اور صوری طور پر ہوتی ہے۔ لہذا افعال عادیہ اور غیر عادیہ میں خلق یا کسب کے لحاظ سے تفریق کرنا بابتِ باطل ہے۔
۲۔ افعال عادیہ کی نسبت سرفراز صاحب بندوں کی طرف تسلیم کرتے ہیں ہم وہ آیت پیش کرتے ہیں جن میں افعال غیر عادیہ کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے تین مضمون قرآن کریم سے نقل کئے ہیں اور ترجمہ حضرت تھانویؒ کا نقل کیا

ہے تاکہ بقول مولف مذکور کے فرتی ثانی پر اتمامِ حجت ہو ہم ان آیات اور ان کے ترجمہ کا خلاصہ بیان کرتے ہیں جس کے پاس کتاب کا علم تھا، اس نے کہا کہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے وہ (نخت) تیرے سامنے لا کر کھڑا کر سکتا ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ میں نہا سے رب کا چھپا ہوا ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باذن اللہ تعالیٰ مٹی کی چڑیاں بنا کر ان میں چھونک کر اڑا دینے مردوں کو زندہ کرنے مادرِ زاد اندھوں کو بینا کر دینے اور جذام والے کو اچھا کر دینے کا تذکرہ کیا ہے (محملہ) ۳۔ ان بالا آیات میں افعال غیر عادیہ کی نسبت مخلوق کی طرف کی گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ عام افعال کی طرح معجزات اور کرامات کے ساتھ دو قدریں متعلق ہوتی ہیں۔ ایک انبیاء اور اولیاء کی قدرتِ لمجاظ کسب کے اور ایک اللہ کی قدرتِ بحجت خلق اور ایجاد کے پس نبی علیہ السلام کا دم کرنا، انگلی سے اشارہ کرنا، دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا یہ کسب ہے اور اللہ تعالیٰ کا تکلیف دہ کرنا چاند شوق کو دینا سوچ پلٹا دینا یہ خلق ہے اور ان افعال کی نسبت نبی علیہ السلام کی طرف لمجاظ کسب ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لمجاظ خلق ہے اور جس طرح عوام بشر کی قدرت اختیار میں افعال عادیہ ہوتے ہیں اسی طرح وہی بشر اور اولیاء اللہ کی قدرت میں افعال غیر عادیہ ہوتے ہیں سرفراز صاحب کا صرف اور عادیہ میں بندوں سے استعانت جائز رکھنا علمی بے مائیگی اور بصیرت محرومی کے سوا کچھ نہیں ہے (محملہ)

الجواب: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولف مذکور کو کتب کلام و عقائد اور مخبر علماء کی کتابیں پڑھنے اور دیکھنے کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوئی ورنہ وہ اس قسم کی غلط باتیں مبرگز نہ کہنے اور نہ غیر متعلق امور کا تذکرہ کر کے عوام کو مغالطہ میں مبتلا کرے ہم ترتیب سے ان کے مغالطات کا رد کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ اہل حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے معجزہ ہو یا کرامت امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اس میں نہ تو اختلاف ہے اور نہ اختلاف کی کوئی گنجائش ہے لیکن معجزہ اور کرامت میں باوجود اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خلق سے صادر ہوتے ہیں نبی اور ولی کا اختیار نہیں ہوتا۔

بخلاف امور عادیہ کے کہ ان میں بندے کا اختیار ہوتا ہے بالفاظ دیگر معجزہ اور کرامت میں کسب بھی نہیں ہوتا اور باقی افعال میں کسب ہوتا ہے مولف مذکور کا یہ کہنا کہ مخی معجزہ کو خدا تعالیٰ کا فعل کہہ کر دھوکہ دی کے ترکیب ہیں یا افعال عادیہ اور غیر عادیہ میں خلق اور کسب کے لحاظ سے تفریق کرنا بجا نہ ہے۔ خالص جہالت اور بصیرت سے محرومی کی واضح ترین نشانی اور علامت ہے۔ علامہ آمدیؒ وغیرہ نے عقلی اور فنی طور پر صرف علمی انداز میں ہل بیتصور کے جملہ سے یہ بحث تو نقل کی ہے کہ کیا اس کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ معجزہ مقدور رسول ہے یا نہیں! ایک گروہ اس کو مقدور کہتا ہے اور دوسرا منکر ہے لیکن یہ صرف تصوری۔ امکانی اور علمی بحث ہے۔ معجزہ کی تعریف میں وہ بنیادی طور پر یہ تحریر فرماتے ہیں کہ معجزہ کی ساسات شریلیں ہیں۔

الاول ان يكون فعل الله تعالى او ما يقوم مقامه من التروك (شرح العقائد العنصرية للدواني ج ۹۵ وشرح المعانف ص ۶۹ طبع لکھنؤ) اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوا کہ معجزہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے اس میں کسی اور کا دخل یا کل نہیں ہوتا قاضی عیاضؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) معجزہ کی بحث کرتے ہوئے اور اس کی مثالیں بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں۔

مما لا يمكن ان يفعلہ احد الا الله تعالى فيكون ذلك على يد النبي من فعل الله تعالى (شفاعت طبع مصر) معجزہ ایک ایسی چیز ہے کہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اس کو کوئی اور کر سکے گوہی کہ ناقد پر صادر ہوتا ہے مگر وہ فعل اللہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے۔

اور اس کی شرح فتح الصفا میں ہے۔
قال المتكلمون وتختص المعجزه بكونها
حضرات متکلمینؒ فرماتے ہیں کہ معجزہ خصوصیت کے

فعل الله تعالى وليست داخله تحت قدرة البشر اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) معجزہ پر طویل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بلکہ اس مبنی است بر آنکہ معجزہ فعل نبی نیست بلکہ فعل خدائے تعالیٰ است کہ بر دست وے الہامانودہ بخلاف افعال دیگر کہ کسب میں از بندہ است و خلق از خدا تعالیٰ و در معجزہ کسب نیز از بندہ نیست (مدارج النبوة ج ۲ ص ۱۱ طبع ناصری دہلی) بلکہ یہ اس بات پر مبنی ہے کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو اس نے نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا بخلاف دیگر افعال کے کہ ان میں کسب بندہ سے ہے اور خلق خدا تعالیٰ سے اور معجزہ میں کسب بھی بندہ سے نہیں ہے۔

اور نیز وہ لکھتے ہیں۔
معجزہ ذکر امت فعل خدا تعالیٰ است کہ ظاہری گرد برد دست بندہ جہت تصدیق و تکویم سے نہ فعل بندہ است کہ صادر می گردد بقصد اختیار او مثل سائر افعال (ترجمہ فتوح الغیب ص ۲) کہ معجزہ اور ذکر امت خدا تعالیٰ کا فعل ہے جو بندہ کی تصدیق و تکویم کے طور پر بندہ کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے یہ بندے کا فعل نہیں ہوتا جو دیگر افعال کی طرح اس کے قصد و اختیار سے صادر ہو۔

مولف مذکور دیگر حوالوں کو عموماً اور حضرت شیخ عبدالحق صاحب کے حوالوں کو خصوصاً بار بار دیکھیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں؟ اور کیا معجزہ کو اللہ تعالیٰ کا فعل کہہ کر دھوکہ نہ دی کا بے بنیاد الزام ہم پر ہی عائد ہوتا ہے یا حضرات متکلمینؒ اور حضرت شیخ عبدالحق صاحب کو بھی اس سے بچھ حصہ ملے گا؟ مولف مذکور کو رعایت اور مصلحت سے بالاتر ہو کر ضرور کچھ کہنا پڑے گا مگر ہو یا معنی کیونکہ یہ

صاحب الفاظ کو دفتر سے بھی سبیری نہیں صاحب معنی کو بس اک لفظ کافی ہو گیا!

ہم اس سے زیادہ یہاں کچھ نہیں کہنا چاہتے اس لئے کہ بفضلہ تعالیٰ ہم نے اپنی راہ ہدایت میں احیاء العلوم مفہومین خلدوں مسایرة و مسامرة نہافت الفلاسفہ رشذہ اور تفہیمات الجلیہ وغیرہ کتابوں سے باحوالہ مبسوط بحث کر دی ہے وہ اسی میں ملاحظہ کر لی جائے۔

الغرض یہ بات طے شدہ ہے کہ معجزہ اور کرامت کا حکم ایک ہی ہے وہ یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور وہی ہیں اور وہ نبی اور ولی کا فعل نہیں اور نہ وہ کسی اور اختیار میں مندرجہ بالا حوالوں میں یہی تحقیقت بالکل عیاں کی گئی ہے اگر مؤلف مذکور کو ان سے تسلی اور اطمینان نہیں تو ہم ان کو ان حوالوں کے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کرتے کہ بحمد اللہ تعالیٰ ہم علمی میدان میں بڑے وسیع الصدہیں حق بات کو دلیل اور برہان تسلیم کرتے اور کرتے ہیں سینہ زوری سے کام نہیں لیتے ہم ان کی تسلی کے لئے ان اعلیٰ حضرت کا سر دست ایک حوالہ عرض کرتے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

عرض کسی کی کرامت کسی بھی ہوتی ہے ؟

ادشاد۔ کرامت سب کی وہی ہوتی ہے اور وہ جو کسب سے حاصل ہو عیاں ہو کا نماشا ہے لوگوں کو دھوکہ دینا ہے (ملفوظات حصہ چہارم ص ۱۷۱) یونانیٹڈ انڈیا لکھنؤ مؤلف مذکور ہی انصاف سے فرمائیں کہ ہم کنگار کرامت کو وہی تسلیم کر کے اس کو کرامت تسلیم کریں یا کسی اور اختیار سے تسلیم کر کے اس کو بھان متی کا نماشا مانیں اور کیا (معجزہ کی طرح) کرامت کو وہی تسلیم کر کے حقیقت پسندی کا ثبوت دیں یا کسی مل کر لوگوں کو دھوکہ دیں ؟ آپ نے تو یہ کہا ہے کہ معجزہ کو خدا کا فعل کہنا محض دھوکہ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں ؟ اور آپ کے اعلیٰ حضرت یہ فرماتے ہیں کہ کرامت کو کسی کہنا دھوکہ ہے اب فرمائیں کہ دھوکہ باز کون ہے ؟ حجاب کی ضرورت نہیں رہا آپ محرم راز ہے فرمائیے بات آپ کی صحیح ہے یا آپ کے اعلیٰ حضرت کی، کچھ تو کتب فرمائیے ؟ تیری دعا ہے کہ ہوتی سیدی ارتدہ پوری میری دعا ہے تیری آرزو بدل جائے !

۲۔ افعال غیر عادیہ میں بندوں کی طرف نسبت سے آپ کی کیا مراد ہے ؟ اگر یہ مراد ہے کہ ان کے ہاتھ پر وہ افعال صادر ہوتے ہیں تو اس کا کون منکر ہے ؟ اور اگر یہ مراد ہے کہ معجزہ اور کرامت وغیرہ افعال غیر عادیہ میں مخلوق کا دخل ہوتا ہے اور یہ ان کسب و اختیار سے صادر ہوتے ہیں تو باحوالہ گذر چکا ہے کہ یہ نظریہ قطعاً غلط ہے اور جو تین مضمون آپ نے اپنے اس غلط دعویٰ کے اثبات پر قرآن کریم سے پیش کئے ہیں ان سے آپ کا مدعی ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

۱۔ اس لئے کہ مشہور قول کی بناء پر یقین کا نعت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ان کا وزیر حضرت آصف بن برخیا لایا تھا اور خود مؤلف مذکور نے ص ۱۱۱ میں یہ لکھ کر اس کو تسلیم کیا ہے کہ قول مشہور یہی ہے انتہی یہ واقعہ ایک قول کے رُو سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ اور دوسرے کے رُو سے ان کے مومن صحابی اور وزیر کی کرامت ہے اور کرامت درحقیقت نبی کا معجزہ ہوتا ہے جو ان کی پیروی میں حاصل ہوتی ہے اور یہ گذر چکا ہے کہ معجزہ اور کرامت کسی اور اختیار سے نہیں ہوتے اس لئے آپ کو مفید نہیں اور

دوم اس لئے کہ خود اس آنے والے فرشتے کی تصریح ہے اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلٌ کَرِيْمٌ (الے مریم) میں تو تیرے رب کا فرستادہ۔ سفیر۔ قاصد اور ڈاکا ہوں، اور قاصد اور ڈاکا ان خود کچھ نہیں دیا کرتا وہی کچھ حوالے کیا کرتا ہے جو اس کو پیچھے سے ملا ہوتا ہے اس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا کام صرف اتنا تھا کہ انہوں نے حضرت مریم کو ابشارت دی اور بتیغیر آپ کے صدر الافاضل کے جبریل نے ان کے گہریاں میں یا آستین میں یا دامن میں یا منہ میں دم کیا اور وہ یقیناً الہی فی الحال حاملہ ہو گئیں ۴۲ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف اس امر کی نسبت صرف اس معنی میں ہے کہ یہ فعل ان کے ہاتھ پر صادر ہوا جس کو حضرت جبرائیل یا حضرت مریم علیہما السلام کی کرامت سے اگر تعبیر کر دیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہوگا لیکن عمل غفل اس کا روائی میں قدر الہی ہی کا تھا لہذا یہ واقعہ بھی آپ کو سود مند نہیں ہے یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہا السلام کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سنائی تھی چنانچہ ارشاد ہے۔

اذْ قَالَتْ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ جَب فرشتوں نے مریم سے کہا اے مریم اللہ جِبیشْرُکٍ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُہُ نچھ بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک الْعِيسٰی عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ الْاٰیۃ کلمہ کی جس کا نام عیسیٰ بن مریم ہے۔

(پ، ال عمران - ۱۵)

علاوہ انہیں جو کام اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سپرد کئے ہیں وہ ماتحت الاسباب ہیں مافوق الاسباب نہیں چنانچہ آپ کے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں "اللہ اکبر حاکم حقیقی عز وجل لا پاک ہے اس سے کہ کسی سے توسل کرے، وہی اکبر حاکم اکبر خالق اکبر تدبیر امور پر مقرر فرمایا ہے قال تعالیٰ قَالُمَا لَیْسَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُ عَالَمٌ اَسَابِیۡۃٌ مِّیۡنَ سَبَاسِیۡۃٍ اِسْمُہُ سب اس لئے کہ یہ جتنے واقعات مذکور ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں اور پہلے یا حوالہ عرض کیا جا چکا ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اس میں نبی کا کسب اور دخل نہیں ہوتا۔"

الغرض اس واقعہ سے افعال غیر عادیہ اور مافوق الاسباب امور کو مخلوق کی طرف نسبت کر کے ان میں ان کا اختیار ثابت کرنا پھر اس سلسلہ میں ان سے استعانت کا جواز ثابت کرنا جیسا کہ مولف مذکور کا زعم باطل ہے ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور سب اس لئے کہ یہ جتنے واقعات مذکور ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں اور پہلے یا حوالہ عرض کیا جا چکا ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اس میں نبی کا کسب اور دخل نہیں ہوتا۔

۳- ان آیات میں افعال کی نسبت مخلوق کی طرف صرف اس لئے کی گئی ہے کہ یہ امور اس کے ہاتھ پر صادر ہوئے ہیں نہ اس لئے کہ ان افعال میں مخلوق کا کوئی کسب اور دخل ہے جیسا کہ مولف مذکور کا زعم باطل ہے رہا ان کا یہ کہنا کہ معجزہ اور کرامت میں کسب نبی اور ولی کا ہوتا ہے اور خلق خدا کی ہوتی ہے اور نیز یہ لکھنا کہ خواں بشر کی قدرت افعال غیر عادیہ میں ہوتی ہے لہذا ان سے استعانت درست ہے قطعاً

باطل اور سراسر مردود ہے کہ کلمہ بلاشبہ دم کے لئے نبی کا پھونک مارنا اور دعائے لئے ہاتھ اٹھانا اور شفق قمر کے لئے انگلی مبارک کا اشارہ کرنا یہ کسب ہے لیکن معجزہ ملن امور کا نام نہیں ہے معجزہ دم کے بعد اس کے نتیجہ میں بیمار کو شفا کا حاصل ہو جانا، اور اسی طرح دعا کے بعد تکلیف کا رفع ہو جانا اور انگلی مبارک سے اشارہ کرنے کے بعد چاند کا شفق ہو جانا ہے اور یہ امور کسب بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیار میں نہ تھے یہ صرف اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں جو آپ کے ہاتھ پر صادر ہوئے اللہ تعالیٰ مؤلف مذکور کو فہم و بصیرت عطا فرمائے تاکہ وہ بات کو سمجھ سکیں اور غلط بحث کا از تکاب نہ کریں مؤلف مذکور خود بھی دعا کریں کہ وہ حقیقت آشنا ہو جائیں۔

تمری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی !!
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے

سرفراز صاحب کی بحث شرک میں پہلی غلطی مؤلف مذکور نے یہ عنوان قائم کر کے آگے جو چھ لکھا ہے اس کا نہایت اختصار کے ساتھ خلاصہ یہ ہے۔

۱- سرفراز صاحب ماتحت الاسباب اور ظاہری استعانت کے جواز کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ عادیہ بندے کے اختیار میں ہونے میں بس اختیار سے کیا مراد ہے؟ اگر علی وجہ الایجاد ہے تو یہ شرک ہے اور اگر علی وجہ الکسب ہے تو یہ کسب اختیار امور غیر عادیہ میں بھی ہوتا ہے تو پھر ان میں استعانت کیوں شرک اور ناجائز ہے۔

۲- مافوق الاسباب امور میں استعانت کا قرآن کریم سے ثبوت ہے سورہ نمل میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار والوں سے فرمایا تم میں سے کون بلقیس کا تخت مجھے لا کر دیتا ہے چنانچہ وہ تخت بالاخر لا کر ان کے سامنے رکھ دیا گیا اگر مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت شرک ہے تو کیا اس فتویٰ کی زور براہ راست حضرت سلیمان علیہ السلام پر پڑتی ہے یا نہیں؟ کیا قرون ثلاثہ میں انبیاء علیہم السلام کو مشرک قرار دیا جاتا تھا؟ (معاذ اللہ تعالیٰ) میں اپنے ہم مسلک علماء سے عرض کرتا ہوں کہ وہ ان لوگوں کے مشرک قرار دینے کے حکم پر مضبوط رہیں کیونکہ وہ تو

حضرت انبیاء علیہم السلام کو بھی مشرک قرار دینے سے نہیں چوکتے یشیہ نہ ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خادم سے یہ کام کیوں لیا؟

اولاً: جواب یہ ہے تاکہ ان کو خدمت کا موقع اور شرف نصرت عطا ہو۔
ثانیاً: جب خدمت کی طاعت اور وسعت اختیار کا یہ عالم ہے تو اُف کی شان کا کیا عالم ہوگا؟
ثالثاً: اس میں اشارہ ہے کہ اُمور مافوق الاسباب میں استغناات جائز ہے۔
ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایسا مطالبہ نہ کرتے۔

وربعاً: اس میں اشارہ ہے کہ مافوق الاسباب امور میں تصرف صرف انبیاء کریم علیہم السلام سے مختص نہیں بلکہ کرم الہی سے یہ تصرفات اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہیں اس کے بعد انہوں نے شرح عقائد ص ۲۲ سے علامہ نسفیؒ اور علامہ نقی زاتیؒ کا حوالہ نقل کیا ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں مثلاً مسافت بعید کا مدت قلیل میں طے کر لینا اور اصف بن برخیا کا تخت بلقیس کو پیک چھپکنے میں لے آنا۔

۳۔ اگر سرفراز صاحب کو یہ شبہ ہو کہ یہ تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا واقعہ ہے پس ہمارے لئے یہ کیسے حجت ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر انکار کے کوئی واقعہ بیان فرمائیں تو اس کے حجت ہونے میں رتی بھر شک نہیں اقرار ص ۱ میں ہے کہ شرائع سابقہ کو جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بغیر انکار کے بیان فرمائیں تو وہ ہمارے لئے حجت ہے جیسا کہ آیات التفسیر بالتفسیر میں قصاص کا حکم جب اسرائیلی اولیاء کو مافوق الاسباب امور پر قدرت ہے تو اس امت کے اولیاء کو یہ اعزاز کیوں حاصل نہیں جب کہ خیر امت کا ناج اس امت کے سر پر رکھا گیا ہے اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ جب مافوق الاسباب امور میں استغناات شرک ہے تو انبیاء کرام اس شرک کو کیوں کرتے رہے؟ اللہ تعالیٰ نے بلا انکار اس کا ذکر کیوں کیا؟ اور حضرت سلیمان کی اس استغناات پر مواخذہ کیوں نہیں ہوا؟ آپ کا خدا تعالیٰ پر کیا فتویٰ ہے کہ اس نے خالص شرک کی تابعداری نہ محاذ اللہ تعالیٰ

۴۔ یہ تو مافوق الاسباب امور میں زندوں سے استغناات تھی اب ہم ان سے استغناات کا ثبوت پیش کرتے ہیں جن کو سرفراز صاحب زندہ نہیں سمجھنے مشکوٰۃ ص ۵۲ میں دارمی کے حوالہ سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ میں سخت فحط پڑ گیا، تو لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کو دیکھ کر اس کے مقابل آسمان کی جانب سوراخ کر دو کہ قبر مبارک اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا تو خوب بارش ہوئی بیاتقہ نشر الطیب ص ۳۰ میں بھی نقل کیا گیا ہے سوال یہ ہے کہ لوگ حضرت عائشہؓ کے پاس شکایت لے کر کیوں گئے؟ براہ راست خدا سے دعا کیوں نہ کی؟ اگر لوگوں نے یہ شرک کر ہی لیا تھا تو حضرت عائشہؓ ان کو نماز استغفار کا حکم دیتیں جو مرجع طریقہ تھا، سرفراز صاحب کے نزدیک اس خود ساختہ شرک کا حکم کیوں دیا؟ اور جن کو حکم دیا تھا وہ صحابہؓ اور تابعینؓ تھے انہوں نے حضرت عائشہؓ کی اصلاح کیوں نہ کی کیونکہ امام المومنینؒ نے اس امر کو نبی یا مافوق الاسباب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر سے استغناات کی ہے اور آپؐ موزون نبیہؐ اور مافوق الاسباب امور میں استغناات کو شرک کہتے ہیں؟ تو آپ کا امام المومنینؒ اور انہوں نے قدسیہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ شامیؒ کی عبارت سے بھی مافوق الاسباب امور میں استغناات کا حوازا ثابت ہے چنانچہ وہ ص ۱۵۵ میں لکھتے ہیں کہ حضرت معروفؒ نے عظیم مشائخ میں سے تھے مجاہد الدعوات تھے اور ان کی قبر سے بارش طلب کی جاتی تھی ان کی وفات دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہے بریلویوں کو قبر پرستی کا طعنہ دینے والے دیدارِ غیرت سے اس عبارت کو پڑھیں اور غور کریں کہ قبر کے نزدیک دعا مانگنے سے بارش کا حاصل ہو جانا سبب عادی ہے یا غیر عادی اگر سبب عادی ہے تو ہر قبر کے پاس دعا مانگنے سے بارش نہیں ہوتی اور معروفؒ کی قبر کے پاس دعا مانگنے کی کیا خصوصیت باقی رہی؟ اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اپنی حاجات اور مشکلات میں قبر پر جا کر دعا مانگنا اور صاحب قبر کو وسیلہ بنانا یہ عہد صحابہؓ تابعینؓ اور اتباع ابی حنیفہؒ کے معمول ہیں یا جو دھوس صدی کی بدعت ہے؟ اگر کوئی چیز بدعت ہے تو مافوق الاسباب یا تحت الاسباب امور میں فتیٰ کرنا ہے اور نہ فارسیہ اور انکار

کرناسے۔ اور کمالات انبیاء سے عناد ہے۔ اسباب شرک میں زمان و مکان کا فرق کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے امکان کذب کا عقیدہ ایجاد کرنا ہے (محصلاً ص ۱۶۹)
الجواب: ہم نے مولف مذکور کے دلائل اور حوالوں کا مکمل خاکہ نہایت اختصار کے ساتھ انہی کے اکثر الفاظ میں عرض کر دیا ہے کیونکہ نہ
سُن تو سہی کہ غیب سے آتی ہے کیا صدا
الفاظ خود دکھائیں گے گرمی سے بول کر

اب آپ ہر شق کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔
۱۔ پہلے تفصیل سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ مافوق الاسباب اور غیر عادی امور میں جن کو معجزات اور کرامات سے تعبیر کیا جاتا ہے مخلوق کا نہ تو کسب ہوتا ہے اور نہ بس و اختیار یہ امور محض اللہ تعالیٰ کے افعال ہوتے ہیں جو مخلوق کے ہاتھ پر صادر ہوتے ہیں مولف مذکور کا یہ کہنا کہ ان میں مخلوق کا کسب اختیار ہوتا ہے سراسر باطل ہے جب یہ امور ان کے بس کا روگ ہی نہیں تو ان میں مخلوق سے استعانت شرک بھی ہے اور ناجائز بھی ہے اس کو شرک نہ کہنا اور جائز نہ مٹا کر نادانی ہے۔

۲۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بقیس کے تخت کا فوراً حاضر کر دیا جانا مشہور قول کی بنا پر حضرت آصف بن برخیا کی کرامت تھی اور ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتا ہے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی تحریر فرماتے ہیں یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا۔ اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لئے حضرت سلیمان پر بھی شکر گزاری عائد ہوتی (ص ۲۹۲) اور آپ کے صدر الافاضل لکھتے ہیں۔ اس سے آپ کا مدعا یہ تھا کہ اس کا تخت حاضر کر کے اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اپنی نبوت پر دلالت کرنے والا معجزہ دکھادیں (ص ۲۹۲) جب یہ کاروائی کرامت اور معجزہ ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اس میں مخلوق کا کوئی بس اور اختیار نہیں ہوتا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے درباریوں سے یہ فرمانا کہ تم میں

کون ہے کہ وہ اُس کا تخت میرے پاس لے آئے الخ مولف مذکور نے اس جملے سے استدلال و استعانت سمجھ رکھی ہے ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایسا فرمانا ایک حیرت انگیز چیز کی طرف محض توجہ لانا ہو جو عنقریب وقوع پذیر ہونے والی تھی یا اپنے ان درباریوں کا ایک گونا گونا امتحان لینا ہو اور وہ تخت خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کی فائز کی برکت سے آگیا ہو لہذا اس کاروائی میں غیر سے استدلال و استعانت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا آخر ایک تفسیر یہ بھی تو ہے اس کو آپ کیوں نہیں لے لیتے کہ ہینک لگے نہ پھٹکڑی اگر آپ کو ہماری بات پر یقین نہیں آتا تو نہ کریں اپنے صدر الافاضل ہی کی تفسیر سُن لیں وہ لکھتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا لا وعاشر کرؤ اصف نے عرض کیا آپ نبی ابن نبی ہیں اور جو رتبہ بارگاہ الہی میں آپ کو حاصل ہے یہاں کس کو میسر ہے؟ آپ دعا کریں تو وہ آپ کے پاس ہی ہوگا۔ آپ نے فرمایا تم سب کہتے ہو اور دعا کی اُسی وقت تخت زمین کے نیچے نیچے چل کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے قریب نمودار ہوا انتہی (بلفظہ ص ۵۵)

یہ ہے اب تو قصہ ہی طے ہو گیا کہ یہ ساری کاروائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی اپنی دعا کی برکت سے ہوئی اور دعا قبول کرنا صرف خدا تعالیٰ ہے مخلوق کا کوئی فرد نہیں لہذا اس واقعہ کو مخلوق سے مافوق الاسباب امور میں استعانت طلب کرنے کی مد میں ذکر کرنا کھلی جہالت ہے اور اگر کرامت کے طور پر ان سے تخت منگوانے کا مطالبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا ہے جیسا کہ مشہور ہے تو اس لئے نہیں کہ کرامت کسب و اختیار کی چیز ہوتی ہے بس اس لئے کہ ہمارا یہ رفیق رجوع الی اللہ کرے گا یا اسم اعظم کی برکت سے دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر یہ کاروائی صادر فرمادے گا۔ آپ کے صدر الافاضل لکھتے ہیں آپ کے وزیر آصف بن برخیا جو اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جانتے تھے بلفظہ (ص ۵۵)

الغرض یہاں مافوق الامر میں استدلال و استعانت اُس مد کی نہیں جس کے اثبات کے مولف مذکور درجے ہیں کہ مافوق الاسباب امور میں بھی مخلوق کا کسب و اختیار

ہونا ہے جب البسا نہیں ہے تو نہ تو اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام پر کوئی
قوتی لگتا ہے اور نہ ان پر کوئی زندا آتی ہے اور نہ خیر القرون والوں کو اس سلسلہ میں
کچھ کہنے کی ضرورت تھی خواہ مخواہ خیر القرون مشہور دہا بالآخر کا ذکر کر کے اپنے ناخواندہ
واپلوں کو خوش نہ کریں اور نہ عوام کو دھوکہ دیں ہاں اپنے آپ کو اپنی جماعت کے علماء
کو شرک ترک کرنے کی ضرورت یقین کریں اور مشورہ دیں کیونکہ وہ شرک کے دلدل سے کسی
طرح نکلنے پر آمادہ نہیں اور نہ اس نونا فوسے کے چکر سے ان کے لئے نکلنا مقدر
ہے آخر قول: مَا تَوَلَّى ارشاد خداوندی ہی تو ہے باقی شبہ کو حل کرنے کے لئے
مؤلف مذکور نے جو نکات بیان کئے ہیں تو وہ بالکل بے سود ہیں۔

اول اور دوم تو اس لئے کہ ایک تفسیر کی رو سے یہاں خدام سے خدمت لینے
کی نوبت ہی نہیں آئی اور نہ کرامت میں مخلوق کی قدرت اور وسعت اختیار کا کوئی
دلیل ہونا ہے کما مگر اور

سوم اور چہارم اس لئے کہ نہ تو مافوق الاسباب امور میں مخلوق سے استعانت
عائز ہے اور نہ یہ امور ان کے بس و اختیار میں ہونے میں مفصل بحث پہلے گذر
چکی ہے۔ باقی علامہ نسفیؒ اور علامہ نقشبانیؒ کے حوالے علی الرأس والعین ہمارے
دعا کے بالکل مطابق ہیں ہم کرامت کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس کے خرق
عادت ہونے کو بھی۔ مؤلف مذکور نے جو کچھ کہا ہے صرف بے سمجھی میں کہا ہے
ہماری دعا اور آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ دے مگر

آرزو دنیا میں کب تکی اولوالابصار کی
چشم موسیٰ کو بھی حسرت رہ گئی دیدار کی

۳۔ ہم اس بات کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں کہ پہلی شریعتوں کا کوئی حکم اگر قرآن مجید
اور حدیث شریف میں بلا تکثیر بیان کیا گیا ہو تو وہ ہمارے لئے حجت ہے ہذا فقرہ کا فقدان
حوالہ فضول بھرتی ہے حوالہ کی دیاں ضرورت ہوتی ہے جہاں کوئی منکر ہو یا جماس
کے صاف منکر ہیں کہ نبی اسرائیل کے اولیاء کو مافوق الاسباب امور پر قدرت تھی اور اس

کے بھی بادل منکر ہیں (جن میں سے بعض پہلے گزر چکے ہیں) کہ اس امت کے اولیاء
کرام کو مافوق الاسباب امور پر قدرت حاصل ہے اس امت مرحومہ کے سر پر خیر الانام
کا تاج اس بے بنیاد وجہ سے نہیں رکھا گیا اس کے وجہ اور میں جن میں ایک نام
نص قطعی میں منصوص ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جب مافوق الاسباب
امور میں مخلوق کا سرے سے کوئی دخل ہی نہیں تو ان امور میں ان سے استعانت
کا کیا معنی؟ اور جب حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کبھی شرک کیا ہی
نہیں تو سرفراز سے پوچھنے کا کیا مطلب ہے؟ جب حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
والسلام نے غیر اللہ سے مافوق الاسباب استعانت کی ہی نہیں (کیونکہ یہ امور
مخلوق کے بس و اختیار ہی میں نہیں ہیں کما مگر لہذا ان سے استعانت کا کیا معنی)
تو ان پر فتویٰ لگانے یا اللہ تعالیٰ پر تنزیہ لگانے کا (معاذ اللہ تعالیٰ) مطالبہ مستلکون
یا شعبہ بازوں کی بے نیکی اور بے ربط باتوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

نہیں ہے علم ان میں جہل کی مستی کا جھگڑا ہے
یہ باتیں غیر ثابت ہیں زبردستی کا جھگڑا ہے!

۴۔ مؤلف مذکور نے غم خویشی زندوں سے مافوق الاسباب استعانت کو ثابت کرچکے
جس کا احتیاط ملاحظہ کرچکے ہیں اب تصویر کا دوسرا رخ وہ یوں اختیار کرتے ہیں
اور یوں گویا ہیں کہ اب ہم ان سے استدلال کا ثبوت پیش کرتے ہیں جن کو سرفراز صاحب
زندہ نہیں سمجھتے۔ اس کا جواب ہم اس کے سوا اور کچھ نہیں عرض کرتے کہ لعنة الله
على الكاذبين راقم الحروف نے تسکین الصدود میں دلائل قاہرہ سے یہ بات
ثابت کی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ
ہیں اور قبر و برزخ میں سب سے اعلیٰ اور ارفع زندگی ہی ان حضرات کی ہے اور اسی
طرح شہداء اور مؤمنین بلکہ کفار اور عصاة بھی درجہ بدرجہ قبروں میں زندہ ہیں لہذا سرفراز
پر یہ الزام لگانا کہ وہ ان کو زندہ نہیں سمجھتا خالص جھوٹا زناہنناں اور خض افترا ہے
اور اس بات کی بھی راقم الحروف تسکین الصدود میں جو پہلی بار ۱۳۸۸ھ میں طبع ہوئی

ہے اور توضیح البیان کی سن طباعت ۱۳۸۹ھ ہے) باحوالہ نصرت کر چکا ہے کہ سند توسل
حق اور صحیح ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس اپنے طلب
سفارش کرنا جائز اور درست ہے اور فتاویٰ زبیدیہ وغیرہ کی صریح عبارات اس پر
بیش کی گئی ہیں اور طبع دوم میں مزید تشریح موجود ہے۔ لہذا دارمی کی روایت کے
بیش نظر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے توسل جس میں آپ مدفون
آرام فرما ہیں بالکل بجا ہے البتہ عند القبر بطور دعا اور اس کا روائی کے ذریعہ نزول باران
کے توسل کو آموزگوینہ اور مافوق الاسباب امور سے تعبیر کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے
کہا ہے نرا جہل مرکب ہے کیونکہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کو وہ خود بھی کسب اور ماتحت
الاسباب مانتے ہیں کما مژ اور اس کا روائی کی وجہ سے نہ تو حضرت عائشہ پر کوئی
فتویٰ لگتا ہے اور نہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ پر کیونکہ یہ کاروائی غائبانہ تھی بلکہ
قبر کے پاس ہوئی تھی اور بطور توسل تھی اور قیند متین ص ۳۳ میں کسی زندہ کے بعد اور پاس ہی
موجود شخص سے ہماری مراد یہی ہے کہ قریب ہو لیجید نہ ہو۔ اسی طرح شامی رح کا حوالہ
بھی ہرگز ہمارے خلاف نہیں ہے ہاں اس کو مافوق الاسباب کہنا جیسا کہ مؤلف مذکور
نے کہا ہے علم سے بیخبری پر مبنی ہے کیونکہ حضرت معروفؓ کرخیؓ حجاب الدعوات تھے
اور ان کی قبر کے پاس ان سے بذریعہ توسل و دعا وہی سے یہ کاروائی ہوتی تھی عند القبر
حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور عام اموات
کے سماع میں اختلاف ہے جو حضرات سماع موتی کے قائل ہیں وہ ایسی دعا کے بھی
قائل ہیں تسکین الصدود میں اس کی باحوالہ بحث موجود ہے۔ اس کو دھینگا مٹشتی
مافوق الاسباب قرار دینا کونسی دیانت ہے؟ اور مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ بریلویوں کو
قبر پرستی کا طعنہ دینے والے اس عبارت کو بغور پڑھیں ان سو گزارش ہے کہ ایسی صاف
عبارت کو بغور پڑھنے کی حاجت ہی نہیں ہے غلور و ماں کیا جاتا ہے جو بات مشکل ہو
معاف فرما نا بریلویوں پر جن کے آپ کھل ہیں اور آپ پر قبر پرستی کا طعنہ بدستور باقی ہے
وہ اس طرح کتاب خود لکھتے ہیں کہ مافوق الاسباب امور میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام

علیہم السلام کو قدرت و اختیار حاصل ہے اور معجزہ و کرامت ان کے کسی افعال ہیں اور
قبر کے پاس دعا کو آپ مافوق الاسباب امر کہتے ہیں لہذا آپ اور آپ کے ہم مسلک بریلوی
حضرات جب قبر سے ایسی کاروائی کریں گے اور کرتے ہیں تو اس میں خدائی اختیار
مخلوق کے لئے ثابت کرتے اور کریں گے یہی نثرک ہے اور قبر پرستی کا طعنہ آپ پر
بدستور باقی ہے بخلاف اہل حق کے جو سماع موتی کے قائل ہیں وہ عند القبر دعا کو
ماتحت الاسباب امر سمجھتے ہیں لہذا ان پر کوئی طعنہ نہیں ہو سکتا اور ان کے نزدیک
عند القبر دعا امر عادی اور ماتحت الاسباب امر ہے حضرت معروفؓ کرخیؓ کی قبر کی
تخصیص اس لئے ہے کہ وہ حجاب الدعوات بزرگ تھے اور یہ ترجمہ آپ نے خود ثنائی
کے حوالہ سے نقل کیا ہے کیا یہ وجہ تخصیص کافی نہیں ہے؟ افسوس ہے کہ آپ کو
اپنے نقل کئے ہوئے حوالوں کی بھی سمجھ نہیں ہے بحمد اللہ تعالیٰ سرفراز کو توجید و نثرک اور
سنت و بدعت میں فرق سمجھنے کی اہلیت ہے اس کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت
ہی نہیں ہے اس نے تسکین الصدود اور سماع لموتی وغیرہ کتابوں میں باحوالہ بحث
کر ہے کہ عند القبر دعا کرنا اور اس کی مردہ سے التجار کرنا (جو ہماری نسبت نوہ مرقہ
ہے لیکن قبر اور برزخ میں وہ زندہ ہے) اپنی شرائط کے ساتھ قائلین سماع موتی کے
نزدیک جائز اور صحیح ہے اور ان کتابوں میں باحوالہ ہم نے خلافت راشدہ کے دور
سے اس کا اثبات کیا ہے اور جن لوگوں نے اس کو بدعت کہا ہے ان کا خوب د
کیا ہے آپ ذرا اپنے مطالعہ کو وسعت دیں اور راقمی کی دیگر ٹھوس اور مدلل اور علمی
کتابیں بھی ملاحظہ کریں انشاء اللہ العزیز آپ کو ان کتابوں سے بے ہما معلومات
حاصل ہوں گے باقی مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب میں
فرق کرنا بدعت ہے یہ ان کی خالص جہالت ہے قارئین کرام پہلے باحوالہ پڑھ چکے ہیں
کہ ماتحت الاسباب امور میں بندے کا کسب ہوتا ہے مگر مافوق الاسباب امور مثلاً
معجزہ و کرامت وغیرہ میں اس کا کسب نہیں ہوتا اس لئے علمی لحاظ سے اس واضح
حقیقت میں فرق نہ کرنا بدعت ہے جس کے مرتکب مؤلف مذکور ہیں نیز مؤلف مذکور

کتاب لکھنا کہ تصرفات اولیاء کا انکار کرنا اور کمالات انبیاء سے عناد کرنا بدعت ہے تو یہ ان کی کم علی بے شعوری اور قلت تدبر کی واضح دلیل ہے کیونکہ حضرات اولیاء کرام کے لئے مافوق الاسباب تصرفات ہرگز ثابت نہیں اور نہ کرامت وغیرہ ان کے اختیار اور بس اور کسب کی چیز ہے ان کے لئے ایسے تصرفات ثابت کرنا اگر کفر نہیں تو ان کے بدعت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عناد بدعت ہی نہیں خالص کفر ہے مگر بات یہ ہے کہ جس طبقہ کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں اس نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے عناد کب؟ اور کہاں؟ اور کیسے کیا ہے؟ اس کی نشاندہی کریں، انکار ہم بھی کچھ کہنے کے حق میں ہوں اپنے اعلیٰ حضرت کی طرح بلاوجہ دھاتی پردہائی ہرگز نہ دیں ان کی ایسی سب باتیں افتراء اور بے بنیاد ہیں ہم نے ان کے بعض لایعنی شبہات کا محقول جواب عبادات کا جصلہ اول میں دیے دیا ہے مزید کی انتظار فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ بلیغ صاف ہو جائے گی اور کوئی مہمل یعنی کی بھدا اللہ تعالیٰ ہرگز حاجت اور ضرورت پیش نہ آئے گی اسی طرح مؤلف مذکر کا یہ کہنا کہ اسباب شرک میں زمان و مکان کا فرق کرنا اور امکان کذب کا عقیدہ ایجاد کرنا بدعت ہے انشاء اللہ تعالیٰ امکان کذب کی بحث تو اپنے مقام پر آ رہی ہے اس کے بارے میں وہاں ہی کچھ عرض کیا جائے گا باقی اسباب شرک میں زمان و مکان کا فرق ملحوظ نہ رکھنے سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ جیسے قریب سے کسی کو پکارنا جائز ہے اسی طرح بعید سے بھی پکارنا جائز ہے اور جس طرح قریب سے کوئی سنا ہے اسی طرح دور کے مکان اور بعید سے بھی کوئی سنا ہے اور جس طرح زمانہ حال کے مشاہدہ کئے ہوئے حالات کو کوئی دیکھتا اور جانتا ہے اسی طرح وہ آئندہ اور ماضی کے مفصل حالات کو بھی جانتا ہے تو یہ خالص شرک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی قریب و بعید کی پکار کو کیسا نہیں سنا نہ جانتا ہے اور اسی طرح آج اور کل کے حالات کو کیسا اور قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور نہیں جانتا ہی سمیع و بصیر ہے اور وہی ہر زمانہ کی بات کو جانتا ہے حیرانگی ہے کہ مؤلف مذکور کے ذہن سے فصاحت و رچی

فَقَسَّ مَا ذَاكَ كَيْسَ غَدَاكِي نَصِ قَطْعِي كَيْوَلِ اَجَلِ ہو گئی ہے؟ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہم توحید و سنت کی توفیق بخشے۔ علاوہ انہیں اگر شرک کے اسباب میں زمان و مکان کا کوئی فرق نہیں تو مؤلف مذکر ہی بتائیں کہ جس طرح کعبۃ اللہ ایک مکان ہے اور اس کا طواف نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ عبادت ہے کیا اسی طرح روحہ اقدس اور حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبروں کا طواف بھی جائز ہے؟ لیاب المناک اور المناک المتفسط فی المناک المتوسط ص ۳۲ وغیرہ کتابوں میں تو اس کا روانی کو بدعت اور حرام لکھا گیا ہے تو کیا زمان اور مکان کا فرق ہے یا نہیں؟ مستند براں فریق مخالف علم غیب ذاتی اور عطائی اور قدرت بالا استقلال اور عدم استقلال کا فرق کرتا ہے سوال یہ ہے کہ اس فرق کو اگر کیوں ملحوظ رکھا جاتا ہے محض اس لئے کہ اس سے ان کی گاڑی چلتی ہے؟ اگر شرک کے اسباب میں زمان و مکان کا فرق نہیں تو ذاتی و عطائی اور مستقل و غیر مستقل کا فرق کہاں سے آگیا؟ خلاصہ امر یہ ہے کہ جہاں فرق کو ملحوظ رکھنا ہے وہاں اس کو ضرور ملحوظ رکھا جائے گا۔ غالباً ایسے موقع کے لئے کہا گیا ہے کہ ع

گرفرق مراتب نمکینی زندیقی

سرفراز صاحب کی شرک کی بحث میں دوسری غلطی یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے جو کچھ اس کے ذیل میں لکھا ہے اس کا نہایت اختصار کے ساتھ تجزیہ یہ ہے۔ سرفراز صاحب نے شرک کی تعریف میں زندہ اور پاس ہی موجود شخص کی دو قیدی لگائی ہیں اور اس کا فائدہ یہ بتایا ہے کہ فاجیہ خونی بقوع میں وہ امداد نہیں جو شرک کے شیعہ حضرات انبیاء اولیاء اور شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب ان سے اس قسم کی استعانت بہر صورت شرک ہے جس کو مٹانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور شریعت حقہ اس کے لئے وقف ہے ظاہری استعانت سے مطلق استعانت یا مافوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا اور عوام اناس کو مغالطہ دینا جیسا کہ

مولوی نعیم الدین صاحب نے کیا ہے اہل علم کی شان نہیں سرفراز صاحب کی اس عبادت میں کئی طرح کی بحث ہے۔

اَوَّل۔ اعینونی سے جو فاس استغانت ثابت ہے اس کے بارے میں کہنا کہ مطلق استغانت ثابت نہیں علمی افلاس کا اظہار ہے کیونکہ مطلق الشیء یحقق بضررہ۔

دوم: سرفراز صاحب زندہ اور قریب سے ماتحت الاسباب امور میں استغانت کو جائز قرار دیتے ہیں اور میت و بعید اور مافوق الاسباب امور میں استغانت کو شرک قرار دیتے ہیں سوال یہ ہے کہ ماتحت الاسباب امور میں استغانت مطلقاً جائز ہے۔ یا عدم استقلال کے اعتقاد کی حیثیت سے پہلی تقدیر پر لازم آئے گا کہ ماتحت الاسباب امور میں مستغان کو بالذات سمجھ کر استغانت کرے تو جائز ہے ملامت اس کے شرک ہونے میں کسی کو کلام نہیں اور دوسری تقریر پر ثابت ہوا کہ غیر مستقل سمجھ کر استغانت درست ہے ثابت ہوا کہ جواز عدم جواز کا مدار مستغان کو مستقل بالذات سمجھنے پر ہے نہ کہ امور ماتحت الاسباب پر کیونکہ وہ تو شق اول میں بھی موجود ہے اور شرک سے مفر نہیں پس ثابت ہوا کہ شرک تب ہوگا جب مستغان کو مستقل بالذات سمجھ کر استغانت کی جائے خواہ زندہ ہو یا مردہ قریب ہو یا بعید ماتحت الاسباب میں ہو یا فوق الاسباب میں۔

۲۔ اگر ایسا نہ ہو تو لازم آئے گا کہ زندہ سے استغانت جائز اور مردہ سے شرک قریب سے جائز بعید سے شرک زندہ کو سجدہ کیا جائے تو جائز، مردہ کو کرے تو شرک، زندہ کے نام پر جانور ذبح کرے تو جائز، مردہ کے نام پر بھوسہ شرک، زندہ کو خدا کہے تو جائز، مردہ کو کہے تو ناجائز قریب کو مالک ارض و سما کہے تو جائز بعید کو کہے تو شرک قریب کے لئے نماز پڑھے تو جائز بعید کے لئے شرک لاحول ولا قوتہ الا باللہ ان نادانوں کو آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ شرک کس کو کہتے ہیں اور ان کی خود ساختہ توجید نے ان کو شرک کے دلدل میں پھنسا دیا کہ انوں میت اور بعید سے استغانت کو شرک کہہ کر روڑوں زندہ اور قریب افراد کو خدا کا

شرک بنا دیا۔

۳۔ معتقدین کی تعریف کو کیوں اختیار نہ کیا۔ شرح عقائد نسفی ص ۵۶ میں ہے شرک مجوس کی طرح کسی کی الوہیت میں معنی دھوپ وجود کے شرک کرنا ہے یعنی خدا کو کسی کے سوا اللہ اور واجب الوجود اعتقاد کیا جائے (شباباش مؤلف مذکور آپ نے خوب ترجمہ کیا ہے اور اسی کا نام ہے عربی دانی لاحول ولا قوتہ الا باللہ صدقہ) یا بت پرستوں کی طرح کسی کو مستغنی عبادت سمجھا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ جوام شرک ہو اس میں زمان و مکان اور افراد کی تخصیص نہیں ہوا کرنی جو شرک ہے وہ ہر شخص کے لئے شرک ہے ہر وقت شرک ہے جیسے سجدہ عبوت پہلے بھی شرک تھا اب بھی ہے یا جیسے سجدہ زید کو کریں تب شرک ہے مگر کو کریں تب شرک ہے پس زندہ سے استغانت کا جائز ہونا اور مردہ سے استغانت کا شرک ہونا ایک ایسی منطقی ہے جو کسی دیندار اور ہوشمند کی عقل میں نہیں آئے گی۔

۴۔ سرفراز صاحب نے یہ سبق اکابر دیوبند سے سیکھا ہے اس کے بعد مؤلف نے براہین قاطعہ ص ۵۵ کی وہ مشور عبارت پیش کی جو علم محیط زمین النحر سے شروع ہوئی ہے سوال یہ ہے کہ جب علم محیط زمین غیر خدا کے لئے ثابت کرنا شرک ہے تو حضور علیہ السلام کے لئے ثابت کیا جائے تب بھی شرک ہے یہ کو نسا قاعدہ ہے کہ ابلیس کے لئے جائز ہو اور حضور علیہ السلام کے لئے ناجائز کیا اس زعم فاسد میں ابلیس کو خدا کا شرک ماننا جائز ہے؟ اور حضور علیہ السلام کو ناجائز؟ براہین قاطعہ کے مصنف تو جہاں جانا تھا وہاں پہنچ گئے سرفراز صاحب ہی اپنے تمام اعوان و انصار کو ملا کر یہ پیرانا قرضہ جو نصف صدی سے اعلیٰ حضرت کا تمہارے ذمہ ہے چکاویں اور آج تک ذریت دیوبند اس کا جواب نہ دے سکی۔ ہا تھا وہاں انکو ان کتہ صدیقین ۵۔ شرک کی تعریف سرفراز صاحب کے معتمد علیہ شاہ ولی اللہ صاحب نے الفوز الکبیر میں یہ کی ہے کہ شرک یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی صفات مختصہ میں سے کوئی صفت اس کے غیر کے لئے ثابت کی جائے اور خاصہ وہ ہوتا ہے جو اس میں پایا جائے اور غیر میں

نہ پایا جائے سرفراز صاحب کہتے ہیں کہ مردہ اور بعید سے استغاثت شرک ہے کیا خدا
مردہ اور بعید ہے وہ توحی و قیوم اور شاہِ رگ سے کتنی قریب ہے شرح عقائد اور
الفوز الکبیر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ مدارِ شرک تین چیزیں ہیں خدا کے سوا کسی کو واجب
الوجود کہا جائے یا اس کو مستحقِ عبادت سمجھا جائے یا اللہ کی صفات محضہ مثلاً علم ذاتی
ایکجاد اور قدرت و اتیہ میں سے کوئی صفت غیر کے لئے ثابت کی جائے۔ یہ نکات
سرفراز صاحب سے اوچھل رہے ہیں۔

۶۔ تنقید متین میں ہم نے یہ لکھا تھا کہ مشرکین غیر اللہ سے ان کو مستقل سمجھ کر استغاثت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ان کو عون الہی اور امداد الہی کا مظہر سمجھ کر استغاثت کرتے تھے کیونکہ دنیا میں کسی مشرک نے غیر اللہ کو حقیقی مستعان کبھی نہیں سمجھا کہ اسے واجب الوجود درجہ اس نے دیا ہو (محصلاً) مؤلف مذکور اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ مردِ اول اس لئے کہ سرفراز صاحب نے اپنی بے علمی سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ دنیا میں آج تک کسی نے خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود نہیں بنایا حالانکہ ہم شرح عقائد کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں جس عبارت کا صریح منطوق یہ ہے کہ جو س دو واجب الوجود مانتے تھے اور ہر اس ص ۲۶ میں ہے کہ وہ دو الہہ بزدان خالق خیر اور اہل مرئ خالق شر تسلیم کرتے تھے اور تفسیر کبیر میں وجعلوا للہ شواکاء الجن کی تفسیر میں امام ازیٰ لکھتے ہیں کہ بعض مشرکین کا ایک گروہ کو اکب کو واجب الوجود تسلیم کرتا ہے (محصلاً) دوم اس لئے کہ سرفراز صاحب نے عطائی اختیارات مان کر استغاثت کرنے کو بھی شرک قرار دیا ہے اور آگے الفوز الکبیر سے شرک کی تعریف نقل کی کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے کوئی صفت غیر اللہ کے لئے مانی جائے حالانکہ عطائی اختیارات اللہ تعالیٰ کی صفت ہو ہی نہیں سکتی ہم پوچھتے ہیں مخلوق کے اختیارات اتنی ہیں یا عطائی پہلی صورت میں مخلوق خالق پر غالب آجائے گی اور دوسری صورت میں خدا تعالیٰ کے غیر تنہا ہی شرک لازم آئیں گے یہ تو فرض من المطوق نام تخت المیزاب کا مصلحت یہ ہے اہل فوج بندگی تو جید جسے ثابت کرتے ہوئے وہ تمام مسلمانوں کو مشرک بناتے پھرتے ہیں سوم اس لئے کہ مشرکین کی استغاثت اس لئے شرک نہ تھی کہ وہ عطائی اختیارات

۶۸

والوں سے استغاثت کرنے کے لئے جیسا کہ سرگز از صاحب کا نایاب اک اعتقاد ہے بلکہ ان کی استغاثت اس لئے شرک تھی کہ وہ مستغان کو غیر مستقل اور فکین ماننے کے باوجود مستحق عبادت سمجھتے تھے جیسا کہ شرح عقائد کے حوالہ سے گذر چکا ہے اور قرآن کریم میں ہے وَمَا تَعْبُدُوْهُ اِلَّا لِيُقْرِئُوْكَ اِلٰی اللّٰهِ ہم ان بتوں کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ یہ ہم کو اللہ کے قریب کر دیں۔

زلفی

۹۳ میں سرفراز صاحب نے صدر الافاضل کے ذہن کے علم ہستی کی تنقید متین ص ۱۸۷ اور کلمہ کہ وہ ملنگوں کی طرح نشہ میں سرشار ہو کر لکھتے ہیں اور نابھوری کا شکوہ کیا ہے

لیکن سرفراز صاحب کا فم شراب میں ڈوبا ہے پہلے تو وہ مافوق الاسباب استغانت کو شرک قرار دیتے ہیں پھر ملقا عن الہی کے منظر ہونے کو شرک کہتے ہیں آگے چل کر عطائی اختیار کرتے سے استغانت کو بھی شرک کہتے ہیں چلتے چھٹی ہوئی اب مافوق الاسباب زندہ یا مرد تزیب یا بعید جن کے لئے عسی عطائی اختیارات ماننے بایں شرک لازم آئے گا اور ذاتی اختیار مان کر غیر اللہ سے استغانت کی جائے تو سرفراز صاحب کو فریب کے تحت شرک نہ ہوگا خواہ مخلوق کا تفوق ہی خالق پر ثابت ہو جائے غور کیجئے کہ صدر الافاضل کے علم پر طعنہ کرنے والے کس قدر علمی بے مائیگی کا شکار ہیں۔

(محصلہ از ص ۱ تا ص ۲)

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ کہا ہے علمی دنیا میں اس کی کوئی حیثیت نہیں صرف مغالطات ہیں جن کو لکھ کر وہ اپنے بے علم اور کم فہم حواریوں سے داد تحسین چاہتے ہیں ہم اختصار کو ملحوظ رکھ کر جوابات عرض کرتے ہیں غور فرمائیں

۱۔ اول اعیونی سے جو استغانت ثابت ہے وہ ماتحت الاسباب کی استغانت ہے یہ وہ نہیں جس کو فریق مخالف ثنایت کرتا ہے کیونکہ حضرت ذوالقرنین نے حاضرین سے ان کی بدنی خدمات کا مطالبہ کیا تھا اور بدنی قوت خلاق تو اللہ تعالیٰ کی ہے ہرگز کسب بندے کا ہوتا ہے حضرت ذوالقرنین نے ان سے کسب ہی کا سوال کیا تھا اور غائبین سے نہیں بلکہ حاضرین سے کیا تھا نہ کہ خلاق اور مافوق الاسباب

اعانت کا مولف مذکور ہیں علمی افلاس کا طعنہ جیتنے میں ہمارا ہمہ دانی کا دعویٰ تو یہ کہ نہیں ہم علمی دنیا میں اپنے آپ کو طالب علم ہی تصور کرتے ہیں لیکن الاستغناء المطلق اور مطلق الاستغناء کا فرق بھی بخدا اللہ تعالیٰ اہم جانتے ہیں اور پہلے اس کی بقدر ضرورت بحث گذر چکی ہے کہ انشی المطلق کا اور مقام ہوتا ہے اور مطلق انشی کا اور ہوتا ہے، مولف مذکور خود علمی افلاس کا شکار ہیں مگر بلا وجہ وہ طعنہ دوسروں کو دیتے ہیں امید ہے کہ ہمارے اس راہنمائی سے وہ طعنہ زنی سے بھی باز آجائیں گے اور ان کی علمی غلطی بھی دور ہو جائے گی یہ الگ بات ہے کہ وہ یہ احسان مانیں یا نہ مانیں۔

جنہیں حقیر سمجھ کر کھج دیا تو نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

دوم: سرفراز زندہ اور قریب سے ماتحت الاسباب امور میں استغانت کو اس لیے جائز قرار دیتا ہے کہ اسلامی اصول اور ضوابط کے لحاظ سے یہ درست ہے میت سے استغانت میں تفصیل ہے اگر براہ راست اس سے مراد مانگنا ہے تو جائز اور شرک ہے اور اگر عند القبر اس سے دعا کی التجا کرتا ہے تو سماع موتی کے مجوز ہیں حضرات کے نزدیک یہ کاروائی درست ہے اور اس کی تفصیل سماع الموتی میں کر دی گئی ہے باقی بعید سے استغانت اس لئے حرام اور شرک ہے کہ اس میں پیغمبر اور ولی اور بزرگوں کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور یہ عقیدہ اسلام کی روح کے خلاف ہے چنانچہ فتاویٰ برازیہ ج ۶ ص ۳۱ اور ذخیر الائق ج ۵ ص ۱۲۶ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے من قال ادواح المشائخ حاضرة فعلم جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی رد میں حاضر ہیں اور یکفر (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی ع ۳۵) وہ جانتی ہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔

اور مافوق الاسباب امور میں چونکہ بندے کا فعل اور کسب بالکل نہیں ہوتا، اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ معجزہ و کرامت میں فعل صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے اس میں بندے کے کسب کا دخل نہیں ہے اس لئے مافوق الاسباب امور میں بندے کے فعل و کسب کو تسلیم کرنا اگر شرک نہیں تو اور کیا ہے؟ شرک کے سینک تو نہیں ہوتے

کہ وہ اس کی علامت سے پہچانا جا سکے ماتحت الاسباب امور میں استغانت کا مدار بالذات اور عطائی صفت پر نہیں ہے کیونکہ جب ممکن کا وجود ذاتی نہیں تو اس کی کسی صفت کا بالذات ہونا کہاں سے آگیا؛ بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ ان امور میں بندے کا کسب ہوتا ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کسب میں بندہ مستقل اور منفرد نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کی خلق کا محتاج ہوتا ہے اور خلق میں کسی کی احتیاج نہیں ہوتی، تو ماتحت الاسباب امور میں استغانت کے جواز و عدم جواز کا مدار اس پر ہے کہ ان میں بندے کا فعل اور کسب ہوتا ہے لہذا جائز ہے اور مافوق الاسباب امور میں بندے کا کسب نہیں ہوتا اس لئے ایسے امور میں مخلوق سے استغانت شرک ہے کیونکہ جو فعل اللہ تعالیٰ کا ہے اس میں مخلوق کو دخل تصور کر لیا جاتا ہے تو اس میں مدار مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب پر ہے چنانچہ زندہ اور قریب سے (خواہ وہ مردی) کیوں نہ ہو کہ اس سے دعا کی التجا کی جائے استغانت اس کے کسب کی وجہ سے ہے لہذا جائز ہے اور بعید اور مافوق الاسباب میں اس کے کسب کا کوئی دخل نہیں لہذا اس سے استغانت شرک ہے حضرات متنبہین کے بیان کردہ اس واضح فرق کو نظر انداز کرنا کسی بھی دیانتدار کا کام نہیں ہو سکتا۔

۲۔ مولف مذکور نے اپنے ناخواندہ حواریوں کو خوش کرنے کے لئے محسن لٹا دلی سے کام لے کر اہل حق پر الزام لگا کر جو یہ کہا ہے کہ زندہ کو سجدہ کیا جائے تو جائز ہے مردہ کو ناجائز اور شرک ہے زندہ کے نام پر جانور ذبح کیا جائے تو جائز ہے مردہ کے لئے ہو تو شرک ہے زندہ کو خدا کیے تو جائز ہے مردہ کو کیے تو ناجائز ہے قریب کو مالک ارض و سما کیے تو جائز ہے بعید کو کیے تو شرک ہے زندہ کے لئے نماز پڑھے تو جائز ہے مردہ کے لئے پڑھے تو شرک تو بعض دلیل و تبلیس ہے اس لئے کہ مولف مذکور اصل بات ہی نہیں سمجھے اور نہ انہیں ضد و تعصب و تحزب میں مبتلا رہنے کے ساتھ اس کی توفیق ہی ہو سکتی ہے ہم نے زندہ اور قریب و بعید وغیرہ سے استغانت کا فرق ابھی اوپر عرض کر دیا ہے۔ راسخہ عظمیٰ تو وہ پہلی شریعتوں

میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جائز تھا ہماری شریعت میں وہ بھی حرام کر دیا گیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۲ وغیرہ) لہذا اب سجدہ تعظیمی نہ تو مخلوق میں سے کسی زندہ کے لئے جائز ہے اور مردہ کے لئے، اور سجدہ عبادت تو کسی شریعت میں غیر اللہ کے لئے جائز نہیں رہا، لہذا اس میں زندہ اور مردہ کا فرق کرنا اور دوسروں کو طعن دینا بحث باطل کی نشانی ہے اسی طرح غیر اللہ کے نام پر تقرب و تعظیم کے طور پر جانور ذبح کرنے میں زندہ اور مردہ کا کوئی فرق نہیں وہ ہر کیف ناجائز ہے آخر انہی بات تو مولف مذکور کو معلوم ہی ہوگی کہ حضرات فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی بادشاہ وغیرہ آئے اور اس کی تعظیم و تقرب کے (جیسا کہ آج کل کسی بڑے آدمی کے آنے پر توہین داغی جاتی ہے) اور توپوں کی سلامی دی جاتی ہے) جانور کو بھینٹ پر چڑھایا جائے اور ذبح کیا جائے تو حرام ہے اگرچہ اس کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا جائے۔ (تنقید متین میں اس کے حوالے دیئے گئے ہیں اور مزید بحث اس کتاب میں آگے آ رہی ہے انشاء اللہ) نیز مولف مذکور کا یہ کہنا کہ زندہ کو خدا کیے تو جائز اور مردہ کو کئے تو ناجائز یہ بھی ایک بڑا جمل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی واجب الوجود اور حی القيوم ہے اسی کو خدا کیوں نہ کہا جائے؟ اس کے مقابلہ میں باقی سب مخلوق ہے اور فانی ہے کوئی فی الحال اور کوئی بالماں اس کو کیر نہ کر خدا بنایا جائے: باقی مخلوق میں سے کس کو کشتی سلمان نے خدا کہا ہے؟ اور اس کی کسی بات پر خدا غصہ نہ آتا ہے؟ اپنی قوم فہمی کو اور منافس زیاس کو کسی کے گلے مڑ دینا کہاں کا انصاف و دیانت ہے؟ اسی طرح ﷺ ملکہ السلوٰۃ الارض صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے، لہذا صنعت اس کے بغیر نہ تو کسی زندہ میں متحقق ہو سکتی ہے اور مردہ میں اس نے یہاں قریب بعید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اسی طرح نماز ایک عبادت ہے، اور اللہ تعالیٰ کے بغیر عبادت ہی نے جائز نہیں ہے قل ان صلاتی والہ اس کی رافع دلیل ہے الغرض ان مخاطبات کا نام دلیل و برہان نہیں اور نہ ان سے کسی کو شبہ ہونا ہے اور نہ کسی کو اطمینان ہو سکتی ہے ایسے اوام سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

یارب مجھے محفوظ رکھ اس ثبوت کے تتم سے۔ میں اس کی عنایت کا طلبگار نہیں ہوں

بے شک شرک بہر وقت شرک ہے لیکن اس کو سمجھنے کی بھی ضرورت ہے خانہ ساز اور اخراجی طریقوں سے وہ نہیں سمجھا جاسکتا اور نہ شیطانی ذہن استعمال کر کے اس کی سمجھ سکتی ہے اس کے سمجھنے کے لئے نیک نیتی اور نصوص قطعیہ کی طرف مراجعت شرط ہے۔ اور ان صفات سے مولف مذکور اور ان کے مہنوا بالکل محروم ہیں اور قارئین کرام اس کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

۴۔ بحمد اللہ تعالیٰ براہین قاطعہ کی عبارت کی تشریح ہم نے عبارات اکابر حقہ اول میں کر دی ہے اور آپ کے اعلیٰ حضرت کے قائم کردہ اغراضات کا خوب خوب جائزہ لیا ہے۔ دھینگیں مارنے کی ضرورت نہیں آپ اس کی طرف مراجعت کریں اور دیکھیں کہ کس طرح بفضلہ تعالیٰ تنہا اس راقم انجمن نے ہی اس شیطانی اور ابلیسی غرض کی دھجیاں فضا آسمانی میں بکھر کر رکھ دی ہیں اور اس بے جان اور لابیغی غرض کو حل کرنے کے لئے کسی اور دیوبندی کو تکلیف دینے کی ہرگز کوئی حاجت ہی نہیں ہے اور علی سطح پر بقدر ضرورت ہمارے متغذاکا براہ اس کے جوابات پہلے دے بھی چکے ہیں اور اہل علم پر بھی غصی نہیں ہے اگر آپ حضرات میں سے کسی نے کچھ کہا تو انشاء اللہ تعالیٰ چھر دیکھا جائے گا۔

نہ چھپو دہم کو اسے زہرہ جینو سرا پا در دے معمور ہیں ہم

۵۔ مولف مذکور نے انتہائی جمل کے ساتھ الفوز الکبیر کی عبارت کا صرف ابتدائی حصہ ہی نقل کیا ہے ان کا فرض ہے کہ پوری عبارت یا کم از کم اس کا سرسری مفہوم ہی نقل کر دینے حالانکہ ہم نے تنقید متین ص ۲۹۱ میں مکمل عبارت نقل کی ہے جس سے حقیقت شرک آفتاب نیم روز کی طرح بالکل عیاں ہو جاتی ہے اسی طرح مولف مذکور وہ سب حوالے شہیر مار سمجھ کر ہڑپ کر گئے ہیں جو ہم نے تفہیمات الہیہ۔ حجتہ اللہ البالغہ اور بدو بارغہ فتاویٰ شاہ ربیع الدین صاحب اور ارشاد الطاہرین وغیرہ سے تنقید متین میں عرض کئے ہیں کیونکہ ان کا حوالہ دینے سے مولف مذکور کی سب ترک ختم ہو جاتی ہے اور عوام کو مغالطہ دینے کی سب راہیں بالکل مسدود ہو جاتی ہیں اور فوز الکبیر کے حوالہ سے جو

علمی میدان میں ان کو اس طرح غلط نتیجے نکالنے کے لئے کوئی نہیں چھوڑے گا ان کو
سب حساب بے باق کرنا پڑے گا
ناقص مقدموں سے نکلیں گے جو نتیجے !!
ان پر وثوق صحت لے محترم کیاں تک

ہم نے پہلے مردہ سے استغانت کی بقدر ضرورت تفصیل عرض کر دی ہے اور
اسی طرح بعید سے بھی۔ بے شک خدا تعالیٰ زندہ اور حی و قیوم ہے وہ مردہ نہیں اور
ناس پر موت آسکتی ہے اور نہ وہ بعید ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے
بعض کو آپ غیر اللہ کے لئے تسلیم کرتے ہیں اور یہی شرک ہے اصولی طور پر شرک
کی تعریف میں شرح عقائد اور الفوز الکبیر میں جو کچھ کہا گیا ہے علی الرأس والعین
وہ بالکل صحیح ہے بنیادی لحاظ سے مدار شرک یہی چیزیں ہیں لیکن صفات فخصہ میں
صرف علم ذاتی ایجاد اور قدرت ذاتیہ ہی نہیں بلکہ ہر ہر چیز کا جانا اور معجزہ و کرامت کا
صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہونا اور مافوق الاسباب امور اور امور غیر عادیہ میں صرف
اُسی کی قدرت کا ہونا وغیرہ وغیرہ بھی اس کی صفات میں داخل ہے اور ان امور کو آپ
خواص البشر اور اولیاء کے لئے ثابت کر کے خالص شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں،
یہی وہ علمی نکات ہیں جن تک آپ کی نابالغ نگاہ نہیں پہنچ سکی اور آپ سے اس کی
کوئی توقع بھی نہیں ہے۔

علم دین مفقود ہے گم ہے صراط مستقیم
خضر راہ بنتا ہے ہر غول بیاباں ان دنوں

واجب الوجود | مؤلف ذکر لکھتے ہیں کہ سرفراز صاحب نے اپنی بے علمی سے یہ دعویٰ
کیا کہ دنیا میں آج تک کسی نے خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود نہیں مانا حالانکہ ہم بھی شرح
عقائد سے نقل کر چکے ہیں الاشرک الہی قولہ اس عبارت کا صریح منطوق یہ ہے کہ جو جس
دو واجب الوجود مانتے تھے الہی قولہ ان کے علاوہ کو اکب پرستوں کی ایک جماعت بھی
کو اکب کے واجب الوجود ہونے کا اعتقاد رکھتی تھی دیکھئے تفسیر کبیر الہی (توضیح البیان ص ۷۱)
۷۵

۷۴
آدھوری عبارت انہوں نے نقل کی ہے وہ بھی خیر سے ان کے خلاف جاتی ہے
اس طرح کہ شرک کا مطلب اس عبارت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات
مختصہ میں سے کوئی صفت غیر اللہ کے لئے ثابت کی جائے اور خاصہ یہ ہونا ہے کہ
ایک چیز میں پایا جائے اور غیر میں نہ پایا جائے پہلے باحوالہ یہ بات عرض کر دی گئی ہے
کہ مؤلف مذکور یہ کہتے ہیں کہ اور جس طرح عوام بشر کی قدرت اختیار میں افعال عادیہ
ہوتے ہیں اسی طرح خواص البشر اور اولیاء اللہ کی قدرت میں افعال غیر عادیہ ہوتے
ہیں (ص ۷۱) اور نیز وہ مخالفین کا مسلک نقل کرتے ہوتے لکھتے ہیں یہ حضرات کہتے
ہیں کہ یہ تو نبی کا معجزہ ہے اور معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے یہ محض دھوکہ دہی کے سوا
کچھ نہیں (ص ۷۱) اور ہم پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ حضرات متکلمین فرمانے میں کہ
اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اس میں بندے کا کسب نہیں ہوتا مگر مؤلف
مذکور اللہ تعالیٰ کے اس فعل اور خاصہ کو خواص البشر اور اولیاء کے لئے بھی تسلیم کرتے ہیں
اور جوش میں آکر ص ۷۱ میں لکھتے ہیں اور ثابت ہوا کہ مافوق الاسباب امور میں بھی
غیر اللہ سے استغانت جائز ہے۔ اور ص ۷۲ میں لکھتے ہیں اور انبیاء و اولیاء کے افعال
میں کسب کا تعلق امور غیر عادیہ سے بھی ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو فعل صرف اللہ
تعالیٰ کا ہے تو یہ اس کا خاص فعل غیر اللہ میں کیسے آگیا؟ اور کیا یہ شرک نہیں ہے؟ اور
ہم نے تنقید متین ص ۷۲ میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کا حوالہ بھی دیا تھا جس کو
مؤلف مذکور سیون آپ کی قبول سمجھ کر پی گئے ہیں جس میں یہ بھی تھا کہ شرک یہ کہ اللہ کی
صفت کسی اور میں جانے مثلاً کسی کو سمجھئے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے الہی قولہ اور اس
کو مختار جان کر اس سے حاجت طلب کرے۔

الغرض ان سب حوالوں کو مؤلف مذکور غٹ غٹ کر کے پی گئے ہیں اور ڈاکہ
تک نہیں لیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ختم اور گیارہویں شریف کے لذیذ کھانے اور
لاہور کی سنہری منڈی کے رنگارنگ اور گونا گوں پھل کھا کھا کر ان کا معدہ اتنا وسیع
اور نفی ہو گیا ہے کہ دکھا رہے ہیں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی مگر ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ

الجواب: اجمالاً جواب کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے کہ ہم نے مشرکین کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ دو واجب الوجود تسلیم نہیں کرتے صرف ایک ہی مانتے ہیں مجوس اور کفر پرستوں کے بارے میں ہم نے ایسا نہیں کہا مگر ہم قدرے تفصیل سے بات عرض کرتے ہیں تاکہ معاملہ بالکل عیاں ہو جائے۔ یہود نصاریٰ صابین اور مجوس وغیرہ اگرچہ الکفر و کفر و احادۃ کے قاعدہ کے مطابق سب کافر و مشرک ہیں لیکن یہ فرقہ باوجود مشرک ہونے کے مشرکین سے الگ گروہ تصور ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِّينَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا أَلَيْسَ أَتَىٰ لَكُمْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا تَدْعُوا إِلَىٰ دِينِهِمْ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمِهِمْ ذَٰلِكُمْ يَوْمُ الْوَعْدِ الَّذِي لَكُمْ فِيهِ مَقْعَدُ الْغَايَةِ لَا يُخْلَفُ ۚ وَبَشِّرِ الصَّابِّينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَّا إِلَىٰ اللَّهِ مُقِيمُونَ ۚ أُولَٰئِكَ نَجْزِي أَمْرَهُمْ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ أَجْرٌ كَبِيرٌ (آل عمران: ۸۵)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حرف ناد کے ساتھ جو مغایرت کے لئے آتا ہے یہود اور نصاریٰ اور صابین اور مجوس کو مشرکوں سے الگ فرتے بیان فرمایا ہے اگرچہ یہ مشرک سب میں کم و بیش شرک ظناً پایا جاتا ہے لیکن ان فرقوں کو الگ الگ بیان فرمایا ہے کہ اَلَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِّينَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا سے مشرکوں کو جدا بیان کیا ہے اسی طرح نصاریٰ کی تثنیث اور انا غیر ثلاثہ کی رٹ ایک واضح حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ نے وَلَا تَقْفُوا شَرَاتِهِمْ میں اسی کو روک دیا ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمُ وَذَهُبًا لَهُمْ أَزْوَاجًا ۖ فَلَمَّا دُؤِنَ اللَّهُ وَالْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَمَا أَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۚ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۚ لَالِهَةً إِلَّا هُوَ يُسَبِّحُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (پہلا - التوبة: ۲۵، آیت ۳۱)

اس آیت کریمہ سے سزاخشا ثابت ہوا کہ یہود و نصاریٰ (اگرچہ ان کا اصل دین حق تھا) پر مبنی تھا مگر بعد کد انہوں نے شرک کیا اور بیشک کوئی جملہ اس کی واضح دلیل ہے لیکن ان

کہ یہود و نصاریٰ بعد کو شرک کے مرتکب ہوئے وہ فرقہ اور بعض احکام کے لحاظ سے مشرکین سے الگ تصور ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ اپنی شرائط کے ساتھ مسلمانوں کے لئے ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے حالانکہ ارشاد خداوندی ہے۔ وَلَا تَتَّبِعُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُوْثِقَ اُورَنَاجَ مَنَ مَ مَ مَ اور نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب (المتوفی ۷۴۳ھ) اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں باقی یہود و نصاریٰ کی عورت سے نکاح درست ہے ان کو مشرک نہیں فرمایا (موضع النکاح ص ۵۵) یعنی نکاح (اور ذبیحہ) کے لحاظ سے اور فرقہ کے جدا ہونے کے لحاظ سے وہ مشرکوں سے الگ درجہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بدر بارانہ ص ۱۲

میں (جن کا حوالہ ہم نے تنقید متین میں دیا ہے مگر مؤلف مذکور اس کو پی گئے ہیں) یہود و نصاریٰ کو مشرکین سے الگ فرقہ بیان کرتے ہوئے ان کا شرکیہ عقیدہ بیان کرتے ہیں اسی تفصیل کے پیش نظر ہم نے تنقید متین ص ۳۹ میں یہ لکھا تھا کہ کیونکہ دنیا میں کسی مشرک نے غیر اللہ کو حقیقی متناں کبھی نہیں سمجھا یا اس طور کہ اس کو واجب الوجود تسلیم کیا ہو بلکہ بات صرف مشرکین کے بارے میں ہو رہی ہے اور تنقید متین ص ۳۹ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اور یہی مشرکین کہ کا شرک تھا الخ مگر مؤلف مذکور نے علمی طور پر خیانت کرتے ہوئے ہماری عبارت اور مراد کو بالکل منہ کر کے یہ لکھ مارا ہے کہ سرفراز صاحب نے اپنی بے علمی سے یہ دعویٰ کیا کہ دنیا میں آج تک کسی نے خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود نہیں مانا الخ حیرت ہے کہ مؤلف مذکور میں علمی اصطلاحات سمجھنے کی خود اہلیت نہیں مگر وہ بے علمی کا لحظہ دوسروں کو دے رہے ہیں ہمیں تو اپنی بے علمی کا کھلے لفظوں اقرار ہے لیکن ہم مؤلف مذکور کے ممنون احسان ہوں گے کہ وہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب پر بھی ایسا ہی آواز کئے جائیں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

دیں جایا بدالست کہ سچ کس در عالم اس جگہ جانا چاہیے کہ کوئی شخص جان میں نیست کہ برائے خدا شرک در وجوب جو ایسا نہیں کہ وہ وجوب الوجود اور علم اور قدرت

و علم و قدرت و حکمت اعتقاد کدما فرمائے
بسیار در چیز مانے دیگر از راه غفلت برآ
او تعالیٰ شرکاء مقرر کردہ اندالہ
(تفسیر عزیزی پارہ ۱ ص ۱۱۱)

راقم انہم نے تو صرف مشرکوں کے بارے میں کہا تھا کہ ان میں کوئی بھی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے بغیر دنیا میں کسی کو واجب الوجود تسلیم کرنا ہو۔ راقم کی مراد صرف اصطلاحی مشرک ہیں نہ کہ لغوی ہم نے اسی کا انکار نہیں کیا کہ نصاریٰ تین نہیں مانتے اور نہ اس کا انکار کیا ہے کہ مجوسی دو واجب الوجود نہیں مانتے اور نہ صابین اور کواکب پرستوں کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ متعدد الہ نہیں مانتے اپنی جگہ پر سب مشرک ہیں لیکن قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق یہود و نصاریٰ اور مجوس و صابین مشرکین سے جدا اور الگ الگ فرقے ہیں مگر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص واجب الوجود کے طور پر اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں مانتا مؤلف مذکور ہی یہ بتائیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے بدن میں بھی بے علی کا نیزہ پیوست ہوگا یا اس کا رخ صرف ہماری طرف ہی ہے غرضیکہ مؤلف مذکور کی جس خام منطق سے ہم بے علم قرار پاتے ہیں بعینہ اسی سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ بھی گھائل ہوتے نظر آتے ہیں خدا کرے کہ مؤلف مذکور اپنی منطق کی ناکامی کو سمجھ لیں۔

مفتوح ہو کے بھول گئے شیخ اپنی بحث
منطق شہید ہو گئی میدان جنگ میں

امام رازیؒ | امام رازیؒ نے اگرچہ بعض مجوس کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ دو واجب الوجود مانتے ہیں لیکن مشرکین کے بارے میں وہ ہی فرماتے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو واجب الوجود مانتے والا بھی تک نہیں پایا گیا چنانچہ وہ اس مسئلہ پر مبسوط بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

اعلم انه ليس في العالم احد يثبت لله
تو مان لے کہ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ

شریک یا سواہ فی الوجود والقدرة والعلو
والحکمة وهذا عالم بوجودی الآن لكن
الشوثية يثبتون الوهين احد ما حلیم
يفعل الخیر والثانی سغیہ يفعل الشر و
اما اتخاذ معبود سوى الله تعالى فغی
الذاهبین الى ذلك كثرة الفریق الاول
عبدة الكواکب وهو الصابئین فافهم
يقولون ان الله تعالى خلق هذه الكواکب
وهذه الكواکب هي المذرات لهذا العالم
قالوا فيجب علينا ان نعبد الكواکب و
الكواکب تعبد الله تعالى اه
(تفسیر کبیر ۲ ص ۱۱۱)

۷۹
علم اور حکمت میں اس کے مساوی جو ایسا
شخص آج تک نہیں پایا گیا یاں ثنویہ (یعنی عوس)
دوالہ ثابت کرتے ہیں ایک حلیم جو خیر کرتا
ہے اور دوسرا بے وقوف جو شر کرتا ہے، باقی
رہے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو معبود بنانے
والے تو اس طرف جانے والوں کی کثرت ہے
پہلا گروہ کواکب پرستوں کا ہے جو صابین
کہلاتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان
ستاروں کو پیدا کیا ہے اور یہی ستارے اس
جہان کے مذہب ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم پر واجب
ہے کہ ہم ستاروں کی پرستش کریں اور ستارے
اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

امام رازیؒ | اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کواکب پرست ستاروں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق
تسلیم کرتے ہیں واجب الوجود رازی اور قدیم نہیں مانتے اور ان کی عبادت کو اللہ تعالیٰ
کے ہاں تقرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کواکب پرستوں کا اعتقاد یہ تحریر فرماتے ہیں۔ ان کا
اعتقاد یہ ہے کہ ہر چیز جو الوجود اور علم اور قدرت اور حکمت خاص خدا کے واسطے
ہے لیکن اُس نے جہان کے کارخانوں کو آسمان کے ستاروں کو فے رکھا ہے اور تدبیر
خیبر اور شرکی انہیں کے حوالہ کی ہے الخ (تفسیر عزیزی سورہ بقرہ مترجم اردو ص ۸۵ و فارسی ص ۱۲۶)
نیز امام رازیؒ یہ تحریر کرتے ہیں کہ مجوسی دوالہ تسلیم کرتے ہیں ایک خالق خیبر جس کو
بزدان کہتے ہیں اور دوسرا خالق مشر جس کو اہرمن کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اہرمن ہی
ہے جس کو ہم اپنی شریعت میں ابلیس کہتے ہیں (تفسیر کبیر ۲ ص ۱۱۳)

شرح مواقف ص ۵۸ میں ہے کہ اہل ہن سے وہ شیطان مراد لیتے ہیں اور اس امر کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

ثُمَّ اخْتَلَفُوا قَالَا كَثُرُونَ مِنْهُمْ عَلَىٰ أَنْ
أَهْرَمَنَ مَحْدَثٌ وَلَهُمْ فِي كَيْفِيَّةِ حَدِّثِهِ
أَقْوَالٌ عَجِيبَةٌ وَأَقْوَالٌ مِنْهُمْ قَالُوا
أَنَّهُ قَدِيمٌ أَذَلِ الْهَدْيِ (تفسیر کبیر ج ۱۳ ص ۱۳۳)
پھر انہوں نے آپس میں اختلاف کیا ہے ان میں اکثر
کہتے ہیں کہ اہل ہن محدث (یعنی حادث) ہے اور
کے حدوث کی کیفیت میں ان کے عجیب اقوال
ہیں اور ان میں ٹھوڑے یہ کہتے ہیں کہ وہ قدیم
اذلی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سب عجوبہ اہل ہن کر اذلی قدیم اور واجب الوجود تسلیم نہیں کرتے
بلکہ ان میں اس پر تفریق رکھتے ہیں اور ان کی اکثریت اس کو محدث مانتی ہے ع
زبان خلق کو گفتار ہندو سمجھو

شرح عقائد میں الاشرکۃ النمر سے جو شرک کی دو قسمیں بیان کی ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز
نہیں کہ شرک صرف ان دو صورتوں میں منحصر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ شرک کی دو عام صورتیں ہیں
جو اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہیں نہ یہ کہ شرک ان ہی میں بند ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے -
وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَكَاِبُونَ إِلَىٰ أَقْيَمٍ
وَإِنْ أَطَعْتُمْ وَهُمْ أَطَعْتُمْ كُفْرًا
اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں
میں ڈالنے میں کہ تم سے جھگڑیں اور اگر تم ان کا کلمہ
مانو تو اس وقت تم مشرک ہو

(پ - الانعام)
حالانکہ شیطانین کی اطاعت شرح عقائد میں شرک کی بیان کردہ دونوں صورتوں میں
سے کوئی نہیں مگر ہے شرک حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب تفصیل انواع شرک کا عنوان قائم
کر کے شرک کی مزید قسمیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں اور شرک کرنے والے
سوائے عبادت کے اور چیزوں میں پس وہ لوگ بہت ہیں بعضے اُن سے وہ ہیں کہ ذکر
کرنے میں اور دلوں کو خدا کے ساتھ برابر کرتے ہیں اور نام دوسروں کا مانند نام خدا کے
تقرب کی راہ سے ذکر کرتے ہیں اور بعضے اُن سے وہ لوگ ہیں کہ ذوق اور نذر اور قربانیوں
میں خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور بعضے اُن سے وہ آدمی ہیں کہ نلم کہتے

میں بندہ فلاں اور عبد فلاں کہتے ہیں اور یہ شرک فی التسمیہ ہے (جیسے عبد المصطفیٰ اور
عبد الرسول اور عبد الغنی وغیرہ) بعضے اُن سے وہ لوگ ہیں کہ واسطے دفع
بلاؤں کے دوسروں کو بلاتے ہیں (جیسے یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اور علامہ
مکن اندوکن از بدعظم از ارکن یا شیخ عبدالقادر وغیرہ) بعضے ہی واسطے حاصل کرنے
منافع کے دوسروں کی طرف رجوع کرتے ہیں منتقل سمجھ کر نہ اس طرح سے کہ توسل اُن دروس
سے کریں کہ یہ شرک نہیں اور بعضے اُن سے وہ آدمی ہیں کہ نام دوسرے کو خدا کے نام
کے ساتھ بیچ مقام علم اور قدرت کے برابر کرتے ہیں چنانچہ نسانی اور ابن ماجہ نے
ابن عباس رضی سے روایت کی ہے کہ ایک دن ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کو کہا -

مَا شَاءَ اللَّهُ وَمَشِئَتُ
یعنی جو چیز خدا نے چاہی اور تم چاہو ہو جائے گی۔
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا -

جَعَلْتُ لِلَّهِ شِدَادًا بَلْ مَا شَاءَ اللَّهُ
یعنی مقرر کیا تو نے مجھ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بلکہ
مذہب کی مشیت سے ہر چیز ہوتی ہے الخ

تفسیر عزیزی مترجم اردو ص ۸۹ سورۃ بقرہ تحت قولہ تعالیٰ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ
تفسیر عزیزی فارسی ص ۱۲۸ طبع لاہور) ہم نے قطع مسافت کے طور پر صرف اردو ترجمہ
پر اکتفا کی ہے اس عبارت سے قبل حضرت شاہ صاحب نے انواع شرک میں بتلایا
قوموں میں پانچ قوموں کی قدرے تفصیل کے ساتھ نشانہ دی کی ہے پہلا گروہ تنویہ یعنی
مجوسیوں کا، دوسرا عسائین کا، تیسرا منہو کا، چوتھا پیر پستوں کا اور پانچواں جماعت ارجال کا
ان کی تفصیل کے بعد پھر مذکور بیان ارشاد فرمایا ہے غرضیکہ شرک ان ہی دو قسموں میں بند
نہیں ہے جن کا ذکر شرح عقائد میں ہوا شرک کی بے شمار اور لا اعداد قسمیں ہیں جن میں سے
بعض وہ ہیں جن کا ذکر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے کیا ہے مناسب معلوم ہوتا
ہے کہ ہم یہاں شرک کی ایک اور قسم بھی عرض کر دیں تاکہ مولف مذکور کی آنکھیں کھل
جائیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا
يَبْصُرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ
شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ فَقُلِ انْتَرِسُوا
اللَّهُ يَأْمُرُ بِالْعِلْمِ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
الْأَرْضِ وَسُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا
يُشْرِكُونَ (٢١ يونس ع)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ مشرک غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں (مثلاً ان کو سجدہ کرنا ان کے نام پر جانوروں کو فوج کرنا ان کا کھانا کرنا ان کے نام کی نذر و نیاز دینا وغیرہ) لیکن اس کی پوجا اور پرستش کی اصل علتِ لحد اور سببِ ان کا باطل نظریہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے لئے سفارش کرنے ہیں (اور سفارش سے مافوق الاسباب سفارش مراد ہے کہ دور دراز سے غائبین کو پکارا جائے اور سفارش بنایا جائے کیونکہ اس طرح کرنے سے اس کے لئے علم غیب اور حاضر و ناظر کی صفات منہی پڑے گی اور یہ خالص شرک ہے یہی عالم اسباب کی بالمشافہ ایک دوسرے کے لئے سفارش تو وہ محل نزاع نہیں ہے اس لئے کہ اس کا قرآن کریم اور حدیث شریف ثبوت ہے مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً سَعَتْ بِهَا يَكُنْ لَهُ ذَرْبٌ مِّنْهَا اور اِنْ شَفَعَا فَلْتَوْجِدَا مَخَافِي ۚ ۲۷ (۵۹) اور اسی آیت کریمہ کے آخری حصہ میں اس کو شرک سے تعبیر کیا ہے۔ سُبُّهُ وَنَعْلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ

اب اس پر غور کرنا ہے کہ مشترک کن کن لوگوں کو مافوق الاسباب سفارشات کی
اپنا سفارشی بناتے ہیں کتنی سادہ فہم کے اور کتنی جیلہ جو لوگ صرف اضمنام و اوٹان کا ذکر
کے اصل بات سے پہلو تہی کرتے ہیں تاکہ ان کے لئے مشترک کا چور دروازہ کھلا ہے ہم
امام رازحی سے اسی آیت کریمہ کی تفسیر ہیں ایک عبارت نقل کرتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں
ورابعها انھو وضعوا ہذا الاضنام ان میں جو کتنی صورت یہ ہے کہ لوگوں نے یہ اضمنام
والاوٹان علیٰ صورت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے

۸۲
 کی صورتوں پر نیلے ہیں اور انہوں نے یہ خیال کیا
 کہ وہ جب ان تساویہ کی عبادت میں مشغول ہو
 گئے تو وہ اکابر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی سفارش
 کریں گے اور اس زمانہ میں اس کی نظیر یہ ہے کہ
 بہت سے لوگ اکابر کی قبور کی تعظیم میں مشغول ہیں
 اس اعتقاد سے کہ جب وہ اکابر کی قبور کی تعظیم
 کریں گے تو وہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں
 سفارش کریں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کے اس گروہ کا مقصد صرف بتوں اور قبروں کی تعظیم نہیں بلکہ ان حضرات سے امید البتہ کرنا ہے جن کی صورت پر بت میں اور جو اپنی نبوی میں آرا م فرمایا ہیں۔ اس عبارت میں انبیاء اور اکابر کا ہر جملہ خصوصیت سے قابل توجہ ہے مؤلف مذکور ہی بتائیں کہ کیا جابل قبر پرستوں اور پیہر پرستوں کی اکثریت اس دھندے میں مبتلا نہیں ہے؟ اور کیا دور دراز کے سفر اختیار کر کے ان کی اکثریت میلوں اور عرسوں کی شکل میں حضرات اولیاء کرام کی قبور پر حاضر نہیں ہوتی؟ اور کیا وہاں سجدے، طواف اور نذرین اور چڑھائے نہیں چڑھائی؟ بتلایئے کئی کس چیز ہے آخر مشرکین مکہ بھی تو اپنے معبودوں کے بارے میں یہی کہتے تھے مَا تَعْبُدُوْهُ اِلَّا لِيُقْبَلُوْا اِلَى اللّٰهِ ذُلْفٰی کہ ہم ان کی عبادت اور پوجا (جس میں سجدہ، طواف، نذر منت ان کے نام پر جانور ذبح کرنا اور ان کے ناموں کی قسمیں اٹھانا وغیرہ افعال شامل ہیں) نہیں کرتے مگر صرف اس لئے کہ یہ ہیں خدا تعالیٰ کے قریب کرنے ہیں اور یہ تقرب ان کے زعم سے هُوَ الَّذِي شَفَعَا لَنَا اَعِنَ اللّٰہَ کی مدد میں ہونا تھا۔ کما مٹ

سوال یہ ہے کہ اگر مشرکین کا یہ عقیدہ ہوتا کہ یہی اکابر سب کچھ دینے والے ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کے ماں سفارشی بنانے کا کیا مطلب ہے یہ یاد رہے کہ اس کا مصداق صرف عبت ہی نہیں جیسا کہ مولف مذکور نے اپنے پیشرو بڑوں کی طرح یہاں بھی مغالطہ دیا ہے اس

میں اللہ تعالیٰ کے بغیر سب معبود داخل ہیں جن میں انسان فرشتے، جن بلکہ حضرات انبیاء و الصلوٰۃ والسلام وغیرہم سبھی داخل ہیں جیسا کہ تفسیر کبیر کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے۔ اس مسئلہ کی مکمل بحث گذشتہ توجہ میں ملاحظہ کریں۔

الغرض مشرکین اس لئے ان کی عبادت کرتے تھے کہ یہ ان کے سفارتی ہیں۔ بزرگ خویش وہ ان میں ایسی صفات تسلیم کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی میں نہیں جاسکتیں مثلاً علم غیب۔ حافظہ ناظر اختیار کل اور تصرف فی الامور وغیرہ اور یہی شرک جڑیں ہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

خدا کے واسطے یاد خدا کر لے اکبر بتوں کے عشق میں جاں اپنی کیوں گنواں ہم نے تنقید متین میں مؤلف مذکور کے صدر الافاضل کے متضاد حوالے دیے ان کے ذہن کی عدم صفائی اور ناہمواری کا تذکرہ کیا تھا کاش کہ مؤلف مذکور ان حوالوں کا ذکر بھی کر دیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا، تا کہ قارئین کرام خود اندازہ لگالیتے لیکن محض تعصب تجبر اور تحزب میں مبتلا ہو کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے بلا سوچے سمجھے نری لغاطی سے انتقامی کاروائی کرتے ہوئے راقم سے برلے رہیں اور عطائی اختیارات اور زندہ و مردہ اور قریبے بعید کے الفاظ کے چکر میں پڑ کر (جن کا جواب پہلے ہم عرض کر چکے ہیں) عوام کو مغالطہ دے رہے ہیں اور خواہ مخواہ تعلق کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو کہ کو یہ مضمون روشن چشم بینا سے !! کہ چھوڑی جس نے خود بینی اسے سب کچھ نظر آیا صاحب مالا بدمنہ کی عبارت سمجھنے میں سرفراز صاحب کی غلطی یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ شرک کی بحث میں مولوی سرفراز صاحب نے مالا بدمنہ ص ۱ سے ایک عبارت نقل کی ہے۔

الشرك هو اعتقاد ان لغير الله اشياء فوق ما وهب الله من الاسباب الظاهرة وان لشي من الاشياء سلطانا عما خرج عن قدرة المخلوقين اور اس عبارت کے ظاہری ترجمہ سے یہ تاثر دینے کا

مذہب کی ہے کہ امور مافوق الاسباب میں استعانت شرک ہے اول تو عبارت میں مرے سے کہیں استعانت کا ذکر نہیں مولوی سرفراز صاحب نے بددیانتی سے کام لے کر محض اپنا عقیدہ باطلہ ثابت کرنے کے لئے اس عبارت میں استعانت کو زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی ہے۔

ثانیاً۔ اس عبارت کا مفاد محض یہ ہے کہ مخلوق کے لئے قدرت علی و بہ الکسب ثابت ہے اور قدرت علی و بہ الایجاد نہیں اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے کسی فرد کو اسباب ظاہرہ یعنی اسباب اور آلات کسب سے زیادہ اثر نہیں دیا اور کسب بعد اثر کا نہ ایجاد ہے جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے پس مخلوق کے کسی فرد کی قدرت کسب اور اس کے اسباب ظاہرہ سے متجاوز نہیں اور کسب کا تعلق امور عادیہ اور غیر عادیہ دونوں کے ساتھ ہے عوام کے افعال میں کسب کا تعلق امور عادیہ سے اور انبیاء و اولیاء کے افعال میں کسب کا تعلق امور غیر عادیہ سے بھی ہوتا ہے۔

ثالثاً۔ یہ کہ اگر اس عبارت میں اسباب ظاہرہ کا وہ مطلب لیا جائے جو مولوی سرفراز صاحب نے سمجھا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ مخلوق کو قدرت صرف ماتحت الاسباب العادیہ پر مبنی ہے تو معجزات اور کرامات کا انکار لازم آئے گا حالانکہ معجزات کو معجزہ بھی مانتے ہیں اور ایسے بدترین عقیدہ کی نسبت صاحب مالا بدمنہ کی طرف کرنا جیاداروں کا کام نہیں۔ انتہی بلفظ (ص ۲۳۲)

الجواب: مؤلف مذکور نے اس عبارت میں جس طرح جہالت اور بے حیائی سے کام لیا ہے وہ انہی کا کام اور کمال ہو سکتا ہے؛ اور یہ سارا بے مغز کلام ان کو کسی طرح مفید نہیں ہے۔

اور ان سے استعانت ہی کے سلسلہ میں انہوں نے خواہ مخواہ چند صفحات سیاہ کرے اور بلاوجہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا ہے۔

وثائق: اس لئے کہ خلق اور ایجاد کے بارے میں تو کوئی مسلمان یہ تصور ہی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر یہ صفت بھی کسی کو حاصل ہے یا ہو سکتی ہے مخلوق کی بات صرف کسب کے درجہ کی ہے اور کسب بھی صرف امور عادیہ میں ہوتا ہے امور غیر عادیہ میں مخلوق کا قضا کوئی کسب نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے مؤلف مذکور محض آدمی طرح بار بار وہی رٹ لگانے اور محض پانی بلوتے ہیں اور روح شریعت سے ناواقف کی پرہی وہ بار بار یہ لکھتے اور اس پر مصر ہیں کہ اور انبیاء و اولیاء کے افعال میں کسب تعلق امور غیر عادیہ سے بھی ہوتا ہے معاذ اللہ تعالیٰ گویا بقول مؤلف مذکور حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی صفت حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور اس میں مخلوق کا کسب نہیں ہوتا مگر مؤلف مذکور ہیں کہ وہ ان امور غیر عادیہ میں بھی مخلوق کا کسب تسلیم کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ غیر کے لئے تسلیم کرنا شرک نہیں تو یہ معلوم مؤلف مذکور کے ہاں شرک کس بلا کا نام ہے؟

وثائق: اس لئے کہ سرفراز کے کسی کلام اور عبارت سے معجزات اور کرامات کا انکار لازم نہیں آتا، بلکہ سرفراز تو معجزات اور کرامات کو دلائل قاہرہ سے ثابت کرتا ہے راہ ہدایت اور ضور السراج وغیرہ کتابیں اس کا ناقابل تردید اور زندہ ثبوت ہے یہ مؤلف مذکور کا نرا جمل یا قوناہ فہمی کا نتیجہ ہے کہ معجزات و کرامات کا وجود اور وقوع صرف اسی صورت میں تسلیم کرتے ہیں جس میں ان امور غیر عادیہ میں حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کسب اور دخل ہو اگر ان کا کسب نہ ہو تو وہ معجزہ اور کرامت ہی نہ رہیں اور ہم مؤلف مذکور کے اعلیٰ حضرت کے حوالہ سے عرض کر چکے ہیں کہ کرامت میں مخلوق کے کسب کو تسلیم کرنے کے بعد یہ بھان منی کا تماشنا تو ہو سکتا ہے مگر کرامت نہیں ہو سکتی قرآن کریم میں سماجاً مذکور ہے کہ جب کفار و مشرکین نے حضرات انبیاء کرام

علیہم الصلوٰۃ والسلام سے معجزات آیات کا مطالبہ کیا تو انہوں نے صاف لفظوں میں فرمایا وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ تَأْتِيَهُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا مَعَ الْإِذْنِ مگر اللہ کے حکم سے

اور حضرت امام الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب مشرکین مکہ کچھ نے قرآنی معجزات طلب کئے تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ اعلان کر دیں۔

قَدْ أَتَيْنَا الْأَدْلِيَّةَ عِنْدَ اللَّهِ تم فرماؤ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں ایسی صریح آیات کی موجودگی میں یہ بے بنیاد دعویٰ کرنا کہ امور غیر عادیہ اور ارفع الاسباب امور میں اور معجزات و کرامات میں مخلوق کا کسب دخل ہے نہ صرف یہ کہ قرآن کریم کی مخالفت ہے بلکہ معجزات و کرامات کے صحیح وجود کا انکار ہے اور ان کو معاذ اللہ تعالیٰ بھان منی کا تماشنا بنانا ہے اور ہم نے آپ ہی کے اتنی حضرت کا حوالہ دے کر اپنی وفاداری کا ثبوت دیا ہے کیونکہ ع

جیوالے وفاداروں سے کترا یا نہیں کرتے صاحب مال ابد منہ کی طرف جس عقیدہ کی نسبت کی گئی ہے وہ خود ان کی صریح عبارت میں مذکور اور قرآن کریم حدیث شریف اور اجماع امت کے عین مطابق ہے البتہ اس کے نہ سمجھنے میں مؤلف مذکور کی بدعقیدگی اور سورہم شامل ہے اور بجا ہے جس اس کا کوئی علاج نہیں ہے اور نہ ایسے لوگوں کا اس جہان میں کوئی علاج ہو سکتا ہے۔

محکم کی فکر بھی لازم ہے غافل فکر عالی میں مال کار بھی کچھ سوچ لے لے بے خبر اپنا

افتراء عظیم اور اولیاء و شہداء علیہم السلام اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ مرتد ہوتے ہیں غلط نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس عبارت میں مولوی سرفراز صاحب نے انبیاء و شہداء اور اولیاء کی حیات کا بلا کسی قید کے انکار کر دیا چلتے قصہ ہی ختم ہوا (ص ۲۴) اس کے بعد مؤلف مذکور نے یہ عنوان قائم کیا ہے دیوبندی بدعت خوارج اور مختزلہ کی فرع ہے اور پھر

شامی کا حوالہ دیا ہے کہ خوارج نے حضرت علیؑ کے خلاف خروج کیا اور مخالفین کی طرح
 کی عبدالوہاب نجدی نے بھی رد عبدالوہاب نہیں محمد بن عبدالوہاب ہے جو حنبلی المذہب
 تھا مخالفین کو مشرک کہا پھر فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۹۷ کا حوالہ دیا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب
 اچھا آدمی تھا حنبلی تھا عامل بالحدیث تھا (محصلاً) اور ج ۲ ص ۱۰۰ میں لکھا ہے کہ وہ
 منہج سنت تھا۔ دیندار تھا۔ (محصلاً) اور معتزلہ حیات الاموات کی نفی کر کے مذہب
 وغیرہ مسائل کا انکار کرتے ہیں، اسی طرح وہابیہ انبیاء اولیاء کی حیات کی نفی کر کے
 استمداد وغیرہ کا انکار کرتے ہیں شرح عقائد ص ۱۰ میں ہے کہ بعض معتزلہ اور روافض
 عذاب قبر کے منکر ہیں اس لئے ہم انبیاء اولیاء اور شہداء کی حیات پر گفتگو کرنے سے
 جس کا مولوی سرفراز صاحب نے مطلقاً انکار کر کے اپنی حمان پر ایمان پر اصرار کیا ہے
 اس کے بعد حیات انبیاء و نبیاء اور جسمانی ہے کا عنوان قائم کر کے وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ
 يُقْتَلُ الْآيَةُ سے اور اس کی تفسیر میں صادی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انبیاء
 اور شہداء کی حیات حقیقی ہے اور ابوسعود کو مخفی محل اور بے شمار متحققین اہل سنت کا
 یہی مسلک ہے اور پھر المہند صلاً کا حوالہ دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے پھر مشکوٰۃ ط ۱۲ سے فنی
 اللہ حی یزنی کی حدیث اور اس کی شرح مزناۃ سے نقل کی ہے اس کے بعد
 الانبیاء احیاء فی قبور وہو یصلون کی حدیث شرح الصدور بیہقی اور ابوالعلی کے
 حوالہ سے نقل کی ہے اس کے بعد سلم کی روایت نقل کی ہے کہ معراج کی رات آنحضرت
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ وقتاً نکھو یصلی فی
 قبور اور اس حدیث کو مزناۃ اور شرح الصدور ص ۱۷ میں بھی نقل کیا ہے اور شیخ
 عبدالحق نے اشعۃ اللمعات اور جذب القلوب میں انبیاء کی جسمانی حیات پر کافی طویل
 بحث کی ہے پھر حیات اولیاء کی سرخی قائم کر کے تفسیر کبیر ج ۳ ص ۹۵ اور علی قاری
 کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے
 ہیں پھر لکھتے ہیں بہر حال حق یہ ہے کہ اہل سنت کا اولیاء اللہ کی برزخی حیات پانچ

ہے اگر مولوی سرفراز صاحب اس کا انکار کر کے کسی اور فرقہ میں اپنی جگہ بنائیں تو ہم کیا کر
 سکتے ہیں انبیاء شہداء اور اولیاء کی حیات پر یہاں اختصاراً کلام کیا ہے آگے حاضر ناظر
 میں تفصیلی بحث کریں گے اس کے بعد پھر ہم استغانت اور استغاثہ کی طرف متوجہ ہوتے
 ہیں (محصلاً ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸)
 الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جتنی کاوش کی ہے بالکل بے سود ہے کیونکہ حضرت
 انبیاء کرامؑ اولیاء عظام اور شہداء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات برزخی اور قبر کی زندگی
 تو درکنار راقم الشیخ مع اپنے جملہ اکابر کے تمام اموات کی عام اس سے کہ وہ مومن ہوں
 یا کافر قرین حیات تسلیم کرتا ہے اور تسکین الصدور کی کتاب کا موضوع ہی یہ مسئلہ ہے
 مؤلف مذکور کا راقم کی طرف حضرات انبیاء کرام اور حضرات شہداء و اولیاء علیہم السلام کی
 قبر کی حیات کے انکار کی نسبت کرنا سفید جھوٹ خالص افتراء اور زنا بہتان ہے اور اس کا
 مصداق ہے کہ ع

بے جیا باشش و ہرچہ خواہی کن
 مؤلف مذکور نے اس مسئلہ کے سلسلہ میں جو ناممکن اور ادھورے حوالے دیئے
 ہیں راقم نے ان سے کچھیں بڑھ کر مکمل اور بے شمار حوالے تسکین الصدور میں درج کئے
 ہیں انشاء اللہ تعالیٰ ایسے ٹھوس اور صریح حوالے مؤلف مذکور کا کوئی استناد بھی نہیں
 پیش کر سکتا۔ وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ
 قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ مؤلف مذکور کے دجل میں نہ آئیں اور ضرور
 ایک بار تسکین الصدور اور سماع الموتی کا مطالعہ کریں بفضلہ تعالیٰ یہ حقیقت بالکل
 آشکارا ہو جائے گی کہ شہیدہ کے بودمانند دیدہ سے
 میں دنیا جاؤں یا ران وطن کو کیا پتہ اپنا
 خدا جانے مجھے لے جائے ہمت کس پیلاں میں
 استمداد کا ثبوت احادیث سے یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے پہلے
 تو مشکوٰۃ ص ۸۶ سے حضرت ربیعہ بن کعب کی روایت مسلم کے حوالہ سے نقل کی کہ میں

ایک رات آپ کے ساتھ گذری اور آپ کے لئے وضو کا پانی اور دیگر ضروریات لے کر حاضر ہوا تو آپ نے اس کا گزاری پر خوش ہو کر فرمایا سلی مانگ انہوں نے کہا کہ میں جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں آپ نے فرمایا کہ تو کثرت سجد سے میری مدد کر، شیخ عبدالحق اشعۃ اللغات میں فرماتے ہیں کہ سوال کو مطلق رکھنے سے آپ نے فرمایا کہ مانگ اور کسی مطلوب خاص کے ساتھ مقید نہ کیا معلوم ہوا کہ تمام امور آپ کے ہاتھ میں ہیں جسے چاہیں جو چاہیں اللہ عزوجل کے اذن سے عطا فرماتے ہیں (مؤلف مذکور نے بدست ہمت و کرامت اوست میں کرامت کے لفظ کا ترجمہ ہی نہیں کیا تاکہ قطعی نہ کھل جائے یعنی یہ کاروائی آپ کے دست ہمت اور کرامت اور مجرہ کی وجہ سے ہوگی) اس کے بعد حضرت ملا علی القاریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ نے سوال کو مطلق لکھا ہے اس سے مستضاء ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خزان حق سے ہر اس چیز کے عطا کر نہ ہر قادر کر دیا جس کا آپ ارادہ فرمائیں آگے ابن سبع کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی زمین آپ کو عطا فرمائی ہے اس سے جس کو چاہیں جنتی قدر چاہیں عطا فرمائیں پھر مروج میں اگر لکھتے ہیں کہ ان عبادات سے معلوم ہوا کہ آپ اذین الی سے جو چاہیں جسے چاہیں دیں خواہ امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ انگلیوں سے چٹنے جاری کر کے کثیر التعداد صحابہ کرام کو میراب کر دینا، سلمہ بن اکوع کی شکستہ پنڈلی کو دم فرما کر درست کر دینا مافوق الاسباب العادیہ کے طور پر امداد کے چمکتے ہوئے ایسے دلائل ہیں جن کی تابانگیوں سے اہل تحقیق کی آنکھیں گڑی جا رہی ہیں پھر آگے لکھتے ہیں کہ حضرت پیغمبرؐ نے آپ سے جنت کا سوال کیا حالانکہ جنت کا دینا عادیہ گھسی کے بس اور اختیار میں نہیں ہے اگر یہ شرک تھا تو آپ روک دیتے بلکہ اوغیر ذلک فرما کر آپ بار بار مانگنے کی اور اپنی ذات سے حاجت روائی کی ترغیب دے رہے ہیں اور انہی محروم شرک کی تسبیح رول رہے ہیں کیا سلی ای اطلب حاجت کے بعد بھی سرفراز صاحب کا یہ بیانیہ قابل توجہ رہ جاتا ہے کہ کتب حدیث کے وافر ذخیرہ میں ایک بھی صحیح اور صریح حدیث ایسی نہیں جس میں یہ تعلیم دی گئی ہو کہ مافوق الاسباب طور پر اہل اللہ سے استغانت کر دو

اس کے بعد انہوں نے بحوالہ حسن حصین ص ۲۲ طبرانی سے حضرت عتبہ بن غزوہ کی ابن سنی سے حضرت ابن مسعود کی اور ابن ابی شیبہ اور بزار سے حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے جس میں آتا ہے کہ وان اردعونا فلیقل یا عباد اللہ! عینونی الحدیث پھر کثرت طرق سے اس کی تحقیر کا دعویٰ کیا ہے اس کے بعد شواہد نقل کیے طبرانی اور بیہقی کے حوالہ سے اور لشتر الطیب ص ۳۳ کے حوالہ سے حضرت عثمان بن حنیف کی طویل حدیث بیان کی جس میں ایک نابینا شخص کے آنے کا تذکرہ کیا جو آپ کے توسل سے بینا ہو گیا پھر جوش میں آکر لکھتے ہیں اس حدیث سے استغانت مافوق الاسباب میں فی الحیات بھی ثابت ہوئی اور بعد الوصال بھی لیکن سرفراز صاحب کو اس سے کیا غرض وہ فقدان بصیرت اور عناد انبیاء کی وجہ سے یہی کہتے رہیں گے کہ استغانت کے باب میں ایک حدیث بھی موجود نہیں اس کے بعد شواہد نقل کیے ص ۳۲ قرۃ العینین ص ۱۹ کے حوالہ سے بیہقی ص ۱۲ اور ابن ابی شیبہ کی وہ روایت نقل کی جو مالک الدار کے حوالہ سے آتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کہ ایک شخص نے آپ کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر آپ سے بارش کے نزول کی دعا کی التجا کی تو آپ نے خواب میں فرمایا کہ جا کر عمرؓ سے کہہ دو کہ بارش ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدارک ج ۳۶۸ و شواہد الحق ص ۲۹۹ اور لشتر الطیب ص ۳۳ کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر ایک شخص نے حاضر ہو کر آپ سے شفاعت طلب کی جو قبول ہو گئی محصلہ ص ۲۹ ص ۳۵

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے بالکل بے فائدہ ہے اولاً اس لئے کہ حضرت ربیعہ بن کعب کی روایت کا مطلب اور فریق مخالف کے استدلال کا جواب اور حضرت ملا علی القاریؒ اور شیخ عبدالحقؒ کی عبادات کا مطلب ہم نے ول کا سر در ص ۱۹ تا ص ۲۱ میں مفصل سے دیا ہے مؤلف مذکور کا فریضہ جسک وہ اس کا مطالعہ کریں۔

دثانیاً: اس صحابیؓ نے آپ سے جنت کا سوال نہیں کیا بلکہ آپ کی شفاعت اور صحابی برکت سے جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کیا تھا آپ اس انداز سے سوال کو کیوں

شکر فرمانے اور کہوں اس کو روکتے؟ دغا کا حوالہ ہم نے دل کا سرور ۱۹۵ میں اور شفاعت کا جو حصہ ۲ میں بیان کر دیا ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں۔

وَاللّٰهُ لَا يَخْلُقُ مَا يَكْفُرُ وَلَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ اور حضرت شیخ عبدالحق کی عبارات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپ کو کلی اختیار حاصل تھا اور آپ نفع و ضرر کے مالک تھے اور افروری نجات اور جنت دینا آپ کے اختیار میں تھا حضرت ملا علی القاریؒ کا حوالہ راہ ہدایت ص ۱۷۱ میں اور حضرت شیخ عبدالحق صاحب کا حوالہ ص ۱۵۱ میں ملاحظہ کریں۔ اور ان کا ایک اور حوالہ یہاں بھی ملاحظہ فرمائیں وہ بخاری ج ۲ ص ۲۱۱ کی اس حدیث

يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ عَلَى اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے سلیمنی مانتھت من مالی لا اغنی عنك مال سے جو تو ہے مانگ لے میں اللہ کی کفالت سے بچھے نہیں بچا سکتا۔

کی تفسیر کرنے ہوئے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ مراد آنست کہ اگر مالی در ملک من باشد مراد یہ ہے کہ میرے ملک میں مال تو تو طلب کر لے طلب ما نجات آخرت در ملک من نیست بہر حال آخرت کی نجات میرے اختیار میں نہیں اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۲۴۷ طبع نو لکھنؤ لکھنؤ ہے۔

اگر جنت آپ کی جاگیر ہوتی تو کم از کم آپ اپنی پیادری بیٹی حضرت فاطمہؓ کو نو عطا فرما دیتے نجات آخرت اس کے سوا اور کیا ہے کہ دوزخ سے آدمی بچ جائے اور جنت لے لے نصیب ہو جائے دعا اور شفاعت کا مسئلہ جدا ہے اور اختیار و ملک کا مسئلہ الگ ہے غلط بحث علماء کی نشان کے لائق نہیں۔

دایعاً یہ روایت مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۱ میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سوال کریں مجھے دوں میں نے کہا حضرت! آپ مجھے ہمت میں تاکہ میں اپنے باپ سے غور کر سکوں آپ نے فرمایا غور کرو میں نے غور کیا تو میں نے سوچا کہ دنیا کا معاملہ تو ختم ہونے والا ہے میں نے کہا کہ اس سے بہتر اور کچھ نہیں کہ میں اپنے لئے اپنی آخرت کے لئے کچھ لے لوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا آپ نے

فرمایا تمہاری کیا حاجت ہے؟

قلت یا رسول اللہ انتقم لی الی دینک میں نے کہا یا رسول اللہ آپ میرے لئے اپنے رب عزوجل سے انتقام لیں تاکہ وہ مجھے دوزخ سے رہائی عطا فرمائے

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں سئل کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے کوئی حاجت مانگ تاکہ میں مجھے تیری خدمت کے مقابلہ میں تحفہ کے طور پر دوں کیونکہ شریف لوگوں کا یہی ذوق اور نشان ہے کہ چونکہ وہ خدمت کا صلہ دیا کرتے ہیں (بحوالہ فتح الملہم ج ۲ ص ۱۷۱ اور علامہ سندھی قاضی علیٰ نفیس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اپنی حاجت پر جو جنت میں میری رفاقت ہے میری مدد کر اور اس سے مراد اس حاجت کی نشان بتانا ہے اور یہ بتانا ہے کہ اس میں تیری مدد کی بھی ضرورت ہے اور مجھ سے اس کا مض سوال ہی کافی نہیں ہے (بحوالہ فتح الملہم ج ۲ ص ۱۷۱)

نیز سندھی نے یہ معنی بھی نقل کیا ہے کہ لُوپِنے نفس کی اصلاح کریں بھی تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے تیرے نفس کی اصلاح کا سوال اور دعا کرو گے (بامثل نسائی ج ۱ ص ۱۲۱) ان تمام حوالوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیا کی چیزوں کے سوال کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا تاکہ ان میں معاذ اللہ تعالیٰ آپ کے مشارک ہونے کا تصور کیا جائے، بلکہ سوال کا تعلق صرف دوزخ سے نجات اور جنت میں آپ کی رفاقت سے تھا اور وہ بھی اس طور پر نہیں کہ آپ مالک و مختار ہیں بلکہ آپ کی دعا اور شفاعت کی برکت سے کیونکہ روایت میں تصریح ہے کہ آپ اپنے رب سے شفاعت کریں تاکہ وہ مجھے دوزخ سے رہائی نصیب فرمائے کیونکہ جنت کا عطا کرنا اور دوزخ سے بچانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نہیں چنانچہ غنیمت کے سلسلہ میں خیانت کرنے کے بارے میں ایک مشہور اور صحیح حدیث ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ مجرم کچھ گا۔

یا رسول اللہ اغثنی قاتولاً املاًک یا رسول اللہ میری ادا فرمائیں (آپ فرماتے ہیں) نیشاند ابلعتک (الحديث) سو میں کہوں گا میں تیرے لئے کسی چیز کا مالک

اس کے ترجمہ اور شرح میں حضرت شیخ عبدالحی صاحب لکھتے ہیں

میں گویا آپ کے اثنافراہدس مراو خلاص
میں ازیں عذاب لپس میں گویم من مالکیت تیم
میں منزرا جبرے را از خلاص دادن و دفع
کردن این عذاب تحقیق رسانیدم من نرا
شرعیت را وترسانیدم و مبالغہ کردم و تونہ
کردی ظاہر ابرائے زجر و تعذیب و شفاعت
ایشان تاخیرے میرود و اگر نہ نکندیم واجب
نیست (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۳۸)

ہوگا اور اگر آپ ان کی شفاعت نہ کریں سب بھی
واجب نہیں ہے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ مجرموں کو عذاب سے بچانا اور اس سے خلاصی
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ آپ اس کے مالک ہیں
الغرض حضرت ربیعہ کی روایت سے یہ ثابت کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت
کے مالک تھے بالکل غلط ہے اور ابن سبتج جیسے غیر معصوم اور غیر مجتہد کے قول کی وجہ سے
یہ باور کرنا کہ جنت آپ کی جاگیر تھی قطعاً بے بنیاد امر ہے بات صرف اتنی تھی کہ ان کے
حق خدمت کے سلسلہ میں آپ خوش اور راضی ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے
کرنا چاہتے تھے اور حضرت ربیعہ بھی یہی اعتقاد رکھتے اور سمجھتے تھے کہ یہ آپ کی شفاعت
اور دعا سے ہی ہوگا اور اگر یہی دنیوی کام سے وابستہ ہے تو طلبہ علم کے معلومات
عرض ہے کہ حضرت ربیعہ کی یہ روایت صحیح ابو عوانہ ج ۲ ص ۱۸ اور نسائی ج ۱ ص ۱۲۸ میں
ہے اور مستدرک ج ۳ ص ۵۲ کی روایت میں ہے کہ حضرت ربیعہ آپ کے خادم تھے
یخدم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (روایت میں آتا ہے کہ میں آپ کی خدمت

کرنا تھا آپ نے فرمایا اے ربیعہ تو شادی نہیں کرتا میں نے کہا بخدا میں شادی نہیں کرتا
اور سند طیبہ ص ۱۶ کی روایت میں ہے کہ میں آپ کی خدمت کیا کرتا تھا، آپ نے
فرمایا تو شادی نہیں کرتا میں نے کہا مجھے توفیق بھی نہیں اور آپ کی خدمت بھی نہ نہیں
کرنا چاہتا آپ نے دوبارہ فرمایا تو میں نے یہی جواب دیا، آپ نے سہ بار فرمایا تو میں نے
ہاں کر دی آپ نے فرمایا کہ فلاں انصار کے خاندان کے پاس جاؤ اور فلاں عورت کا رشتہ
مانگو چنانچہ میں گیا اور انہوں نے میری شادی کرادی (محصلاً) بہت لکھ ہے کہ آپ کی
مراصل سے یہی معاملہ ہو۔

وہاں آگاہیوں سے پانی کا نکلنا اور حضرت سلمہ بنی کی پینڈلی کا درست ہو جانا،
اللہ تعالیٰ کے فضل سے بطور معجزہ تھا اور معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے نبی کا فعل نہیں ہوتا
اور نہ اس میں ان کا کسب اختیار ہوتا ہے کما مر

وسادساً حضرت ربیعہ کی حدیث سے جو کچھ ثابت ہے وہ شفاعت اور طلبے
اور وہ مافوق الاسباب امور میں داخل نہیں اور اس کے نتیجہ میں جو اثر اور خرق عادت
اثبات اور صادر ہونے کی توقع ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور اس کا فضل ہے اس
میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی اختیار نہیں مؤلف مذکور کا اس حدیث
سے مافوق الاسباب العادیہ استعانت ثابت کرنا نری جہالت ہے علم و خرد سے
اس کا کوئی تعلق و واسطہ نہیں ہے۔

وَسَابِعاً عِینُوفِی بَابِ عِبَادَةِ اللَّهِ کی حدیث پر بحث ہم نے گذشتہ توحید اور تفریح
الخواطر میں کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ فرمائیں اسی طرح حضرت عثمان بن حنیف کی روایت
کا مطلب ہم نے تسکین الصدر میں عرض کر دیا ہے اس سے جو کچھ ثابت ہے ہم پر زور طریقہ
بلاس کے قابل ہیں بحث تسکین الصدر میں دیکھ لیں البتہ اس استعانت کو مافوق الاسباب
اور مافوق الامور العادیہ استعانت کہنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے کہا ہے علم سے بالکل بخیر
بہتر ہے اسی طرح مالک الدین کی روایت بمع پوری تفصیل کے نیز اعرابی کا واقعہ مع خصوص
اور مترشح حوالوں کے ہم نے تسکین الصدر اور سماع المونی میں نقل کر کے اس سے استدلال

کیا ہے ان تمام امور کے جواب سے ہم بفضلہ تعالیٰ فارغ الذمہ ہیں اور ہمیں ایسے امور کی زنجیر کی کڑیاں کاٹنے کے لئے تلوار کی حاجت نہیں۔
فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کا کارگر

استمداد کا ثبوت اعلام امت سے

یہ عنوان قائم کر کے مولف مذکور نے اشعۃ المناعات ج ۱ ص ۱۵۷ سے حضرت امام غزالی کے حوالہ سے طویل عبارت استمداد کے بارے میں لکھی ہے اور پھر بڑے مزے میں اور خوش ہو کر لکھتے ہیں اب سرفراز صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ شیخ دہلوی کی ان تصنیحات اور اولیاء اللہ سے استمداد فی الحیات و بعد الممات کی تشریحات کی وجہ سے شیخ پر شرک کا فتویٰ لگائیں گے؟ یا اپنی بے بصیرتی اور بے علی کا اعتراف کی اپنی بد عقیدگی سے رجوع کریں گے؟ اس کے بعد انہوں نے اشعۃ المناعات ج ۳ ص ۱۵۷ کے حوالہ سے راہ استمداد یا ہل الغیور منکوشہ اندلہم کی طویل عبارت نقل کی ہے (محصلاہ ص ۳۵ تا ص ۳۷)

الجواب: مولف مذکور کا یہ وزیر ہے کہ وہ محض حوالہ دے کر ہی بڑے خوش ہونے لگے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ انہوں نے دیوبند کے مضبوط حصن اور ناقابل تسخیر قلعہ کو فتح کر لیا ہے اور خیر سے حقیقت کو خود نہیں سمجھتے ہم نے تسکین الصدور اور اب نئی کتابائع الیہ میں اس پر سیر حاصل بحث کر دی ہے کہ اہل قبور سے اگر بایں معنی استمداد ہے کہ ان سے دعا کرائی جائے اور دعا کرنے والا یہ سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں اور وہ ان کا دعا کو قبول فرماتا ہے تو جو حضرات سماع الموتی کے قائل ہیں وہ اس کو درست سمجھتے ہیں اور اکثر اکابر علماء دیوبند بھی فی الجملہ سماع الموتی کے قائل ہیں کیونکہ اہل ختی کے ہاں قبوی روح اور جسم کے تعلق سے حیات حاصل ہوتی ہے اور ان کو علم اور اک اور شعور حاصل ہوتا ہے اور زیارت کرنے والوں کے سلام و کلام اور لب و لہجہ سے وہ ان کو پہچانتے ہیں ان لئے مجوزین سماع الموتی حضرات کے ہاں اہل قبور سے ایسی دعا کرنا جائز ہے لیکن اگر

استمداد کرنے والے یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ اہل قبور کے امداد دینے میں معاذ اللہ تعالیٰ اہل قبور کا تصرف چلتا ہے اور وہ خود قدرت رکھتے ہیں تو یہ ممنوع و حرام ہے ہم مولف مذکور کا نقل کردہ ترجمہ بعض بعض مقامات سے عرض کرتے ہیں تاکہ معاملہ بالکل بے غبار اور روشن ہو جائے چنانچہ وہ ص ۳۷ میں ترجمہ یوں کرتے ہیں خصوصاً متعین کے ختی میں جو اولیاء اللہ ہیں اور ممکن ہے کہ انہیں اللہ کی طرف سے برزخ میں ایسا مرتبہ حاصل ہو جیسا قیامت میں انہیں منصب شفاعت عطا ہوگا جس کی وجہ سے وہ ان زائرین کے ختی میں جو ان سے توسل میں دعا اور شفاعت کریں گے اور بھلا اس کی نفی پر کوئی دلیل قائم ہے الخ اور ص ۳۸ میں عبارت کے ایک حصہ کا اس طرح ترجمہ کرتے ہیں یہ جو ہم نے سمجھا ہے وہ تو یہ ہے کہ دعا کرنے والا اس بندہ مقرب کے توسل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ اے بارالہ اس بندہ مقرب کی برکت سے جسے تو نے بے اندازہ الطاف و اکرام سے نوازا ہے میری حاجت کو پورا فرما کہ تو ہی مصلیٰ کریم ہے یا دعا مانگنے والا اس بندہ مقرب کو نہ کہ دعا کرنے والا اس بندہ خدا ہے اللہ کے ولی میری شفاعت کر اور اللہ سے دعا کر اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ مجھے میرا سوال اور مطلوب عطا فرمائے اور یہ بندہ مقرب درمیان میں صرف وسیلہ ہوتا ہے اور قادر اور فاعل سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہوتا اور اولیاء اللہ تو اللہ کے فعل اور قدرت میں فنا ہوتے ہیں اور اولیاء کو نہ اب قبور میں کسی امر پر قدرت ہوتی ہے اور نہ جس وقت دنیا میں تھے اس وقت کسی چیز پر قدرت تھی اور امداد و استمداد کا جو معنی میں نے ذکر کیا ہے اگر موجب شرک اور غیر اللہ کی طرف توجہ کو مستلزم ہوتا جیسا کہ مشرک کا زعم فاسد ہے تو چاہیے تھا کہ صاحبین سے طلب دعا اور توسل زندگی میں بھی ناجائز ہوتا۔ حالانکہ یہ بجائے ممنوع ہونے کے بالاتفاق جائز اور مستحسن و منتخب ہے الخ اور ص ۳۹ میں عبارت کے ایک حصہ کا یوں ترجمہ کرتے ہیں ہاں اگر اولیاء اللہ کے ختی میں زائرین کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ امدادیں مستقل ہیں (فارسی عبارت یوں ہے کہ اہل قبور مقرب و مستند قادر اند بے توجہ بکثرت ختی والقباء جناب تعالیٰ الخ) اور اللہ کی جناب میں توجہ کے بغیر بطور خود ذاتی قدرت سے امداد کرنے ہیں جیسے بعض جہلاء کا عقیدہ ہے کہ وہ قبر کی تقبیل اور سجدہ کرتے ہیں اور اس کی

طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور یہ تمام افعال ممنوع اور حرام ہیں اور عوام جہلاء کے افعال کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ خارج از بحث ہیں الخ

الغرض ہم نے تسکین الصدر میں مسئلہ توسل پر یہی حاصل بحث کر دی ہے یہ مؤلف مذکور کی انتہائی جہالت ہے کہ وہ رافق اور رافق کے اکابر کے مسلک اور رافق کی کتابوں سے بالکل جاہل ہیں اور صرف ایک کتاب کو سامنے رکھ کر محض تعصب میں مبتلا ہو کر بے سمجھی میں اس کا رد کرتے اور اپنے گھر بیٹھے ہوئے ہی ہماری طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہیں اور پھر ان کی تردید کرتے ہیں اور یوں شیخ چلی کی طرح خانہ ساز پلاؤ پکاتے بستے ہیں عوام اناس سے غلط فہمی سنائی باتوں کی طرف نہ جائیں ہماری کتابیں دیکھیں کہ ان میں کیا لکھا ہے۔

ازل ہی سے میکدے میں کبھی ہم نہیں گئے !

دنیا کو اعتبار نہ آئے تو کیا کہیں ہم

استمداد کا انکار بدعت ہے | یہ سنی قائم کر کے مؤلف مذکور اس کے تحت لکھتے ہیں کہ دیگر فوائد کے علاوہ شیخ محقق کی

اس عبارت سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ استمداد اولیاء کا انکار گیارہویں صدی کی بدعت ہے اور اولیاء اللہ سے استغانت کرنے والوں پر شرک کا فتویٰ صادر کرنا اس فرقہ ضالہ کی اختراع ہے جس کے بارے شیخ محقق فرما رہے ہیں کہ وہ ان کے زمانہ کے قریب رہا ہوا ہم نے علامہ دیوبند کے لئے عوام اور سرفراز صاحب کے لئے مخصوصاً تاریخ کا آئینہ پیش کر دیا ہے وہ اس آئینے میں اپنے آپ کو دیکھیں اور سوچیں کہ غیر اللہ سے استمداد کو شرک کہہ کر انہوں نے اپنا فارورہ کس جماعت سے جاملایا ہے۔ امام رازی تفسیر کبیر ج ۴ ص ۸۵ پر یہ فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس قدر علوم و معارف عطا فرمائے ہیں جن سے وہ مخلوقات کے دلوں اور روحوں پر تصرف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قدر قدرت اور طاقت دی ہے جس سے مخلوق کے بواطن پر تصرف کر سکتے ہیں۔ انتہی بلفظ (ص ۴۴)

الجواب : اہل قبور سے توسل اور عند القبور طلبی عا کے مطلقاً انکار کی نسبت علماء دیوبند اور سرفراز کی طرف کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے کہا ہے انتہائی درجہ کی خیانت ہے ہم نے پہلے اشارہ کر دیا ہے (اور تسکین الصدر اور سماع الموتی میں اس کی مفصل باحوالہ بحث موجود ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے عام موتی کے بارے سماع موتی کے قائلین اس توسل کے جواز کے قائل ہیں اور علماء دیوبند کی اکثریت سماع موتی کی قائل ہے غرضیکہ حضرت شیخ محقق صاحب کی عبارت سے جس استدلال کا جواز ثابت ہے ہم اس کے قائل ہیں ہاں جس توسل کو حضرت شیخ صاحب ممنوع اور حرام

کہتے ہیں اس کو ہم بھی صرف بدعت ہی نہیں بلکہ ممنوع اور حرام کہتے ہیں ہم نے فتاویٰ رشیدیہ سے اس کا شرک ہونا واضح کر دیا ہے نیز ہم نے سماع الموتی میں باحوالہ یہ بات بھی عرض کر دی ہے کہ اس جائز استمداد کا انکار کس نے کیا ہے اور کب کیا ہے ؟ یہ انکار گیارہویں صدی کا نہیں بلکہ پہلے کا ہے مجد اللہ تعالیٰ ہم نے تاریخ بھی پڑھی ہے اور اس کا پس منظر پیش منظر اور یہ منظر بھی جانتے ہیں لہذا ہمیں تاریخی آئینہ نہ دکھائیے خود دیکھنے کی کوشش کیجئے باقی حضرت

امام رازی کا جو حوالہ مؤلف مذکور نے نقل کیا ہے وہ بالکل غیر متعلق ہے اس لئے کہ امام رازی نے جو چیز فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اس قدر علوم و معارف عطا فرمائے ہیں جن سے وہ مخلوقات کے دلوں اور روحوں پر تصرف کرنے میں یعنی وہ علوم اور معارف لوگوں کو سکھاتے بتاتے اور پڑھاتے ہیں اور لوگ ان کو قبول کر کے اور ان سے متاثر ہو کر ایسے سنو رتے ہیں کہ ان کی کایا ہی پلٹ جاتی ہے اور جو جاہل و بد و ظالم و فاجر اور اپنی ہی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے والے تھے جہانیاں اور پاسباں بنتے ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عمدہ تعلیم اور اچھی تربیت سے فیض یافتہ ہو کر وہ مخلوق خدا کے لئے راہنما بنتے ہیں اور خدا کی تعلیم اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خصوصاً حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جامع اور اتم تعلیم سے آراستہ ہو کر وہ باطنی اور قلبی اعتبار سے اُن روحانی اقتدار تک پہنچے جن کی مثال دنیا پیش کرنے سے یکسر قاصر و عاجز ہے مولانا حالی مرحوم نے کیا ہی خوب فرمایا ہے۔

لئے علم و فن اُن سے نصرا نہیں نے کیا کسب اخلاق روحانیوں نے
ادب ان سے سیکھا صفا پائیوں نے کہا بڑھ کے لیک بزدانیوں نے
ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ تاریک و نیسا میں چھوڑا

حضرت امام رازیؒ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرات انبیاء کو اہم علیہم الصلوٰۃ والسلام کو
ما فوق الاسباب اور ما فوق الامور العادیہ قدرت و طاقت حاصل تھی اگر ایسا ہوتا تو حضرت
آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ صرف کر کے اپنے بیٹے قابیل کو اپنے مظلوم اور بے گناہ بھائی
ہابیل کے قتل سے روک دیتے اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی بیوی و اعلیٰ اور
بیٹے کنعان کو ایمان کی دولت سے نواز دیتے اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی
بیوی و اولاد کو کبھی کفر و شرک پر مرنے نہ دیتے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے
باپ آزر کو کفر و شرک پر مرنے سے بچا لیتے اور امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے دشمن چچا اور مجازی مرنے عبد مناف ابوطالب کو
ایمان کی نعمت سے سرفراز فرما دیتے کہاں تک ان قطعی اور ٹھوس واقعات کا ذکر کیا
جائے بیشمار سے بھی باہر ہیں۔ خود امام رازیؒ قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا اَلَيْدًا
کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

والمواد ان ازال العذاب على الاعضاء اس سے مراد یہ ہے کہ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے
واظهار النصرۃ لاولیاء لا یقدر علیہ اور دوستوں کی مدد کرنے پر بجز اللہ تعالیٰ کے
احد الا اللہ سبحانہ
(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۸۱)

جب اس آیت کریمہ کے پیش نظر سردار دو جہاں اور خلاصہ کائنات حضرت محمد رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے تصرف کی قدرت نہیں تو اور کسی کو کیسے؟ اور کہاں سے؟
اور کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ نیز امام رازیؒ قُلْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا دَشْنًا اَکِ
تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

اما انہ یفسر الدشند بالنفع حتی یکون
تقدیر الکلام لا املک لکم خبیثًا ولا
دشند ویدل علیہ قراءۃ اَبی غیبًا ولا
دشند ومعنی الکلام ان النافع والنضار
والدشند والمعوی هو اللہ تعالیٰ وان
احداً من الخلق لا یقدر لہ علیہ
(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۸۱)

یہ آیت کریمہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے جس سے امام رازیؒ
کی تفسیر کی روشنی میں صاف عیاں ہے کہ نافع اور ضار اور دشند اور دشمنی اللہ تعالیٰ کے بغیر اور
کوئی نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کر دے۔
یَعْدِی مَنْ یَّشَاءُ وَیُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ حضرت امام رازیؒ کی ایسی واضح اور صریح
عبارات کی موجودگی میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ حضرات انبیاء کو اہم اور اولیاء عظام علیہم السلام
کے لئے لوگوں کے دلوں پر تصرف کے قائل ہیں سراسر باطل اور قطعاً مردود ہے جس
تصرف کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ صرف علم و عرفان و عطا و ارشاد اور اخلاق کریمانہ سے
انہیں پیری کا تصرف ہے اور وہ بھی صرف اسی کو حاصل ہوتا ہے جو اس کا طالب ہو اور
اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اور ایسے لوگ نسبتاً کم ہیں۔

خدا کے واسطے دنیا کے دلوں سے متہ جو موڑے ہیں

وہی ہیں مستند النساں مگر افسوس تھوڑے ہیں

معجزات اور کرامات کے ذریعہ تصرف
یہ یاد رہے کہ ہم حضرات انبیاء کو اہم اور اولیاء عظام علیہم السلام کے
ایسے تصرفات کے منکر ہیں جن میں ان کے فعل اور کسب کا دخل ہو اور جو فعل ختیقہ تہ ان کی
طرف منسوب ہو جیسا کہ نوکف مذکور کہتے ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قدر قدرت
۱۰۱

اور طاقت دی ہے جس سے مخلوق کے بواطن پر تصرف کر سکتے ہیں بلفظ ہم کہتے ہیں کہ اللہ کی قدرت اور طاقت اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے ہاں معجزہ اور کرامت حق ہے لیکن معجزہ اور کرامت میں نبی اور ولی کا فعل اور کسب نہیں ہوتا وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے جو ان کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے اس کی بفضلہ تعالیٰ بجا لا مزید علیہ اور سیر حاصل باحوالہ بحث ہم نے اپنی کتاب راہ ہدایت میں کر دی ہے اس مبسوط اور مفصل بحث کو اسی میں ملاحظہ کریں۔ اور بقدر ضرورت پہلے عرض کی جا چکی ہے۔

الغرض معجزہ اور کرامت کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی اہل بدعت لفظ کا شکار ہیں اور ایسے تصرفات صرف قلوب ہی میں نہیں بلکہ عالم میں بھی رونما ہوتے ہیں لیکن ان کا ان میں کسب اور دخل نہیں ہوتا ان میں فعل صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ

وقد يوجد لبعض المتصوفة واصحاب الكرامات تأثيرا في احوال العالم وليس معددا من جنس السحر وانما هو بالامداد الالهي لان طريقتهم دخلت من اثار النبوة وتوابعها (مقدمہ ابن خلدون ص ۵۵)

کبھی کبھی صوفیاء کرام اور اصحاب کرامات سے احوال عالم میں تاثير بھی پائی جاتی ہے اور عباد کی قسم میں شمار نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی امداد سے ہوتی ہے کیونکہ ان اکابر کا طریقہ اور نسبت آثار نبوت اور اس کے توابع سے ہے (جب کہ جادو کو نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہے)

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے مزید تشریح کی جاتا نہیں ہے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پنی خرق عادت پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

ان اقسام میں سے ایک تاثير ہے اور یہ قسم کا ہے ایک تو یہ کہ مرید کے باطن میں تاثير کرے اور اس کو حق و عطا کی طرف جذب کرے دوسری تاثير عالم کون فساد میں کہ حق تعالیٰ اس کی دعاء اور اس کے ارادہ کے موافق قسم میں لاے (ارشاد الطاہرین ص ۱۰۲)

اس سے ثابت ہوا کہ اس تاثیر کا اثر پھر کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے صاحب کرامت کا کام صرف دعا ہے اور اپنے دل میں جذب کا ارادہ ہے نہ یہ کہ ان کو تصرف کا اختیار اور قدرت حاصل ہوتی ہے حاشا وکلا۔

جان اللہ نے لی جسم ہوا داخل گور !

ہم نے بھی دل میں سمجھا کہ ہمارا کیا تھا

معجزہ کرامت اور سحر و شعبہ بازی میں ماہر التبیان فرق | ہم اس کو نہیں چھیڑنا چاہتے

یہاں صرف یہ بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ سطلی نگاہ میں معجزہ و کرامت اور جادو میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس میں بھی ایک گونہ تصرف ہوتا ہے اور لیکن حقیقتہً ان میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے وہ اس طرح کہ نبی تو منجانب اللہ تعالیٰ مبعوث و معصوم ہوتے ہیں ان کے ہاتھ پر معجزہ صادر ہوتا ہے اور ولی وہ ہوتا ہے جو مومن اور متبع سنت و طاس کے ہاتھ پر کرامت صادر ہوتی ہے اور جادو اور سحر نیزم کا فساد پر بد عقیدہ اور فاجر کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے اس پر خاص بحث کی ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ سحر و شعبہ بازی غیر مسلموں کے ہاتھ پر بھی صادر ہوتے ہیں چنانچہ ہندوستان کے جوگیوں سوڈانیوں اور ترکیموں میں ایسے غیر مسلموں کا خصوصیت سے انہوں نے ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون ص ۹۹) اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پنی تحریر فرماتے ہیں کہ کشف اور خرق عادت اور تصرف عالم کون و فساد میں ریاضت سے حاصل ہو سکتا ہے اور اسی لئے حکماء اشراقیین اور بہند کے جوگی اس سے بہرہ یاب ہو جاتے ہیں اور یہ کمالات اہل اللہ کی نظر میں اعتبار سے ساقط ہیں جو خود جو کے بھاد بھی نہیں خریدے جا سکتے (ارشاد الطاہرین ص ۳۵) و حال لہین کے ہاتھ پر جو کچھ صادر ہوگا وہ بھی اسی جادو کی قسم سے ہے اور ابن صیاد کا دُخ والا کشف بھی اسی مد کا ہے اور ایسا کشف غیر مسلموں کو بھی ہوتا ہے چنانچہ حافظ ابن القیم لکھتے ہیں کہ

الكشف الجزئي المشترك بين المؤمنين والكفار نيكون اور بدین

والکفار والابرار الخ والی قولہ ولذالک یقع
من الکفار والنصارى وعابدى النیروان
والصلبان الخ (مدارج السالکین ص ۳۲)

میں مشترک ہے (پھر فرمایا) اور اسی لئے یہ
آتش پرست اور صلیب پرستوں سے اتنے

خود حضرت امام رازیؒ ہاروت و ماروت کی تفسیر میں جادو پر بحث کرتے ہوئے

تشریح فرماتے ہیں کہ

واما اهل السنة فقد جردوا ان یقدر
الساحر علی ان یطیفر فی الهواء ویقلب
الانسان حمالاً والحمار انساناً لا اناھو
قالوا ان الله تعالیٰ هو الخالق لهذه الاشیاء
عند ما یقرا الساحر قی مخصوصه
کلمات معبجۃ الخ

اہل السنۃ والجماعت اس سے انہیں قرار دیتے
ہے کہ جادو گر اس پر قادر ہے کہ فضا میں اڑے
اور انسان کو گدھا اور گدھے کو انسان بنائے
مگر اہل السنۃ والجماعت سمجھتے ہیں کہ جادو
میں کہ جادو گر جب مخصوص منتر اور متعین کلمات
پڑھتا ہے تو اس وقت ان اشیاء کا خلق ہوتا ہے

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۱۳)

اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

یعنی جادو کا کسب اور فعل تو جادو گر کا ہے لیکن اس کے جادو کے نتیجے میں ہونا
اڑنے کے فعل اور انسان کو گدھا اور گدھے کو انسان بنانے کے فعل کا خالق صرف اللہ
تعالیٰ ہے کیونکہ اہل السنۃ والجماعت کا یہ فرقہ فیصلہ ہے جو اولیٰ قطعیہ پر مبنی ہے
کہ اللہ خالق کل شئی ہے اور وہی باقی ہے باقی سب فانی ہے
لہذا ان شوکت انسان بنے تو مٹ بھی گئے
خدا کا نام ہی عالم میں برقرار رہا

مؤلف مذکور نے یہ منتر
جما کر آگے کہا ہے کہ ہم

دیوبند کے مسلم اکابر سے استعانت کا ثبوت
سرفراز صاحب کے معتمد شاہ ولی اللہ صاحب کا حوالہ دیتے ہیں جو انہوں نے بہت
میں بہت نفس کے علاج میں فرمایا ہے مثلاً کی ارواح طیبہ کی طرف متوجہ ہوا
کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھے یا ان کی قبر کی زیارت کے لئے جائے اور ان سے انجذاب

میں مرنے کے بعد کے حالات شاہ صاحب نے بیان فرماتے ہوئے فرمایا وہ خواص اولیاء
اللہ جنہوں نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہے وفات
کے بعد بھی دنیا میں تصرف کرنے کی طاقت پاتے ہیں اور ان کا امور فردی میں متفرق ہونا
بسیب وسعت اور ان کے دنیا کی طرف توجہ کرنے سے مانع نہیں ہوتا، اولیٰ سلسلہ کے حضرات
اپنے باطنی کمالات ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حاجت مندان سے حاجت طلب کرتے

کی صیغہ مانگے۔ پس لامحالہ شاہ صاحب کی ان تمام عبارتوں کو (جو ہم نے تنقید نہیں
میں مفصل اور باحوالہ نقل کی ہیں اور مؤلف مذکور نے تو اس کا جواب دے سکے ہیں اور نہ ہی
انہوں نے قارئین کرام کے سامنے وہ عبارتیں پیش کی ہیں تاکہ ان صریح اور ٹھوس عبارتوں
سے قارئین کرام متاثر نہ ہوں (صقہ) جن میں انہوں نے استعانت کو شرک کہا استعانت
علی وجہ العبادت یا مستقل بالذات پر محمول کرنا پڑے گا ورنہ استعانت سے علم مراد
ہو تو شاہ صاحب اپنی تحقیق سے خود مشرک قرار پائیں گے اس کے بعد سمجھتے ہیں کہ ہم
شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالے عرض کرتے ہیں جن پر سرفراز صاحب نے بہت زیادہ
اعتماد کیا ہے اور سوچے سمجھے بغیر ان کی عبارتیں پیش کی ہیں چنانچہ وہ تفسیر عزیزیؒ کے
میں فرماتے ہیں وصال پانے والے اولیاء اور دیگر صلحاء مومنین سے استعانت اور استعانت
جاری و ساری ہے اور ان اولیاء و صلحاء سے افادہ اور امداد بھی مقصور ہے بخلاف ان مردوں
کے جن کو جلا دیا جاتا ہے کیونکہ ان سے یا موران کے مذہب میں بھی جائز نہیں —
شاہ صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اولیاء سے بعد الوصال استعانت اور ان کا مدد کرنا مسلمانوں
کی خصوصیت اور امداد و استمداد نہ ہونا کفار کا خاصہ ہے غور فرمائیے کہ استعانت کا انکار کر کے سرفراز
صاحب نے اپنا قارورہ کس جماعت سے جاملایا ہے نیز شاہ صاحب کے نزدیک جن اہل
سے استعانت جائز نہیں وہ وہ مرنے ہیں جو جلا دیئے گئے ہوں سرفراز صاحب اولیاء اللہ
سے استعانت کو ناجائز قرار دے کر معاذ اللہ ان کو جلعے ہوئے مردوں میں شامل کر دیا، اور
کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا اور لاکھوں اولیاء اللہ کی توہین کی اور اسلام پر
برہمی و ارکی جس کو کوئی غیرت مند مسلمان برداشت نہیں کر سکتا نیز تفسیر عزیزیؒ کے ص ۱۱۳
میں مرنے کے بعد کے حالات شاہ صاحب نے بیان فرماتے ہوئے فرمایا وہ خواص اولیاء
اللہ جنہوں نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہے وفات
کے بعد بھی دنیا میں تصرف کرنے کی طاقت پاتے ہیں اور ان کا امور فردی میں متفرق ہونا
بسیب وسعت اور ان کے دنیا کی طرف توجہ کرنے سے مانع نہیں ہوتا، اولیٰ سلسلہ کے حضرات
اپنے باطنی کمالات ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حاجت مندان سے حاجت طلب کرتے

ہیں اور مراد پاتے ہیں اور ان کی زبان حال اس وقت یوں گویا ہوتی ہے کہ اگر تم یہاں سے
طرف بڑھو گے تو میں روح سے تمہاری طرف پیش قدمی کروں گا۔ ابنائے بدعت سے
سرفراز صاحب سے خصوصاً یہ گزارش ہے کہ وہ شاہ صاحبؒ کی اس عبارت کو بغیر
دین کی جس شاہراہ کو انہوں نے اپنایا ہے اس کی منزل کہیں دہانہ سفر تو نہیں ہو گیا ہے
استغانت کو شرک کہہ کر انہوں نے عہد صحابہؓ سے لے کر آج تک کے تمام صلحاء کو مشترک
ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا دنیاوی جھوٹے وفار کی خاطر ہمیشہ کی مذلت کو اختیار
بڑے خسارے کا سودا ہے۔ یہی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اقرارِ بسمِ دلت کا بیان
بیان کرنے ہوئے تفسیر عزیزی ص ۲۵۳ میں فرماتے ہیں کہ خواجہ باقی باللہؒ نے فرمایا
خوش ہو کر فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ مجھے اپنا شتم شکل بنا دیجیے
اس کو برداشت نہ کر سکے گا اور کچھ مانگ اس نے اسی سوال پر اصرار کیا اور فرمایا
فرماتے رہے پس جیسا اصرار بہت بڑھا تو آپ اندر سے گئے اور اس پر توجیہ کی
آئے تو دونوں کی شکل و صورت میں فرق نہ تھا اور لوگوں کو امتیاز کرنا مشکل ہو گیا
فرق تھا کہ حضرت خواجہ ہوشیار تھے اور نانائی مدہوش و بے خود تھا اب سرفراز صاحبؒ
بتائیں کہ کیا ہم مثل بنادینا خلافِ عادت نہیں ہے؟ اگر ہے تو وہ نانائی مشترک اور
باقی باللہؒ شرک کی تقریر کرنے والے ہوئے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے
میں کیا ارشاد ہوگا اور اگر ہم مثل بنادینا خرقِ عادت نہیں کیا سرفراز صاحبؒ بھی کسی کو
سکتا ہے؟ سرفراز صاحبؒ کھل و عناد کی وجہ سے شاہ ولی اللہؒ شاہ عبدالعزیزؒ اور تمام
اسلام کے گلوں پر خیر شرک رکھ دیں مگر اس کو کیا کریں کہ شرک کی تینوں دیوبند کو بھی نہیں
ارواح ثلاثہ ص ۳۲ میں ہے کہ مولوی معین الدین صاحب جو حضرت مولانا محمد الحقیق
کے بڑے صاحبزادے تھے وہ حضرت کی ایک کرامت (جو بعد وفات واقع ہوئی)
کرتے ہیں کہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ کا بنجار کثرت سے ہوتا جو شخص مولانا کی قبر سے
جا کر باندھ دیتا اسے آرام ہو جاتا لوگ بکثرت مٹی لے جاتے ہیں مٹی ڈال ڈال کر خاک
ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزادہ تیرا فرج تھے) یہ آپ کی تو کرامت

ہوتی اور ہمارے لئے معیبت ہو گئی اگر اب کوئی اچھا ہوتا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے ویسے ہی
پڑے رہو پھر کی کو آرام بھی نہ ہوا اور لوگوں نے مٹی لے جانا بھی بند کر دیا (مخلص)
اب سرفراز صاحبؒ کو کس خانہ میں رکھتے گا؟ یا تو اپنے اس باطل قول سے رجوع کیجئے
کہ انبیاء و اولیاء سے استمداد کرنا شرک ہے یا پھر سرفراز صاحبؒ کو مشترک قرار دے کر جہنم کا لگ
میں جھونک دیجئے (مخلص ص ۲۵۳ تا ص ۲۵۴)
الجواب: حضرت شاہ دلی صاحبؒ کی غیر اللہ سے (متنازع فیہ معنی میں) استمداد
کی نفی اور اس کے شرک ہونے کی اُن صریح عبارتوں کا جو تنقید متین میں نقل کی گئی ہیں
ہرگز یہ جواب نہیں ہے یہ صرف دفع الوقتی ہے ان صریح حوالوں کا جواب تاہنوز مؤلف
مذکور کے ذمہ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تاقیامت وہ اس سے فارغ الذمہ نہیں ہو سکتے۔
آداب شریعت ہے

کبھی تو میری محبت کا تم یقین کر لو
کہیں نہ عمر گزر جائے آ زمانے میں

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس محل اور غیر متعلق عبارت سے جو مؤلف مذکور نے نقل کی ہے۔
متنازع فیہ معنی میں استمداد و استغانت کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا اس عبارت کا مفہوم
صرف اس قدر ہے کہ جب کوئی شخص حدیثِ نفس اور وسوسہ کا شکار ہو جائے اور اسے
اپنے اخلاص میں کمی نظر آنے لگے تو مشائخ کے ارواح طیبہ کی طرف متوجہ ہو کہ وہ جب دنیا
میں تھے تو کس طرح اس کا مدد کیا کرتے تھے اور ان کو فائز پرہیز کر بخشنے جب عرض اعمال کی
حدیث کے پیش نظر ان مشائخ کو یہ تحفہ ملے گا تو وہ اس کے حق میں دعا کریں گے اور
اللہ تعالیٰ اس کو اخلاص کی خوبی عطا فرمائے گا۔ اور حدیثِ نفس اور وسوسہ سے بچائے گا
یا ان کی قبور کی زیارت کے لئے جائے اور ان سے انجذاب کی عیبک مانگے یعنی قبور کے
پاس ان کے نوسل سے دعا کرے یا سماعِ موتی کے قائلین کے نزدیک ان سے دعا
کرائے کہ اللہ تعالیٰ ان کی سی کیفیت اس میں پیدا کرے اور ان کا سارا اخلاص ان کو دے
کر حدیثِ نفس کے شر سے بچنے کی صفت میں جذب کرے اور اہل قبور سے استمداد ان

سے دعا ہی کی صورت میں ہوتی ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالغفر صاحب فرماتے ہیں
استمداد اہل قبور بطریق دعا است کہ از
جناب الہی عرض کردہ مطلب یا برآر شاہ
(فتاویٰ غفری ج ۱ ص ۳۲)

اور حضرت شاہ عبدالغفر صاحب ہی دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ
اذا تخیرتم فی الامور فاستحبوا یا اصحاب
القبور حدیث نیست قول بزرگ نیست
ولہ معان شتی منها اذا تخیرتمو نظراً
الی الدلائل المتعارضہ فی حل بعض
الاشیاء و حرمہا فاتركوا اجتہادكم و
تقلدوا بمن قد مات و هذا القول الشیخ
منقول عن عبد اللہ بن مسعود و سیفیان
الثوری و منها انکم اذا تخیرتم فی الامور
الدنیویۃ و ضاق بسبب ذلك قلبکم فأنظروا
الی اصحاب القبور کیف ترکوا الدنیاء و
استقبلوا الاخرۃ و علموا انکم ایضاً
صائرون الی ما صاروا و هذا العلم یسهل
علیکم صعائب الدنیاء و شدائدہا
بالمجملہ نص در معنی استمداد نیست انتہی
(فتاویٰ غفری ج ۱ ص ۱۲ و ۱۳)

جس طرح اس عبارت میں حضرت شاہ عبدالغفر صاحب نے اصحاب قبور سے استمداد کا مطلب بیان کیا ہے اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت میں مشائخ کے اور ارجح طیبہ کی طرف توجہ کا مطلب سمجھئے اور جس طرح بقول حضرت شاہ عبدالغفر صاحب

حوالہ استمداد میں نص نہیں ہے اسی طرح سمجھئے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ عبارت
بھی متنازع فیہ استمداد میں نص نہیں ہے اور ان کی صریح عبارتیں ایسی استمداد کو ترک ثابت کرتی ہیں
یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ متاہل حضرات کے لئے اپنی شرائط
اہل قبور سے فیض کے ساتھ حضرات صوفیاء کو ائمہ کی اصطلاح میں استغاضہ اہل قبور
کا مسئلہ بھی ہمارے اکابر کے ہاں مسلم ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالغفر صاحب ایک سوال کے
جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

سوال :

کسے صاحب باطن یا صاحب کشف برقبو کوئی صاحب باطن یا صاحب کشف ان بزرگوں
ایشان مراقب شدہ چیز سے از باطن اخذ کی قبروں پر مراقبہ کر کے باطن کی کوئی چیز اخذ کر
میتواند نمود یا نہ جواب میتواند نمود انتہی
(فتاویٰ غفری ج ۱ ص ۸۹)

اس سے معلوم ہوا کہ صاحب باطن یا صاحب کشف جو اس فن کے اہل لوگ ہیں وہ فیض
قبور حاصل کر سکتے ہیں حضرت قاضی شاہ عبدالغفر صاحب پانی پتی یہ ارقام فرماتے ہیں
اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر شریف اور اولیاء کلام کی قبور سے بھی فیض حاصل
کر سکتا ہے (ارشاد الطاہرین ص ۳۷ طبع مجتہائی دہلی) اور حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب
نحوی قبور کے احکام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں البتہ زیارت کرنا اور البصا
ٹو اس کرنا اور اگر صاحب نسبت ہو تو ان سے فیوض لینا یہ سب اچھی باتیں ہیں انتہی بلغظ
(تعلیم الدین ص ۹۹ طبع دہلی) حضرت مولانا محمد بدر عالم میرٹھی رقم مدنی ص ۲۲ المتونی ص ۸۷
کہتے ہیں کہ

فقد سألت عنه مرة عن الاستفاضة میں نے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کبیری
من اصل التورہ هل يجوز ذلك ام لا فقال سے ایک مرتبہ اہل قبور سے استغاضہ کے بارے
اسألہ احد ثون فلا اوجہ و ذرۃ و لکن دریافت کیا کہ کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے
اجیزاً و لکنہ ثابتاً عند ادبائہ العقائی فرمایا کہ میرے خیال میں حضرات معینہ کرام اس کو

غیرانہ بینبعی لمن کان اهللاً امامن
کان منغسماً فی الظلمات فلا ینزلہ فیہ
انتہی (ہامش فیض الباری بر ۳/۳۸۳)

جائز نہیں قرار دیتے لیکن میں اس کو جائز نہیں
کیونکہ اصحاب حقانیت کے ہاں یہ ثابت ہے کہ
انہی شخص کے لئے مناسب ہے جو اس کا اہل ہو
جو نفس کی تائید کیوں میں ڈوبا ہوا ہے تو اس
لئے اس میں کوئی تیز نہیں ہے۔

لیکن فیض قبور کے اس صوفیانہ مسئلہ کا استدلال فوق السباب اور مافوق الارباب
کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے لہذا اس کے جائز سے اس کا جواز ثابت کرنا غلط ہے۔
الگ بات ہے کہ سطحی قسم کے اور نااہل لوگوں کو ان دونوں کے امتیاز میں اشتباہ
ان کی لاعلمی کی وجہ سے علماء پر کیا زبردستی ہے کیونکہ من عرف تحت علی من لم یعرف
ناہل لوگوں کو اس نازک مسئلہ سے روکنے کے بارے میں سداً للذریعہ ان کو منع کرنا
اور شریعت میں اس کی کئی نظیریں موجود ہیں۔

بلکہ سادہ و اس کی نظر کا دیا ہوا کافی ہے ایک عمر کے آرام کے لئے
یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مولف مذکور نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت
میں لفظ انجذاب کی حقیقت ہی کو نہیں سمجھا یہ ایک خالص صوفیانہ اصطلاح ہے جس
مؤلف مذکور بالکل نااہل ہیں حضرت قاضی شہداء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ (۱۲۲۵ھ)
علم تصوف کے رسالہ ارشاد الطالبین میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ جذب مطلق جس سے مراد اجتہاد ہے جیسے انبیاء کو میداً فیاض کے ساتھ
رکھنے کے باعث ہوتا ہے اولیاء کو بھی حق تعالیٰ کے ساتھ بوری مناسبت پیدا
کے بعد حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ جذب مطلق کا مانع عدم مناسبت ہوتا ہے اور وہ مناسبت
کے ساتھ بدل گیا پس معلوم ہوا کہ صوفی جب سیر مریدی کو حاصل ہوتا ہے اور دوسری
طے کر کے مقام محبوبیت تک پہنچ جاتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
تلاوت سے محبوب خدا ہو جاتا ہے اس وقت اس کا اجتہاد نیابت پر موقوف
رہتا بلکہ اس کے بعد اس کو جو ترقیات حاصل ہوں گی وہ سیر مرادی ہوگی۔

مسئلہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرید کو اجتہاد اور جذب مطلق حاصل ہو جاتا ہے اور
پیر اس کو حاصل کئے ہوئے نہیں ہوتا۔ پس اس صورت میں مرید پیر سے افضل ہو جاتا ہے
مراد دینی نے شیخ ناج الدین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ
اللہ تعالیٰ بندہ کو اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اور کسی استاد کو اس پر مقرر نہیں کرتا
(ارشاد الطالبین ص ۳۸۳ طبع مجتبیٰ لاہور) اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ کسی کی
کو جذب کر لینا اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور کبھی بغیر استاد کے بھی ہوتا ہے ہاں مناسبت
شرط ہے مشائخ کا کام تو اس میں صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کے حق میں دعا کریں یا
وہ قرب الہی کا طریق بتائیں باقی جذب کی کیفیت دینا ان کا کام ہے اور نہ ان کا بس ہے
سو اس میں ان سے استدلال کرنے کا کیا مطلب ہے؟ جس کے درپے مولف مذکور ہیں
اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں واضح ہو کہ قرب الہی کا موجب جذب یعنی خدا کا اپنے ہر
کو اپنی طرف کھینچنا ہے یہ جذب کبھی بلا کسی واسطے کے ہوتا ہے اس کو اجتہاد کہتے ہیں
اور اکثر کسی امر کے توسط سے ہوتا ہے اور متوسط حکم استقرار دو چیزیں ہو سکتی ہیں ایک
عبادت دوسری انسان کامل و مکمل کی صحبت پس جذب الہی جو عبادت کے توسط سے ہو
اس کو عبادت کا ثمرہ کہتے ہیں اور جو صحبت کے توسط سے ہو اس کو تاثیر کہتے ہیں (ارشاد
الطالبین ص ۳۸۳) انہی علمی اصطلاحات سے ناواقفی کی وجہ سے صحیح بات اہل بدعت کے
دین میں نہیں آتی جو صحیح بات کو بگاڑنے کے برابر ہانے انہیں آتے ہیں بقول شاعر
نہ جانے کا تو نہیں جانتے ہانے کچھ نہرا حیلہ نہ آنے کا قہر کو آتا ہے

جب اس عبارت میں متنازع فیہ معنی میں استعانت مراد ہی نہیں تو اس کی وجہ سے
حضرت شاہ صاحب کی تنقید متین میں پیش کردہ مفصل عبارات میں استعانت کے نا جائز
ہونے کو استعانت علی وجہ العبادت یا مستغفل بالذات پر محمول کرنا اور حضرت شاہ صاحب کی
اس محمل اور غیر متعلق عبارت سے ان پر مشرک ہونے کا فتویٰ طلب کرنا جیسا کہ مولف مذکور
نے مبالغہ کیا ہے اور دیا ہے نرمی طفل تسلی اور شیخ جلی کی رام کہانی ہے حضرت شاہ صاحب
کا دامن بالکل پاک ہے۔

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہونا اثر
کو ہماروں میں نشان نقش پالست نہیں

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا یہ حوالہ بھی کہ وصال پانے والے اولیاء اور دیگر صلی
مومنین سے استفادہ اور استغانت جاری و ساری ہے الخ مؤلف مذکور کو نافع نہیں
لئے کہ اس سے وہی استفادہ و استغانت مراد ہے جو ان کے توسل یا ان کی دعا یا اثر
لوگوں کے لئے فیض قبور کے سلسلہ میں حاصل ہے اور عرض کیا جا چکا ہے کہ اس کا
ہی جدا ہے پھر یہ بات بھی یاد رہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب مرادوں کو دفن کرنے
کے فوائد اور جلائے کے مضرات بیان کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں چنانچہ ان کی بقدر ضرورت
عبارت یہ ہے جس سے مؤلف مذکور کے دجل کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے

و نیز و سو خفقن با کثرت تفریق اجرائے بدن میت
است کہ بسبب ان علاقہ روح از بدن انقطاع
کلی می پذیرد و آثار این عالم باں روح کمتر می رسد
و کیفیات آن روح باں عالم کمتر می رسد
اکنند و در دفن کردن چون اجرائے بدن تمام
یکجا می باشند علاقہ روح با بدن از راه نظرو
عنایت بحال می ماند و توجہ روح بآرامی و
مستأنسین و مستفیدین بسہولت می شود کہ
بسبب تعیین مکان بدن گویا مکان روح
ہم متعین است و آثار این عالم از صدقات
و فائزہ و نلاوت قرآن مجید چون در آن بقعہ
کہ دفن بدن اوست واقع شود بسہولت
نافع می شود پس سوختن گویا روح را بے مکان
کردن است و دفن کردن گویا ممکن برائے

روح ساختن بنا بر این است کہ ان اولیاء مومنین
و دیگر صلی مومنین انتفاع و فائدہ جاری است
و آثار ازا فائدہ و اعانت نیز منظور بخلاف
مردہ ہائے سوختہ کہ این چیز را اصلاً نسبت
بآنها و مدد بآنها نیز واقع نیست
(ص ۶۶ طبع جدیدی بمبئی)

اس عبارت سے یہ اخذ کرنا کہ مردوں سے استغانت کرنا مسلمانوں کا اور ذکر کرنا کفار کا
خاصہ ہے نیز یہ کہ ان کا اس سے تمنا زح فیہا استغانت کا انکار کر کے سرفراز صاحب نے
اپنا فارودہ کفار سے ملا دیا ہے یا معاذ اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کو جلے ہوئے مردوں میں
شامل کر دیا ہے اور لا کھول دیوں کی توہین اور کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح
کیا ہے صرف اپنے ناخواندہ حواریوں کے جذبات کو بھڑکانے کی ایک بھلا کام کوشش
اور ناماد کا دل ہے اور خالص دجل و فلیس ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب عقائد باطلہ
کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں

و یا زنبہ آئمہ و اولیاء را بر مرتبہ انبیاء و مرسلین
مگرداند و انبیاء و مرسلین را لوازم الوہیت از
علم غیب و شنیدن قریب و دیگر کس در ہر جا و
قدرت بر جمیع مقدرات ثابت کند ملائکہ
و ارواح انبیاء و اولیاء ماور پرودہ صورت و
تمائیل و قبور و تعزیرہ با معبود مسا و در رزق
و فرزند و خدمت و منصب از ایشان استقلال
و خواست کند و شفاعت و عرض ایشان
در حجاب او تعالیٰ واجب القبول گو مکرر

اور یا آئمہ اور اولیاء کو حضرات انبیاء و مرسلین علیہم
الصلوٰۃ والسلام کے رتبہ کے برابر کر دے، اور
حضرات انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے
لوازم الوہیت مثلاً علم غیب اور ہر ایک کی ہر جگہ سے
قریب و شغنا اہتمام مقدرات پر قدرت ثابت کیے
اور فرشتوں اور ارواح انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام کو ان کی صورتوں اور تصویروں اور قبور
اور تعزیروں کی شکل میں معبود نہاتے اور رزق اور
اولاد اور خدمت اور منصب بلا استقلال ان

مالکے اور ان کی شفاعت اور درخواست
تعالیٰ کے ہاں واجب القبول سمجھے اگرچہ
اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر ایک کی ہر جگہ سے فریاد و شہادہ لازم الوبیہ سے ہے اور اسی طرح ارواح انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے رزق و اولیٰ لوکری اور عزت و منصب بالا استقلال طلب کرنا کہ آپ خود دے دیں ایمان کی کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں واجب القبول تصور کرنا یہ سب عقائد باطلہ میں سے ہیں حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے رزق و اولاد وغیرہ مانگنا یا ان امور میں استعانت اور ان کی واجب القبول شفاعت جائز ہوتی تو حضرت شاہ کبھی بھی ان امور کو عقائد باطلہ میں شمار نہ فرماتے مگر فہم و غم و شہدہ ہے خرد سے راہ و روشن بصر ہے خرد کیا ہے؟ چراغ رہنما ہے

اسی طرح حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا یہ حوالہ کہ وہ خواص اولیاء اللہ جنہوں نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے الخ مؤلف مذکور کو مفید نہیں کیونکہ اس میں ہے کہ جن خواص اولیاء نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا وہ وفات کے بعد بھی تصرف کرتے ہیں سوال یہ ہے کہ حضرات اولیاء کرام جب دنیا میں زندہ تھے کیا وہ لوگوں کو ہدایت دینے پر قادر تھے؟ اگر ایسا ہی تھا تو مؤلف مذکور ہی ازراہ انصاف یہ بتائیں کہ ان کے نزدیک اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ الاٰلہ کا کیا مطلب ہے؟ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے شفیق اور مہربان چچا (الوطالب) کو ہدایت نہیں دے سکے اور نہ دے سکتے تھے تو بدیگر ان چہ رسد دیگر حضرات اولیاء کرام کیونکر اور کیسے کسی کو ہدایت دے سکتے ہیں؟ جب زندگی میں وہ بنی نوع کو ہدایت نہیں دے سکے اور نہ دے سکتے ہیں تو مرنے کے بعد یک لخت ان کو یہ خدا اختیار کہاں سے اور کس دلیل سے حاصل ہو گئے ہیں؟ جیسے دنیا میں وہ لوگوں کے لئے تبلیغ و دعاء کے ذریعہ ہدایت کا ذریعہ تھے اب چونکہ تکلیفی زندگی ختم ہو چکی ہے

تبلیغ کا مرحلہ تو جانا رہا ہاں دعا کا سلسلہ جاری و ساری ہے اور عرض اعمال کی روایات میں ان کی دعا کا صاف تذکرہ موجود ہے بقدر ضرورت روایات ہم نے تسکین الصدور اور سماع المونی میں عرض کر دی ہیں وہاں ہی ملاحظہ کر لیں اور اقویٰ استغراق ان حضرات کو اہل دنیا کے لئے دعا وغیرہ سے مانع نہیں ہوتا۔ باقی حضرات اولیاء کا ارشاد بھی بجا ہے لیکن نہ تو وہ شخص کے لئے ہے اور نہ ہر وقت کے لئے ہے وہ صرف انہی لوگوں کے لئے ہو سکتا ہے جو اس کے اہل ہیں حضرت قاضی شاد اللہ صاحب پانی پتی انجمنیہ ارشاد فرماتے ہیں

مسئلہ بعض لوگوں کو جن کو قوی استعداد دی گئی ہے کبھی پیغمبر یا کسی ولی کی روح سے فیض پہنچتا ہے اور اس کو ولایت کے مرتبے پر پہنچا دیتا ہے اور اس کو اولیٰ کہتے ہیں کیونکہ اویس قرنیؓ نے سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہوئے بغیر آپ سے فیض حاصل کیا ہے انتہی بلفظہ (ارشاد الطالبین ص ۳) الغرض امت کے گئے چٹے افراد کے خصوصی معاملہ کو عوام الناس کی مشرکانہ کاروائیوں کے لئے ایک چور دروازے کے طور پر استعمال کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور کا عندیہ ہے سراسر باطل ہے رہا روح سے یہ فیض کیا کشف و الہام یا خواب کے ذریعہ ہوتا ہے یا فیض قبور کے طریقہ سے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ عند القبر تو یہ فیض روح سے بشارت الہیہ ہوگا اور دور سے جسد مثالی کی صورت میں اور مخصوص طور پر باطنی کمالات کے حصول کے لئے متاہل حاجت مندوں کی حاجتیں پوری ہوتی رہتی ہیں اور جناب یہ حضرات اپنی زندگی میں بدن کی محنت اور مشقت سے کمالات حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں انساہی اور سے فیض ہوتا ہے

سو گزارش ہے کہ راقم انیم نے حضرت شاہ صاحب کی مہمات کی اس عبارت کو غور و نظر سے پڑھا ہے سمجھا ہے اور حضرت شاہ صاحب کی متعدد دیگر عبارات کو بھی غور و فکر سے پڑھا ہے اور پڑھ کر بعد اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب کے نقش قدم پر ہی قدم رکھا ہے اور حضرت شاہ صاحب کی منزل بفضلہ تعالیٰ جنت الفردوس ہے وہاں سفر نہیں اور راقم انیم بھی اللہ تعالیٰ

کے خصوصی فضل و کرم کا امیڈار ہے اور نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مال میں ملتی ہے کہ سہ

میرے گناہ زیادہ ہیں یا تیری رحمت
کریم تو ہی تباد دے حساب کر کے مجھے ،

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تا بہنوز صلوات اللہ علیہم اجمعین کو جیسا کہ تقرر فرمایا ہے
ماقم اٹیم بھی اس کا مقرر ہے اور اکابر ملت کے دامن سے وابستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے فضل
عنایت سے بڑے فائدہ میں ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ ہے کہ تمہارے آپ کو کوئی چاہیے
لوگوں کو اپنے حلوے مانڈے اور دنیوی وجاہت کی خاطر شرک کے جام بھر کر پلائے
ہیں اور ان کی ماہ مارتے ہیں مگر ایک دن آنے والا ہے جس میں دودھ کا دودھ اور پانی
پانی سب بکھر کر سامنے آجائے گا اور اس وقت آپ کو حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ
بوقت صبح شہود بچہ روز معلومیت کہ باکہ باخشہ عشق در شہد دیگور

حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواص اولیاء اللہ مشکل
اور فریاد رس ہوتے ہیں اور وہ اس طرح کا مافوق الاسباب تصرف دنیا میں کرتے ہیں
باطل ہونے کے علاوہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی تصریحات کے بھی بالکل خلاف ہے
چنانچہ سورۃ نوح کی تفسیر میں وہ دوسو احادیث یغوث و یسوع اور نسر کے بارے میں یہ
فرماتے ہیں کہ

ہر چند ایسی پنج اسم نامائے پسران حضرت
اور میں علیہ السلام اند کہ ہمہ مردمان و آدمیان
بودند (تفسیر عزیزی ص ۲۹) یہ سب مرد اور آدمی تھے۔

اور حضرت شاہ صاحب ہی تصریح فرماتے ہیں کہ بعد کو لوگوں نے ان میں سے کسی کو
گھوڑے کی شکل اور کسی کی شبیر وغیرہ کی شکل بنا کر ان کو مظاہر الہی سمجھ کر ان کی عبادت شروع
کر دی اور لکھتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے بڑوں اور بیدروں نے اپنی پبلک سے کہ
تم ان کو نہ چھوڑنا اور فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا

وَلَا یَعْبُوثُ یعنی ونگذارید بالخصوص یغوث
اور مشکل کشائی کا منظر ہے اور اس منظر کو حضرت
نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے گھوڑے کی
شکل پر بنایا تھا کیونکہ گھوڑا دوڑنے اور جلدی
اپنی ساختہ بودند نیز کہ اسبے رویدن وزود
رسیدن و اعانت نمودن مثل است و این
صفت را در شرع غیاث المستغیثین و عجیب
دعوت المضطربین نامند و بزبان ہندی این
اند نامند و یغوث یعنی ونگذارید یعقوب را
کہ منظر منع و حمایت دفع بلا است و این
صفت را در شرع کاشف الضر و دافع البلاء
گویند (ص ۱۳۱)

اور اسی شرک کو ثنائے اور نیست و نابود کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ
السلام کو اپنے دور میں بھیجا اور خیر سے اسی شرک کے اثبات کے لئے مؤلف مذکور اور ان کی
جماعت کے افراد ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں اور غیر اللہ کو مشکل کشا حاجت رول
فریاد رس اور دافع البلاء ثابت کرنے کے لئے گئے پھاڑ پھاڑ کر زور زور سے دافع البلاء اور
یا غوث اعظم دستگیر وغیرہ کے الفاظ پر طاقت صرف کرتے ہیں مؤلف مذکور کو تفسیر عزیزی
میں لَآئِدُ ذَاتِ الْاَیْمَةِ کے مضمون کو خوب سمجھ کر پڑھنا چاہیے کہ حضرت شاہ صاحب کیسا
فرماتے ہیں اور مؤلف مذکور ان کے ذمہ کیا لگا رہے ہیں اور کس طرح وہ جہالت کی تاریکیوں
میں جھنک رہے ہیں سہ

ظلام بحر میں کھو کر نہ بھل جا
نہیں ساحل تری قسمت میں لے موج
تڑپ جا پیچ کھا کھا کر بدل جا
اُبھر کر جس طرف چاہے نکل جا
حضرت خواجہ باقی باللہ کی توجہ سے نانباتی کا ان کے منہ میں نہ جانا یہ کرامت ہے اور
پہلے قدرے تفصیل کے ساتھ یہ بات باحوالہ عرض کی جا چکی ہے کہ کرامت ولی کا فعل و کسب

نہیں ہوتا اور نہ بقول آپ کے اعلیٰ حضرت کے یہ بھان منی کا تماشا بن جائے گا حضرت
باقی باللہ کی دعا اور نوح کی برکت سے اس کو امت کے سرزد ہونے پر انہیں مستعان
دے دینا اور ان کو مشکل کشا اور کرنا مؤلف مذکور کی خالص نادانی اور حقیقت نوحید اور
اسلام سے ناواقف ہی ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہم شکل بنادینا خلاف عادت بھی
اور خرق عادت بھی لیکن یہ بنانا خدا تعالیٰ کا کام ہے نہ کہ حضرت باقی باللہ کا بلکہ وہ
مشرک ہیں اور نہ شرک کے داعی بلکہ وہ پکے موحداور اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں اور سر فرشتہ
نوا ایک ادنیٰ مسلمان اور مبتدی طالب علم ہے وہ بطور کرامت خرق عادت کے طور
کسی کو کیسے ہم شکل بنا سکتا ہے؟ کیا پدی اور کیا پدی کا شور بیا، کیا ہی اچھا ہوتا کہ مؤلف
مذکور حضرت شاہ صاحب کی مکمل عبارت پیش کر دیتے تاکہ قارئین کرام اس سے خود
لگا لیتے اور کسی اشتباہ کا شکار نہ ہوتے۔ پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

چہارم: تاثر اتحادی کہ شیخ روح خود را
کہ حامل کمالے است بارح مستفید
بقوت تمام مقدس ساز و تا کمال روح شیخ
بروح تلمیذ می رسد و بار بار حاجت استفادہ
نمی ماند و در ادبیاء اللہ این قسم تاثر بندرت
واقع شدہ از حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ
منقول است کہ روزی در خانہ ایشان
چند کس ہمان شہند و حاضر موجود نہ بود اتفاقاً
حضرت خواجہ در کھوضیافت ہمانا مشوش
شدہ در تلاش ما حاضر شدند اتفاقاً نالوائی منتقل
خانہ ایشان دوکان داشت بریں نشوون ملطع
شدہ یک قرص نان خوب پختہ یا نہاری مکلف
و غرن بخدمت ایشان آورد وقت ایشان

ایں سلوک اولیاً بخوش شد فرمودند بخوادا الخ اس وقت اس کے اس سلوک سے بہت خوش
تفسیر عربی ۳۸ طبع حیدری ممبئی ہوئے اور فرمایا کہ مانگ الخ
خود فرمائیں کہ جو بزرگ اپنے چند مہمانوں کے لئے کھانا مہیا کرنے سے عاجز و فاصر تھے
اور اس کے لئے سخت پریشان تھے (اگر پڑوسی دوکاندار امداد نہ کرتا اور اثبات و قر بانی کا
مظاہرہ نہ کرتا تو حضرت باقی باللہ کے ہمان ان کے گھر سے بھوکے جاتے) تو ان کو اس
دکاندار کو ان خود ہم شکل بنانے پر قدرت کہاں سے حاصل ہو گئی؟ سمجھ ر آدمی کے لئے تو
اتنی ہی بات کافی ہے باقی بے سمجھ کے لئے دفتر کے دفتر بھی بیکار ہے صوفیائے کرام
اس کاروائی کو تاثر اتحادی اور بروز سے تعبیر کرتے ہیں اور ایسے واقعات بہت کم اور
نادر واقع ہوتے ہیں اور خود اس عبارت میں بندرت واقع شدہ کے الفاظ موجود ہیں
اور ان کی اصطلاح چھ فصل بروز میں کوئی روح کسی زندہ کے بدن میں تصرف کرے، یہ
تصرف جن و شباطین کی تو معمولی بات ہے اور انسان سے بطور خرق عادت واقع ہوتا
ہے (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۲۱، انوار العارفین ص ۱ و تعلیم الدین ص ۹) اور خرق عادت
کے بارے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ مخلوق کے بس کی بات نہیں ہے اور خود حضرت
شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں

ایں نوع تصرف یعنی بروز روح در روح حی
یا نبیت و اصل از خواص حقیقتہ الحقائق
تعالیٰ و تقدس است اھ
(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۲۱ طبع غیبیاتی دہلی)

یعنی اب تو معاملہ ہی بالکل واضح سے واضح تر ہو گیا کہ ہم شکل بنانا جس کو حضرات صوفیاء
کرام اپنی اصطلاح میں بروز رکھتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ ہی کے خواص میں سے ہے اور ظاہر امر ہے
کہ کسی چیز کا خاصہ اسی کے ساتھ مختص ہوتا ہے وہ کسی دوسری چیز میں نہیں پایا جاتا۔
غریبکہ حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ عبدالعزیز
صاحب وغیرہ اکابر اپنے اپنے دور میں موحیدین کے سردار اور ان کے پیشوا گذرے ہیں ان پر

کسی نے شرک کا خیر نہیں چلایا اور نہ ان پر چل سکتا ہے یہ مؤلف مذکور کی کم نہیں ہے کہ اصل حقیقت کو سمجھے بغیر اور ان حضرات کی مفصل عبارات سے قطع نظر کرتے ہوئے ان کی نہایت محمل عبارات اور ان کی بیان کردہ بعض کلمات سے اپنے شرک کی مال گاڑی پلا سکتا اس پر پبلک کو سوار کرنے کے دل و جان سے خواہاں ہیں۔

قضاء کے سامنے بیکار ہوتے ہیں حواس اکبر کھلی ہوئی ہیں گو آنکھیں مگر سینا نہیں ہوتیں

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے واقعہ میں خود مؤلف مذکور کرامت کا لفظ نقل کرتے ہیں اور جب کرامت ان کا فعل نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے تو اس کی وجہ سے ان پر شرک کی تلوار کیوں وار کرے؟ کیونکہ شرک کی تلوار کی زد تو مشرکین پر پڑتی ہے نہ کہ مؤحدین پر اور بفضلہ تعالیٰ جب دیوبند کے مسلک سے وابستہ سبھی حضرات مؤحدین اور انہیں شرک کی تلوار کیوں چھوئے گی۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ اسلاف دیوبند تو مؤحد اور مشیت سنت اربعہ تعالیٰ اجنتی ہیں اور ان کا اور ان کے شاگرد راقم اہم کا قول بالکل صحیح اور حق ہے اس سے رجوع کرنے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔

الغرض حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مافوق الاسباب استمداد و استعانت قطعاً شرک ہے اس کے شرک ہونے میں رتی برابر شک نہیں ہے اور اس استمداد کو مؤلف مذکور نہ ثابت کر سکے ہیں اور نہ تاقیامت ثابت کر سکتے ہیں ان کے پیش کردہ مخالطات قارئین کرام کے سامنے ہیں۔

لطیفہ مؤلف مذکور سلف دیوبند لکھتے ہیں اگر یہ سلف کی جمع ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ سلف جو اچھے پیشرو کے لئے آتا ہے اس کی جمع اسلاف اور سلف ہے (دیکھئے قاموس ج ۳ ص ۱۵۱ طبع مصر، مختار الصحاح ص ۳۲) اور سلف بمعنی تخیل یا بڑا تخیل یا الیہا جس کو اچھی طرح دباغت نہ دی جاسکی ہو تو اس کی جمع اسلف اور سلف آتی ہے (دیکھئے قاموس ج ۳ ص ۱۵۱) مؤلف مذکور نے یا تو جہالت کی وجہ سے سلف کا لفظ لکھا ہے یا

شرارت کی بنیاد پر دھوکا ظہر الفاظ بگڑانے سے اس جماعت اور ان کے اعلیٰ حضرت کا خاص لگاؤ ہے اور اس میں ان کو مزہ بھی آتا ہے ہاں اگر سیلف کی جمع سلف لکھی ہے تو بجا ہے۔ (دیکھئے المغد ۳۲۶ وغیرہ)

ان مسائل میں ہے کچھ زرف نگاہی درکار یہ حقائق ہیں تماشائے سب بام نہیں

سرفراز صاحب کا وجہ فاسد سے استدلال اور اس کے جوابات کے یہ عنوان قائم کرنے جو کچھ لکھا ہے اس کا نہایت اختصار سے خلاصہ درج ہے (یہ یاد رہے کہ راقم نے تنقید متین ص ۳ میں مؤلف مذکور کے صدر الافاضل کی تردید میں یہ تحریر کیا تھا کہ جو تفسیر اور احتمال ایتانک تستیعین میں انہوں نے بیان کیا ہے بعینہ وہ ایتانک تستیعین میں بھی جاری ہو سکتا ہے مثلاً ایک شخص حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام کو سجدہ کرتا ہے یا نماز روزہ اور قربانی وغیرہ ان کے نام کی ادا کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ درحقیقت تو وہیں عبادت بواسطہ باجے واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کر رہا ہوں ہاں مگر ان حضرات کو صرف قربانی کا منظر سمجھتا ہوں تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں نادرست ٹھہری؟ اور کس دلیل سے؟ اور اگر غلط ہے تو غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کیوں کر حق قرار دیا؟ اور اس استعانت کو غلط کہنا کیسے عقیدہ باطلہ ٹھہرے؟ انتہی اس کے جواب میں مؤلف مذکور یہ لکھتے ہیں۔

سرفراز صاحب کا یہ استدلال کئی وجہ سے باطل و مردود ہے۔

اولاً تو اس لئے کہ ان کی دلیل اپنے تمام مقدمات کے ساتھ اقبوا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ میں بھی جاری ہوتی ہے حالانکہ مدعی مختلف ہے مثلاً کوئی شخص یوں کہہ سکتا ہے کہ جس طرح اقبوا الصلوٰۃ میں نماز کا حکم ہے اور اسی طرح اتوا الزکوٰۃ میں زکوٰۃ دینے کا حکم ہے پس کیا ہے کہ نماز تو دن میں پانچ مرتبہ پڑھی جائے اور زکوٰۃ سال میں صرف ایک بار دی جاتی ہے نیز نماز پڑھنے پر تو ہر مہر و غریب مجبور ہے اور زکوٰۃ کا صرف صاحب نصاب مکلف ہے پس یا تو

زکوٰۃ بھی دن میں پانچ مرتبہ ادا کی جائے یا نماز بھی سال میں صرف ایک بار پڑھی جائے کسی طرح یا تو زکوٰۃ بھی ہر امیر و غریب پر فرض ہو یا نماز بھی صرف صاحب نصاب پڑھا کرے۔ تو بتلائے کہ سرفراز صاحب کی اس منطق کو ہوش و خرد کی دنیا میں کون قبول کرے گا؟

دو تائیہا ہدایہ چارہا پر ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جسے نماز میں تکیہ لگنی یا اس کی تکبیر چھوٹ گئی وہ نماز چھوڑ کر وضو کرے اور اپنی نماز پورا کرے جب تک اس نے کسی سے بات نہ کی ہو اس فرمان میں دو حکم ہیں ایک وضو کرنے کا دوسرا نماز پورا کرنا پہلا واجب ہے اور دوسرا اباحت کے لئے ہے لیکن سرفراز صاحب کی منطق پر لازم آئے گا کہ دونوں کا حکم ایک جیسا ہو یا وضو بھی مباح ہو اور یا نہ بھی واجب ہو۔

وثالثاً سرفراز صاحب کا یہ استدلال اس باطل عقیدہ سے مستعار ہے کہ قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم پر دلالت کرتا ہے حتیٰ کہ جب دو چیزوں کا ذکر مقرون ہو تو ان کا حکم بھی ایک ہی ہو حالانکہ اخلاف کے ہاں یہ ضابطہ باطل ہے پھر آگے حاشیہ عبد الغفور کا حوالہ دیا کہ اخلاف کہتے ہیں کہ قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم پر دلالت نہیں کرتا اور صاحب منار نے قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم کو وجہ فاسد میں سے شمار کیا ہے اور ملا جیون فرماتے ہیں کہ یہ وجہ فاسدہ میں سے چوتھی قسم ہے (نور الانوار ص ۱۶) کیا سرفراز صاحب کا فراڈ اب بھی حیرت خیز ہے؟ کیا دیدہ بینا پر یہ امر اب واضح نہیں ہو گیا کہ سرفراز صاحب کا استدلال وجہ فاسدہ پر مبنی ہوتا ہے اور جس کا مبنی فاسد ہو وہ فاسد نہیں تو اور کیا ہوتا ہے؟

و ثانیاً تفسیر بیضاوی ص ۱ میں عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ عبادت مدد حاصل کرنے کے لئے وسیلہ ہے اور وسیلہ مقصود پر مقدم ہوتا ہے۔ عبادت کو استعانت پر اس لئے مقدم کیا گیا تاکہ رعایت فوہل ہو اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وسیلہ کو مقصود پر مقدم کرنا اجابت کے زیادہ قریب ہے پس جب ثابت ہو گیا کہ اس مقام پر عبادت سبب اور استعانت مسبب ہے تو ظاہر ہو گیا کہ دونوں کا حکم ایک نہیں ہو سکتا۔

و خاصاً چلتے ہوئے خود سرفراز صاحب سے منوالے دیتے ہیں کہ عبادت اور استعانت کا حکم ایک نہیں ہے ص ۲۸ پہلے انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ زکوٰۃ اور قریب سے امور عبادی ہیں

استعانت جائز ہے اور اس کو وہ ظاہری استعانت کہتے ہیں حالانکہ زندہ اور قریب کی ظاہری عبادت تو کسی طور جائز نہیں پس اب اگر وہ اس ظاہری استعانت کو شرک قرار دیں تو خود مشرک ہونے میں اور اگر یہ ظاہری استعانت جائز ہو تو ان کی کٹی ٹوٹی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ عبارت اور استعانت دونوں کا حکم ایک طرح نہیں کیونکہ غیر اللہ سے ظاہری استعانت جائز ہے اور غیر اللہ کی عبادت ظاہری باطنی حقیقی مجازی کسی طور پر جائز نہیں ہے پھر آگے جوش میں آکر کہتے ہیں کہ صوفی تحریف کے سہارے دیوار بنانے والوں کی عمارت کا بھی یہی حال ہوتا ہے جھوٹا کا گھر جھوٹوں پر گرتا ہے سرفراز صاحب محاسبہ سے بے خوف ہو کر میں مافی تفسیروں سے طرح قرآن پر زندہ چلاتا ہے اب اس کا حساب آپ بچا ہے محاسب۔ جس نے نذر تحریفات کی ہیں ایک ایک کمرے کے مواخذہ ہو گا لاشہ ضلالت میں سر مست قلم نوڑ دیا جائے گا اور اس کی مجرمانہ خیانتوں کی عبرت ناک تعزیر دی جائے گی۔

بقی نہیں ہے صبر کو خصصت کئے بغیر کام ان کی بے قرار نگاہوں سے بڑھ گیا (محصلا ص ۲۹ تا ۵۲) الجواب: مؤلف مذکور کو قرآن و حدیث علم و فہم اور بصیرت سے کوئی لگاؤ نہیں بھیج ہے کہ وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے اور اپنے ناخاندہ اور بے شعور حواریوں کو دُر کی رقم کمانی سنا تے رہتے ہیں اور غیر متعلق حوالے دے دے کر مفت کا علمی رعب جمانے کی لا حاصل سعی کرتے ہیں ہمارا استدلال و حجاج اس امر پر مبنی نہیں کہ قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم کو چاہتا ہے تاکہ اقیب والصلوۃ دانوا الذکوۃ کی غیر متعلق بحث اور ہدایہ اور حاشیہ عبد الغفور اور منار اور نور الانوار سے وجہ فاسدہ کے حوالے پیش کر کے اس کو رد کیا جائے یہ تمام کے تمام حوالے ہمیں مضر نہیں اور مؤلف مذکور کو مفید نہیں کیونکہ ہمارے استدلال کی وجہ یہ نہیں ہے ہم نے تنقید متین ص ۳ میں وجہ استدلال یہ بیان کی ہے۔

معمول گرامر سے واقف اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں تَسْتَعِينُ کا مفعول معمول اِیَّاکَ ضمیر مفصل کی صورت میں محض اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ حصہ کا فائدہ دے اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہی کے

عام کو گزارنا کیا صیہونی (یاد رہے کہ لفظ صیہونی نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور اپنی لاعلمی کی وجہ سے لکھا ہے بلکہ یہ لفظ صیہونی ہے صیہیون اس پہاڑ کا نام ہے جس پر بیت المقدس کا شہر آباد ہے دیکھئے قاموس صیہیون، بروکلن، بروکلن اور یسودی تحریک کو اس پہاڑ کی طرف نسبت کتنے ہیں) تحریف نہیں؟ کچھ تو فرمائیں بات کیا ہے؟ مؤلف مذکور نے امیدوں کا جو ایک خیالی چین تیار کیا تھا وہ بالکل اجڑ کر رہ گیا ہے اور ان کی فرضی عمارت خود ان پر ہی گر پڑی ہے بعد میں کہ انہوں نے چین تیار کرتے وقت یہ پڑھا ہو۔

پھلا پھولا ہے یارب چین میری امیدوں کا !!!
جگر کا خون دے دے کہ یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

منظر افعال و صفات | یہ سرخی قائم کر کے مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ صدر الانفاض نے فرمایا کہ آلات خدام احباب وغیرہ عون الہی کے منظر میں نیز فرمایا مقربان حق کی امداد امداد الہی ہے (استعانت بالغیر نہیں۔ یہ الفاظ مؤلف مذکور بالکل پی گئے ہیں کیونکہ ان پر اعتراض کی دہانہ ہے) اس پر سرفراز صاحب نے ص ۲۹ میں یہ ہودہ اعتراض قائم کیا کہ مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ کیونکہ مقربان حق کی امداد امداد الہی ہے استعانت بالغیر نہیں سراسر مردود ہے کیونکہ جب ان مقربان حق کو جو ہودہ دگار کے وجود کا غیر ہے اور وہ غیر اللہ ہیں تو یہ استعانت بالغیر کیوں نہیں؟ ہاں یہ کہ عیسائیوں کی طرح معاذ اللہ ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں گڈ مڈ کر دیا جائے اور اثنینیت ختم کر دی جائے تو معاملہ الگ ہے انہی تنقید متین۔

اس کا جواب مؤلف مذکور یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا (تھا نوحی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے) (تم ترجمہ پر ہی انکفار کرتے ہیں) سو جب وہ اسی آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس میدان کی داہنی جانب سے (جو کہ مولیٰ علیہ السلام کی داہنی جانب تھی) اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے مٹھی میں اللہ رب العالمین ہوں۔ اب یا تو کہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو درخت میں گڈ مڈ کر دیا اور اثنینیت ختم کر دی یا صدر الانفاض کی بات پر ایمان لا کر کہئے کہ درخت کلام الہی کا منظر تھا اور درخت میں یہ اللہ کا کلام تھا اس بعد انہوں نے مشکوٰۃ ص ۱۹۷ سے حدیث فکنت سمعہ الذی یسمع بالحدیث نقل کر

ساتھ مختص ہو جائے الخ اس ساری عبارت کو مؤلف مذکور سیون اپ سمجھ کر پی گئے ہیں مولوی کتاب میں ہمارے استدلال کی وجہ کا اشارہ تک نہیں کیا اور یہ پرلے درجہ کی علمی ثبات ہے کیا مؤلف مذکور کا یوم حساب قریب نہیں؟ اور کیا ان کو موت یاد نہیں؟ اور کیا ان کے لئے کوئی عزت ناک تعزیر کسی عدالت میں موجود نہیں ہے۔

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیدافاز سے !!!
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر؟

ہم نہ ہی حصر پاکستان کی بنیاد رکھ کر بات الٹے کھینچنے کے پیش نظر سوال کیا تھا کیونکہ اس میں بھی یہی حصر موجود ہے مگر مؤلف مذکور نے مفت میں یہ مورچہ فتح کرنے کے شوق میں اپنی طرف سے توان فی الذکر کی غیر متعلق بحث چھیڑ کر چند صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں اور اختتام الصلوٰۃ و انوال الزکوٰۃ کا تذکرہ کر کے وقت پاس کیا ہے جس میں کوئی حصر موجود نہیں ہے اور پھر فقر کا ضعیف ناصر الدین بیضاوی کا غیر متعلق حوالہ نقل کر کے خوش ہو گئے ہیں مگر اس کا انکار کس نے کیا ہے کہ عبادت وسیلہ نہیں؟ عبادت اور استعانت سبب و مسبب ہوتے ہوئے بھی دونوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور اس خصوصیت میں دونوں کا حکم ایک ہے ایسا نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور باور کرنا چاہتے ہیں کہ دونوں کا حکم الگ الگ ہے یعنی عبادت اللہ تعالیٰ کی اور استعانت انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی لغو یا اللہ من سور الفہم انگریز کے زمانہ میں اس سے مناجات سرکاری اعلان ہوتا تھا مخلوق خدا کی حکم سرکار بہادر کا۔ اور جو استعانت عبادت کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے وہ مافوق الاسباب اور امور عادیہ کے ماوراء استعانت ہے زندہ اور قریب سے امور عادیہ میں اور ظاہری استعانت کا منہ اس سے بالکل جدا ہے اس کو در بیان لا کر گڈ مڈ کرنا اور بلا وجہ معطل کرنا لکھنا نا علمی اور تحقیقی فوق کے بالکل خلاف ہے غرضیکہ مخلوق سے ماتحت الاسباب استعانت تسلیم کرنے سے نہ تو شرک لازم آتا ہے اور نہ کلی ٹوٹی ہے مؤلف مذکور سیونیا میں کہ موصف کی پیش کردہ صریح دلیل کھلاس کے جواب سے عاجز و قاصر ہو کر ترک کر دینا اور اپنی طرف سے مانگی میں ایک دلیل تراش لینا اور اس کے لئے حوالے تلاش کر کے تنکوں کا پل بنانا اور اس پر

کے اس کا بول ترجمہ کیا ہے پس جب میں اپنے بندے کو محبوب بنا لیتا ہوں میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اسی میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور ہر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اب ذرا سرفراز صاحب سے پوچھئے کہ اگر حق تعالیٰ کے افعال و صفات کا منظر بنایا جائے اور انہیں نیت کو ختم کر دینا اور ذات کو گڑا کر دینا ہے تو یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بندہ محبوب کو اللہ تعالیٰ کے تصرفات کا منظر قرار دیا اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے کیا یہ عیسائیت کی تعلیم ہے؟ لیکن یہ سرفراز صاحب کے ذہن میں منظریت کے خلاف کوئی اور معنی راہ پائے اس لئے ہم تمام محبت کے لئے مولوی انور شاہ کشمیری کی فیض الہانی کا اسی حدیث کی شرح میں کلام پیش کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں جب درخت سے بیٹے اللہ ہوں کی آواز آسکتی ہے تو منصرف بالانوار کا کیا حال ہوگا اللہ تعالیٰ اس کی سمع و بصر نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے مقرب بندوں کی سمع و بصر ہو جانا ایسی صورت میں کیونکر محال ہو سکتا ہے جب کہ وہ ابن آدم جو رحمن کی صورت پر پیدا کیا گیا شرف و کمال میں شجرہ موسیٰ سے بھی طرح کم نہیں۔ اب آپ کو اجازت ہے کہ پورے شرح صدر سے منظریت کو عیسائیت قرار دے کر مولوی انور شاہ کو جہنم میں پہنچا دیجئے یہ کیسا ظلم ہے کہ جو بات آپ کے معنوی آباء کی کتابوں میں موجود ہو وہ سب ایمان و عرفان رہے اور وہی بات اگر ہمارے اسلاف بیان فرمائیں تو کفر و شرک ہو جائے مزید توضیح کے لئے امام رازگی کا نورانی بیان جو تفسیر کبیرہ ص ۲۶۷ میں اسی حدیث کے تحت لکھا ہے ملاحظہ فرمائیے اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بندگی مفقودین کی آنکھوں کا نور بلکہ تمام اعضاء میں غیر اللہ کے لئے کوئی حصہ باقی نہ رہا اس لیے کہ اگر یہاں اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے حصہ باقی رہا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ کہی نہ فرماتا کہ میں اس کی سمع و بصر ہو جاتا ہوں (آگے چل کر فرماتے ہیں) اور اسی لئے حضرت علی المرتضیٰ کریم اللہ وجہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے خبر کا دروازہ جسمانی قوت سے نہیں اکھاڑا بلکہ ربانی قوت سے اکھاڑا تھا اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر عالم اجساد سے منقطع ہو چکی تھی اور ملکی قوتوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عالم کبریا کے نور سے چمکا دیا تھا جس کی وجہ سے

ان کی روح قوی ہو کر ارواح تکبیر کے جواہر کے مشابہ ہو گئی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں وہ قدرت حاصل ہو گئی جو ان کے بغیر کو حاصل نہ تھی اور اسی طرح جب کوئی بندہ نیکیوں پر عمل اختیار کرتا ہے تو اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کنت لا سمع او بصر فرمایا ہے اور جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور دور کی آواز کو سُن سکتا ہے اور جب نور اس کی بصر ہو گیا تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب نور جلال اس کا ہاتھ ہو جاتے تو یہ بندہ مشکل و آسان و دور و قریب چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ ملا علی نقاریؒ اس حدیث کی شرح میں مرقاۃ میں لکھتے ہیں پس وہ عجب مقرب یا اعتقاد کرتا ہے کہ اس کی سمع و بصر اور تمام قوتی کے کمالات حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی سمع و بصر اور قدرت قوت کے آثار سے ہیں۔ راہ وہ بندہ تو معدوم محض ہے اور یہی ظہریت کا معنی ہے کہ بندے کی اپنی ذات اور اس کے افعال فنا ہو جائیں اور اس کی سمع و بصر وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کے افعال ظاہر ہوں۔ (محصہ ۳ ص ۵۹۱)

الجواب: مؤلف مذکور نے اپنے معنوی آباء کی شرک پسندی اور بدعت نوازی کی تقلید کیا یہاں بھی کھل کر ثبوت دیا ہے مگر یہ حجتی باتیں بھی انہوں نے کسی ہیں ایک بھی ان کے لئے نافع نہیں اور ہم پر کسی ایک کی بھی علمی ذمہ داری پڑتی۔ اولاً اس لئے کہ ہم نے جس جملہ کی وجہ سے اعتراض کیا تھا مؤلف مذکور نے اپنی عبارت میں بڑے معصومانہ انداز سے اس کو حذف کر دیا ہے تاکہ ان کی گرفت اور لایعنی جواب کی کئی کھل جائے ہم نے بین القوسین اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے

ثانیاً جس آیت کریمہ کا حوالہ بتدرجہ حضرت تھانویؒ مؤلف مذکور نے دیا ہے وہ بھی ان کو سودمند نہیں اس لئے کہ درخت سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم انا اللہ کی جو آواز آئی تھی تو وہ تجلی کی مدین تھی (حضرات صوبیار کاظم کی اصطلاح میں تجلی کی کئی تفسیریں ہیں تجلی ذاتی یعنی صفاتی اور تجلی افعالی یعنی صفاتی میں اگر صفات جلالی تجلی کریں تو سادہ پر خشوع و خضوع کا غلبہ ہوتا ہے اور اگر صفات جمالی تجلی کریں تو سادہ کو مروج و غائب ہوتا ہے ملاحظہ ہو تعلیم الدین ص ۲۱ وغیرہ) جس طرح طلوع سورج کی ہوئی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے اس تجلی سے

اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ ان پانچ بندہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی صفت الوہیت کا مظہر تسلیم کرتے تھے جی تو وہ ان کی عبادت میں محو تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت الوہیت کے لحاظ سے کسی میں ظہور نہیں فرماتے۔

قائدین کرام! یہ بات اچھی طرح ملحوظ رکھیں کہ ویسے تو تمام موجودات اللہ تعالیٰ کے وجود کے مظاہر ہیں لیکن وجوب و ہرود کا مظہر مخلوق میں سے کوئی شے نہیں ورنہ وہ بھی خدا کی صفت سے منصف ہوتی چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ہی لکھتے ہیں کہ

یعنی ہر حال خفی تعالیٰ کا ان مظاہر میں ظہور محض وجود
آری ظہور خفی دریں مظاہر محض وجود البتہ
مستلزم است اما محض وجود بدون وجوب ہرود
کے لحاظ سے تو البتہ مستلزم ہے لیکن وجوب کے بغیر
محض وجود تو تمام موجودات میں عام ہے کہ اس ظہور
عام است جمیع موجودات را کہ بسبب آن
ظہور بعض موجودات استحقاق معبودیت
کی وجہ سے بعض موجودات دوسرے بعض کی طرف
بعض آفرینارند والا ترجیح بلا مرجح لازم آید
یا عابد را معبود شدن و معبود را عابد شدن
سے استحقاق معبودیت نہیں رکھتے ورنہ ترجیح بلا
مرجح لازم آئے گی یا عابد کا معبود اور معبود کا عابد
ہونا لازم آئے گا اور یہ دونوں امر محال اور متضاد ہیں
دوسرے امر محال ممکن است۔

(تفسیر عزیزی، ج ۱، ص ۱۳۱)

الغرض جس معنی میں آلات خدام احباب اور درخت وغیرہ مظاہر ہیں اس شے مولف مذکور وغیرہ کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ محض وجود کے مظاہر تو تمام موجودات ہیں پھر خدام و احباب غیر ہم کی تخصیص کا کیا مطلب؟ اور جس حیثیت کے مظاہر ان کو مفید ہو سکتے ہیں وہ ثابت نہیں کیونکہ وہ ایسے ہی ہو سکتے ہیں جو غیر نہ ہوں (اور وجوب و ہرود کے مظاہر ہوں اور یہ محال ہے) ورنہ استعانت بالغیر ثابت ہو جائے گی جس کی وہ نفی کرتے ہیں۔

نگاہیں دھونڈتی ہیں جن کو ان کا دولشاں یارو!

اسے میں کیا کروں گا یہ جو سب سامان ہے حاضر

دشنام حدیث کنت سمع الذی بیع جب کی باحوالہ اختصاراً بحدت ہم نے دل کسرور
میں اور تفصیلاً تفہیم الخواطر میں کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں کہ آیا عبسائیت اور انشینیٹ

بہ ثابت کرنا کہ اللہ تعالیٰ اور درخت مساوی اللہ تعالیٰ ایسے ظہور ہوئے کہ ان میں غیریت نہ کی جس سے کہ
مولف مذکور اور ان کے بڑے ہیں دوزخ کا بابت ہے ایسی مظہریت نہ تو جبل طور پر ہوتی اور
درخت پر آپ حضرات کے وکیل اعظم اور مجاہد تحریف مولوی محمد صاحب (المنوفی ص ۱۳۱)
وَيَسِيْرُ فِيْ ذٰلِكَ اَنْ يُّقَرَّرَ خَلْقُ الْاَشْيَاءِ وَالْمَلَكُ غُلَطُ تَفْصِيْلُكَ تَحْرِيفُ كَوْنِهِ يُوْنِيْ كَوْنِهِ
ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسولوں کے درمیان فرق ڈالنے والوں اور رسولوں کو
غیر اللہ کہنے والوں کے واسطے تنوہی کفر ارشاد فرمایا ہے کیونکہ کافر اللہ اور اس کے رسولوں
کے درمیان ایک غیریت کے رستے کا فائل ہے لہذا ان کے واسطے سخت سزا فرمائی اور
تفریق نہ کرنے والوں کو باندھ دینے سے سزا اور ان سے اجتناب و خشوع کا وعدہ فرمایا (مظاہر
مقیاس منہیت ص ۱۲۱، طبع چہارم)

قارئین کرام! اس کفر یہ عبارت کو بار بار پڑھیں اور غور فرمائیں کہ فریق مخالف کس طرح غلط
اور مخلوق کو لکھ کرنا اور ان کی غیریت کو کفر قرار دینا ہے اور کس طرح ان کی عبیت کو ایمان
قرار دینا ہے حالانکہ خود اسی مقام پر اس کی صراحت ہے کہ یہ تفریق اور عدم تفریق ایمان
و کفر کی ہے مؤمن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور یہود وغیرہ تو کفر
بعض و کفر بعض کے قائل ہیں یہ نہیں کہ رسولوں کو غیر اللہ کہنے والے کافر ہیں جیسا کہ
مجاہد تحریف کا بالکل اور کافر اندھ دعوئی ہے اور نہ یہ کہ اس معنی میں تفریق نہ کرنے والے اور
رسولوں کو عین اللہ کہنے والے مؤمن ہیں۔ اور اہل خفی بھی اسی قسم کی مظہریت اور عبیت کا اثبات
کرتے ہیں پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے والد سے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حضرت
نور علیہ السلام کے زمانہ کے مشرک یغوث اور سواع وغیرہ کو مظاہر الہی سمجھ کر کسی شرک
کے مرتکب ہوئے تھے نیز حضرت شاہ صاحب لَاحِظٌ دُنَّ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

یعنی ہرگز مگنا یہ عبادت مظاہر اور ان کے دیاں
مظاہر یا الوہیت خود ظہور فرمودہ است، پھر
ظہور الوہیت دیاں آں مظاہر شدہ اند

مظاہر ہیں اس کی الوہیت کا ظہور خواہے اور نہ
کے مظاہر فرما رہے ہیں۔

(تفسیر عزیزی، ج ۱، ص ۱۲۹)

باقی رہتی ہے یا ختم ہو جاتی ہے اور کیا اس میں عیسائیت کی تعلیم ہے یا اس پر ضرب کا وہ جوٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ضرور دیکھیں۔

راہباً اثر لاف نہ کر سکتے ہیں کہ اگر سرفراز صاحب کے ذہن میں نظریات کا کوئی اور معنی ہے مولانا نور شاہ صاحب کا حوالہ دے کر تمام محبت کرنے والے اور اُن کے پھر ان کی املائی کتاب فیض الباری کا حوالہ دیا ہے مگر مشہور ہے کہ جو رک کی ڈاڑھی میں تنکا اس لئے انہوں نے اس کا بدلہ اور صفحہ کا احاطہ عینے کی جرأت نہیں کی کیونکہ اس طرح اُن کے چہرہ مبارک کے بدلے کے کاٹتے خطرہ تھا، لیکن کب تک وہ اپنے محرموں اور مرادوانوں سے چہرہ چھپا لے لے غالباً ایسے ہی موقع کے لئے کہا گیا ہے۔

نقاب رخ سے ہر جانب شعا عین مہوٹ نکلی ہیں
ارے اوچھپنے والے حسن یوں پنہاں نہیں ہوتا

حضرت مولانا سید محمد نور شاہ صاحب نے اس حدیث پر فیض الباری ج ۱ ص ۱۲۸ میں خاص علمی اور صوفیانہ بحث کی ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

فأعلم أن التجلی ضرب و امتثال تقام
وتنصب بین الرب وعبدہ لمعرفة
تعالی فتلك مخلوقة دھی التی تسبی
برؤیة الرب جل مجدہ وهذا کما فی
القدان العذیر فی قصۃ موسی علیہ
الصلوة والسلام فکما جاء هاتوئی
أن ربک من فی الشار فالمرئی المنشأ
لم یکن إلا الشار دن الرب جل مجدہ
ولکن الله سبحانه لما تجلی فیها قال
یلموسی ائی انا الله وما یت لفظاً
موهما فی سائر القرآن انید من هذا

فانظر فیہ انہ کیف مع صوتہ من النار
ای انا الله فہو نار ثم قولہ ائی انا
الله ایقر بالمعکھ فی الموی کان ہو
الشجرة ثم اسند کلمہا الی الله تعا
وذلك لان الرب جل مجدہ لما تجلی
فیہا صارت الواسطۃ معرفتہ ایاباھی
الشجرة فلیخذ المتعلی فی حکم المتجلی
بنفسہ بنحو تعریب وهذا الذی قلنا فیما
سبق ان المرئی فی التجلی لا تكون الا الصو
والمرئی یكون هو الذات الی قولہ فامثال
تلك الاحادیث عندی ترجع الی معالۃ
التجلی فان فہمت معنی التجلی کما هو
حقہ وبلغت مبلغہ لدع الامثال الصو
المنصوبۃ وایق الی ربک حقیقاً فانہ
اذا علم للشجرة الخ

رفیض الباری ج ۱ ص ۱۲۸ (۱۲۳۴)

ہوں اور میں نے سارے قرآن کریم میں اس سے
زیادہ موقع لفظ اور کوئی نہیں دیکھا تو اس میں غور
کر کہ حضرت مرثیٰ عبدالسلام نے کس طرح اُن سے
ای انا الله کی آواز سن لی سو وہ آگ تھی پھر اس کا قول
ای انا الله بھی صحیح ہے پس دیکھنے میں تنکلم
تو درخت تھا پھر اس کے کلم کی اسناد اللہ تعالیٰ
کی طرف کی گئی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اس میں
تجلی فرمائی تو اس کی معرفت کا واسطہ وہ درخت
ہی تھا تو جس چیز میں تجلی کی گئی اس نے بنفسہ
تجلی کرنے والے کا کم لے لیا تجربہ کے طور پر
اور یہ وہی ہے جس کے بارے میں ہم نے پہلے
کہا تھا کہ تجلی میں جو چیز دیکھنے میں آتی ہے وہ صورت
ہی ہوتی ہے اور مشہور نوذات ہے (پھر آگے فرمایا)
تو اس قسم کی حدیثیں میرے نزدیک مسئلہ تجلی کی طرف
راجح ہیں اگر تو نے کما حقہ تجلی کا معنی سمجھ لیا اور
اس کی فکر کو پہنچ گیا تو امثال اور صورتوں کو جو خوب
کی گئی ہیں چھوڑ دے اور اپنے رب کی طرف
چڑھنا جا یکسو ہو کیونکہ جب درخت کے لئے یہ
صحیح ہے الخ

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ سارا قصہ تجلی کا ہے پھر استناداً
شفقت کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ اگر تو تجلی کا معنی کما حقہ سمجھتا ہے تو مثالوں اور قائم کردہ حوزوں
کو چھوڑ دے اور کیسے ہو کر رب تعالیٰ کی طرف بڑھنا اور چڑھنا چلا جا جب درخت سے اس تجلی
کی وجہ سے ای انا الله کی آواز سن لی جاسکتی ہے تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے اور جس کو

اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت (صورت سے صفت مراد ہے حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ اللہ خلق آدم علی صوۃہ سے دھوکا ہو تو کچھ لینا چاہیے کہ صورت ناک اور منہ کی صورت لکھتے مثلاً یہ بولتے ہیں اس مسئلے کی یہ صورت ہے حالانکہ اس مسئلہ کی ناک و منہ نہیں بلکہ صورت کے معنی صفت کے بھی آتے ہیں تو انسان کو ان فرسوع و لہر وغیرہ عنایت ہونا لئے اس کو صورت خن کہا گیا الخ تعلیم الدین ص ۱۸) پر پیدا کیا ہے تو وہ دینت سے نہیں پھر اس کے کان و آنکھ وغیرہ اعضاء میں متصرف بجز اللہ تعالیٰ کے اور کون ہو سکتا چنانچہ وہ خود علماء شریعت سے اس کا معنی نقل کر کے صوفیانہ انداز میں فرماتے ہیں۔

قلت وهذا عدول عن حق الكفاة لان قوله كنت سمع بصيغة المتكسر يدل على انه لم يبق من المتكسر بالناوخل الاجسدة وشبهه وصار المنصرف فيه الحضرة الالهية فحسب وهو الذي عناه الصوفية بالفناء في الله اى الانسلاخ عن دواعي نفسه حتى لا يكون المنصرف فيه الا هو وفي الحديث لمعتالى وحدة الوجود الخ (فيض البادی ج ۲ ص ۲۳)

اس سے معلوم ہوا کہ جب بندہ کثرت نوافل کی وجہ سے اپنی خواہشات نفسانیہ سے الگ ہو جاتا ہے اور فنا فی اللہ کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے تو اس میں تصرف صرف اللہ ہی کا ہوتا ہے اور بندہ گویا بے بس ہو جاتا ہے نہ یہ کہ بندہ رب بن جاتا ہے اور نہ یہ کہ بندہ اور خالق کا ملکہ بن جاتا ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذلك علواً کثیراً

مہنتی حق کے سامنے کیا اصل این و آن پتلے ہیں بسبب یہ آپ کے وہم و خیال کے ۱۳۲

اس عبارت میں وحدۃ الوجود کا تذکرہ بھی ہوا ہے یہ مسئلہ خاصاً ذہنی مشکل اور رد و اثباتاً طویل الذیل ہے اور حضرت صوفیہ کرامؒ میں یہ مسئلہ کئی صدیاں معرکہ الاار رہا ہے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

معنی وحدۃ الوجود سناست کہ وجود ذہنی معنی مایہ وجودیہ یعنی مصدری اعتباری یک چیز است کہ در واجب واجب و در ممکن ممکن در جوہر جوہر و در عرض عرض و این اختلافات موجب اختلافات در ذات نمی شوند مثل شاع آفتاب کہ بر پاک و نا پاک می افتد و ذات پاک است نا پاک نمی شود و این مسئلہ فی نفسہ حق است الخ (فتاویٰ غزیری ج ۱ ص ۱۲)

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کی بات علم تصوف کے رو سے بالکل صحیح ہے اور محمد اللہ تعالیٰ وہ اپنے دور کے محقق عالم دلی اللہ اور صاحب کمال تھے جو بفضل اللہ تعالیٰ جنت الفردوس کے وارث ہیں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ہمارے اور آپ کے نظریات کا بڑا فرق یہ ہے کہ یہ کہ ہم تو خوارق عادت، مافوق الاسباب امور اور افعال غیر عادیہ کو صرف رب تعالیٰ کا فعل سمجھتے ہیں اور آپ حضرات ان امور کو بھی اولیاء کرامؒ کے افعال تسلیم کر کے ان سے استغاثہ و استمداد کرتے ہیں اور ان کو اس طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا منظر سمجھتے ہیں جس سے ان کو خدائی اختیارات حاصل ہو جائیں اور وہ مافوق الاسباب طریق پر فریاد و شہدائت و شہادت ہوں اور ان دونوں نظریوں کا اتنا فرق ہے جتنا کہ مشرق و مغرب اور آسمان و زمین کا فرق ہے اسی کتاب میں ہم نے مولف مذکور کے حوالے عرض کر دیئے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت امام رازیؒ کے حوالہ میں پہلی بات تو وہی ہے جو جوہر و شرح حدیث نے اس ۱۳۳

آدمی اور زخمی کر دیئے جن میں سے سات زخموں کی تاب دلا کر شہید ہو گئے (بخاری ج ۱ ص ۱۳۵)
 تو حضرت عمرؓ کو نہ بجز نظر آیا اور نہ ان کا ماتم ہی اس شخص کو چھین کر اپنی جان بچانے کے لئے
 آگے بڑھا اور نہ پاؤں نے ساتھ دیا کہ وہ بھاگ نکلتے اور جان بچا لیتے اچاناً دور کی چیز
 کو دیکھنا یا دور کی آواز کو سنانا جو بطور معجزہ و کرامت ہو اس کا کون منکر ہے؟ لیکن ایسے افعال
 بندوں کے اختیار میں نہیں ہوتے اور ایسے ہی امور غیر عادیہ اور افعال خارفہ کے اختیار
 ہونے پر مولف مذکور اور ان کی جماعت مصر ہے اور ایسی ہی باتوں سے وہ اور ان کی
 جماعت خالق و مخلوق کو گمراہ کرتی ہے اور حضرت ملا علی نقاریؒ کی عبارت میں بھی اسی چیز کا
 تذکرہ ہے کہ بندے کی سمیع و بصیر وغیرہ صفات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار ہیں ان میں بندہ
 کا کیا دخل ہے؟ وہ بجا ہے تو معدوم محض ہے اس سے بیثبات نہ کہ معاذ اللہ تعالیٰ بندہ کے
 قوی اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا خدائی صفات بندے میں گمراہ ہو جاتی ہیں اور غیرت باقی نہیں
 رہتی ایک خالص مشرک نہ اور کافرانہ نظریہ ہے۔

اگر مولف مذکور نے حضرت ملا علی نقاریؒ کی پوری عبارت نقل کی ہوتی تو اس کے
 جواب دینے کی بلکہ تشریح کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی مگر افسوس کہ مولف مذکور نے ان
 کی پوری عبارت ہی نقل نہیں کی اسی حدیث کی تشریح میں ملا علی نقاریؒ نقل کرتے ہیں کہ
 قتال ابن حنظلہ لا یسمع متوجعاً ولا
 یبصر ولا یطش ولا یمشی الا و
 شہد انی الموجد لذلک والمقدر
 له فیصرف جمیع ما ائمت بہ علیہ
 الی ما خلق لاجلہ من طاعتی فلا
 یستعمل سمعہ وغیرہ من مشاعرہ
 الا فیما یرضینی ویقر بہ منی فلا
 یتوجع لشیء الا دانا منہ عرواً یسمع فانا
 لہ سمع وغین وید ورجل وعلو وکلیل
 ۱۳۵

حدیث کی شرح میں تحریر فرماتی ہے تفریح الخواطر میں ہم نے حوالے عرف کر دیئے ہیں حضرت
 سید محمد انور شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

اما علماء الشریعۃ فکما لو امعناہ ان جراح
 العبد تصید تابعۃ للرضاۃ الاطینۃ حتی
 لا تتحرك الا علی ما یرضی بہ ربہ فاذا كانت
 غایتہ سمعہ وبصرہ وجراحہ کلہا ہوا للہ
 سبحانہ فیمیتہ صرح ان یقال انک سمیع
 الالہ ولا ینکلم الالہ فکان اللہ سبحانہ
 صار سمعہ وبصرہ الخ
 (فیض الباری ج ۲ ص ۲۲۸)

تعالیٰ ہی اس کے کان اور اس کی آنکھ (مطلوب) ہے

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ بندہ کے تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو جائیں
 اور ان میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور نہ غیر اللہ کے لئے کوئی عہد
 باقی رہتا ہے اور اس کے بعد حضرت امام رازیؒ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرما
 اکھاڑنے کا تذکرہ فرمایا جو خدائی اور ربانی طاقت سے اکھاڑا تھا اور اسی کا نام کرامت ہے
 اور معجزہ اور کرامت کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ اختیار میں نہیں ہوتے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ
 کا کوئی نیک بندہ کثرت سے نوافل پڑھ کر تقرب الی اللہ حاصل کر لیتا ہے تو کرامت کے
 طور پر اللہ تعالیٰ اس کو دور کی چیز دکھا دیتا ہے اور جس کو چاہے دور کی آواز سنا دیتا ہے
 کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو نہاوند کے مقام پر جنگ کا نقشہ کشف کے طور پر بتا دیا
 ان کی آواز حضرت ساریر بن ریم کو پہنچا دی تھی اور انہوں نے سن کر اپنے بچاؤ کا انتظام کر لیا
 لیکن ہی حضرت عمرؓ تھے جب ابولولؤ (فیروز) مجوسی ان کو شہید کرنے کے ارادہ سے فخر کے
 مسجد نبویؐ میں پہلی صف میں آ پہنچا حضرت عمرؓ کو زخمی کر دیا، ان کا پیٹ چاک کر دیا اور

۱۳۶
اور وہ کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کرتا مگر میں اس کو
دیکھنے اور سننے کی جگہ ہوں سو گویا اس کی طرف
کے کان اٹکھتا ہوں اور میں ہی اس کی
مدد گاہ کار ساز اور حافظ و امدادی ہوں۔

اس عبارت سے صراحت سے معلوم ہوا کہ بندے کے یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کی نعمت سے
اور وہ ہی ان کا موجد اور وہی بندے کو قدرت و طاقت دینے والا ہے اور بندہ ان اعضاء
صرف اپنے رب قدیر کی رضا اور خوشنودی کے لئے استعمال کرتا ہے۔ الغرض خلق اور افعال
اللہ تعالیٰ کی ہے اور استعمال اور کسب بندے کا ہے اور اس کے تمام اعضاء کا عمل
محافظ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے نہ کہ خالق و مخلوق کی کوئی صفت منتقل ہو گئی ہے تعالیٰ اللہ
عن ذلک کہاں خالق کا ثبات کی بے مثل اور ابدی ذات اور کہاں فانی اور عاجز مخلوق کی
ہستیاں مگر افسوس کہ یہ

عظمت خالق نہ سمجھا قدر دل اس نے نہ کی
جو پئے لذت مطیع نفیس شیطان ہو گیا

اور شیخ عبدالحی محدث دہلوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

یعنی غی تشنود و غی بیند و غی گیر و غی رود کسو یعنی بندہ نہ کوئی چیز شفا ہے اور نہ دیکھتا ہے
چیز مگر آنکہ محو و مفسود و مے رھائے حق پکڑتا ہے اور نہ چلتا ہے مگر اس کے محو و مفسود
وطاعت اوست و منظور و مشہود و مے رھائے مقصود و صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی طاعت
مقدس من است الخ ہوتی ہے سو منظور اور مشہود و صرف اللہ تعالیٰ کی

(اشقۃ اللغات ج ۲ ص ۱۴۵ طبع لکھنؤ) ذات مقدس ہے

ان عبارت سے واضح ہو گیا کہ خالق و مخلوق میں نہ تو اتحاد ہے اور نہ کسی صفت میں اختلاف
ہے معاذ اللہ تعالیٰ۔

صدر الافاضل اور شاہ عبدالغزیز دونوں نے
استعانت کی ایک جیسی تفسیر کی ہے
یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور
ہیں کہ شاہ عبدالغزیز رحمۃ اللہ علیہ

غزیری میں ایسا کہ مستعین کے تحت فرماتے ہیں لیکن یہاں یہ بات سمجھنا چاہیے کہ غیر اللہ سے
استعانت اس وقت حرام ہوگی جب اس پر پھر و سد کرتے ہوتے اس کو عون الہی کا منظر نہ جانے
لیکن اگر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور غیر اللہ کو منظر عون سمجھنا ہو اور اسباب حکمت الہی کو پیش نظر
رکھے اور غیر سے استعانت ظاہری کرے تو یہ عرفان الہی سے بعید نہیں اور شریعت میں بھی جائز
ہے اس قسم کی استعانت انبیاء و اولیاء نے بھی غیر اللہ سے کی ہے اور حقیقت میں یہ استعانت
غیر سے نہیں بلکہ خود حق تعالیٰ سے ہی ہے شاہ عبدالغزیز صاحب قدس سرہ الغزیری کی شخصیت
کو قائل امت دیوبند اپنا معنوی پدر تسلیم کرتی ہے سرفراز صاحب اور ان کے ہم مشرب علماء
شاہ صاحب کی عبارتوں کو بطور سند پیش کرتے ہیں اور شاہ صاحب کا فیصلہ و تربیت دیوبند
کے حق میں حکم آخر کی حیثیت رکھتا ہے اس تمہید کے بعد گزارش ہے کہ آپ شاہ صاحب کی
مذکورہ بالا تفسیر کو صدر الافاضل کی تفسیر کے ساتھ ملا کر دیکھیں کہ ان میں کس قدر ہم آہنگی ہے
شاہ صاحب نے فرمایا

صدر الافاضل نے فرمایا

واگر التفات محض یکانب حق است (اور اگر
توجہ محض اللہ کی طرف ہو)

اور ایک از مظاہر عون و استہ (یعنی غیر اللہ کو
عون الہی کا منظر سمجھئے)

و در حقیقت اس نوع استعانت بغیر نیست بلکہ
استعانت بحضرت حق است لا غیر (اور حقیقت
میں استعانت کی قیسم استعانت بالغیر نہیں بلکہ
حق سبحانہ سے ہی استعانت ہے)

و انبیاء و اولیاء اس نوع استعانت بغیر کردہ اندھ
(اور انبیاء و اولیاء نے اس قسم کی استعانت
بغیر کی ہے)

اگر یہ استعانت ناجائز ہوتی تو احادیث میں
اہل اللہ سے استعانت کی کیوں تعلیم دی جاتی

آپ نے غور فرمایا کہ صدر الافاضل نے ایسا کہ مستعین کی تفسیر میں شاہ صاحب

کی تفسیر ہی کا خلاصہ پیش کیا ہے اور اسی تفسیر کے بارے میں مولوی سرفراز صاحب نے بڑے کوشش فرمادی ادا کردیا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے آیت مذکورہ کی یہ تفسیر دیکھ کر تعریف کر کے اپنی جان اور قرآن کریم پر جو ظلم کیا ہے وہ بجائے خود قابل صد نفرت ہے (منقید متین ص ۲)

ٹھیک ہے دیوبند کے جس گہوارے میں سرفراز صاحب نے نہریت حاصل کی بنے اسی ایسے ہی آدابِ فرزند کی سکھائے جاتے ہیں جس اسکول میں نبی کے علم کی بہائم اور غیبتوں کے علم سے تشبیہ کا درس دیا جاتا ہو وہاں اپنے حکمی باپ کی تعلیمات کو قابل صد نفرت کہنا نہ سکھایا جائے گا تو اور کیا ہوگا ۱۹ انتہی بلغظہ (توضیح ایلیان از ص ۵۹ تا ۵۹)

الجواب: بلاشبہ مسک دیوبند سے وابستہ جملہ حضرات حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو اپنا روحانی پدر تسلیم کرتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں کیونکہ اس مرد مجاہد نے جابر بر طانیہ کے ہندوستان پر استیلاء اور غلبہ کے بعد ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا (ملاحظہ ہو فتاویٰ عزیزی ص ۱۱) اور انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور اکابر علماء دیوبند نے اپنے اس روحانی باپ کے فتویٰ کی روشنی میں انگریز ظالم سے ٹکرائے اور مکمل کراس کے خلاف جہاد کیا اور فید و بند کے علاوہ طرح طرح کی بے شمار مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھائیں۔ اس کے عکس خالص صاحب بریل نے مستقل رسالہ اعلام الاعلام بان ہندوستان ارا الاسلام لکھ کر انگریز ظالم کے ہاتھ مضبوط کئے اور ہمیشہ اہل حق اور مجاہدین کے خلاف تکفیر کی مین گن چالو رکھی (ملاحظہ ہو شاہراہ پاکستان ص ۳۳) نہ چودھری خلیق الزمان اور ان کو انگریز کے خلاف فتویٰ صادر کر کے ایک دن بھی جیل جانے کی نوبت نہیں آئی جب کہ اہل حق کی زندگی کا بیشتر حصہ ہی جیلوں میں گزرا ہے۔

جوانی چھن گئی حسرت رہی باقی ستانے کو

عروس دہرم نے دل لگا کر تجھ سے کیا پایا

بلاشبہ دیوبندی حضرات کے لئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا فیصلہ حکم آخر کی بنیاد رکھتا ہے مگر بات صرف سمجھنے کی ہے اور اسی سمجھ سے مولف مذکور اور ان کے مسلک بزرگ اور دوست محروم ہیں اور ہم حضرت شاہ صاحب ہی کی تفسیر عزیزی سے اکتفا نہیں کرتے تفسیر میں بیان کردہ تفسیریں بعض دیگر مقامات سے چند اقتباسات

نقل کرتے ہیں جن سے بخوبی یہ بات آشکارا ہو جائے گی کہ جس استغانت میں وہ غیر اللہ کو عون الہی کا مظہر قرار دے کر حجاز کا فتویٰ دیتے ہیں وہ عالم اسباب کی ظاہری استغانت ہے نہ کہ باوقیہ الاسباب کی جس میں نزاع و اختلاف ہے جس کے اثبات کے لئے مولف مذکور اپنے روحانی آباء کی طرح بلاوجہ اور بلا فائدہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔

استغانت یا پچیز ست کہ تو تم استقلال
آئی چیز در دم و دم بچس از مشرکین و نصیحت
نمی گذرند استغانت بچوب غلات و دفع
گرینگی و استغانت باب و شر تہاد و فتنہ گری
و استغانت برائے راحت بسایہ درخت و
ماندگان و دفع مرض بادوبہ و عقاقیر و درین
درجہ معاش بامیر و بادشاہ کہ در حقیقت معاوضہ
خدمت ہمال ست و وجہ تدلل نیست یا
باطباء و معاجان کہ بسبب تجربہ و اطلاع
نا نداد انہا طلب مشورہ است استقلال
متوہم نمی شود پس اس قسم استغانت بلا کراہت
جائز است زیرا کہ در حقیقت استغانت
یست و اگر استغانت ست استغانت
بخداست (تفسیر عزیزی ص ۲)

اور استغانت یا کسی ایسی چیز سے ہے کہ اس چیز کے استقلال کا وہم اور فہم مشترکوں اور موصوں میں سے کسی کو نہیں گذرنا مثلاً دانوں اور اناج وغیرہ سے بھوک دور کرنے کی استغانت اور بانی اور شرکوں سے بیاس دور کرنے کی استغانت اور آرام کے لئے درخت وغیرہ کے سایہ سے استغانت اور دواؤں اور بوٹیوں کے ذریعہ بیماری کے ازالہ کے لئے استغانت اور امیر و بادشاہ سے دُری کمانے کی وجہ کی تعلیم کی استغانت کہ حقیقت میں بیاس امر کی خدمت کا مالی معاوضہ ہے اور تدلل کا موجب نہیں ہے یا حکیموں اور علاج کرنے والوں سے استغانت کہ ان کے تجربہ اور زیادہ واقفیت کی وجہ سے اُن سے مشورہ طلب کرنا ہے اور یہاں کسی استقلال کا وہم بھی نہیں ہونا پس اس قسم کی استغانت بلا کراہت جائز ہے کیونکہ یہ در حقیقت استغانت نہیں ہے (صرف ظاہری استغانت ہے) اور اگر یہ استغانت ہے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے استغانت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ روٹی اور پانی ادویہ اور بڑی بوٹیوں حکیموں اور ڈاکٹروں اور بسلسلہ

لازمیت و نوکری امیر و بادشاہ سے استغانت حقیقت میں استغانت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان اشیاء میں عادتاً یہ ظاہری تاثیر رکھی ہے اور یہ ماتحت الاسباب کی استغانت ہے نہ کہ فونی الاسباب العادیہ کی جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کے شرک و بدعت کے شیعہ بانی بزرگوار کا خیال ہے چنانچہ خود حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

کہ حق تعالیٰ بچیان عادت خود اک چیز یا ما حق تعالیٰ نے اپنی جاری عادت کے مطابق ان کو مطلوب کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے جیسا کہ خوراک کھانا بھوک دور کرنے کا اور پانی پینا پیاس بجھانے کا ذریعہ اور سبب ہے

اور آخر میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ استغانت ہے تو خدا ہی سے ہے کیونکہ اسی نے ان اشیاء میں عادتاً یہ تاثیر رکھی ہے لہذا ان اشیاء سے استغانت درحقیقت خدا تعالیٰ سے استغانت ہے اور اگر ظاہر پر نگاہ رکھی جائے تو یہ استغانت ظاہری ہے کہ مطلوب کے حاصل کرنے کا ذریعہ اور سبب ہے جیسے کسی بزرگ سے دعا کرنا یا ماہر حکیم سے دعا اور علاج کرنا وغیرہ۔

توضیح: اس مقام کی یہ ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر میں قدرت دی ہے کہ اس قدرت کی وجہ وہ گمان کرنا ہے کہ کرنا اور نہ کرنا میرے اختیار میں ہے لیکن ترجیح کرنے کی نہ کرنے پر میرے گناہ اور خدا کا اور میرے نہیں کیونکہ اگر میری مرض بندہ کی طرف سے ہو تو اس مرض میں بھی کلام کیا جائے گا کہ اس کو فعل کے ترک پر ترجیح کہاں سے حاصل ہوئی جس سے تسلسل لازم آئے گا (حوالہ ہے) سو وہ مرض صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوگا پس سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے استغانت لائق ہی نہیں ہے

کند و مطلب نہیں پس بعض ایشان پس حصول مطلب نیست الا باعانت غیبی و نیز بار بار دیدہ شد کہ انسان از انسان دیگر حاجتے را طلب نموده و آن شخص مدتهاے

مدیدہ مدافعت کرده و طبیعت لعل گذرانیدہ باز ناگاہ حاجت او را بر آوردہ از ہمیں جا معیم شد کہ القائے داعیہ انجراح و قلب آن شخص از جانب غیب است پس مرد

مومن را کہ از شرک می گویند از اول و ملایماید کہ اعانت غیر را کہ بظاہر اعانت است و در معنی اصلاً قدرت ندارد از منظر عبیدان و باعانت قادر حقیقی اکتفاء نماید گویند کہ چون

خلیل ۴ را نمود یعین دست و پا بستند در آتش انداخت حضرت جبرائیل علیہ السلام در رسیدند و گفتند اگر ترا جلختے

ممن باشد بفرما حضرت خلیل ۴ در جواب فرمود کہ بسوئے تو حاجت ندارم حضرت جبرائیل علیہ السلام گفت کہ بخدا التماس کن حضرت خلیل علیہ السلام فرمود او دانائے

نہاں و آشکارا است حاجت عرض من نیست (تفسیر عزیزی ص ۳۵)

بھی دیکھتے ہیں کہ تمام مخلوق اپنا اپنا مطلب طلب کرتی ہے حالانکہ وہ اپنی قدرت قتل و شعور اور کوشش اور جدوجہد و اجتہاد میں کوئی کمی نہیں کرتی مگر پھر بھی بعض کے مطلب حاصل نہیں کر سکتی، پس حامل ہونا مطلب کا بغیر اعانت غیبی کے ممکن نہیں نیز بار بار دیکھا گیا ہے کہ ایک انسان نے

دوسرے انسان سے حاجت طلب کی، اور وہ شخص مدت تک ٹالتا رہا اور لیت و لعل میں گزارا رہا پھر دفعۃً اس کی حاجت پوری کر دی اس جگہ سے معلوم ہوا کہ اس کے دل میں حاجت پورا کرنے کا خیال آجانا غیب کی طرف سے ہے پس مرد

مومن کو جو شرک سے گریز کرتا ہے پہلے ہی مرحلہ پر چاہیے کہ غیر کی اعانت کو کہ بظاہر اعانت ہے حقیقت میں اصلاً قدرت نہیں نظر انداز کرے اور قادر حقیقی کی اعانت پر اکتفاء کرے بزرگ

فرماتے ہیں کہ فرمود ملعون نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر آگ میں ڈال دیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام پہنچا فرمایا کہ اگر میرے لائق کوئی خدمت اور حاجت تو فرمائیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ کوئی حاجت نہیں حضرت جبرائیل

السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے التماس کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ پوشیدہ اور ظاہر

۱۴۱

جہاں سے والا ہے مجھے حاجت پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

یہ سب روشن عیاں ہیں اس امر کو واضح سے واضح نہ کرتی ہیں کہ غیر خواہ ذی روح مخلوق جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام اور طیب اور ڈاکٹر اور عام انسان اور بادشاہ و امیر وغیرہ یا غیر ہو جیسے روٹی پانی اور ادویہ اور بڑی بوٹیاں وغیرہ ان سے استعانت یا نجات الاسباب کی استعانت ہے مافوق الاسباب اور غائبانہ استعانت نہیں ہے جیسا کہ کسی بھی اہل علم پر یہ فحشی نہیں ہے اگر حضرت خلیل الرحمن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تو یہ عاقل کی دعا ہوتی نہ کہ غائب کی اسی طرح طیب و ڈاکٹر اور عام انسانوں یا بادشاہ و امیر سے جو استعانت ہے وہ بھی ظاہری اور عالم الاسباب کی استعانت ہے مافوق الاسباب استعانت نہیں ہے اور کامیابی کا داعیہ بھی ان کے دل میں ڈالنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اور انبیاء میں اثر بھی رب تعالیٰ ہی نے ڈالا اور رکھا ہے اور یہ استعانت جائز اور درست ہے اور یہ متنازع فیہا نہیں ہے اور یہی وہ استعانت ہے جو حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غیر اللہ سے کرتے رہے ہیں اور حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں تصریح ہے "اور اس کے اندر مظاہر عین و السنۃ و نظر بکار غائب الاسباب حکمت اوتعالیٰ دران نمودہ العرصۃ" اس عبارت میں نظر بکار غائب الاسباب کے حروف متون کی طرح صاف چمک رہے ہیں غیر اللہ سے ناجائز استعانت وہ ہے جو غائبانہ اور مافوق الاسباب ہو جس کو مؤلف مذکور سید زوری سے جائز ثابت کرتے ہیں خود مؤلف مذکور کا یہ حوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ — اور ثابت ہوا کہ مافوق الاسباب امور میں بھی غیر اللہ سے استعانت جائز ہے (توضیح البیان مشہور فرمایا آپ نے کہ حضرت شاہ صاحب کیا فرماتے ہیں مؤلف مذکور کیا کہتے ہیں جو اس کا مصداق ہے کہ من چرمی گویم طیل من چرمی سرا یہ دیا چیز سے سنت کہ تو ہم استقلال آں چیز در اور یا استعانت ایسی چیز کے ساتھ ہو کہ مشرکین مارک مشرکین جا گرفتہ مثل استعانت ارواح کے ذہنوں میں اس کے استقلال کا وہم بیٹھا و روحانیات نلکے یا عنصر یا ارواح سائر ہوا ہو جیسا کہ روحانیات فلکیہ یا عنصر یا ارواح

مثلاً ہوائی شیخ سدو و فین خان سائرہ مثلاً ہوائی شیخ سدو و فین خان و مثال ڈاکٹر و اس نوع استعانت میں ان کی مانند ارواح سے استعانت اور اس قسم کی شرک و منافی ملت جنینی مستالح (تفسیر غریزی ص ۳) استعانت عین شرک ہے اور ملت جنینی کے منافی ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی یہ عبارت کتنی واضح ہے کہ استقلال کا وہم صرف مشرکین کے اذہن ہی میں ہو سکتا ہے نفس الامر میں اور موحیدین کے اذہان و مدارک میں غیر اللہ سے استعانت کے استقلال کا کوئی وہم اور تصور نہیں ہوتا اور مشرکین ہی روحانیت افلاک اور اجسام عنصریہ کے ارواح سے استعانت کرتے ہیں اور مثال بھی دیتے ہیں جیسے ہوائی شیخ سدو و فین خان وغیرہ کی ارواح سے استعانت اور اس قسم کی استعانت کو حضرت شاہ صاحب میں شرک اور ملت جنینی کے بالکل خلاف قرار دیتے ہیں یہ مؤلف مذکور کا فریضہ ہے کہ وہ ادھر ادھر جہاں کے بغیر ٹھوس اور صریح حوالوں سے بیثبات کریں کہ فلاں پیغمبر اور فلاں ولی نے مصیبت کے موقع پر فلاں پیغمبر یا فلاں ولی کی روح سے استعانت کی تھی یا فلاں حوالہ سے یہ ثابت ہے کہ کسی بھی وقت انہوں نے مافوق الاسباب اور غائبانہ استعانت غیر اللہ سے کی تھی۔ الغرض حضرت شاہ صاحب کی صریح عبارات کی موجودگی میں ان کی مجمل عبارت سے اس کو سیاق و سباق سے الگ کر کے عوام الناس کو دھوکا دینا یا اس عبارت میں اپنی خود ساختہ مراد گھسیٹنا کہاں کا انصاف و دیانت ہے؟

ناصح ناواں نے مطلب میر سمجھا ہی نہیں

کیا سمجھتا؟ عالم دل میں تو وہ تھا ہی نہیں

اور ہم پہلے خود حضرت شاہ صاحب کے حوالہ سے یہ عرض کر چکے ہیں کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے علم غیب کے اثبات اور ان کے ہر جگہ سے فریاد سنے کو عقائد باطلہ میں لکھتے ہیں اور استقلال و غیر استقلال کا مطلب بھی پہلے عرض کیا جا چکا ہے حضرت شاہ صاحب ہی لایزال عہدی ینقرب الی الحدیث میں تقرب کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

لیکن اس طریق تقرب خاص بذات اوتعالیٰ
ست اگر کسی خواہد کہ بایں طریق یکے از مخلوقات
تقرب پیدا کند ممکن و مطرد نیست و سببش
آنست کہ درین نوع تقرب متغیر الیہ
دو چیز می باید اول احاطہ علی با ذکر قلبیہ و
لسانیہ و اکبرین باوصف مخالف امکانہ و از منہ
و مدارک و السنہ ناذر قلبی و لسانی ہر ذکر را
معلوم دوم قوت نزدیک شدن و در مدد کمر
او در آمدن و استراپہ کردن و حکم صفت آن
پیدا کردن کہ در عرف شرع آن را دُتُو و
تُدائی و نزول و قریب خوانند و ایں ہر صفت
خاصہ ذات پاک اوتعالیٰ نسبت بیچ مخلوق را
حاصل نیست اگر ہی بعضی کفرہ و حتی بعضی از
معبودان خود و بعضی پیر پرستان از زمرہ
مسلمین در حق پیران خود امر اول را ثابت می
کنند و وقت احتیاج بہمیں اعتقاد یا تھا
استعانت می نمایند اما مطرد ہی باشد الی قولہ
و دیگر مخلوقات ہر چند روحانیات باشند اول
علم محیط ندارند کہ ہر ذکر ہر ذکر مطلع شوند لہذا
(تفسیر عزیزی پارہ ۲۹ ص ۱۸ طبع محمدی لاہور)

لیکن تقرب کا یہ طریق صرف اللہ تعالیٰ ممکن ہے
کے ساتھ مختص ہے اگر کوئی چاہے کہ اس طریق
کے ساتھ مخلوقات میں سے کسی سے تقرب
کرے تو یہ ممکن اور جاری نہیں ہے اور اس
سبب یہ ہے کہ تقرب کی اس قسم میں متغیر
(جس کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے) کے لئے
بہیزیں درکار ہیں پہلی یہ کہ ذکر کرنے والوں کے
اذکار قلبی اور لسانی کا باوجود مختلف جگہوں اور
زمانوں اور مختلف نظریات اور زبانوں کے علی احاطہ
ہونا کہ اس کے ذریعہ ہر ذکر کرنے والے کا قلبی
لسانی ذکر معلوم ہو۔ دوسری یہ کہ نزدیک ہونا
کی قوت اور اس کی قوت یکہ میں آنا اور اس کا ہر ذکر
اس کی صفت کا حکم پیدا کرنا اور شریعت کی مطابقت
میں اس کو دُتُو اور تَدائی اور نزول و قریب کہتے
ہیں اور یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے
ساتھ مخصوص ہیں کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہیں بل بعض
کافروں نے اپنے بعض معبودوں کے بارے اور مسلمانوں
کے گروہ میں سے بعض پیر پرست اپنے پیروں کے
بارے میں پہلا امر کو ثابت کرتے ہیں اور حاجت
وقت اسی اعتقاد سے اُن سے استعانت کرتے
ہیں ہر حال یہ جاری نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) اور
اللہ تعالیٰ کے بغیر اور مخلوق اگر جبری روح ہی کیوں ہے
تو علم محیط نہیں رکھتی کہ ہر ذکر کے ذکر پر مطلع ہوا ہے۔

۱۳۳

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ہر ذکر کرنے والے کے قلبی
اور لسانی ذکر پر مطلع ہونا اور حاجت مند کے نزدیک ہونا خاصہ خداوندی ہے اس میں مخلوق میں
میں اس کا کوئی شریک نہیں مگر ہاں بعض پیر پرستوں نے اپنے پیروں کے لئے ہر ذکر کے ذکر پر مطلع
ہونے اور احاطہ علی کا دعویٰ کیا ہے مگر ان کا یہ یہ دعویٰ خاصہ خداوندی پر ٹکا کہ ڈالنے کے
متعارف ہے اور یہی ذبیحہ مؤلف مذکور اور ان کے محرم شریعت مساتحیوں اور بزرگوں کا ہے
مَسَاتِحَتْ قُلُوبُہُمْ شَیْئِدَہُ کہ ان کا اس پر عمل ہو۔

انہیں کے مطلب کی کہہ دیا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
انہی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی
حضرت شاہ صاحبؒ کفار کے عقائد باطلہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ
و اگر کافران گویند کہ معبودان ما مظاہر صفاً اور اگر کافر یہ کہیں کہ ہمارے معبود اللہ تعالیٰ کی
کلام الہی اندو با و اتحاد نسبت مظہر با ظاہر صفات کاملہ کے مظاہر ہیں اور اس کے ساتھ
دارندہ مغایرت و مقابلہ الی قولہ گویم ایں نسبت اتحاد ظہر کی ظاہر کے ساتھ رکھتے ہیں نہ کہ
بیزخیال باطل شمس است اھ مغایرت اور مقابلہ کا (پھر آگے فرمایا) تو ہم کہتے
(تفسیر عزیزی پارہ ۲ تاک ص ۲۹) ہیں کہ تمہارا یہ خیال بھی باطل ہے۔

غرضیکہ حضرت شاہ صاحبؒ غیر اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفات کے ایسا مظہر ہونے
کو جس سے غیر نسبت اڑ جائے خیال باطل سے تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ خالق خالق ہے
اور مخلوق مخلوق ہے امدان دونوں میں ظاہری طور پر سرے سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے کیونکہ
دوسری کائنات کا موجد اور خالق ہے اور کائنات سب کی سب مخلوق ہے اگر محاذ اللہ تعالیٰ
و نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

تمہاری بختوں سے میرے شیعہ خدا کی ہستی میں کم نہ ہوتے
مگر یہ بات آگئی سمجھ میں خدا نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے!
حیرت و تاسف | مؤلف مذکور کے علم و دیانت پر صد افسوس ہے کہ انہوں نے نہ تو حضرت
شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی پوری عبارت نقل کی ہے اور نہ سمجھی ہے اور اٹا علماء و پویند کثر اللہ
۱۳۵

ظاہر مایہ دور از عرفان خواہد بود و در شرع نیز
روا ہے اور حضرت انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
جائز و راست و انبیاء و اولیاء میں نوع استغاث
بغیر کردہ اند و حقیقت میں نوع استغاث
بغیر نیست بلکہ استغاثت بحق تعالیٰ است۔
(تفسیر غزالی ص ۱۰۰ طبع مجتہدانی دہلی)
ہی سے استغاثت ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے اس عبارت میں لیکن دریں جہان سے حضرت سفیان ثوری
کے غلط تصوف کے تحت طبیب امیر و بادشاہ سے مدد لینے کو اس آیت کے خلاف سمجھنے
اور بعض علماء کے اسی مضمون کے قول کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ڈاکٹر سے دوا لینا اور
امیر و بادشاہ سے مدد چاہنا ممنوع استغاثت میں داخل نہیں ہے اور آگے اور ایک انداز
مظاہر عنون الہی کی عبارت میں اشارہ طبیب امیر و بادشاہ ہی کی طرف ہے۔ اور پھر خود وہ
نظر بکا رخانہ اسباب میں ظاہری اسباب کی تصریح کرتے ہیں اور لفظ لفظ میں ظاہری اور
ماتحت الاسباب کو متعین کرتے ہیں لیکن جب باری آتی ہے مولف مذکور اور ان کے
صدر الافاضل کی تو وہ یوں گوہر افشانی کرتے ہیں شاہ صاحب نے فرمایا دوا دیکھو از
مظاہر عنون دانستہ یعنی غیر اللہ کو عنون الہی کا مظہر سمجھتے صدر الافاضل صاحب نے فرمایا متقنا
حق کی امداد امداد الہی ہے استغاثت یا بغیر نہیں بل فقط (توضیح البیان) حضرت شاہ صاحب
تو طبیب امیر اور بادشاہ کا لفظ بول کر اور نظر بکا رخانہ اسباب فرما کر اس سے ظاہری اور
ماتحت الاسباب استغاثت مراد لیتے ہیں اور آپ اور آپ کے صدر الافاضل صاحب
مقرآن حق کی امداد بول کر مافوق الاسباب اور حضرات انبیاء و کرام اور اولیاء عظام علیہم
الصلوٰۃ والسلام سے مرادیں مانگنا ثابت کر رہے ہیں فرمائیے کیا حضرت شاہ صاحب
یہی کچھ فرماتے ہیں؟ اور کیا یہ قرآن کریم کی تحریف نہیں ہے؟ اور کیا یہ اپنے نفس پر ظلم نہیں
ہے؟ اور کیا امت خفیدہ کا شیرازہ بکھرنے کے لئے یہ ایک غلط راہ نہیں ہے؟ اور کیا یہ
نظر یہ قابل صد نفرت نہیں ہے؟ فرمائیے بات کیا ہے؟ اور کیا علمی دنیا میں یہ ظلم عظیم نہیں
کہ آپ بلا وجہ سرخی یہ قائم کرتے ہیں کہ صدر الافاضل اور شاہ عبدالغنی دہلوی نے استغاثت

تعالیٰ جہاں عہد کو کو سنے پر کمر باندھ لی ہے کہ جس ہکول میں نبی کے علم کی ہمارم اور مجنوں
علم سے تشبیہ کا درس دیا جاتا ہو وہاں اپنے حکمی باپ کی تعلیمات کو قابل صد نفرت
سمجھا یا جائے گا تو اور کیا ہوگا؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی ہمارم اور مجنوں سے تشبیہ کا جواب آپ
اکابر حصہ اول میں ملاحظہ فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے مزاج مبارک ٹھیک ہو
اور طبیعت درست ہو جائے گی کوئی ملین لینے کی حاجت باقی ہی نہ رہے گی۔
حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کی پوری عبارت ملاحظہ کریں۔

شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ روئے در
نماز شام امامت میں کر دچوں ایتانک تجھ
و ایتانک نستعین گفت یہوش افتاد چوں
بجود آمد گفتند لے شیخ ترا چہ شدہ بود گفت
چوں ایک نستعین گفتن فرمیدم کہ مرا بگویند کہ
لے دروغ گو چرا از طبیب دار دی خواہی
داز امیر روزی داز بادشاہ باری میجوی و
لہذا بعض از علماء گفتند اند کہ مرد و باد کہ
شرم کند ان کہ روز و شب پنج نوبت در
مواجه پروردگار خود استادہ دروغ گفتہ
باشد لیکن دریں جا باید ہمید کہ استغاثت از
غیر بوجہی کہ اعتماد بران غیر باشد و اورا
مظاہر عنون الہی نہ اند حرام است و اگر التفات
محض بجان نبی حق است و اورا یکے از
مظاہر عنون دانستہ و نظر بکا رخانہ اسباب
حکمت او تعالیٰ در ان نمودہ بغیر استغاثت

کی ایک ہی جیسی تفسیر کی ہے۔ کیا انصاف اور دیانت اسی کا نام ہے؟ مگر مسلمان جس مکتب فکر سے آپ تعلق رکھتے ہیں اس کے پاس بحرِ کرم نہیں اور تعصب کے اور حضرت کا وزیر ہی یہ ہے کہ چکر کاٹ کاٹ کر حفظ الایمان۔ براہین قاطعہ تحریر فرمائیں فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ کی ان عبارات پر تان توڑتے ہیں جو اپنے مقام پر صحیح اور علمی ہیں آپ کے بڑوں نے انگریز کو راضی کرنے کے لئے اور عوام الناس کو ان اکابر سے دلانے کے لئے ان عبارات کے خود ساختہ مطالب و معانی لے لے کر ان اکابر کی کئی اور ان پر ظلم ڈھایا اور انگریز نے تو ان پر مظالم کی حد کر دی جو اس کا مصداق ہے کہ ستم گر تجھ سے اُمید کرم ہوگی جنہیں ہوگی !!!

ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تو عالم کہاں تک ہے

استغانت کی بحث میں حرفِ آخر یہ عربی جہاں مؤلف مذکور لکھتے ہیں شاہ ولی صاحب شریح الطیب النعم میں فرماتے ہیں۔

لا بدست اذا استدعوا بدوح انحضرت صلی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استغانت کا لفظ اللہ علیہ وسلم چارہ نہیں۔

مولوی قاسم نانوتوی صاحب بانی دیوبند قصائد قاسمی ص ۸ پر لکھتے ہیں۔

مذکور اسے کرم احمدی کہ تیسرے سوا

نہیں ہے قاسم بیگس کا کوئی حامی کا

اہل سنت اگر ایشیائی بھوک (میری مدد) سے جہاں استمداد کا قول کریں تو آپ

ہیں کہ یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء و اولیاء و شہداء علیہم السلام سے کرتے ہیں کہ زندہ اس جہاں میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب ان سے اس قسم کی استمداد

بہر صورت شرک ہے (تفہیم متین ص ۳) اور شاہ ولی اللہ اور قاسم نانوتوی نے انہیں سے استغانت کی ہے تو بتلایئے آپ کے نزدیک وہ شرک ہوئے یا نہیں؟ یہی وہ شعلہ

صاحب ہیں جن کی عبارتوں کو بے سوچے سمجھے نقل کر کے آپ نے تفہیم متین کے

کے وقتی سیاہ کر ڈالے ہیں جن کی عبارتیں نقل کرنے سے آپ کی دوکان چمکتی ہے جن کا نام لینے سے آپ کا بیٹ بڑھتا ہے پھر آخر کچھ تو خفی نمک کا پاس کیا ہوتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ تُشْرَکَ بِہٖ

اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشنے کا پھر آپ نے شاہ ولی اللہ اور مولوی قاسم کو مشرک قرار دے کر ان پر دروازہ مغفرت کو

بیشہمیشہ کے لئے بند نہیں کر دیا اور جب سرخیل دیوبندی مشرک قرار پایا تو باقی اتباع

ماذاب کس طبقہ میں ہوں گے اب ہم اس بحث کو سید العارفین ابن عربی کے قول پر ختم کرتے ہیں جسے علامہ شعرانی نے کبریت احمد جلد اول ص ۸ اور ابوالوقت والجوارح ص ۲۸ پر نقل کیا ہے۔

قال واما القطب الواحد فهو روح محمد اور ابن عربی نے کہا کہ ہر حال قطب احد تو حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ لجمع کل انبیاء الہی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جو تمام انبیاء و رسل و اولاد

ولا قطب من حین النشئ الانسانى الاقطاب کے ابتداء آفرینش السانیت کے کو یوم نیامت تک کے بعد دگار ہیں اور اللہ تعالیٰ

الیوم القیمة (واللہ اعلم) ہی خوب جانتا ہے۔

اس عبارت تک پہنچنے کے بعد بھی اگر مولوی سرفراز صاحب کے ہوش و حواس قائم

ہوئے تو ان سے معروض ہے کہ الدین النصیحۃ کے طور پر ہم نے مسئلہ استغانت کو کتاب سنت

اور اقوال سلف کی روشنی میں واضح تر بیان کھدیلے ہے شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز مولوی محمد قاسم مولوی محمود الحسن صاحب اور دیگر سلف دیوبند جنہیں مولوی سرفراز صاحب اپنے

دین و ایمان کا مرکز سمجھتے ہیں ان تمام حضرات کے اقوال سے مافوق الامور میں اور اولیاء اللہ

سے بعد احوال استغانت کو ثابت کر دیا ہے اور اب سرفراز صاحب کے لئے صرف

وہی راستہ ہیں یا تو ان تمام کو مشرک قرار دے کر کو داصل فی النار کر دیں اور اگر انہیں مشرک

نہیں سمجھتے تو خود اپنی ضلالت سے تائب ہوں دنیا کے جھوٹے وقار اور شہرت کی طلب

میں ہمیشہ ہمیشہ کی عزت کا خطرہ مول لینے سے گریز کریں اور خفی و صداقت کی راہ اختیار کر لیں جھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق۔ سرفراز صاحب نے حضرت صدر الافاضل کے علم

غضل پر حوٹن کیا تھا بالآخر اس کی شامت نے ان کا منہ سیاہ کر کے چھوڑا اور انہی
انہوں نے شرک کی تعریف میں شدید ٹھوکریں کھائی ہیں۔

بہر حال ہم نے الدین النصیف کے مطابق ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے
تعالیٰ انہیں قبول حق کی توفیق عطا فرمائے انتہی بلغظہ (ص ۵۹ تا ۶۱)
الجواب: مؤلف مذکور کی اس طویل اور بچی عبارت میں قابل گرفت باتیں تو فارسی
مگر ہم صرف ان کی جہالت اور علمی خامی کو ظاہر کرنے کے لئے چند باتوں کی طرف صرف
اشارات کرتے ہیں مزید کچھ کہنے کی ضرورت بڑی تو انشاء اللہ وہ بھی عرض کریں
بارزہ صحت باقی۔

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت میں استمداد بروح آنحضرت صلی اللہ علیہ
علیہ وسلم کے الفاظ ہیں اور اسی طرح علامہ شمعانیؒ کی ابن عربیؒ سے نقل کردہ عبارت
فہو روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں لیکن مؤلف مذکور نے کہا کہ
یا انتہائی جہالت کی وجہ سے دونوں جگہ ترجمہ میں روح کا لفظ ذکر نہیں کیا کیونکہ اس سے
قلبی کھل جاتی تھی انشاء اللہ تعالیٰ ابھی ذکر کرتا ہے کہ حضرات صوفیہ کرام کی اصطلاح
میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح سے استمداد کا کیا مطلب ہے!

۲۔ حضرت نانوتویؒ کے اس شعر کریم احمدیؒ کا مطلب خود انہیں کی عبارات کی روشنی
میں ہم نے باقی دارالعلوم دیوبند حاشیہ میں دے دیا ہے مؤلف مذکور کا اغلاط
اور علمی نریضہ ہے کہ وہ اس کی طرف مراجعت کر کے اس سے استفادہ کریں اور ضرور
۳۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور مولانا نانوتویؒ اور کسی بھی قابل اعتماد بزرگ کی کسی
عبارت غیر اللہ سے مافوق الاسباب استمداد کا ہرگز کوئی ثبوت نہیں اور نہ مؤلف مذکور
کر سکے ہیں لہذا ان پر شرک کا فتویٰ کیوں صادر کیا جائے؟

۴۔ رافق نے مجدد اللہ تعالیٰ تنقید میں وغیرہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی جو عبارتیں
نقل کی ہیں وہ سوچ سمجھ کر نقل کی ہیں اور علمی دنیا میں ان کا کوئی اور مطلب ہی نہیں ہے
سوائے اس کے جو ہم نے بیان کیا ہے مؤلف مذکور کا فرض ہے کہ ان عبارات کو کچھ

۱۵۱
عربی دان سے سمجھنے کی کوشش کریں یہ یاد رہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی مرتبہ
اور محسوس عبارتوں سے صرف علمی دوکان ہی نہیں سمجھتی اور نہ ہی قابلیت کا ریٹ بطریقہ
بلکہ ہر موجد متبع سنت اور مومن کے دل میں اذعان و ايقان بھی بڑھتا ہے اور شرک و بدعت
کے سیاہ اور گھمبیر بادل آنا جانا چھٹ جاتے ہیں لہذا ان پر ان اللہ لا یغفران یشترک
یہ کی آیت کریمہ چسپاں ہوتی بفضلہ تعالیٰ ان کی روشن عبارات سے شرک کی تمام
زنجیریں کٹ جاتی ہیں اور ان کی عبارات میں شرک کا وہم بھی پیدا نہیں ہوتا پھر ان جیسے
رئیس المؤمنین کی تکفیر کے کیا معنی؟ مؤلف مذکور خود سمجھ سے عاری ہیں۔

۵۔ مجدد اللہ تعالیٰ رافق کی کسی عبارت سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب یا مولانا نانوتویؒ
وغیرہ بزرگوں کا (اور اسی طرح خود ان کی عبارات سے بھی) ان کے مشرک ہونے کا وہم
بھی پیدا نہیں ہوتا کسی کے بارے میں قطعی اور حتمی طریقہ پر حتمی یا دوزخی ہونے کا فیصلہ
تو قطعی دلیل ہی سے ہو سکتا ہے جو صرف وہی ہے اور وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
والسلام کے بغیر کسی پرنازل نہیں ہوتی اس لئے قطعی طور پر ان حضرات کے بارے میں حتمی
ہونے کا فیصلہ نہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کے مجاز ہیں ہاں البتہ اللہ تعالیٰ سے قوی امید
یہی رکھتے ہیں کہ وہ بفضلہ تعالیٰ جنت الفردوس کے وارث ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے
ان کے نقش قدم پر چلتے والے بھی جنت میں جائیں گے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اس
سوال کے جواب میں کہ مردانِ ایں زمانہ رافقی ہشتی و یا قطعی دوزخی قرار دادہ تصدیق کنند حکم او
عند الشرع جیست؟ لکھتے ہیں ایشیاں رافقیہ بعلم علام الغیوب باید کرد نہ بالقطع جنتی باید
دند دوزخی فقط (محصلا فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۱۱) مطلب بالکل واضح ہے کہ ہمیں قطعی طور پر کسی
کو جنتی یا دوزخی کہنے کا حق حاصل نہیں ہے اس لئے کہ ہمیں غیب کا علم نہیں ہے فیطیت
صرف علام الغیوب کے بتانے ہی سے ہو سکتی ہے اور پس

۶۔ استمداد روح محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمام حضرات انبیاء کرام
ورسل و اطحاب علیہم الصلوٰۃ والسلام نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک سے
ما فوق الاسباب طریقہ پر استمداد کیا ہے اور آپ کے وہ پوری کردی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے

کہ جیسے منطقی اصطلاح میں نورِ نورِ شمس کے استفادہ سے اسی طرح نامِ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علمی و عملی کمالات اسحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیض ہے اور اسی کو بعض عقیدت مندوں نے یوں تعبیر کیا ہے کہ اسحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت سے اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت آپ کا فیض اور بالخصوص اسے اور آپ کی نبوت کا فیض سب کے لئے عام ہے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

فالنبوۃ حمت کل اصناف والا حمر ولا سود مستویان فیما يرجع الی فیض الذی هو من باب النبوۃ الخ (تفہیمات الجلیہ ج ۱ ص ۲۰)

اور تصوف کے رنگ میں گفتگو کرتے ہوئے اقربا بات المحسن کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

توسط الانبیاء صلوات اللہ علیہم بین اللہ سبحانہ و بین المقربین باحدی هذه الاقترابات الخمس لیس معناه ان یكونوا مفیضی الکمال علیہم بل ان یكون جہتا اقترابھو و سمت توجہھو ما تشخص یہ ہذا النبی عند العود من اصناف الکمال (تفہیمات ج ۲ ص ۱۳۸)

اس عبارت سے صاف طور پر یہ واضح ہو گیا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

مقربین پر فیض کا معنی نہیں کہ وہ فیض ان کو عطا کرتے ہیں بلکہ وہ ان کے فیض کا ذریعہ ہیں اور سبب قرار پاتے ہیں اور اسحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا فیض آپ کی وفات کے بعد بھی برابر جاری و ساری ہے نسبت ولے اور اہل لوگ قبور اور ارواح سے بھی فیض حاصل کرتے رہتے ہیں چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی لکھتے ہیں۔ اگر صاحب نسبت ہو تو اپنا دل دوسرے خیالات سے فارغ کر کے صاحبِ قبر سے فیض حاصل کرنے کے لئے مراقبہ کرے اھ (ارشاد الطاہرین ص ۲۷) اور نیز لکھتے ہیں

مسئلہ جب کوئی شخص مرتبہ کمال کو پہنچ جاتا ہے اس کو جانب الہی سے بے واسطہ فیض پہنچ سکتا ہے اور عیادت سے بھی ترقیات حاصل کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنی سجدہ کرو اور خدا کا قرب طلب کرو اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبرک شریف اور اولیاء کی قبور سے بھی فیض حاصل کر سکتا ہے انتہی بلطف (ارشاد الطاہرین ص ۳۷)

لیکن فیض زندگی کے فیض کی طرح نہیں ہوتا چنانچہ جابِ تاضی صاحب ہی تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کہے اویاء کا فیض ان کی موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے پس دوسرے شیخ کو تلاش کرنا فضول ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ اویاء کا فیض بعد موت اس قدر نہیں کہ ناقص کو بدرجہ کمال پہنچا دیں مگر شاذ و نادر اگر فیض بعد از موت اسی قسم کا ہو جیسے زندگی میں ہوتا ہے تو تمام اہل مدینہ پیغمبر خدا کے زمانہ سے آج تک اصحاب کے برابر ہوں، اور نیز کوئی شخص اویاء کی صحبت کا محتاج نہ ہوا زت شدہ کا پیغمبر خدا کے برابر ہو ہی کیونکر سکتا ہے جب کہ فیض رسالہ اور فیض یاب میں نسبت شرط ہے اور وفات کے بعد مفقود ہے ہاں قناد لقا کے بعد جب مناسبت باطنی ہو جاتی ہے تو قبور سے فیض حاصل کر سکتے ہیں، لیکن وہ بھی نہ اس قدر جو حیات میں ہوتا ہے واللہ اعلم (ارشاد الطاہرین ص ۱۸) مگر اس فیض سے تقرب الہی کا فیض مراد ہے رزق پہنچانے، اولاد ملنے اور تکالیف دور کرنے کا فیض ہرگز مراد نہیں ہے چنانچہ ہی قاضی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

مسئلہ اگر کوئی کہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بات پر گواہ ہیں وہ کا فر ہو

جانتا ہے اولیاء معدوم کو پیدا کرتے یا موجود کو نابود کرنے پر قادر نہیں ہیں پس پیدا کرنے والوں
کرنے رزق پہنچانے اولاد دینے بلا دور کرنے مرض سے شفا بخشنے وغیرہ کی نسبت ان سے
مطلوب کرتا کفر ہے قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ صَلَاةَ لِكُلِّ مَسْجِدٍ بَنَيْتُ لِي فِيهِ اسْمًا لِّعَلِّي يُرْفَعُوا
اے محمد کہ میں اپنے آپ کے لئے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو خدا چاہے
(ارشاد الطاہرین ص ۲۱) اور نیز تصریح فرماتے ہیں۔

مسئلہ: اولیاء کو علم غیب نہیں ہوتا ہاں بعض غائب چیزوں کے متعلق خرق عادات
کے طور پر کشف سے یا الہام سے ان کو علم دیا جاتا ہے اور یہ کہنا کہ اولیاء کو غیب کا علم
ہے کفر ہے الخ (ص ۲۱)

مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں اور یہ خیال نہ کرے کہ قبر سے فیض لینا کافی ہے دوسرے
شیخ کی کیا ضرورت ہے کیونکہ قبر سے فیض تعلیم نہیں ہو سکتا البتہ صاحب نسبت کو احوال
کی ترقی ہوتی ہے سو شیخ تو ابھی محتاج تعلیم ہے ورنہ کسی کو بھی بیعت کی ضرورت ہوتی
لاکھوں قبریں کا مین بلکہ انبیاء کی موجود ہیں (تکلیف الدین ص ۹۷)

غرضیکہ اولوں کا تو کہنا ہی کیا مگر موجودات سید البشر امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی مافوق الاسباب طریقہ پر کسی کو فیض رزق غنی صحت
اولاد اور دیگر نعمتیں دینے کی مجاز نہیں بلکہ اگرچہ رسد بلکہ آپ خود فقر و فاقہ میں مبتلا ہے
اور یہ کوئی عجیب نہیں ہے جیسا کہ انشاء اللہ العزیز آگے آ رہا ہے۔

روح سے استمداد روح سے استمداد سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ جو
حضرات اس کے اہل ہیں انہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح سے فیض پہنچتا ہے تو
اس کی باحوالہ بحث پہلے گذر چکی ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ آپ مافوق الاسباب طریقہ پر رنگتوں
کو رزق دیتے ہیں اے اولادوں کو اولاد دیتے ہیں بیماروں کو شفا دیتے ہیں اور اسی طرح
دیگر اصحاب حاجات کی حاجتیں پوری کرتے ہیں تو یہ مطلب نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ
اور صحیحہ کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ خود ان اکابر کی صریح عبارات کے بھی خلاف ہے
اس سلسلہ میں چونکہ مولف مذکور نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت پر اپنے استدلال

کی بنیاد کی ہے اس لئے ہم یہاں حضرت شاہ صاحبؒ ہی کی چند عبارات باحوالہ عرض
کرتے ہیں تاکہ بات بالکل عیاں ہو جائے۔

والمیزان فی معرفۃ الخیر والنشر الکتاب خیر اور شر کی شناخت کی ترازو قرآن کریم ہے
علی تأویلہ الصریح ومعروف السنۃ جو اپنی صریح تعبیر پر مشتمل ہو اور مشہور حدیث ہے
لا اجتہاد العلماء ولا اقوال الصوفیۃ نہ کہ حضرات علماء کرام کا اجتہاد اور نہ حضرات
(تفہیمات الہیۃ ج ۲ ص ۲۱) صوفیاء کرام کے اقوال

اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ
اما عقیدہ و مشروع جہاز حدیث پیغمبر بہر حال عقیدہ اور شریعت تو آنحضرت صلی اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ان گرفت قائل علیہ وسلم کی حدیث کے بغیر نہیں حاصل
(ایضاً ج ۲ ص ۲۵۵) کئے جاسکتے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ عبارات بالکل واضح ہیں مزید کسی تشریح کی حاجت نہیں
ہے ان عبارات کی روشنی میں غفائد و شرائع کے بارے میں ایک دو نہیں علماء کرام اور
ادب و نبیاء عظام کے سینکڑوں اقوال و عبارات بھی پیش کی جائیں تو لا حاصل ہے وہ
خود قابل تأویل ہوں گی اس لئے مولف مذکور اور ان کے دوستوں کو اس سلسلہ میں ایسے
اقوال و عبارات سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی
خود اپنی صریح عبارات کے ہوتے ہوئے بھلا ایسے باطل معانی لئے بھی کب جاسکتے
ہیں؟ مثلاً یہی ایک عبارت ملاحظہ کریں۔

ثم لیعلم انہ یجب ان ینفی عنہ صفات الواجب جل جلالہ من العلم بالغیب
والقدرة علی خلق العالم الی غیر ذلک مجہد کی صفات خفا علم غیب اور جہان کے پیدا
ولیس ذلک بنقص وثبت انصاف کرنے کی قدرت وغیرہ کی نفی کی جائے اور کوئی
الانبیاء علیہم السلام بالجموع عیب نہیں ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت
والظلماء والفقر والحاجات وامثالہا انبیاء کرام علیہم السلام والصلوة والسلام بھوک۔ پیاس احتیاج

باصطلاح ایشان معصوم مقرر فی الطاعه منصوب
معلوم ہوا کہ شیعہ کے نزدیک امام معصوم ہوتا ہے
المتی است ووجی باطنی در حق امام تجویزی نمایند
جس کی اطاعت فرض ہوتی ہے جو حق کے لئے
پس در حقیقت ختم نبوت را منکر اند گو زبان
کھڑا کیا جاتا ہے اور وہ امام کے حق میں باطنی
آنحضرت را صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء
وحی تجویز کرتے ہیں پس حقیقت میں وہ ختم نبوت
فی گفتہ باشند (تفہیمات الہیہ ج ۲ ص ۲۳۳)
منکر ہیں گو زبان سے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔

اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک سے سوال کیا مگر یہ سوال بھی روحانی تھا چنانچہ خود
فرماتے ہیں کہ

سألت سؤالا روحانیا عن الشيعة الخ میں نے آپ سے روحانی طور پر شیعہ کے
(تفہیمات الہیہ ج ۲ ص ۲۵۵)
بارے میں سوال کیا۔

اور آپ نے ان کا انکال دور کیا لیکن اس میں اس کی بھی وضاحت ہے کہ یہ روحانی خواب
یا نیم خواب یا سکر یا غنودگی کی حالت میں ہوئی اور چون ازاں حالت افاقت دست داد
کے الفاظ اس پر صاف طور پر دلالت کرتے ہیں امداد آپ کا جواب بھی ایک گود روحانی
تھا چنانچہ نبوی از کلام روحانی کے الفاظ اس پر ال ہیں اور اس قسم کے روحانی معاملات اور مراقبات
کا ذکر تفہیمات الہیہ اور زمین وغیرہ کتابوں میں موجود ہے

الغرض ان کے کلام میں استمداد سے وہ استمداد مراد لینا جو جاہل اور شرک کے شیعہائی
غیر اللہ سے طلب رزق واولاد اور دفع مضرت وغیرہ میں کیا کرتے ہیں سراسر باطل ہے
لہذا یہ حوالہ بھی مولف مذکور کو قطعاً مفید نہیں اور ہمیں ذرہ بھر مضرت نہیں ہے مگر نثر ناقص
نک پہنچنے کے لئے باریک بینی شرط ہے۔

ملے گا منزل مقصود کا اسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ
کبریت احمر اور الیواقیت کا حوالہ | مولف مذکور نے بے سوچے سمجھے کبریت احمر

ولیس ذلک بنقص وعدم اتصاف صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بصفات یسبح
بہا الناس فی بعض امور وھول شیئ
ما ھو اشرف وافضل منها کالخطو
التعصر وما یناسب ذلک لیجس
بنقص (تفہیمات الہیہ ج ۲ ص ۲۵۶)
اور حاجات وغیرہ سے منصف تھے اور یہ کوئی
عیب نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کال بعض ایسی صفات سے موصوف نہ ہو سکتے
وجہ سے لوگوں کی تعریف کی جاتی ہے مثلاً کہ
اور شعر اور اس قسم کی اور چیزیں تو یہ بھی کوئی عیب
نہیں کیونکہ آپ ان سے کہیں اعلیٰ اور افضل منصف
سے منصف ہیں۔

لہذا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ بزرگوں کی عبارات میں روح سے استمداد
یطلب ہرگز نہیں کہ امداد چاہنے والے حضرت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح
مبارک سے رزق اولاد جلب منفعت اور دفع البلاء وغیرہ کی امداد چاہنے ہیں حاشا
وکلّا تم حاشا وکلّا ان حضرات کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک قسم کے سکر یا غنودگی کی
حالت میں آپ کی قبر مبارک پر یا ویسے مراقبہ کرتے ہیں اور اس مراقبہ کی حالت میں مثالی طور
پر آپ کی روح مبارک سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ علمی طور پر ان سے استفادہ کرتے
ہیں اور آپ کی مثالی روح روحانی طور پر ان کے علمی اشکالات دور کرتی ہے چنانچہ حضرت
شاہ ولی اللہ صاحب خود تحریر فرماتے ہیں کہ

ابن فقیر از روح پرفتوح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
روح پرفتوح سے سوال کیا کہ آپ شیعہ کے بارے
در باب شیعہ کہ مدعی محبت اہل بیت اند
وصحایہ را بدعی گویند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نوعی از کلام روحانی التفاد فرمودند کہ
ندبب ایشان از لفظ امام معلوم می شود
چون ازاں حالت افاقت دست داد
امام کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے جب اس حالت
سے افادہ ہوا تو میں نے امام کے لفظ میں تاثر کیا

اور الیواقیبت و البحر کما جوارہ نقل کر دیا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ بیچارے حضرات صوفیہ کرام کی اصطلاحات ہی سے واقف نہیں ہیں اور نہ ان کی کتابیں ان کو بالاستیعاب دیکھنے سمجھنے اور پڑھنے کی کبھی ہمت اور توفیق ہی ہوئی ہے ہم بفضلہ تعالیٰ نہایت ہی مختصر پر بقدر ضرورت چند حوالے عرض کرنے ہیں غور فرمائیں

قطب حضرات صوفیہ کرام اور علی الخصوص شیخ ابن عربی (المتوفی ۶۳۸ھ) اس امر کی تصریح کرتے ہوئے کہ قطب سے کوئی زمانہ خالی نہیں ہوتا لکھتے ہیں۔

فلا یخلو زمان من رسول یكون فيه
ذلك هو القطب الذي هو محل نظر
الحق تعالى من العالم كما يليق بجلاله
ومن هذا القطب يتفرع جميع الامداد
الالهية على جميع العالم العلوي السفلي
قال الشيخ محي الدين ومن شرطه ان
يكون ذا جسم طبيعي وروح ويكون
موجوداً في هذا الدار الدنيا مجسدة
وروحه من عهد آدم الى يوم القيمة
لما كان الامر على ما ذكرناه ومات
رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ما
فر بالدين الذي لا يفسخ والشروع الذي
لا يتبدل دخلت الرسل كلها في ذل
ليقوموا بها فلا تخلو الارض من رسول
سحي مجسمه اذ هو قطب العالم الانساني
ولو كانوا في العدد الف رسول فان المقصود
من هؤلاء هو الواحد قادر ليس في السماء

الواجب وعيسى
الياس والخط
ان السلوات
لكنها تبقى
بفنائها
الدنيا الى ان
الارض الياس
اذ انزل وهو
في الارض بالدين
الموسلون في ولا
لكن من يا جاط
الله عليه وسلم
لا يعلمون في فاق
عيسى وادريس
عليهما السلام
الدين وهو كوكب
وانشان من
اربعته هو
الله الايمان
الرسالة و
الدين الح
واحد لا بد
ج ص با

جو اپنے جسم کے ساتھ زندہ ہو خالی نہیں کیونکہ
وہ تمام عالم انسانی کا قطب ہے اگرچہ گنچ میں و
بزر پیغام رساں ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ مفسدوں
میں سے ایک ہی ہے سو حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ
والسلام چونکہ آسمان میں اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ
والسلام دوسرے آسمان میں اور حضرت الیاس
اور حضرت خضر علیہما الصلوٰۃ والسلام زمین میں
ہیں اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ سات آسمان
بھی عالم دنیا ہی سے ہیں کیونکہ وہ صورت دنیا کی
بقا کے ساتھ باقی ہیں اور اس کے کنار کے
ساتھ فنا ہو جائیں گے تو وہ دایرہا ہی کی جزو
ہے (پھر آگے فرمایا) اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے
زمین میں حضرت الیاس اور حضرت خضر کو اور اسی
طرح حضرت عیسیٰ کو جب زمین پر نازل ہوں گے
علیہم الصلوٰۃ والسلام باقی رکھا ہے اور یہ زمین
میں سے ہیں اور یہی زمین میں دین حنیفی کو قائم کرنے
والے ہیں پس یہ ہمیشہ سے رسول ہیں اور اس دنیا
میں رہیں گے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی شریعت کے باطن کے لحاظ سے مگر اکثر لوگ
تہیں جانتے پس قطب حضرت عیسیٰ حضرت
ادریس حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہم الصلوٰۃ
والسلام میں سے ایک ہی ہے اور وہ دین کے
گھر کا ایک رکن ہیں جیسے حجر اسود اور روان ہیں

۱۶۰
سے امام ہیں اور یہ چاروں ہی اوتاد ہیں سوان میں
ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایمان کو اور دوسرے کے
ساتھ ولایت کو اور تیسرے کے ساتھ نبوت کو
اور چوتھے کے ساتھ رسالت کو محفوظ رکھتا ہے
اور ان سب کے ساتھ دین حنیفی کو محفوظ رکھتا
ہے سوطب ان میں لاعلیٰ التبعین ایک ہے

اس سے معلوم ہوا کہ بقول شیخ ابن عربی ۴ چار پیغمبر حضرت عیسیٰ (جن کی حیات دلائل
قطعیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت للنفیضیل موضع آخر صغیر)
حضرت ادیس، حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہم وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں
(اور علامہ خیالی ۴ نے بھی بڑے بڑے علماء کے حوالہ سے ان چاروں حضرات کی حیات
صراحت لکھی ہے ملاحظہ ہو الخبالی ص ۱۸) اور ان میں لاعلیٰ التبعین ایک قطب ہیں اور عالم
علوی اور عقلی پر اللہ تعالیٰ کی امداد ان کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہوتی ہے اور یہ تمام حضرات
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کے پابند ہیں دخلت الرسل کلہم فی
شریعتہ اور لکن من باطینۃ شرع محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اس پر صراحت ہے
دلائل کرتے ہیں اس لحاظ سے روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن وحی اور آپ کا دین
اور شرع مراد ہے جس سے یہ حضرات مستفید ہوتے ہیں اور روح بمعنی قرآن اور وحی کے
قرآن کریم سے ثابت ہے پناچہ ارشاد ہوتا ہے

وَكَذٰلِكَ اَوْحٰیٓاَ اِلَیْكَ رُوحًا مِّنْ
اٰمُرِنَا الْاٰیۃ
اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جان نفاخیز یعنی
قرآن پاک جو دلوں میں زندگی پیدا کرتا ہے (ترجمہ خالص)
اور تفسیر انمراء آبادی صاحب)

اور نیز ارشاد ہوتا ہے

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ اٰمُرِهِ عَلٰی مَنْ
یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ (یٰۤا۔ الخدا)
ملائکہ کو ایمان کی جان یعنی وحی کے کراپنے جن بندوں
پر چاہے انازنا ہے۔

ان روشن اقتباسات سے معلوم ہوا کہ روح کا لفظ قرآن پاک اور وحی پر اطلاق ہوتا ہے
اور قرآن کریم اور وحی ہی دوسرے الفاظ میں آپ کے دین اور شرع کا نام ہے قطع نظر اس
اگر روح سے حقیقی روح ہی مراد ہو تو روحانی فیض کا ذکر پہلے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے
حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے الغرض اس امداد سے وہ امداد ہرگز مراد نہیں جس کے اثبات کے
مؤلف مذکور اور ان کے مبنی ودرپے ہیں۔

مؤلف مذکور کی کوتاہ فہمی اکاش کہ مؤلف مذکور کبریت احمر کی عبارت ذرہ آگے تک
بیان کر دیتے تو معاملہ خود بخود صاف کھل جاتا اور معمولی سا دم بھی پیدا نہ ہوتا عبادت یوں ہے
داما القطب الواحد فقہور روح محمد صلی
اللہ علیہ وسلم الحمد لجميع الانبیاء والمرسلین
والاقتطاب من حین النشوء الانسانی
الیوم القیمۃ وللہ اعلم وقال فان الوحی
المتضمن للتشریع قد اغلق بعد محمد
صلی اللہ علیہ وسلم ولہذا کان عیسیٰ علیہ
السلام اذا نزل بحکمہ لبشریۃ محمد صلی
اللہ علیہ وسلم دون وحی جدیدہ
لکبریت الاحمر علی ہامش الیواقیت
والجاوہر ج ۱ ص ۱۸)

اس عبارت میں حرف فا کے ساتھ فان الوحی المتضمن للتشریع الخ سابق دعویٰ کی دلیل
اور علت ہے جس کا صاف طور پر مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین وحی اور
شریعت سب پر لازم ہے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی نبی آپ ان کی امداد فرماتے ہیں
لہذا ما فوق الاسباب طریقہ سے آپ سے استمداد درست نہیں ہے معاذ اللہ تعالیٰ جیسا کہ
مؤلف مذکور کا باطل دعویٰ ہے دیگر امور کو نبیہ کا تو کہنا ہی کیا ہے قطبیت جو ان حضرات کی
خاص نمایاں شان ہے وہ بھی آپ کسی کو نہیں دے سکتے دینا تو درکنار اس سلسلہ میں ان کا

اللہ تعالیٰ سے سوال اور دعا بھی ضروری نہیں کہ قبول ہو جائے چنانچہ علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں
 فان قلت هل للقلب (الصحيح) القطب پس اگر تو یہ کہے کہ قطب کے لئے اپنے اصحاب کے لئے
 تصريف في ان يعطى القطب يتلن شئا من میں سے جس کو چاہیں قطبیت دینے کا تصرف ہے
 اصحابه او اولاده؟ فالجواب ليس بتصريف ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کو اس کا کوئی تصرف
 في ذلك وقد بلغنا ان بعض الاقطاب حاصل نہیں ہے اور ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ بعض
 سأل الله ان تكون القطبية من بعدہ نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ ان کے بعد
 لولده فاذا بالهاتف يقول له ذلك لا ان کے بیٹے کو ملے تو انہیں غیب سے آواز آئے
 يكون الا في الارث الظاهر اما الاثر کہ یہ سلسلہ ظاہری وراثت میں چلتا ہے۔
 الباطن فذلك الى الله وحده الله اعلم وراثت میں نہیں چلتا یہ باطنی وراثت صرف اللہ
 حيث يجعل رسالته انتمی تعالیٰ وحدہ ہی کے سپرد ہے وہ خوب جانتا ہے
 (البواقيت والجواهر ج ۲ ص ۸۷) پیغام رسائی کا یہ سلسلہ اس نے کہاں کھانا کھا
 اس سے بصرحت معلوم ہوا کہ قطبیت وغیرہ یا نجوبی امور عطا کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس میں قطب کا بھی کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ بیان کے بس کا روگ ہے لہذا اس
 سلسلہ میں ان سے مدد حاصل کرنا بے سود ہے اور نہ وہ مافوق الاسباب امداد کر سکتے ہیں
 ۷۔ قارئین کو ہم آپ نجوبی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ سرفراز کے ہوش و حواس بجز اللہ تعالیٰ
 کیسے قائم ہیں کہ وہ لکیر سیرت الاحمر اور البواقيت والجواهر کی صوفیانہ عبارات کو صحیح طور پر
 سمجھتا ہے اور مولف مذکور کی نامور کھوپری میں ان کا صحیح مطلب نہیں آیا اور غیر اللہ سے
 مافوق الاسباب استغانت کا قرآن و سنت کا ثبوت تو کوہ کندن اور کاہ برآوردن کا
 مصداق ہے مگر مولف مذکور اس مشرکانہ عقیدہ کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حضرت شاہ
 مولانا محمد ناسخ اور علامہ شعرانیؒ وغیرہ سلف کے اقوال سے بھی ثابت نہیں کر سکے اور شرک کا
 ان حضرات کی ایمان افروز عبارات سے ثابت بھی کب اور کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ علامہ
 ہیں ہمارے لئے ہی حضرات دین و ایمان کا مرکز ہیں ان اکابر کو مشرک قرار دے کر ان کو داخل
 النار کرنا پرے درجہ کے شقی القلب اور کسی بد بخت اذلی می کا کام ہو سکتا ہے اور بجز اللہ

تعالیٰ جب راقم انجمن اکابر کے صاف و شفاف دامن سے وابستہ اور ان کے نقش قدم
 پر چلنے والا ہے تو وہ کیونکر ضلالت اور مذلت کا شکار ہو سکتا ہے؟ بجز اللہ تعالیٰ راقم پہلے
 ہی سے لخص قطعیہ احادیث صحیحہ اور اقوال سلف کے روشن ترین اقوال سے وابستہ ہو
 کر حق و صداقت کی راہ اپنائے ہوئے ہے اور بفضلہ تعالیٰ سرزد ہے منہ تو آپ کا اور آپ کے
 صدر الافاضل کا کالا ہے کہ مفرانِ حق کی مافوق الاسباب استمداد کے جواز کا یہ نبیاد دعویٰ
 تو کرنے ہیں لیکن دلیل بالکل نادر اور بجز اللہ تعالیٰ روح شریعت کی روشنی میں شرک کی جو
 تعریف راقم انجمن نے کی ہے قیامت تک کوئی ماں کالال اس کو دلائل صحیحہ سے باحوالہ
 طریقہ پر رد نہیں کر سکتا ہم نے تنقید متین میں حدیث الدین النصیجہ کی روشنی میں شرک کے
 شدید اثبوت کو خبر خواہی کے جذبہ کے تحت نصیحت کی تھی اب پھر اسی جذبہ سے مولف مذکور
 کو نصیحت کرتے ہیں کہ شرک و بدعت کو ترک کر کے توحید و سنت پر غافل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ
 توفیق دے اگر دل میں ارادہ ہو تو سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔
 دل اس کے عشق میں کھویا تو پانی دل کی مراد
 سر اس کے در پہ جھکا یا تو کامیاب ہوئے
 وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله واصحابه وازواجه
 واحبابه ومتبعيه الى يوم الدين آمين ثناء مبین

آحق

ابوالزاهد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ
 و صدر مدرس مدرسہ نصرة العلوم گوجرانوالہ

سورہ شوال ۵۱۴۰۱

۱۴ اگست ۱۹۸۱ء

إِتْمَامُ الْبُرْهَانِ

فِي رَدِّ
تَوْضِيحِ الْبُكْيَانِ

حِصَّةٌ دُوم

تأليف

شيخ الحديث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مظهر العالَم

مکتبہ صفائیہ نند مدرسه نصرۃ المسلم

گوجرانوالہ

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ دوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ شمار	مضمون	صفحہ
۱	باب اول	۱۱	خیر الزاد فی سیر الصادق سے متعدد حوالے	۱۸
۲	ضاد کا مخرج	"	شیخ القادر مکی کا حوالہ	"
۳	ضاد کی جگہ ظاہر پر حصے کا حکم	"	تفسیر عزیزی کا حوالہ	۱۹
۴	محیط برہانی	"	نوٹ ضروری	۲۰
۵	تفہیم شیعہ	"	خیانت کا بے بنیاد الزام	"
۶	اس پر مولف مذکور کی گرفت	"	اور اس کا جواب	۲۱
۷	تحفۃ المقلدین - ہدایت البرہانہ اور	"	مولف مذکور کی طرف سے ضاد کو ظاہر	۲۲
۸	مرآۃ الحقیقت آخری کتابیں ہیں	۱۲	پر حصے کے حوالے	۲۲
۹	تفسیر احمدیہ کا منبہ مدار	"	اور اس کا جواب	"
۱۰	الجواب	"	ضاد کو عداً ظاہر پر ضنا کفر ہے	۲۳
۱۱	مجلد حوالہ پر کسی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی	۱۳	اس کا جواب	۲۵
۱۲	ترک حوالہ اور مجمل حوالہ کا فرق ہے	"	جامع الفصولین - محیط ماوراء کبریٰ کا حوالہ	"
۱۳	تحفۃ المقلدین کے بارے میں	۱۴	عبارات فقہاء کی توضیح	۲۶
۱۴	ہدایت البرہان موجود ہے	"	آں مجید الفاظ اور معانی دونوں کے	۲۷
۱۵	مرآۃ الحقیقہ سے حوالہ لیا گیا ہے	"	نور الانوار اور حسامی	"
۱۶	تفسیر احمدیہ کے منہ یکا انکار نہیں کیا	۱۵	ایک حرف کو دوسرے سے بدلنے کے	"
۱۷	ضاد کو ظاہر سے عداً بدلنے والا کافر ہے	۱۶	ساختہ تحریف ہوئی ہے	"
۱۸	اس کا جواب	"	اس کا جواب	۲۸
۱۹	الذیۃ البرہان اور شرح فقہ اکبر کا حوالہ	"	قاضی خاں کا حوالہ	۲۹
۲۰	صاحب محیط کا حوالہ	۱۷	دیوبند کے اہل حق کی قرآن میں لفظی تحریف	۳۰

فہرست مضامین انعام الابرار حصہ دوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۸	اس کا جواب	۳۱	۵۸	تقرب بغیر اللہ کے لئے فوج حرام ہے	۴۷
۳۹	حرف ضاد کی تخصیص کا جواب	۳۲	۵۹	در مختار - البحر الرائق - شامی	۴۸
۴۰	اور اس کا جواب	۳۳	۶۰	تفسیر عزیزی	۴۹
۴۱	قاضی خاں کا حوالہ	۳۴	۶۱	فتاویٰ عزیزی	۵۰
۴۲	مولانا عبدالحی لکھنوی کا حوالہ	۳۵	۶۲	در مختار اور فتاویٰ عزیزی	۵۱
۴۳	عموم بلوی کا جواب	۳۶	۶۳	نوی - فتاویٰ عزیزی - شامی	۵۲
۴۴	اور اس کا جواب اور تشریح	۳۷	۶۴	شیطان کی اطاعت بھی شرک ہے	۵۳
۴۵	امامت کی تخصیص کا جواب	۳۸	۶۵	قرآن کریم	۵۴
۴۶	اور اس کا جواب	۳۹	۶۶	نور العرفان سے اس کا ترجمہ	۵۵
۴۷	باب دوم	۴۰	۶۷	مرثیہ گنگوٹی کے ایک شعر پر اعتراض کا جواب	۵۶
۴۸	مردود ایصال ثواب	۴۱	۶۸	تشبیہ میں مساوات شرط نہیں ہے	۵۷
۴۹	تنقید تین	۴۲	۶۹	عمدۃ القاری اور شرح نخبۃ الفکر	۵۸
۵۰	اس پر اعتراض	۴۳	۷۰	نند پوری نہ ہونے پر ضرر کا ترتیب	۵۹
۵۱	اس کا جواب	۴۴	۷۱	یہ عوام پر الزام ہے	۶۰
۵۲	تقرب بغیر اللہ کی بحث	۴۵	۷۲	اس کا جواب	۶۱
۵۳	تنقید تین	۴۶	۷۳	بارہ سال کا بیڑا	۶۲
۵۴	اس پر گرفت	۴۷	۷۴	تنقید تین	۶۳
۵۵	اور اس کا جواب	۴۸	۷۵	اس پر گرفت	۶۴
۵۶	غیر اللہ سے مدد مانگنے کے متعدد حوالے	۴۹	۷۶	اور اس کا جواب	۶۵
۵۷	سیدنا شیخ عبدالقادر صاحب کو سلام کرنے	۵۰	۷۷	حضرت نوح علیہ السلام کی ایک دعا	۶۶
	بغیر سورج طلوع نہیں ہوتا والا من والعلیٰ	۵۱	۷۸	قبول نہیں ہوئی قرآن کریم	۶۷

فہرست مضامین اتمام الابرار حصہ دوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۸	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تین دعاؤں میں سے ایک قبول نہیں ہوئی	۶۰	۹۵	مطلقاً تقرب و جہت شرک حرام نہیں	۹۵
۶۹	مسلم - ترمذی - موارد النظم	۶۱	۹۶	بلکہ تقرب علی وجہ العبادت موجب شرک	۹۶
۷۰	کتاب وسنت کے مخصوص ظاہر پر	۶۲	۹۷	و حرمت ہے	۹۷
۷۱	محمول میں شرح العقائد	۶۳	۹۸	اس کا جواب	۹۸
۷۲	مولوی اشرف علی تھانوی کی گپ	۶۴	۹۹	فتاویٰ عزیزی کا حوالہ	۹۹
۷۳	کرامات امدادیہ کا حوالہ	۶۵	۱۰۰	گیارہویں بصورت ایصال ثواب	۱۰۰
۷۴	اس کا جواب	۶۶	۱۰۱	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایصال ثواب	۱۰۱
۷۵	بہشتی زیور اور تعلیم الدین کے حوالے	۶۷	۱۰۲	مشکوٰۃ - ابوداؤد و ترمذی	۱۰۲
۷۶	مسلمہ - اجابہ علوم - وکیل الایمان	۶۸	۱۰۳	انفاس العارفین کا حوالہ	۱۰۳
۷۷	معجزہ اور کرامت کی حقیقت	۶۹	۱۰۴	الحجاب	۱۰۴
۷۸	کرامت کی تین قسمیں ہیں	۷۰	۱۰۵	فتاویٰ عزیزی کا حوالہ	۱۰۵
۷۹	بخاری وغیرہ کے حوالے	۷۱	۱۰۶	حضرت علی کو قربانی کی وصیت کی	۱۰۶
۸۰	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قسم کی حاجت روا فرما سکتے ہیں (خاص صاحب)	۷۲	۱۰۷	حدیث ضعیف ہے	۱۰۷
۸۱	ہر قسم کی فریاد کا آپ کو علم ہے (خاص صاحب)	۷۳	۱۰۸	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غریب امتیوں کو ایصال ثواب	۱۰۸
۸۲	حضرت تھانوی کے نقل کردہ حوالہ کی تفصیل	۷۴	۱۰۹	کیا دستدرک و مسلم وغیرہ	۱۰۹
۸۳	مولوی محمود الحسن کی گپ	۷۵	۱۱۰	سولہ تنقید تین اس پر گرفت	۱۱۰
۸۴	گنگوٹی مردوں کو زندہ کرتے تھے	۷۶	۱۱۱	اور اس کا جواب	۱۱۱
۸۵	اس کا جواب	۷۷	۱۱۲	مسئلہ ایصال ثواب دلائل شرعیہ	۱۱۲
۸۶	گیارہویں حرام ہونے کے دلائل کا تجزیہ	۷۸	۱۱۳	کی روشنی میں	۱۱۳

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ دوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۱۰	اس پر گرفت	۱۳۰	۱۴۸	تختہ الاجاب اور تختہ البند کا حوالہ	۱۴۱
۱۱۱	اور اس کا جواب	۱۳۱	۱۴۹	ہندوؤں میں قیامت اور ثواب و عقاب کا تصور	۱۴۰
۱۱۲	ایصال ثواب میں تعیین کی توضیح	۱۳۲	۱۵۰	ستیا رتھ پر کاش	۱۴۱
۱۱۳	اس کا جواب	۱۳۳	۱۵۱	عجیب دھوکہ	۱۴۲
۱۱۴	گیا جیوں کو حرام کتنا بدعت ہے	۸۸	۱۵۲	الجواب	۱۴۳
۱۱۵	الجواب	۸۹	۱۵۳	مرکزی پیر کا حوالہ	۱۴۴
۱۱۶	تعیین عرفی	۹۰	۱۵۴	الجواب	۱۴۵
۱۱۷	اس کا جواب	۹۱	۱۵۵	حاشیہ فتاویٰ رشیدیہ	۱۴۶
۱۱۸	تعیین عرفی کو ترجیح	۹۲	۱۵۶	فتاویٰ رشیدیہ	۱۴۷
۱۱۹	الجواب	۹۳	۱۵۷	وف و گزاف	۱۴۸
۱۲۰	فتاویٰ عزیزی	۹۴	۱۵۸	طعام پر قرآن کریم پڑھنا ہنوی کا ثابت نہیں ہے	۱۴۹
۱۲۱	شاہ عبدالعزیز صاحب کی تعمین	۹۵	۱۵۹	اس کا جواب	۱۵۰
۱۲۲	یوم پر تصریح	۹۶	۱۶۰	تفسیر میں مساوات شرط نہیں	۱۵۱
۱۲۳	تختہ اثنا عشریہ کا حوالہ	۹۷	۱۶۱	شرح نخبۃ الفکر	۱۵۲
۱۲۴	فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے	۹۸	۱۶۲	ایک فعل میں چھ سو منتیں	۱۵۳
۱۲۵	فتاویٰ عزیزی میں عس سے مراد	۹۹	۱۶۳	تقدیر النشر لوار و انطمان	۱۵۴
۱۲۶	فائدہ	۱۰۰	۱۶۴	مرکزی پیر کا ایک اور حوالہ	۱۵۵
۱۲۷	پیٹ کا منتظم کون ہے؟	۱۰۱	۱۶۵	الجواب	۱۵۶
۱۲۸	اس کا جواب	۱۰۲	۱۶۶	شرعیات کے بادشاہ کا فیصلہ	۱۵۷
۱۲۹	پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری کا حوالہ	۱۰۳	۱۶۷	فتاویٰ عزیزی کا حوالہ اور الجواب	۱۵۸
		۱۰۴	۱۶۸	فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے	۱۵۹

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ دوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۸	تختہ الاجاب اور تختہ البند کا حوالہ	۱۴۱	۱۳۸	بے ادبی کی ہیں (فتاویٰ عزیزی)	۱۴۳
۱۲۹	ہندوؤں میں قیامت اور ثواب و عقاب کا تصور	۱۴۰	۱۳۹	آخری حربہ	۱۴۴
۱۳۰	ستیا رتھ پر کاش	۱۴۱	۱۴۰	کو گیارہویں اور سوئم وغیرہ کی حرمت	۱۴۵
۱۳۱	عجیب دھوکہ	۱۴۲	۱۴۱	حدیث سے ثابت کرو۔	۱۴۶
۱۳۲	الجواب	۱۴۳	۱۴۲	الجواب	۱۴۷
۱۳۳	مرکزی پیر کا حوالہ	۱۴۴	۱۴۳	زیر قبور کے لئے دن غفر کرنا بدعت ہے	۱۴۸
۱۳۴	الجواب	۱۴۵	۱۴۴	فتاویٰ عزیزی	۱۴۹
۱۳۵	حاشیہ فتاویٰ رشیدیہ	۱۴۶	۱۴۵	صبح کی نماز کے بعد سلام علیک پر بدعت	۱۵۰
۱۳۶	فتاویٰ رشیدیہ	۱۴۷	۱۴۶	کرنا بدعت ہے (فتاویٰ عزیزی)	۱۵۱
۱۳۷	وف و گزاف	۱۴۸	۱۴۷	تقرب بغير ائد حرام ہے	۱۵۲
۱۳۸	طعام پر قرآن کریم پڑھنا ہنوی کا ثابت نہیں ہے	۱۴۹	۱۴۸	در مختار و اکلیل	۱۵۳
۱۳۹	اس کا جواب	۱۵۰	۱۴۹	اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال و حرام کرنا	۱۵۴
۱۴۰	تفسیر میں مساوات شرط نہیں	۱۵۱	۱۵۰	اللہ تعالیٰ پر اقرار انا ندھنا ہے	۱۵۵
۱۴۱	شرح نخبۃ الفکر	۱۵۲	۱۵۱	قرآن کریم - تفسیر ابن کثیر	۱۵۶
۱۴۲	ایک فعل میں چھ سو منتیں	۱۵۳	۱۵۲	سوم نکاح اگرچہ باطل میں بدعت نہیں	۱۵۷
۱۴۳	تقدیر النشر لوار و انطمان	۱۵۴	۱۵۳	العرف الشذی	۱۵۸
۱۴۴	مرکزی پیر کا ایک اور حوالہ	۱۵۵	۱۵۴		
۱۴۵	الجواب	۱۵۶	۱۵۵		
۱۴۶	شرعیات کے بادشاہ کا فیصلہ	۱۵۷	۱۵۶		
۱۴۷	فتاویٰ عزیزی کا حوالہ اور الجواب	۱۵۸	۱۵۷		
۱۴۸	فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے	۱۵۹	۱۵۸		

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مُسْلِمًا وَمُحَمَّدًا مَصْلِيًّا أَتَابَعْدَ قَارِئِينَ كَرَامٍ أَتَمَّ الْبَرَاءَانَ
 فِي رَدِّ تَوْحِيحِ الْبَيَانِ كَالْبَهْلَا حَصْلًا خَطِّ فَرَا جَلَّةٍ هِيَ فِي اس كَادُو سِرَاحِصِهِ أَوْ رَهْمٍ أَمِيدٍ رَكْعَتِهِ
 هِيَ كَرَجَسٍ تَوْجِدٍ أَوْ زَوْقٍ وَثَمُوقٍ سَهْلًا حَصْلًا بِرُحَا هِيَ وَهَمْرًا بِهِيَ أَسَى طَرَحٍ بِرُحْمِهِ هِيَ
 بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى اس هِيَ آف كَوْنِي جَدِيدِ حَوَالِي أَوْ عِلْمِي بَحْثِينَ مِلِينَ كِي أَوْ كُنِي جَدِيدِ انْكَشَافَاتِ
 سَامَنِي آفِيَسِ كِي تَسْلِيمِ كَرْنُو وَالْوَلِ كِي لِي تَوِيهِ مَوْجِبِ اِطْمِئْنَانِ هَوَلِ كِي كَرَانِي نَيْفِ تَعْقِبِ
 أَوْ تَحْزِيبِ كِي وَجَسَ نَمَانِي وَالْوَلِ بِرِ تَمَامِ حِجَّتِ تَوِيهِ جَانِي كِي
 خَرْدِ زَنْجِيرِ پَهْنَاتِي رَسِي كِي جَوْدِ بِلَوَانِي هِيَ دِلَوَانِي رَسِي كِي
 قَارِئِينَ كَرَامٍ اَنْشَارِ اَللّٰهِ الْعَزِيزِ طَرَفِينَ كِي دَعَاوِي أَوْ اَنْ اَنْ پَرِ قَانَمِ كِنِي كِنِي دَلَالِي سِي خُجُوِي
 اَنْدَاوِي لُكَالِيَسِ كِي كَرِ حَقِ كِيَا هِيَ ؟ اَوْ بَاطِلِ كِيَا هِيَ ؟ تَوْجِيْدِ كِيَا هِيَ ؟ اَوْ شَرِكِ كِيَا هِيَ ؟
 سُنَّتِ كِيَا هِيَ ؟ اَوْ بِدْعَتِ كِيَا هِيَ ؟ اَوْ دَعَاوِي اَوْ دَلَالِي كِي مَطَابِقَتِ اَوْ عَدَمِ مَطَابِقَتِ
 كَالْبَهْلَا اِجْطِ طَرَحِ سِي فَرْقِ مَحْسُوسِ كَرِيَسِ كِي هِيَ بِفَضْلِهِ تَعَالَى قَارِئِينَ كَرَامِ كِي سَمَجْهِ بِرِ بَوَالِغِ قِسْمِ
 هِيَ اَللّٰهُ تَعَالَى سَبْ كَوِ حَقِ سَمَجْهِ كِي اَوْ غَلَطِ نَظَرِيَاتِ سِي سَمَجْهِ كِي تَوْفِيقِ مَرَحَمَتِ قَرَامِي آفِيَسِ نَمِ
 آمِينَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَآصْحَابِهِ وَأَذْوَابِهِ
 وَجَمِيعِ مُتَّبِعِيهِ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ

احقر البوازياد محمد سرفراز خطيب جامع مسجد گنجر و صدر مدرس مدرست العلوم

گوجرانوالہ

۱۸ شوال ۱۴۲۰ھ ۱۹ اگست ۱۹۹۸ء

فہرست مضامین اتمام البزھان جہدوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون
۱۸۶	مولف مذکور کا افتخار	۱۴۴	۲۰۴	حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی
۱۸۷	عہد رسالت میں ایصالِ ثواب	۱۴۵		حیات کا انکار بدعت ہے
۱۸۸	راہِ سنت کا حوالہ - اس پر گرفت	"	۲۰۵	اس کا جواب
۱۸۹	اور اس کا جواب	۱۴۶	۲۰۶	مولف مذکور کی منگنا: بڑ
۱۹۰	بدعتِ سید کا ضابطہ - راہِ سنت کا حوالہ	۱۴۷	۲۰۷	راہِ سنت کا حوالہ اور اس پر گرفت
۱۹۱	اس پر تنقید	"	۲۰۸	الجواب
۱۹۲	اور اس کا جواب	۱۴۸	۲۰۹	مرقات اور اشعۃ الدعات کا حوالہ
۱۹۳	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی باتوں	۲۱۰		تشویبِ بدعت ہے
	کے بعد نماز تراویح نہیں پڑھائی کی تھیں تو زمین کا خطہ تھا	"	۲۱۱	الاعتصام کا حوالہ
۱۹۴	بخاری شریف - قرآن کریم کے احکام مسئلہ	۱۴۹	۲۱۲	کوا حلال ہے یا حرام و مکروہ ؟
۱۹۵	سب سے پہلے اعراب کس نے لگائے ؟	"	۲۱۳	مبسوط کا حوالہ
۱۹۶	راہِ سنت کا حوالہ	"	۲۱۴	غنائہ شرح ہدایہ کا حوالہ
۱۹۷	حضرت صحابہ کرام کا دورِ زلزلہ تک تھا	"	۲۱۵	لفظ عن روایت پر اور لفظ عند
۱۹۸	قرآن کریم کو ایک لغت میں بند کرنا کیا عثمانی حکم	۱۵۰		مذہب پر دلالت کرتا ہے
۱۹۹	بخاری شریف	۱۵۱	۲۱۶	مقدمہ عمدۃ المرعایہ
۲۰۰	تکلیفِ ملافاۃ و توفہم اور بے ربط جوڑ	۱۵۲	۲۱۷	ہندوؤں کی پوری وغیرہ کا فقہی حکم ؟
۲۰۱	بدعتِ سید کی تعریف شامی نے	"	۲۱۸	فتاویٰ رشیدیہ
۲۰۲	الجواب	"	۲۱۹	عرفان شریعت
۲۰۳	بے جوڑ شوشہ	۱۵۳	۲۲۰	لطیفہ

باب اول

ضاد کا مخرج

راقم الحروف نے تنقید متین میں جناب مراد آبادی صاحب کے ذیل کے دعوٰی پر بحوالہ کتب علمی تنقید کی ہے جس کے جواب نامکمل کے لئے مؤلف مذکور نے ماریم جان کی طرح بڑی قلابازیاں کھائی ہیں اور ہچان و غلطان ہے میں مگر بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے پیش کردہ وزنی اور ٹھوس حوالوں کا جواب نہیں دے سکے اور یہ ان کے بس کا روگ بھی نہیں ہے کہ وہ علمی باتوں کا معقول جواب دے سکیں اور شرک و بدعت میں مبتلا ہو جانے کے بعد معقولیت رہتی بھی کہاں ہے شرک و بدعت کی نحوست ہی کچھ ایسی ہے کہ صحیح فہم و بصیرت سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ لکھا تھا۔ مسئلہ جو شخص ضاد کی جگہ ظا پڑھے اسکی امامت جائز نہیں (محیط برہانی) ہم نے اس پر علمی گرفت کرتے ہوئے لکھا تھا تنقید ایک ہے ضاد اور ظا یا کسی اور حرف کا دوسرے حرف سے بدل کر پڑھنے کا فقہی اختلاف جو متقدمین اور متأخرین فقہاء کرام رحمہم میں مشہور چلا آ رہا ہے اور جس پر نزہۃ القاری کے بہت سے مسائل متفرع ہیں وہ اپنی جگہ مسلم ہے لیکن مولوی نعیم الدین صاحب کا اختلاف فقہاء کے ذکر کئے بغیر محیط برہانی کا مجمل حوالہ پیش کرنا بظاہر ان کے اس نظریہ پر مبنی ہے کہ اکثر و بیشتر قراء حضرات اہل حق کے مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ علم تجوید کے اصول و قواعد کے تحت حرف ضاد کو اس کے اصل مخرج سے نکالتے ہیں جو سننے والوں کو حرف ظا سے مشابہ معلوم ہوتا ہے اس لئے مولوی صاحب نے عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ضاد کی جگہ ظا پڑھنے والے کی امامت جائز نہیں تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ اہل حق کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوتی الخ تنقید متین ص ۴۷ و ص ۴۸ اور پھر متعدد فقہی حوالے ہم نے پیش کئے ہیں ان کو اصل کتاب تنقید متین ہی میں ملاحظہ کر لیں ہم خواہ مخواہ کی تطویل کو پسند نہیں کرتے

اور پھر آخر میں ہم نے لکھا ہے الحاصل ضاد کو ظاد کے مشابہ پڑھنے میں فقہاء کرام کا ناسازگاری
فاسد اور نہ فاسد ہونے میں کافی اختلاف ہے لیکن عموم بلوئی کی وجہ سے جب کہ اصل مخرج سے
نکالنے کی تمیز و قدرت ہی نہ ہو تو اکثر مشائخ کا قابل اعتماد قول اور فتویٰ یہ ہے کہ ناسازگار
نہ ہوگی بل قادر کو اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ ہر حرف اپنے صحیح مخرج سے نکلے امام ابو
یا منفرد و مہویا عورت بوڑھا ہو یا جوان مسئلہ سب کے لئے یکساں ہے مولوی نعیم الدین
صاحب نے خواہ مخواہ اہل حق کے اماموں سے منقر دلانے کے لئے یہ شوشہ چھوڑا ہے (ملاحظہ
مؤلف مذکور نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اس کا نہایت اختصار سے خلاصہ اور
تجزیہ یہ ہے -

صدر الافاضل نے محیط برہانی کا مجمل حوالہ پیش کیا میں کہتا ہوں کہ کیا آپ اور آپ کے
معنوی آباؤ اجداد نے کبھی کسی کتاب کا مجمل حوالہ پیش نہیں کیا - فتاویٰ رشیدیہ میں کہیں
نام کے لئے بھی حوالہ موجود نہیں پھر مجمل حوالے تو ایک طرف رہے آپ کے سلوف نے تو
بے بنیاد اور خلاف واقعہ حوالے پیش کئے آپ کے اکابر نے سیف النقی میں اعلیٰ حضرت
کے والد کے نام ایک کتاب تحفۃ المقلدین اختراع کی ایک کتاب ہدایۃ البریہ کے نام
سے ایجاد کی پھر مزید ترقی کر کے مرآۃ الحقیقت کے نام سے ایک کتاب غوث اعظم کی
طرف منسوب کر کے وضع کی آپ کے معنوی والد مولوی اشرف علی تھانوی نے تفسیرات
احمدیہ کے منہیات کا حوالہ پیش کیا اور آپ کو بھی تسلیم ہے کہ اس کے منہیات کا کہیں وجود
نہیں باقی یہ کہہ دینا کہ ضرور ان کے پاس کوئی منہیات والا نسخہ موجود ہو گا دل کے پہلانے
کے لئے کافی ہے دلائل و براہین میں اس سے کام نہیں چلتا ایسی بے سرو پا باتیں کہہ کر
آپ صرف اپنے شاگردوں اور معتقدین کے زمرہ میں بیٹھ کر داتحسین حاصل کر سکتے ہیں
استدلال کے میدان میں ان احتمالات کی ایکہ کی کوئی وقعت نہیں (محصلہ توضیح البیان
ص ۶۲ و ص ۶۳)

الجواب - مؤلف مذکور اس جواب میں بعینہ اس محاورہ کے مصداق میں گھسیانی
بلی کھبانو چے میدان دلائل میں ٹھہرنے کی سکت نہ رہی تو ادھر ادھر بھاگ بھاگ

کرنا تھا دیکھنے والوں کو اپنی کارکردگی بتانے کی ٹھان لی کہ لیجئے ہم بھی متحرک ہیں اور ادھر
ادھر بھاگنا جانتے ہیں لیکن سمجھا دو لوگ اس عاجزانہ اور قاصرانہ حرکت کو بخوبی سمجھتے ہیں
اور ان میں اس کی اہمیت بھی ہے - ہم بفضلہ تعالیٰ اختصاراً جوابات عرض کرتے ہیں غور
سے ملاحظہ فرمائیں -

(۱) بے شک ہم اور ہمارے اکابر بعض اوقات مجمل حوالے نقل کرتے ہیں لیکن ان پر کسی
حکم اور فتویٰ کی بنیاد نہیں رکھتے ہمارے حکم اور فتویٰ کا مبنی مفصل حوالے ہوتے ہیں
بخلاف آپ اور آپ کے صدر الافاضل وغیرہ کے کہ بغیر اختلاف بتائے مجمل حوالہ پر فیصلہ
صادر کرتے ہیں جیسے یہاں کیا کہ نہ تو صاحب محیط برہانی کے بقیہ حوالوں کو مدنظر رکھا
اور نہ دیگر حضرات فقہاء کرام کے تفصیلی حوالوں کو ملحوظ رکھا مگر فتویٰ صادر کر دیا اور ابھی
تک ہمارا یہ اعتراض آپ اور آپ کے صدر الافاضل کے سروں پر کوہ طور کی طرح معلق
ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت معلق رہے گا اس سے رست گاری کی صرف یہی صورت
ہے کہ آپ ہمارے منقید متین میں نقل کردہ مفصل حوالوں کو تسلیم کر لیں اور حق کا ساتھ دیں
ورنہ کائنات ظلمت سے کوئی چھٹکارا نہیں -

(۲) ہم نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ آپ کے صدر الافاضل نے حوالہ نہیں دیا اگر یہ کہا ہوتا
تو پھر آپ کو یہ کہنے کا حق تھا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں بھی حوالے نہیں ہیں ہم نے یہ کہا ہے کہ
حوالہ مجمل ہے کہاں ترک حوالہ اور کہاں اس کا اجمال؟ آپ کی علمیت تو اتنی ہی ہے کہ ان
دونوں واضح باتوں میں بھی فرق نہیں جانتے اور پھر لطف یہ ہے کہ مذکورہ مطالعہ اور علمی
بے مائیگی کا طعن ہمیں دیتے ہیں سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ آپ کے معلومات کے
لئے عرض ہے کہ اگر کوئی شخص قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہی کی طرح فقیہ النفس ہو جائے
تو اس کو حوالے نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں اس کا ہر فتویٰ بلکہ ہر جملہ حوالہ سے بڑھ کر ہونا
ہے حوالے تو ماوشما کے لئے درکار ہیں جن کی بات پر کسی کو بغیر حوالے کے علمی اطمینان حاصل
نہیں ہو سکتا -

(۳) تحفۃ المقلدین - یہ کتاب ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی ممکن ہے ہندوستان کے کسی

نقد اور قابل اعتماد عالم تھے ان کے دیگر دیئے ہوئے حوالے ہم نے اصل کتابوں میں دیکھے ہیں کوئی بھی غلط ثابت نہیں ہوا سب درست ثابت ہوئے ہیں اور یہ ظاہر امر ہے کہ مصنفین اپنی کتابوں میں بزرگوں کے حوالے نقل کیا کرتے ہیں اور مصنف مرآۃ الحقیقت نے حضرت شیخ صاحب کا یہ حوالہ نقل کیا ہے گو کتاب حضرت کی نہیں اور یہ حوالہ حضرت شیخ صاحب کے غنیۃ الطالبین کے حوالہ کے مطابق ہے اس میں حضرت تصریح فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت کا علم نہیں دیا پھر یہ دلیل پیش کی ہے۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۚ اور تجھے کس نے بتایا ہے شاید کہ قیامت قریب ہی ہو اور فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں وَمَا يُدْرِيكَ کے جملہ سے جس چیز کا ذکر ہوا ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں دیا (محملہ غنیۃ الطالبین ترجمہ اردو طبع لاہور ص ۵۵ و ۵۶) ظاہر امر ہے کہ جس چیز کا ذکر نقل قطعی میں ہوا اس کا منکر (ماول) مسلمان کہاں رہ سکتا ہے؟ ایسا لگتا ہے کہ خالص الاعتقاد کے مقدمہ باز بزرگ کو یہ غلطی لگی ہے کہ مرآۃ الحقیقت کا حوالہ نقل کرنے والے اس کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف بتاتے ہیں حالانکہ حوالہ دینے والے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس کتاب میں حضرت شیخ صاحب کا یہ حوالہ بھی موجود ہے۔

(۴) حضرت تھانویؒ نے تفسیرات الاحمدیہ کے منہیہ کا حوالہ کسی تردید کی بنا پر نہیں بلکہ وثوق کے طور پر دیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص ۱۷۱) راقم نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ اس منہیہ کا کہیں وجود نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور کا بے بنیاد افتراء اور بہتان ہے ہم نے یہ لکھا ہے کہ ہمارے پاس تفسیر احمدی کا جو نسخہ ہے وہ منہیہ سے خالی ہے لیکن حضرت تھانویؒ کے پیش نظر ضرور کوئی منہیہ والا نسخہ ہے جس کا وہ حوالہ دے رہے ہیں (تنقید متین ص ۱۷۱) کہاں یہ الفاظ اور کہاں یہ جھوٹ کا پلندہ کر۔ اور آپ کو بھی تسلیم ہے کہ اس کے منہیات کا کہیں وجود نہیں الخ۔ (توضیح البیان ص ۶۳) لاحول ولا قوۃ الا باللہ اسی کو دیدہ و دیر کی کہتے ہیں اور اسی کو فارسی والوں نے یوں تعبیر کیا ہے کہ چہ ولا و راست دزدے کہ کیف چراغ دارد۔

مؤلف مذکور لکھتے ہیں۔ صدر الافاضل کا حوالہ مجمل ہے پھر کیا ہوا آیات تو تب بھی آپ کہتے ہیں حوالہ غلط ہے اور اسے ثابت کرتے ہوئے شکر کیجئے انہوں نے تفصیل نہیں کی ورنہ آپ کو

کتب خانہ میں ہو۔ راجح القبار علی کفر الکفار ص ۱۱ میں جو خان صاحب کی کتاب لعل الاعتقاد کا مقدمہ ہے اس میں اس کا مطبوعہ صبح صادق سیتا پور ص ۱۵ کا حوالہ نقل کیا گیا ہے جس میں جائے طبع مطبع اور صفحہ کا پورا حوالہ درج ہے جس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ یہ کتاب طبع شدہ ہے پھر اسی صفحہ میں صرف نفی پر اکتفا کرتے ہوئے خوب یہ وادیاں مچایا ہے کہ تحفۃ المتقلدین اور ہدایۃ البریۃ خالص صاحب کے والد صاحب کی نہیں اور مرآۃ الحقیقت غوث اعظمؒ کے نام سے گڑھی گئی ہے (محملہ راجح القبار علی کفر الکفار ص ۱۱) یہ کتاب اگرچہ ان کی نہیں لیکن اس میں حوالہ ان کا ہے جیسا کہ عنقریب آرہے انشاء اللہ العزیز یہ یاد رہے کہ ثابت شدہ حقائق کا انکار محض میں زمانوں سے ہرگز نہیں ہو سکتا اور مؤلف مذکور نے بھی یہ حوالہ مردہ شکار کی طرح غالباً اسی کتاب سے لیا ہے۔ (۴) کتاب ہدایۃ البریۃ الی الشریعۃ الاحمدیۃ خالص صاحب کے والد مولوی محمد تقی علی خان صاحب کی تصنیف ہے جو ان کے پوتے خالص صاحب کے فرزند خلف اصغر مولوی محمد رضا خالص صاحب نے زرخیز صرف کر کے حسی پریس محلہ سوداگراں بریلی سے طبع کروائی ہے۔ کسی دیوبندی نے نہ تو طبع کروائی ہے اور نہ یہ اختراع کی ہے و اقم ائیم کے پاس موجود ہے شوق ہو تو آکر دیکھ سکتے ہیں علمی لحاظ سے محمد اللہ تعالیٰ ہم بڑے وسیع الشرف واقع ہوئے ہیں۔

(۵) مرآۃ الحقیقت ہمارے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ کسی دیوبندی محقق عالم نے مرآۃ الحقیقت کو حضرت شیخ عبدالقادر کی مستقل تصنیف بتایا ہے البتہ اس کتاب کے حوالہ سے حضرت شیخ صاحب کا یہ فتویٰ ہماری نظر سے گزرا ہے۔ مسلمانو! حضرت غوث اعظمؒ فرماتے ہیں من یعتقد ان محمداً صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعلم الغیب فهو کافر لان علم الغیب صفة مختصة باللہ سبحانہ (مرآۃ الحقیقت ص ۱۵۱ مطبوعہ مصر) ترجمہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ نبی صلی علیہ وسلم غیب جانتے ہیں وہ شخص کافر ہے کیونکہ غیب والی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفاتوں سے ایک خاص صفت ہے (نقل از کتاب تنزیہ الرحمن مطبوعہ دہلی ص ۱۱) بحوالہ فتویٰ حضرت پیر صاحب بغداد شریف والد مبارک علم غیب معہ تشریح ص ۱۱ المنضم مع بلغة الحیران از مولانا فاضل لاثانی یار محمد لاثانی = مولانا یار محمد صاحب اپنے دور کے محقق

ہنگی پڑتی اگر نہیں مانتے تو ایسے تفصیل حاضر ہے شرح فقہ اکبر ص ۱۶ پر ہے۔ اور محیط میں ہے کہ امام فضلیؒ سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو ضاد کی جگہ ظاء یا اصحاب جنت کی جگہ اصحاب النار پڑھے فرمایا اس شخص کی امامت جائز نہیں اور اگر قصد ایسا کرے تو کافر ہے۔ صدر الافاضل نے تو فقط یہ فرمایا تھا کہ ضاد کو ظاء سے بدلنے والے کی امامت جائز نہیں اور صاحب محیط نے اس پر یہ زیادتی بھی کی ہے کہ ایسا علماء کرنے والا کافر ہے آخر کار آپ نے اپنے آپ کو کافر بنوا کر چھوڑا یہی وہ عبارت ہے جس کو سرفراز صاحب مدہوشی میں بطور ان کہی کے اپنی تنقید میں کہہ چکے ہیں آگے جو کچھ انہوں نے نقل کیا وہ ملا علی قاریؒ کا کلام ہے اور ہماری گفتگو اس وقت محیط کی اصل عبارت میں ہے (توضیح البیان ص ۱۷۰ محصلہ)

الجواب۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور کو عبارات کے سمجھنے کا سرے سے سلیقہ ہی نہیں ہے بات کچھ ہوتی ہے اور وہ کچھ سمجھنے لگتے ہیں ذیل کے امور پر غور فرمائیں۔ (۱) ہم نے تنقید متین میں باحوالہ بیانات لکھی ہے کہ صاحب محیط نے خود محیط کا مخلص لکھا ہے جس کا نام الذخیرۃ البرکات ہے اور اسی الذخیرہ سے ہم نے غیتہ المصلی ص ۱۱۱ کے حوالہ سے یہ حوالہ نقل کیا ہے کہ عموم بلوئی کی وجہ سے ضاد کی جگہ ظاء پڑھی جائے تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی (محصلہ) الغرض خود صاحب محیط نے عموم بلوئی اور بعض مشائخ کے اختلاف کو نظر انداز نہیں کیا مؤلف مذکور اور ان کے صدر الافاضل کا یہ علمی فریبہ تھا کہ جہاں محیط کا وہ حوالہ نقل کیا تھا وہاں یہ بھی نقل کر دیتے یا کم از کم اس مسئلہ میں حضرات فقہاء کرام کے اختلاف ہی کا ذکر کر دیتے تاکہ عوام الناس کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے۔

(۲) ہمارا ہی مارا ہوا شکار (شرح فقہ اکبر کا حوالہ) مؤلف مذکور آدھا تو نگل گئے ہیں اور آدھے کو اگلنا چاہتے ہیں وہ یوں کہ حضرت ملا علی القاریؒ نے ضاد کے بارے میں فقہی عبارات کے پیش نظر جس تفصیل کا تذکرہ فرمایا ہے اس سے مؤلف مذکور سستے طریقہ پر گلو خلاصی چاہتے ہیں کہ وہ ملا علی قاریؒ کا کلام ہے اور ہم محیط کی بات کر رہے ہیں

جیسا عوام میں مشہور ہے کہ میٹھا میٹھا مہرب اور کروا کروا اٹھو۔ (۳) صاحب محیط نے جو فرمایا ہے ہمیں سہم ہے کہ وہ یہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھے حضرات فقہاء عظام نے ضاد کی جگہ عین ظاء کے پڑھنے سے منع کیا ہے مثلاً بظاء پڑھنے کو جو ضاد کا صحیح مخرج ہے ہرگز منع نہیں کیا (ملاحظہ ہو الاقتصاد فی الضاد ص ۱) اور ہم نے تنقید متین ص ۱۱۱ میں شیخ القرآنؒ کی علم تجوید کی مشہور کتاب نہایت القول المفیدہ ص ۱۱۱ طبع مصر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ضاد اور ظاء دونوں سننے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں بجز اس کے کہ ان کا مخرج جدا جدا ہے اور ضاد کو پڑھنے وقت آواز لمبی کرنی پڑتی ہے اگر یہ فرق نہ ہوتا تو دونوں ایک ہی حرف سمجھے جاتے (محصلہ) اور مکمل جہاں القرآن میں ہے (مخرج ۸) ض کا ہے اور وہ حافظ لسان یعنی زبان کی گروٹ داہنی یا بائیں سے نکلتا ہے جب کہ اضر اس علیا یعنی اوپر کی ڈاڑھ کی جڑ سے لگائیں اور بائیں طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے مگر بہت مشکل ہے اور اس حرف کو حافیہ کہتے ہیں اور اس حرف میں اکثر لوگ بہت غلطی کرتے ہیں اس لئے کسی مشاق قاری سے اس کی مشق کرنا ضروری ہے اس حرف کو دال پُر یا باریک یا دال کے مشابہ جیسا کہ آج کل اکثر لوگوں کے پڑھنے کی عادت ہے ایسا ہرگز نہیں پڑھنا چاہیے یہ بالکل غلط ہے اسی طرح خالص ظاء پڑھنا بھی غلط ہے البتہ اگر ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے صحیح طور پر نرمی کے ساتھ آواز کو جاری رکھ کر اور تمام صفات کا لحاظ کر کے ادا کیا جائے تو اس کی آواز سننے میں ظاء کی آواز کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے دال کے مشابہ بالکل نہیں ہوتی علم تجوید اور قرأت کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے (بلفظ ص ۱ تا ص ۹) الاقتصاد فی الضاد ص ۱ میں ہے چونکہ ان

دونوں حرفوں میں اس قدر مشابہت ہے کہ ایک دوسرے سے جدا کرنا نہایت دشوار ہے الیٰ قوام
ان دونوں میں غایت تشابہ کے لحاظ سے تفریق سخت مشکل ہے لیکن محال ہرگز نہیں نہ عقلاً نہ عیناً
ہم نے تنقید تین مشابہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ وہ (قراء) علم تجوید کے اصول و قواعد کے تحت
حرف ضاد کو اس کے اصل مخرج سے نکالتے ہیں جو سننے والوں کو ظاہر سے مشابہ معلوم ہوتا ہے اور
صلہ میں لکھا ہے الحاصل ضاد کو ظاہر کے مشابہ پڑھنے میں فقہاء کرام کا نماز کے فاسد اور زنا سے فاسد
میں کافی اختلاف ہے الہ الفرض صاحب محیط نے ضاد کو ظاہر کی جگہ پڑھنے والے کی امامت کو نہایت
قرار دیا ہے اور عملاً ایسا کرنے والے کی تکفیر کی ہے اور ہم کتب تجوید کے عین مطابق دونوں حرفوں
کے مخرج کو الگ الگ تسلیم کر کے ضاد کو ظاہر کے مشابہ پڑھنے کی بات کر رہے ہیں تو اس تفصیل کے بعد
صاحب محیط کا حوالہ ہمیں قطعاً مضر نہیں اور مؤلف مذکور کو ہرگز مفید نہیں ہے جیسا کہ اہل علم پر
بالکل آشکارا ہے لاجفاء فیہ مؤلف مذکور نے اپنی نادانی کی وجہ سے حضرت ملا علی القاری کی تفسیر
کو اپنے لئے مضر سمجھتے ہوئے کاٹ چینکا ہے حالانکہ مسئلہ کی تفصیل کے پیش نظر محیط اور حضرت ملا علی
کی تفصیل میں کوئی تضاد نہیں اور اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔

(۴) خیر الزاد فی سیر الضاد ص ۵۷ میں سائمتھ سے زائد کتابوں کے حوالہ سے یہ بات ثابت
کی ہے کہ ضاد ظاہر کے مشابہ ہے ان کتابوں میں جزیرہ شاطبیہ تفسیر کبیرہ اتفاقاً بیضاوی
قاضی خاں عالمگیری کبیری البرہان التجنیس خلاصۃ الفتاویٰ در مختار طحاوی شامی
خزانۃ المفتیین خزائنہ امل بزازیہ العنابیہ التاتاریخانیہ الذخیرہ فتح القدیر احیاء
العلوم شافیہ رضی فتاویٰ برہنہ اور وجیز کردی وغیرہ تجوید فقہ صرف و نحو اور تفسیر کی
کتابیں شامل ہیں غرضیکہ ضاد و ظاہر میں خاصہ تشابہ ہے۔ اگرچہ ان دونوں حرفوں میں اس قدر
مشابہت ہے کہ ایک کا دوسرے سے جدا کرنا نہایت دشوار ہے اور ان دونوں میں غایت تشابہ کے لحاظ سے
تفریق سخت مشکل ہے لیکن محال ہرگز نہیں نہ عقلاً نہ عیناً ان دونوں حرفوں کا آپس میں تشابہ
بعض وجوہ میں اشتراک ایک واضح حقیقت ہے چنانچہ شیخ القرآن شرح علی لکھتے ہیں کہ۔

ان الضاد والظاء المعجمتان اشتروکتا بلاشبہ ضاد و ظاہر معجم (یعنی دونوں نقطہ والے)
جہراً و دخاوةً واستعلاءً و اطباقاً صفات جہر و رخوت اور استعلاء و اطباق میں

افتراقاً مخرجاً وانفصوت الضاد بالاستطالة
وفی المرعشی نقلاً عن الرعاية ما احتصر
ان لفظین الحرفین اعنی الضاد والظاء
متشابهان فی السمع ولا تفتروق
الضاد الا باختلاف المخرج والاستطالة
فی الضاد ولولا هما لكانت احدهما
عين الاخری فالضاد اعظم کلفة و
اشق علی القاری من الظاء حتی لو
قصر القاری فی تجوید الظاء جعلها
ضاداً انتہی (نہایتہ القول المفید
فی علم التجوید ص ۵۷ طبع مصر)

دونوں شریک ہیں اور مخرج کے اعتبار سے دونوں
جدا جدا ہیں اور صفت استطالت میں ضاد جہراً
ہے (ظاہر میں یہ صفت نہیں) اور (کتاب)
مرعشی میں رعایہ سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ
ہے کہ یہ دونوں حرف یعنی ضاد و ظاہر سننے میں ایک
دوسرے کے مشابہ ہیں اور ان دونوں میں سوائے
اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ ضاد اور ظاہر کا مخرج
الگ الگ ہے اور ظاہر میں صفت استطالت ہے
جو ظاہر میں نہیں اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوتیں تو
دونوں ایک ہی حرف ہو جاتے سو ضاد پر نسبت ظاہر
کے قاری پر زیادہ مشکل اور شاق ہوتا ہے یہاں تک
کہ اگر قاری حرف ظاہر کی تجوید میں دراکوتا ہی کرے
تو وہ ضاد بن جاتا ہے۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ
و فرق در میان مخرج ضاد و ظاہر بسیار مشکل
است اکثر خوانندگان این دیار ہر دو را یکسا
می برآند و در مقام ضاد و ظاہر میشود و در
مقام ظاہر مخرج این ہر دو حرف را جدا جدا
شناختن قاری قرآن را ضرور است الہ
(تفسیر عزیزی پارہ عم ص ۱۵ طبع حیدرآباد دکن)
تحت قولہ وما ہو علی الغیب بضنین

ان تمام حوالوں سے یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے کہ باوجود ہر دو حرفوں کے مخرج کے جدا جدا
ہونے کے ضاد سننے میں ظاہر کے مشابہ ہے نہ کہ دال کے اور ان دونوں میں فرق خاصا مشکل ہے اور

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالہ سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ ان کے زمانہ میں دہلی و غیر شہروں کے لوگ ضاد کو مشابہ ظاء کے پڑھتے تھے اور تاریخی طور پر یہ بات روشن طور پر ثابت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء میں ہوا اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی وفات ۱۲۳۹ھ میں ہوئی لہذا اہل بدعت کا یہ دواویلا کہ حرف ضاد کو ظاء کے مشابہ دیوبندی ومن ضالہ مذکور ہی پڑھتے ہیں جس کی طرف مولف مذکور نے بھی توضیح البیان میں اشارہ کیا ہے ایک بے بنیاد امر ہے۔

نوٹ ضروری ضاد اور ظاء میں چار چیزوں میں اشتراک اور مختلف میں تشابہ ہے جہر رخاوت۔ استعلاء اور طباق اور دو چیزوں میں افتراق و امتیاز ہے ضاد کا مخرج الگ ہے اور اس میں استطالت ہے اور ظاء کا مخرج الگ ہے اور اس میں استطالت نہیں جو حضرت فقہاء کرام یہ فرماتے ہیں کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنا مفسد صلوٰۃ یا عمدۃ ایسا پڑھنے والا کافر ہے تو ان کی مراد بظاہر یہ ہے کہ ضاد کے مخرج اور استطالت کی صفت سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کو ظاء کی جگہ پڑھے اور جو حضرات جواز صلوٰۃ کا فتویٰ دیتے ہیں وہ قادر اور مینر کے لئے ضاد کو جہر رخاوت۔ استعلاء اور طباق میں ظاء کے مشابہ پڑھنے والے کے حق میں ہے اور اکثر مشائخ اسی کے قائل ہیں کیونکہ ان میں فرق خاص مشکل اور عموم بلوی ہے کما سب حی انشاء اللہ تعالیٰ باقی رہا فیر قادر اور غیر مینر تو اس کا مسئلہ ہی الگ ہے۔

خیانت کا بے بنیاد الزام | مولف مذکور توضیح البیان میں یوں عنوان قائم کرتے ہیں منیتہ المصلیٰ کی عبارت نقل کرنے میں سرفراز صاحب کی خیانت اور اس کے تحت لکھتے ہیں اس بحث میں مولوی سرفراز صاحب نے کمال بددیانتی سے کام لیتے ہوئے منیتہ المصلیٰ کی اس عبارت کو تو لے لیا ہے جس کو صاحب منیہ نے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے اور اس سے چند سطر اوپر والی عبارت چونکہ ان کے عقیدہ فاسدہ کے خلاف تھی اس لئے اس کو کلیتہً ترک کر دیا جب کہ اس عبارت کو صاحب منیہ نے اکثر ائمہ کا معتمد علیہ قرار دیا ہے (اس کے بعد مولف مذکور نے تنقید تین میں منیتہ المصلیٰ کے حوالہ سے نقل کی ہوئی عبارت کا حوالہ دے کر اگے لکھا ہے) اور جو عبارت سرفراز صاحب کے فساد نیت کی پچھنت چرچائی ہے وہ یہ ہے (ترجمہ مولف مذکور کا ہے) بہر حال فال کی جگہ ظاء یا ضاد کی جگہ ظاء یا ضا

تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اسی پر اکثر ائمہ کا اعتماد ہے (منیتہ المصلیٰ ص ۱۱) (توضیح البیان ص ۶۲ و ۶۳) جواب۔ کاش کہ ہماری علمی کتاب کا جوابہ کوئی اہل علم دیتا تو ہم بھی خاص علمی انداز میں اس سے مخاطب کرتے مگر مصیبت یہ ہے کہ ہمیں تو طفل مکتب سے واسطہ پڑ گیا ہے جس میں علمی باتیں سمجھنے کی مرے سے استعداد ہی نہیں ہے مولف مذکور تو شاید تعصب و عناد کی وجہ سے ٹھنڈا اور تسلیم کرنا گوارا نہ کریں قارئین کرام خود ہی غور فرمائیں جب ہم نے تنقید تین میں اس بحث کے شروع میں اس کی تصریح کر دی ہے کہ ایک ہے ضاد اور ظاء یا کسی اور حرف کا دوسرے حرف سے بدل کر پڑھنے کا فقہی اختلاف جو متقدمین اور متاخرین فقہاء کرام میں مشہور چلا آ رہا ہے اور جس پر زلزلہ القاری کے بہت سے مسائل متفرع ہیں وہ اپنی جگہ مسلم ہے الخ

اور آخر میں ہم نے بصراحت یہ لکھا ہے کہ الحاصل ضاد کو ظاء کے مشابہ پڑھنے میں فقہاء کرام کا نماز کے فاسد اور نہ فاسد ہونے میں کافی اختلاف ہے لیکن عموم بلوی کی وجہ سے جب کہ اصلی مخرج لکھانے کی تمیز و قدرت نہ ہو تو اکثر مشائخ کا قابل اعتماد قول اور فتویٰ یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی ہاں قادر کو اس کی کوشش کرنی چاہیئے کہ ہر حرف اپنے صحیح مخرج سے نکلے الخ حضرت فقہاء کرام کے اس واضح اختلاف کو نقل اور تسلیم کرنے کے بعد بھی مولف مذکور کا یہ اعتراض کہ منیتہ المصلیٰ کی عبارت کے نقل کرنے میں مولوی سرفراز صاحب نے کمال بددیانتی سے کام لیا ہے خالص تعصب اور تحجب کا شرمناک مظاہرہ ہے اگر مولف مذکور ایسے سوچوالے اور بھی نقل کر دیں تو ہمارے لئے مضرب نہیں کیونکہ جب ہم نے اس بحث کی ابتداء اور انتہاء میں اس مسئلہ میں حضرت فقہاء کرام کا قدیم و جدید اختلاف تسلیم کیا ہے تو پھر کوئی حوالہ ہمارے لئے مضرب کیوں ہو؟

اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ منیتہ المصلیٰ میں اکثر ائمہ کا قابل اعتماد قول اس بات پر مبنی ہے کہ ضاد کو ظاء کی جگہ یا بالکس پڑھا جائے یعنی مخرج اور استطالت کے فرق کو بھی نظر انداز کر کے اور اس کے بارے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ہمیں اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود مولف مذکور نے ضعیف میں خزانۃ المفتی اور خزانۃ الاکمل کے حوالہ سے عبارت نقل کی ہو ہم ان کے ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

غیر المغضوب کو ظاء سے پڑھنا یا ظالمین کو ضاد سے پڑھنا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے

نماز فاسد نہیں ہوتی اور وہ ابوالقاسم الصفار اور محمد بن مسلمہ میں اور بہت سے مشائخ نے اس پر
عموم بلوئی کی وجہ سے فتویٰ دیا کیونکہ عوام مخارج حروف کو نہیں پہچانتے اور امام ابوحنیفہ اور قاضی
امام ابوالعاصم نے کہا کہ اس نے جان بوجھ کر ایسے پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس کی زبان
پر بلا قصد جاری ہو گیا وہ ان دو حروف کے درمیان تمیز نہ کر سکتا تھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی خزانۃ الاکمل
کی اسی بحث میں ہے جب ظا کی جگہ ضا یا ضا کی جگہ ظاء پڑھا پس قاضی حنفی نے کہا بہترین
قول یہ ہے کہ اگر اس نے قصد ایسا کیا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی خواہ عالم ہو یا جاہل اور اگر صحیح
حرف ادا کرنے کی کوشش میں غلط زبان پر آ گیا یا وہ دونوں حروف میں تمیز نہ کر سکتا تھا تو وہ لفظاً
اس نے بہر حال غلط ہی پڑھا لیکن نماز ہو جانے کی (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۰) و رد المحتار ج ۱ ص ۱۰۰
اگر منیۃ المصلیٰ کے حوالہ میں وغلبہ اکثر الامم کے الفاظ تھے تو مؤلف مذکور کی نقل کردہ اس
عبارت میں امام ابوالقاسم الصفار اور محمد بن مسلمہ کے علاوہ و کثیر من المشائخ افتوا بعموم بلوئی
کے الفاظ بھی موجود ہیں اور یہی کچھ ہم نے کہا تھا اور اس حوالہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ضا کو ظاء
کی جگہ پڑھنا مخرج کے اعتبار سے ہے اس لئے کہ فقہاء کرام عموم بلوئی کے لئے فتویٰ کی دلیل دیتے ہیں کہ
عوام مخارج حروف کو نہیں جانتے۔ اس کے بعد خود مؤلف مذکور یہ لکھتے ہیں ان عبارات سے یہ امر
خوب واضح ہو گیا ہے کہ ضا کی جگہ ظاء پڑھنا بہ کیف غلط ہے اگر غلطی دیدہ و دانستہ کی گئی تو نماز
فاسد ہو جائے گی اور اگر بے علمی اور عدم تمیز کی بنا پر غلطی ہوئی تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور جن عبارتوں
کو سرفراز صاحب ضا کی جگہ ظاء کے جواز پر لائے ہیں ان کا اس کے سوا اور کوئی محمل نہیں ہے اور
اور مولوی سرفراز صاحب نے جس طرح ضا کی جگہ ظاء پڑھنے کی ترغیب دی ہے وہ قرآن میں تحریف
کرنے کی ایک انتہائی مذموم حرکت اور اسرائیلی کوشش ہے غیر قرآن کو قرآن قرار دینے کا ایک کلیسیائی حربہ ہے
اور ہم مسطور سابقین محیط برطانی کے حوالہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ اس طرح ضا کی جگہ ظاء پڑھنا خاص
کفر ہے اور وہ من اظہم ممن اظہر علی اللہ کذباً کا مصداق ہے انتہی (بلفظ ص ۱۰۰)

المجواب۔ مؤلف مذکور نے اس عبارت کے ابتدائی حصہ میں وہی کچھ کہا ہے جو ہم نے تنقید متین
میں کہا ہے کہ ہر حرف کو خصوصاً ضا کو اس کے مخرج سے نکالنا چاہیئے لیکن بے علمی اور عدم تمیز کا مسئلہ
الگ ہے بلکہ ان کا یہ کہنا کہ سرفراز صاحب کی نقل کردہ عبارتوں کا اس کے سوا اور کوئی محمل نہیں یہ بات

نماز فاسد نہیں ہوتی اور وہ ابوالقاسم الصفار اور محمد بن مسلمہ میں اور بہت سے مشائخ نے اس پر
عموم بلوئی کی وجہ سے فتویٰ دیا کیونکہ عوام مخارج حروف کو نہیں پہچانتے اور امام ابوحنیفہ اور قاضی
امام ابوالعاصم نے کہا کہ اس نے جان بوجھ کر ایسے پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس کی زبان
پر بلا قصد جاری ہو گیا وہ ان دو حروف کے درمیان تمیز نہ کر سکتا تھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی خزانۃ الاکمل
کی اسی بحث میں ہے جب ظا کی جگہ ضا یا ضا کی جگہ ظاء پڑھا پس قاضی حنفی نے کہا بہترین
قول یہ ہے کہ اگر اس نے قصد ایسا کیا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی خواہ عالم ہو یا جاہل اور اگر صحیح
حرف ادا کرنے کی کوشش میں غلط زبان پر آ گیا یا وہ دونوں حروف میں تمیز نہ کر سکتا تھا تو وہ لفظاً
اس نے بہر حال غلط ہی پڑھا لیکن نماز ہو جانے کی (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۰) و رد المحتار ج ۱ ص ۱۰۰
اگر منیۃ المصلیٰ کے حوالہ میں وغلبہ اکثر الامم کے الفاظ تھے تو مؤلف مذکور کی نقل کردہ اس
عبارت میں امام ابوالقاسم الصفار اور محمد بن مسلمہ کے علاوہ و کثیر من المشائخ افتوا بعموم بلوئی
کے الفاظ بھی موجود ہیں اور یہی کچھ ہم نے کہا تھا اور اس حوالہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ضا کو ظاء
کی جگہ پڑھنا مخرج کے اعتبار سے ہے اس لئے کہ فقہاء کرام عموم بلوئی کے لئے فتویٰ کی دلیل دیتے ہیں کہ
عوام مخارج حروف کو نہیں جانتے۔ اس کے بعد خود مؤلف مذکور یہ لکھتے ہیں ان عبارات سے یہ امر
خوب واضح ہو گیا ہے کہ ضا کی جگہ ظاء پڑھنا بہ کیف غلط ہے اگر غلطی دیدہ و دانستہ کی گئی تو نماز
فاسد ہو جائے گی اور اگر بے علمی اور عدم تمیز کی بنا پر غلطی ہوئی تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور جن عبارتوں
کو سرفراز صاحب ضا کی جگہ ظاء کے جواز پر لائے ہیں ان کا اس کے سوا اور کوئی محمل نہیں ہے اور
اور مولوی سرفراز صاحب نے جس طرح ضا کی جگہ ظاء پڑھنے کی ترغیب دی ہے وہ قرآن میں تحریف
کرنے کی ایک انتہائی مذموم حرکت اور اسرائیلی کوشش اور کلیسیائی حربہ ہے تو یہ فن تجوید والوں اور فقہاء کا ہے سرفراز
بہجائے کا اس میں قصور صرف اتنا ہے کہ وہ ان حضرات کے دامن سے وابستہ اور ان کے علوم و فنون
کا خوش چہرہ ہے محیط کی عبارت کا مطلب پہلے عرض کیا جا چکا ہے مؤلف مذکور کو یہ بات بھی نہیں
بھولنی چاہئے کہ جس طرح ضا کو ظاء پڑھنے سے محیط کے حوالہ سے پیش نظر نماز فاسد ہوتی ہے اسی
طرح قاضی خان کے حوالہ کے پیش نظر (جو ہم نے تنقید متین ص ۱۰۰ میں نقل کیا ہے مگر مؤلف مذکور نے اس
کا کوئی جواب نہیں دیا) اگر کوئی شخص ولا الضالین کی جگہ ولا الدالین پڑھے تفسد صلوٰۃ -
(قاضی خان ج ۱ ص ۱۰۰) اس کی نماز فاسد ہوگی۔ مؤلف مذکور کو صرف اس کی نفی ہی نہیں کرنی چاہیئے
کہ ضا کو ظاء نہ پڑھا جائے بلکہ ان کا علمی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ چر زور الفاظ میں اس کی بھی
نفی کریں کہ ضا کو دال بھی نہیں پڑھنا چاہیئے اور جس طرح بقول ان کے ضا کو ظاء پڑھنے سے
قرآن کلم کی تحریف ہوتی ہے اور بقول ان کے یہ من ظلم من افترنی علی الشکذباً کا مصداق ہے

الجواب: کئی مرتبہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ مولف مذکور کو فہم سے کوئی سروکار نہیں صرف سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے بے جوڑ روئے ربط حوالے نقل کر کے اپنے نانو اندہ حواریوں سے محقق مدق اور علامہ کی منہ حاصل کرنے کے درپے ہیں سو گذارش یہ ہے کہ اگر آپ کے صدر الافاضل نے جامع الفصولین کا حوالہ نقل کیا ہو تو پھر ضاد کو ظاہر کی جگہ پر پڑھنے والے کی امامت کا بطلان ثابت کیا ہو تا تو یہیں بھی کچھ کہنے کی حاجت نہ تھی محمد اللہ تعالیٰ ہم نے ماہر استادوں سے تعلیم حاصل کی ہے اور دعویٰ و دلیل کی قضاوت اور تقریب نام کو سمجھتے ہیں آپ کے صدر الافاضل نے محیط کا حوالہ نقل کیا ہے جس میں امام کی کوئی تخصیص نہیں اور آپ کے صدر الافاضل نے اس کو صرف امام پر چسپاں کیا ہے جس میں دعویٰ خاص اور دلیل عام ہے اور دونوں میں تقریب نام اور مطابقت نہیں ہے لہذا ہمارا اعتراض ابھی تک آپ کے صدر الافاضل کی گردن پر مکمل سوار ہے اور ہمارے لئے جامع الفصولین کا حوالہ کسی طرح مضرب نہیں اس لئے کہ ہم نے تو تصریح کی ہے کہ روز مسئلہ دراصل امام و منفرد سب کے لئے یکساں ہے (تنقید متین مسئلہ) اور نیز لکھا ہے کہ امام ہو یا منفرد مہم ہو یا عورت ہو رہا ہو یا جوان مسئلہ سب کے لئے یکساں ہے (تنقید متین مسئلہ) غرضیکہ محیط کے محمل اور جامع الفصولین کے اس حوالہ سے ہماری ناپید ہی ہوتی ہے نہ کہ تردید یا محیط کا تفصیل حوالہ ملاحظہ فرمائیں جو ایک فقہی ضابطہ کے طور پر بیان ہوا ہے۔

وقال صاحب المحيط والمختار للفتاویٰ فی جنس هذه المسائل انه ان كان يجتهد اثناء الليل واطراف النهار في التصحيح ولا يقدر عليه فصلاته جائز وان ترك جهده فصلوته فاسدة وان ترك جهده في بعض عمره لا يسعده ان يتروك في باقي عمره ولو ترك تفسد صلوته انتهي (غنية المستملی ص ۴۳)

یجھے اب تو خود صاحب محیط کی تفصیلی عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ تصحیح حروف کا مسئلہ امام و منفرد

اسی طرح ضاد کو دال پڑھنے کی ترغیب بھی تحریف قرآن کی دعوت اور افتراء علی اللہ کا مصداق ہے بلکہ بطریق اولیٰ ہے کیونکہ ضاد اور ظاء میں چار چیزوں (جہر - رخاوت - استعلاء اور اطلاق) میں تو اشتراک اور تشابہ ہے مگر ضاد اور دال میں قطعاً کوئی اشتراک اور تشابہ نہیں ہے حیرت کی بات ہے کہ ان چار امور میں تشابہ ہوتے ہوئے ایک کو دوسرے سے بدلنے سے (جب کہ ان میں فرق بھی خاصا مشکل ہے) تحریف - مذموم حرکت - اسرائیلی کوشش اور کلیسانی تحریک کا تو تحقیق ہو جاتا ہے مگر جس حرف کے ساتھ بالکل کوئی تشابہ ہی نہیں اس سے بدلنے کے ساتھ کچھ اشتراک نہیں پڑتا اس کو کہہ بیس الثابان سیریلی کو اللہ تعالیٰ مولف مذکور کو عبارات سمجھنے کی توفیق دے اگرچہ اس متاع عزیز کی ان سے اور اسی طرح ان کے دیگر رفقاء سے توقع عبت اور فضول ہے کیونکہ ان کی دوکان میں سودا ہی جہل کا ہے نہ کہ علم کا بخلاف اہل حق کے کہ صبح ازل یہ مجھ سے کہا جب اسرائیل نے

جو جہل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول (اقبال تبغیر یسیر)

ضاد کو عذالاً پڑھنا کفر ہے | یہ عنوان قائم کر کے مولف مذکور لکھتے ہیں محیط ربانی کا حوالہ شرح فقہ اکبر سے نقل کرنے کے بعد اب ہم جامع الفصولین کی عبارات کلمات کفریہ کی بحث نقل کرتے ہیں (۱) ان کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں صفحہ ۱۰۱ جو آدمی ضاد کی جگہ ظا پڑھے اور اصحاب الجہنم کی جگہ اصحاب النار پڑھے اس کی امامت تو بہر حال جائز نہیں (خواہ عذالاً پڑھے یا سہواً) اگر عذالاً پڑھتا ہے تو کافر ہو گیا جامع الفصولین ج ۲ ص ۳۱۶

اب ذرا مولوی سرفراز صاحب منظر قیامت کو سامنے رکھ کے اور خوف آخرت کو دل میں جگہ دے کر غور کریں کہ مسئلہ تو امام اور مقتدی دونوں کے لئے یکساں ہے پھر جامع الفصولین نے امام کا مسئلہ بالخصوص کیوں ذکر کیا؟ صدر الافاضل پر سرفراز صاحب نے اس اعتراض کی بنا قائم کر کے جو طعن و تشنیع کی بوجھاڑ کی ہے اور گندہ دہنی کی بنا پر جو منہ میں آیا کہتے چلے گئے ہیں کیا ان تمام بیانات کا رجوع صاحب فصولین کی طرف نہیں ہوتا یہ کیسا ظلم اور صریح بے انصافی ہے کہ اگر صاحب جامع الفصولین صرف امام کا مسئلہ بیان کریں تو آپ کے صبر و اطمینان میں کوئی فرق نہ آئے اور وہی بات مد الافاضل نے فرمائی تو آپ اس طرح چیخ اٹھے جیسے قصر دیوبند میں زلزلہ آگیا ہو بلطفہ ص ۴۲ و ص ۴۳

خیات کو ظاہر کرنے کے بعد اب ہم ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کی عبارتوں میں جو صوری اختلاف پایا جاتا ہے جسے مولوی سرفراز صاحب غوغا سے تعبیر کرتے ہیں اور ص ۳۶ پر لکھتے ہیں فقہاء کرام کی عبارتوں کو سوچے سمجھے بغیر سرفراز صاحب کا انہیں غوغا سے تعبیر کرنا چھوٹا مانہ بڑی بات کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور ان کا تفصیلی تفصیل رٹ لگانا حقیقت میں ان عبارت کو سمجھنے کے لئے تھا جو بہر حال ہم نے انہیں سمجھائیں لیکن استفادہ کا یہ انتہائی غیر محمود طریقہ ہے جسے دیوبند کے اس فاضل نے ایجاد کیا ہے لفظ حقیقت میں یہ سب ایک ہی کلمہ پر مشفق ہیں اس سے قبل کہ ہم تطبیق بین الاقوال کے لئے تمہید شروع کریں ان اختلافات کی نشاندہی کئے دیتے ہیں امام فضلی نے جان بوجھ کر ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو کفر قرار دیا اکثر ائمہ نے فساد صلوٰۃ کا سبب قرار دیا اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی حقیقت یہ ہے کہ قرآن الفاظ اور معانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے جیسا کہ کتب اصول میں مرقوم ہے قرآن لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے (نور الانوار ص ۵ و حاشی ص ۱)

پس جس شخص نے قرآن کے ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا تو اس صورت میں دو احتمال ہیں یا تو اس تبدیل شدہ لفظ کی نظیر قرآن میں موجود ہوگی اور معنی بھی مناسب ہوگا اور یا اس کی نظیر قرآن میں نہ ہوگی شق اول میں لفظ نہ بدلا اور نماز فاسد نہ ہوگی الی قولہ اور شق ثانی میں یعنی حرف بدل گیا ہو اور اس کی نظیر قرآن کریم میں موجود نہ ہو پس لفظ تو بہر حال مغیر ہو گیا اور معنی کے اعتبار سے بین احتمال ہیں پھر اگے لکھا ہے کہ اگر معنی نہ بدلا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر بدلا تو یا تو وہ لفظ مہمل ہوگا جیسے غلب اس کا کوئی معنی نہیں یا معنی تو ہوگا لیکن قرآن کے خلاف ہوگا جیسے نلذ کو کوئی تلفظ پڑھے اور ان دونوں صورتوں میں لفظ اور معنی بدل گئے (محمل) یہ ساری بحث انہوں نے کبیری ص ۳۹ کے حوالہ سے نقل کی ہے پھر اگے لکھتے ہیں، اور قرآن چونکہ لفظ اور معنی دونوں سے عبارت ہے پس یہ وہ الفاظ نہیں جنہیں اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا اور جنہیں جبریل امین نے حضور پر اور حضور نے صحابہ پر پڑھا اور ان غیر قرآنی الفاظ کو پڑھنے والا ایمن حال سے خالی نہیں عمداً غیر قرآن کو قرآن سمجھ کر پڑھتا ہے تو کفر ہے فقہاء کی تکفیر اسی شق پر محمول ہے اور اگر وہ غیر قرآن کو قرآن سمجھتا ہے لیکن عمداً غیر قرآنی الفاظ کو یعنی کلام الناس کو داخل کرتا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ حدیث میں ہے ہماری نماز دنیاوی کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اکثر ائمہ کا فساد صلوٰۃ کا فتویٰ اسی تقدیر پر محمول ہے تیسری صورت

مبسمی کے لئے ہے جیسا کہ مطلق عبارت سے بالکل ظاہر ہے یہ سلسلہ صرف امام ہی کے ساتھ مختص نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور کے صدر الافاضل نے لکھا ہے اور اس عبارت سے یہ بات بھی بالکل واضح ہوگئی کہ جو شخص تصحیح حروف کی کوشش کرنے کے باوجود لفظ کو اس کے اصل مخرج سے نکالنے پر قادر نہیں تو صاحب محیط اس کی نماز کو جائز قرار دیتے ہیں اور جو از صلوٰۃ کا فتویٰ تب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ پڑھنے والا مسلمان ہو لہذا ان کا وہ فتویٰ جو تکفیر سے متعلق ہے وہ اس شخص کے بارے میں ہے جو تصحیح حروف پر قادر ہوتے ہوئے عمداً ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف پڑھتا ہو اور لفظ محمد جامع الفصولین کی عبارت میں اس کا واضح قرینہ ہے۔

اور تفسیر مواہب الرحمن ج ۱ ص ۲۵ میں ہے کہ۔ اصل میں ضاد نکالنے کا قصد کرے (کہ وہ اول کنارۃ زبان اور اس کے متصل وارضوں سے ہے) کیونکہ حرف کی تبدیل جائز نہیں ہے لیکن جب اس نے ضاد کا قصد کیا اور وہ ادا نہ ہوا تو اس کے مشابہ ظاء منقوط لکھے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں مذکور ہے الخ۔

مطلب بالکل واضح ہے کہ حرف ضاد کو اس کے اصل اور صحیح مخرج سے نکالنے کی کوشش کرے اس کا صحیح تلفظ ہوگا تو وہ ظاء کے مشابہ معلوم ہوگا مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے انکے صدر الافاضل کے بارے میں کسی گندہ دہنی کا ثبوت نہیں دیا نہ ہدایات کہے ہیں خواہ خواہ عوام کو متفر دلانا اور عوام کے جذبات کو بھڑکانا کہ اس کی شرافت ہے؟ بات تو ہم نے اتنی ہی کہی ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے خواہ خواہ اہل حق کے اماموں سے متفر دلانے کے لئے رشو و رشہ چھوڑا ہے (ص ۵) اور مؤلف مذکور کئی صفحات سیاہ کرنے کے باوجود بھی اپنے صدر الافاضل کا دامن اعتراض سے پاک نہیں کر سکے اور بلاوجہ ثقیل زبان استعمال کر کے صرف لفظوں کے کرب سے فتح حاصل کرنا چاہتے ہیں بفضلہ تعالیٰ قصہ دیوبند تو یہی مضبوط ہے اس میں غیر واقعی دلائل اور شوشوں کی وجہ سے زبردت تو تاقیامت نہیں آسکتا البتہ بریل کی علمی بلڈنگ ضرور پیوست زمین ہو کر رہ گئی ہے اور دلائل و براہین کے ساتھ اس کو مرست کرنے والے معارضی دنیا سے رفوچکر ہو گئے ہیں یہ جذبات ہے کہ مؤلف مذکور کہیں اس کے قائل نہ ہو جائیں کہ ۵

یہ کہتا پھر رہا ہے ہر لڑکا اہل عرفاں سے مری تلوار ٹوٹی ہے مگر بہت نہیں ٹوٹی عبارات فقہاء کی توضیح یہ سرفخی قائم کیے کہ مؤلف مذکور لکھتے ہیں مولوی سرفراز صاحب کی اس

یہ ہے کہ قاری انتہائی کوشش اور غایت اجتہاد سے اپنے خیال میں اس لفظ کو اس کے مخرج سے ملاتا ہے لیکن ادائیگی کے دوسرے لفظ کے مخرج یا اس کے مشابہ کی صورت میں ہوتی ہے پس اس میں عموماً بلوئی کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی لا ینکلف اللہ نفسا الا وسعہا اور بعض مشائخ عدم فساد و صلوة کا فتویٰ اسی صورت پر محمول ہے (محصلاہ ۲۲۵ تا ۲۴۷)

الجواب بفضلہ تعالیٰ ہم نے مؤلف مذکور کے التزام خیانت کا جواب تو پہلے عرض کر دیا ہے ان کی باقی طویل عبارت کا تجزیہ مع جوابات درج ذیل ہے غور فرمایا ماحضرات قارئین کرام کا ہم ہے (۱) ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کی عبارتوں میں صوری اختلاف ہے۔ اس سے مؤلف مذکور کی کہ مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ ضاد سننے والوں کے نزدیک جہر زبر غایت۔ استعلاء اور اطباق میں ظاء کی صورت میں محسوس ہوتا ہے تو پہلے باحوال بیان ہو چکا ہے کہ کتب تجوید اور کتب فقہ و فرائض کے رو سے یہی صحیح اور درست بات ہے اس میں ذرہ بھر شک نہیں ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ حضرت فقہاء کرام کا رجن کو اعلیٰ درجہ کی دینی بصیرت حاصل ہے، اس صحیح بات میں تو ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا کیونکہ صحیح بات میں ان کی تکفیر یہ لطلان صلوٰۃ کا فاقہ توئی اور کم از کم اختلاف کسی بھی عقلمند انسان کی سمجھ میں نہیں آ سکتا اور اگر یہ مراد ہے کہ ان چار صنفیات میں ضاد ظاء کے مشابہ ہونے ہوئے بھی اپنے مخرج اور صفت، استطالات میں ظاء سے جدا اور الگ ہے تو بات صحیح ہے لیکن اس میں اختلاف صوری نہیں بلکہ حقیقی ہے کیونکہ مخرج دونوں کا الگ الگ الگ ہے اور ضاد الی استطال ہے ظلو میں بالکل نہیں تو پھر اختلاف صوری کیونکر ہو گا۔

(۲) راقم الحروف نے حضرت فقہاکرام کی عبارت کو برگر وغوغا سے تعبیر نہیں کیا یہ مؤلف مذکور کا خاصا سمیت اپنے ثروں کی طرح انتہائی دجل مری تلبیس اور صریح بہتانان ہے ان حضرات کا یہ بیوقوفانہ طریقہ ہے کہ عبارت کسی کی اوصوری لے لیتے ہیں اور اس کی تعبیر و تشریح اپنی طرف سے کرتے ہیں اور پھر جو راہ پر کھڑے ہو کر چوکھٹا و ایلکرتے اور دلی دیتے چلے جاتے ہیں کہ لوگو! لوگو! اویکھو کیا ہوگا تنقید متین ص ۴۴ میں راقم کے الفاظ یہ ہیں۔ اگرچہ اس مسئلہ میں میں قدیگا و حدیثا خاصا اختلاف بلکہ بعض مقامات پر غوغا چلا آتا ہے الخ بین القوسین (بریکٹ میں) جو الفاظ ہم نے لکھے ہیں اس میں بعض مقامات کی تصریح ہے اور ہماری مراد یہ ہے کہ اس مسئلہ پر یہاں دست سوات۔ ویر۔ صوبہ بلوچستان

صوبہ ہمدان و غیرہ بعض مقامات پر عوام الناس کا خاصہ شعور و فعل اور غوغا برپا ہوا اور اب بھی تو رتا رہتا ہے۔ ہم بفضلہ تعالیٰ حضرت فقہاء کرام کی دینی خدمات اور عبارات کو بخوبی سمجھتے اور ان کی بصیرت افزا عبارات کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ مداح اور خوشہ چین بھی ہیں اللہ تعالیٰ مولف مذکور کو فہرہ دیانت عطا فرمائے۔ اور ہمارا تفصیل سے عبارات نقل کرنے کا مطلب کسی طفل مکتب سے علمی استفادہ نہیں ہے بلکہ ان کی حیالت اور کم علمی کو واضح کرنا ہے کہ وہ فہم و فراست سے یکسر محروم رہ کر بھراور محققین شیعہ میں اور اس پر بلاوجہ نازاں و شاداں ہیں۔

(۳۰) فقہاء کرام کے اس مسئلہ کے بارے میں اختلافات کی جو نشانہ دہی مؤلف مذکور نے کی ہے وہ ایک واضح حقیقت ہے اس سے کہ اس کو اختلاف بناوا یا ہو سکتا ہے، صرف اتنی بات کہنے میں ہم محتاجِ جانب ہیں کہ صحتِ صلوٰۃ کا فتویٰ بعض مشائخ کا ہی نہیں ہے بلکہ بنقلِ مؤلف مذکور بہت سے مشائخ نے اس پر عمِ بلوئی کی وجہ سے فتویٰ دیا ہے (توضیح البیان ص ۸) اور خود مؤلف مذکور نے اپنا فیصلہ یہ دیا ہے تیسری صورت یہ ہے کہ قاری انتہائی کوشش اور غایتِ اجتہاد سے اپنے خیال میں لفظ کو اس کے مخرج سے ادا کرتا ہے لیکن ادائیگی دوسرے لفظ کے مخرج یا اس کے مشابہ کی صورت میں ہوئی ہے پس اس صورت میں عمِ بلوئی کی وجہ سے نماز فاسد ہوگی کیونکہ لا یكلف الله نفسا الا وسعها الخ ص ۷) مؤلف مذکور کو انصاف سے کہنا چاہیئے (اگر ان کے نزدیک انصاف نام کی کوئی چیز ہے) کہ راقمِ تہم نے تنقید میں ص ۵۵ خاصہ بحث کرنے کے بعد یہ نہیں لکھا کہ الحاصل ضاد کو فطاء کے مشابہ پڑھتے ہیں فقہاء کرام کا نماز کے فاسد اور نہ فاسد ہونے میں کافی اختلاف ہے لیکن عمومِ بلوئی کی وجہ سے جب کہ اصل مخرج سے نکلنے کی تیسری وقتِ رت ہی نہ ہو تو اکثر مشائخ کا قابلِ اعتماد قول اور فتویٰ یہ ہے کہ نماز فاسد ہوگی یاں فاد کو اس کے مخرج کوئی نہ چاہیئے کہ ہر حرف اپنے صحیح مخرج سے نکلے امام ہو یا مسافر مرد ہو یا عورت بوڑھا ہو یا جوان مسئلہ سب کے لئے یکساں ہے الخ امام قاضی خان حرف کو دوسرے حرف کی جگہ بدلنے کی فقہی تفصیل کرتے ہوئے یہی فرماتے ہیں کہ

وان كان لا يمكن الفصل بين الحرفين الا
بمشقة كالألف مع الصاد والصاد مع السين
والطاء مع التاء اختلف المشافه فيه قال

اکثرہ لا نفسد صلواتہ (ج ۱ ص ۶۵)

فرماتے ہیں کہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔

قارئین کرام بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ مؤلف مذکور نے اختلاف برائے اختلاف اور نزاع برائے نزاع کے پیش نظر بھی بالآخر وہی کچھ کیا جو ہم نے چھپنے والے الفاظ میں کہہ دیا تھا اور انہیں اسے تسلیم کرنے پر کوئی چارہ کار نہ رہا لیکن عوام کو کچھ کر دکھانے کی خاطر پینترے پر پینتر ابلتے رہے۔

بدل کے بھیس بھرتے ہیں ہر زمانے میں اگرچہ پیر ہے آدم جواں میں لات و منات

اور ہم پہلے بحث کر چکے ہیں کہ چارہ صفات میں ضاد ظاء کے بہر حال اور بہ کیف مشابہ ہے ان میں تشابہ کی وجہ سے عوام بلوی کے فتویٰ کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر سوال پیدا ہوتا ہے تو ظاء کے ساتھ خرج اور صفت استطالات میں تشابہ کے ساتھ پیدا ہوتا ہے لیکن قارئین کرام باحوالہ موافق و مخالف یہ پڑھ چکے ہیں کہ اس صورت میں بھی عوام بلوی کی وجہ سے نماز جائز ہے فاسد نہیں اسی کو کہتے ہیں ع مانتے جس کو نہ تھے لیجئے پہنچے وہاں۔

(۴) اصول کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم لفظاً اور معنی دونوں کا نام ہے اور اسی طرح کبیری کے حوالہ سے جو بحث مؤلف مذکور نے نقل کی ہے وہ ساری بحث بعد اس مفصل بحث کے جو نزاع القاری کے باب میں عالمگیری، شامی، البحر الرائق، فتح القدیر، اور طحاوی وغیرہ کتابوں میں ہے جیسے بلا تامل و قال مستم ہے اور کسی مسلمان کا اس سے سروا اختلاف نہیں اور نہ ہو سکتا ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ بے شک ہماری یہ نماز لوگوں کی ذبیوی کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی (مسلم ج ۲ ص ۲۰۰ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۹) ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور اس سے اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن یہ جملہ امور اس بحث سے غیر متعلق ہیں جس میں گفتگو ہو رہی ہے کہ ضاد کو ظاء کے مشابہ پڑھا جائے تو کیا حکم ہے؟ جس کے بارے میں خود مؤلف مذکور بھی عوام بلوی کے پیش نظر جواز صلوة کا فیصلہ دے چکے ہیں۔

دیوبند کے اہل حق کی قرآن میں لفظی تحریف

یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں صد اللہ فیہ کا کلام نقل کرنے کے بعد تنقید ص ۲ پر بلوی سرفراز صاحب لکھتے ہیں مولوی صاحب نے عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے والوں کی امامت جائز نہیں تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ اہل حق کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

سوال یہ ہے کہ یہ اہل حق ضاد کی جگہ ظاء پڑھتے ہی کیوں ہیں؟ کیا انہیں قرآن میں لفظی اور معنوی تحریف کرتے ہوئے کوئی خدا کا خوف دامنگیر نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کیسے کہ غیر قرآن کو قرآن قرار دینے میں اور جویات اللہ تعالیٰ نے نہیں کہی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں انہیں کوئی حیا نہیں آتی اور کذب باری کا مسئلہ کیا اسی احتذار کے لئے تو ایجاد نہیں کیا تھا بلکہ ص ۶۵

المجواب ہماری طرف سے اصولی طور پر جواب تو اتنا ہی کافی ہو کہ بَیِّنَاتٌ مِّنْ آيَاتِنَا إِنَّ يَفْقَهُوْنَ إِلَّا كَذِبًا مگر مفصل جواب بھی ضروری ہے۔

نار بلبل شیدا تو فنا بنس بنس کر اب جگہ تمام کے بیٹھو میری باری آئی سو گز دانش یہ ہے کہ اہل حق ضاد کی جگہ بعینہ ظاء تو نہیں پڑھتے ہاں البتہ وہ ضاد کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ چارہ صفات (جہر، رخاوت، استعلاء، اور اطباق) میں وہ ظاء کے مشابہ ہوتا ہے اور اس طرح پڑھنا ان کے لئے قواعد تجوید اور فقہی کتب کے لحاظ سے ضروری ہے اور اس طرح پڑھنے سے نہ تو تحریف لفظی ہوتی ہے اور نہ معنوی بلکہ قواعد کے اعتبار سے قرآن کریم کی عین مطابقت ہوتی ہے۔ ہاں خرج اور استطالات میں ضاد کے ظاء کے مشابہ ہونے میں تحریف لفظی اور معنوی کا شبہ ہو سکتا ہے لیکن اس کو کیا کچھ کہہ سکتے ہیں بلوی کی وجہ سے بہت سے مشائخ فقہ نے جواز صلوة کا فتویٰ دیا ہے اور مؤلف مذکور نے بھی اس پر صراحت کیا ہے کہ اس لفظی اور معنوی تحریف میں اہل حق کے ساتھ وہ بھی برابر کے مجرم اور بفتوائے خود عرف قرآن ہیں۔

پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بقول مؤلف مذکور کے ضاد کو ظاء پڑھنے سے تو تحریف لفظی اور معنوی ہوتی ہے جب کہ چارہ وجوہ سے ان میں مشابہت بھی موجود ہے اور ضاد کو ظاء پڑھنے سے جبکہ ان میں کوئی مشابہت ہی نہیں کیوں تحریف لفظی و معنوی نہیں ہوتی؟ اور قاضی خان کا فتویٰ بھی گرچہ چکا ہے کہ الضالین کی جگہ الدالین پڑھنے والے کی نماز فاسد ہے کیا الضالین کی جگہ الدالین پڑھنے کی غیب دینے والا تحریف لفظی اور معنوی کا مرتکب نہیں ہے؟ کیا مؤلف مذکور اور ان کی پارٹی کو خدا کا خوف دامنگیر نہیں ہوتا اور کیا غیر قرآن کو قرآن قرار دینے میں اور جویات اللہ تعالیٰ نے نہیں کہی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں انہیں حیا نہیں آتی؟ آخر کچھ تو بتائیے کہ بات کیا ہے؟ امکان کذب یا خلف و عید کا مسئلہ اپنی جگہ پر اسی کتاب میں بفضلہ تعالیٰ مفصل مذکور ہے یہاں اس کی ضرورت

نہیں لیکن مؤلف مذکور یہ تو تسلیم کر مخلوق کا ہر فرد دونوں جملے بولنے پر قادر ہے واقع کے مطابق اور خلاف واقع لیکن جب اللہ تعالیٰ کی باری آئے تو وہ خلاف واقع جملہ بولنے پر قادر ہی نہ ہو جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خالق کی قدرت سے مخلوق کی قدرت زیادہ ہے (معاف اللہ تعالیٰ) شاید اسی لئے قادر مطلق ذات سے پہلو تہی کرتے ہوئے آپ لوگ غیر اللہ سے استعانت کرتے ہیں کہ بزم آپ حضرات کے ان کی قدرت زیادہ معلوم ہوتی ہے اور کیا اسی بہانہ سے غیر اللہ سے استعانت و استمداد کا چور دروازہ تو آپ لوگوں نے اپنے لئے نہیں کھول لیا؟ ہم نے جواب کے علاوہ محبت کا حق بھی ادا کر دیا ہے آپ تسلیم کریں یا نہ کریں ۵

کبھی تو میری محبت کا تم یقین کر لو! کہیں نہ عمر گزر جائے آزمائے میں یہ بات یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو واقع کے خلاف کوئی بات کہی ہے نہ کہتا ہے اور نہ کہے گا لیکن اگر کہنا چاہے تو اسے قدرت ہے کرنے اور کر سکنے کا فرق ملحوظ نہ رکھنا اہل علم کی شان کے قطعاً خلاف ہے خود اسی کتاب میں اور تنقید متین وغیرہ میں اس کی بحث موجود ہے مسئلہ امکان کذب اور خلق عید کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کا نقش قائم ہو خداوند عز و جل کی قدرت کو معاذ اللہ تعالیٰ محدود سمجھنے والا اس کو ہر گز نہیں سمجھ سکتا ۵

مجھی پر منحصر کیا ہے شہنشاہ زمانہ بھی اُسی کے آستان پر آ رہے ہیں بے نوابی کر

حرف ضاد کی تخصیص کا جواب یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ سر فز صاحب نے کہا ہے کہ فقہاء کرام کا یہ ضابطہ تو تمام حروف کو شامل ہے پھر ضاد اور ظاء کا مسئلہ ہی کیوں بیان کیا؟ اولاً جواب یہ ہے کہ ضاد کے ظاء سے ملتبس ہونے کا شائبہ تھا و تاہم چونکہ دیوبند کے اہل حق نے قرآن کریم میں تحریف کرنے کے لئے ضاد کو خاص کر لیا ہے اس لئے صدر الافاضل سے بالخصوص ضاد کا مسئلہ بیان کیا و تاہم امام صاحب نے جواز مستغنیین کو اہل سنت کی علامت قرار دیا ہے حالانکہ سب سنتوں کا حکم یہی ہے چونکہ بتدعین شدت کے ساتھ موزوں پر مسخ کا انکار کرتے تھے اس لئے امام صاحب نے اہل سنت کی یہ علامت قرار دیا اس کے بعد شرح فقہ اکبر ص ۱۷۷ کے حوالہ سے امام صاحب سے نقل کیا کہ اہل سنت کی علامتوں میں حضرت ابو بکر و حضرت عمر کی فضیلت حضرت عثمان و حضرت علی علیہ السلام کی محبت اور موزوں پر مسخ کرنا اور ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنا ہے پھر آخر میں لکھتے ہیں اگر

آپ کو ضد کی خصوصیت کا شکوہ ہے تو قرآن کے اس خاص حرف کی تحریف کرنا چھوڑ دیں ہم بھی آپ کا پیچھا چھوڑ دیں گے (مختصاً ص ۱۷۷)

الجواب مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے دفع الوقتی کے سوا کچھ نہیں اول اس لئے کہ ضاد و ظاء میں چار وجوہ سے تو مشابہت ثابت ہے جیسا کہ باحوالہ بیان ہو چکا ہے اب سوال یہ ہے کہ آپ لوگ اصول و قواعد کے لحاظ سے اس ثابت شدہ مشابہت کو رد کرنے کا ادھار کیوں کھائے بیٹھے ہیں؟ آپ لوگوں کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ فتنہ تجوید اور کتب فقہ کے مسلم حوالوں کو ٹھکرانے کے درپے ہیں؟ اور مخرج اور صفت استطالات میں گو ضاد و ظاء سے متفاوت ہے لیکن غیر مستطیع کے لئے عموم بلونی کے تحت جواز صلوة کا فیصلہ آپ بھی دے چکے ہیں اور حتیٰ الوسع ہر حرف کو اس کے صحیح مخرج سے ادا کرنے کے ہم بھی مقررین منکر نہیں تو پھر آپ کے اس جواب کی کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے؟ دوم اس لئے کہ دیوبند کے اہل حق کے ساتھ غیر مستطیع کے لئے عموم بلونی کے تحت جواز نماز کا فیصلہ دے کر آپ بھی اس تحریف میں برابر کے شریک ہیں اور یہ فرجیم آپ پر بھی عائد ہے پھر دیوبند کے اہل حق سے آپ کے بلا سبب عناد اور چڑکی کیا وجہ ہے اور یہ بات بھی پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ضاد کی ظاء کے ساتھ چار وجوہ سے مشابہت تو دلائل قاہرہ اور براہین ساطعہ سے ثابت ہے مگر ضاد کی دال سے مشابہت کی تو کوئی ایک وجہ بھی موجود نہیں ہے پھر آپ لوگ اس واقعی تحریف پر کیوں مصر ہیں؟ پھر آپ کے صدر الافاضل صاحب کا علمی اور اخلاقی فرض تھا کہ جہاں انہوں نے ضاد کے ظاء سے الگ ہونے کا حکم اور فیصلہ صادر کیا تھا وہاں ضاد کے کا دال سے الگ ہونے کا فتویٰ بھی صادر فرما کر امت مرحومہ پر رحم و کرم فرماتے تاکہ امت مرحومہ موعوم اور واقعی تحریف دونوں سے محفوظ رہتی اور اس قرآن کریم کی پابندی کرتی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ حضرت جبرائیل امین ۴ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور جس میں لفظ معنی دونوں ملحوظ ہیں جب دار و مدار معنی کے تغیر پر ہے تو آپ لوگ کیوں ولا الضالین کی جگہ ولا الدالین پر اصرار کرتے ہیں جب کہ امام قاضی خان کا فتویٰ یہ ہے -

و کذا لو قرأ غیو المغضوب بالظاء و بالذال اور اگر غیر المغضوب کو ظاء یا ذال سے پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ولا الضالین کو ظاء یا ذال سے تلفظ صلوٰۃ و لو قرأ الظالین بالظاء و

بالذال لا تفسد صلوٰۃ و لو قواء بالذال
تفسد صلوٰۃ (فتاویٰ قاضیخان ج ۱)
صلوٰۃ طبع نو لکھنؤ

پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر دال سے لکھو
پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

امام قاضی خاں حضرت فقہاء کرام میں بلند درجہ کے مالک اور فقیہ النفس تھے فقہ میں ان کا مقام بہت اونچا ہے جیسا کہ اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے علامہ حلیؒ نے بعض متاخرین فقہاء کرام کے فتویٰ میں غلطیوں کے پیش نظر والا الدین پڑھنے کی صورت میں بھی ایک بعید سی تاویل کے سہارے جواز صلوٰۃ کا فتویٰ دیا ہے (ملاحظہ ہو کبیری ص ۴۹) عموم بلوئی کے تحت ہم اس کو بھی تسلیم کر لیتے ہیں لیکن اس کا انکار تو قطعاً نہیں کیا جاسکتا کہ ضاد اور دال کا خروج بالکل الگ الگ ہے اور ان میں تجمید کے نہ سے کوئی مشابہت ہی نہیں پھر اگر ایک کے پڑھنے سے تحریف ہوتی ہے تو دوسرے کے پڑھنے سے بھی تحریف ہوتی ہے آپ کے صدر الافاضل اور خود آپ کا یہ فریضہ تھا کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی بیان کرتے صرف ونوے ٹریفک پر اکتفاء نہ کرتے مگر جب ہی ممکن ہے کہ آپ تعصب کی عینک اتار کر ہر چیز کو صحیح نگاہ سے دیکھنے کی رحمت اٹھائیں ورنہ خواب تھا جو کچھ دیکھا جو سنا افسانہ تھا اور سوم اس لئے کہ جواز صلوٰۃ اور عدم جواز کے سلسلہ میں جس طرح حضرات فقہاء کرام کا ضاد اور ظاء کے بارے میں اختلاف ہے اسی طرح ضاد اور دال میں بھی نزاع ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ایک بدعت سے تو آپ لوگوں کو اتنا مغر ہے کہ اس کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں اور دوسری بدعت کو سویلے قلب میں جگہ سے بھی ہے اور اس کے لئے خیر سے شرح فقہ اکبر کا حوالہ بھی فراہم کر لیا گیا ہے؟ کیا یہی حوالہ والا الدین پڑھنے والوں پر چسپان نہیں ہوتا؟ یا ان کے بدن پر کوئی ایسی انگیزی سریش لگی ہوئی ہے کہ کوئی حوالہ دال چسپان نہیں ہو سکتا کچھ تو لب کشائی فرمائیے کہ معاملہ کیا ہے؟ آپ کو بھی یقین رکھنا چاہیے کہ جب تک آپ لوگوں والا الدین ترک نہیں کریں گے ہم انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا قبر تک تعاقب کرتے رہیں گے اور پھر آپ جا بجا ہیں اور نکیریں

کس سے کہنے کیا کیا کیا ہو گیا خود ہی اپنے پر ملامت کیجئے رحلت بخش
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں ضاد اور دال میں نمایاں فرق کا مفصل حوالہ بھی عرض کر دیں تاکہ تصویر کا دوسرا رخ بھی کھل کر سامنے آجائے حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ ماہرین شریعت

غیر پوشیدہ نہ رہے کہ ضاد کا مشتبہ الصوت ہونا سا حفظاً مجمل کے جملہ کتب تفسیر وفقہ و صرف و نحو سے ثابت ہوتا ہے اس کے بعد انہوں نے تفسیر عزیزی تفسیر کبیرہ حاشیہ برضاوی۔ ضی شرح شافعی جہد النقل۔ شرح شاطبی تمہیدی علم التوحید اور غایہ مصنفہ امام ابو محمد علی المتوفی ۴۲۷ھ۔ اور فتاویٰ شیعہ جہد النقل کی زیر فرمائے ہیں کہ ضاد کو ظاء پڑھنا لغت اکثر اہل عرب کا ہے اور حاشیہ جہد النقل اور کتب سعادت کے کھوس جولے نقل کئے ہیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں حاصل یہ ہے کہ تمام کتب فقہ و تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ ضاد و ظاء ضاد ہے اور کسی قدر ذال اور ذاء کے بھی لیکن ظاء کے ساتھ بہت مشابہ ہے کیونکہ ضاد اور ظاء میں صرف ایک صفت کا فرق ہے یعنی ضاد مستطیل ہے اور ظاء قصیر ہے اگر استطالات ضاد میں نہ ہوتی تو عین ظاء ہو جاتا جیسا کہ عبارت تمہید وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے بخلاف دال کے کہ ضاد اور دال میں سات صفتوں کا فرق ہے ض رنحوہ ہے دال شدید ض رکنہ ہے دال قلقا۔ ض مطبقہ ہے دال منفقوض مستعلیہ ہے دال مستفسد ض مغضیہ ہے دال رققض مستطیلہ ہے دال قصیرہ ض منفوضہ ہے دال غیر منفوضہ اور ضاد کا مشتبہ الصوت ہونا سا حفظاً کے اتنی کتابوں سے ثابت ہوتا دلو لا غرابۃ المقام لا یتیت بہا وہ یہ ہے رعایہ جہد النقل منبہ جہد۔ جزئیہ۔ شرح جزئیہ۔ و شرح ملا علی القاری۔ نشر۔ منہاج۔ طبعۃ النشر۔ تمہید۔ رسالہ مولانا عبد الرحیم۔ شرح فیض۔ شاطبی۔ تفسیر کبیر۔ آفتاب۔ کشاف۔ برضاوی۔ حاشیہ برضاوی۔ عزیزی۔ حینی۔ فتاویٰ قاضی خاں۔ عالمگیری۔ کبیری۔ برہان۔ تجنیس۔ خلاصۃ الفتاویٰ۔ درختار۔ طحطاوی۔ شامی۔ خزائنہ المفتین۔ خزانہ اکل علیہ۔ فتاویٰ نقشبندیہ۔ برازیہ۔ غنایہ۔ تہذیب۔ خزانہ الروایات۔ رسائل الارکان۔ تہذیب۔ ذخیرہ۔ فتح القدیر۔ غیرہ۔ جامع الروایات۔ مفتاح الصلوٰۃ۔ محاشن العمل۔ البیان الخریل۔ احیاء العلوم۔ کیمیائے سعادت۔ زاد الآخرة۔ شافعی۔ جبار بدوی۔ فیصول کبری۔ فتاویٰ برہنہ۔ رسالہ نجم الدین۔ مختار الفتاویٰ۔ سمرقندی۔ منبہ۔ مجموعہ سلطانی۔ بغیۃ التراد۔ میژان۔ حرف البجاء۔ ذخیرہ کردی اور حجت بات ثابت ہوئی کہ ضاد و ظاء کے ہے تو قاعدہ کلیہ جملہ فقہ کا یہ ہے کہ جن دو حرفوں میں فرق باسانی ممکن ہے اس کے بدل جانے سے نماز فاسد ہوتی ہے اور اگر فرق ان دونوں حرفوں میں مشکل ہے تو اکثر کاندہب یہ کہ نماز نہیں فاسد ہوتی اور یہی مذہب ہے متاخرین کا اور یہ مذہب بہت معتدل اور پندیدہ

ہے اور مذہب متقدمین کا یہ ہے کہ ضاد کو ظاء پڑھنے سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے پس لفظ
ولا الضالین کی جگہ والین پڑھنے سے سب کے نزدیک نماز فاسد ہوتی ہے اور ظاء سے اکثر
کے نزدیک نہیں فاسد ہوتی اور اس پر فتویٰ ہے پہلے چند عبارات فقہی واسطے ثبوت اس قول
کلیہ کے لکھی جاتی ہیں بعد ازاں چند عبارات فقہ سے اور پر ثبوت فساد نماز کے پڑھنے والین
سے لکھا جاوے گا اس کے بعد انہوں نے رد المحتار فتاویٰ قاضی خاں فتح القدیر وغیرہ
عالمگیری اور خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالے دیے ہیں آخر میں لکھتے ہیں کہ حاصل تقدیر مذکور بالا
کا یہ ہے کہ ضاد کا مستقبل الصوت ہونا ساتھ ظاء کے بلا نزاع ثابت ہے اور جس شخص سے
ضاد کا نہ آوے وہ ظاء پڑھے اور اس سے نماز اکثر کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی و ہذا ہو الحق
اور ضاد کو مشابہ وال کے پڑھنے پر کوئی دلیل صرف و تجوید وفقہ و تفسیر سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ
سب علوم اس کی غلطی ہونے پر دال ہیں اور ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا اسی سے ہوتا ہے
کہ وہ اس کے مشابہ ہو اور ظاہر ہے کہ ضاد اور وال سے کچھ مناسبت بھی نہیں ہے نہ مخرج میں نہ
صفات میں بلکہ ضاد اور وال سے سات صفتوں میں اختلاف ہے جیسا کہ اوپر گذرا جب یہ مسئلہ
کتابوں سے ثابت ہوا تو مسلمانوں کو چاہیے کہ بہت جلد اس کے عامل ہو جائیں نہ یہ کہ آپس میں جنگ
و جدل و زد و کوب جو بالاتفاق حرام ہے کریں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب فی الواقع بمذہب مختار جو
ضاد کی جگہ پر اگر ظاء پڑھے گا یا ذال نماز فاسد نہ ہوگی فتاویٰ نزاری میں ہے قال غیر المغضوب بالظاہر
والذالین بالذال او الظاء قیل لا تفسد لعموم البیوی فان العوام لا یعرفون من خارج
الحروف و کشیر من المشائخ افتوا بحد انتہی اور خزائن المفتیین میں خلاصۃ الفتاویٰ سے
منقول ہے ان ذکر حروف امکان حروف وغیر المعنی فان ممکن الفصل کا لفظ مکان الصاد
تفسد صلواتہ وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقة کا لفظ مع الضاد
والطاء مع التاء والصاد مع السین الا کثر علی انہ لا تفسد انتہی مجموعہ فتاویٰ جلد الحی
ج ۱ ص ۲۲۸ تا ۲۴۲ طبع لاہور

عموم بلوی کا جواب یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے تنقید تین حوالہ نقل کر کے لکھا ہے
اولاً تو یہ فقہاء کرام پرمض بہتان ہے کہ انہوں نے علی الاطلاق ضاد کو ظاء پڑھنے کی اجازت دی ہے

سرفراز صاحب نے قرآن کریم میں تحریف ثابت کرنے کے لئے یہ خلاف واقع بات وضع کی ہے
فقہاء کا مقام اس سے بہت بالا ہے کہ وہ تحریف خالص اور کفر صریح کی اجازت دیں و ثانیاً یہ کہ منشا
تو آپ نے مخارج میں عدم تمیز قرار دیا کیا دیوبند کے قرأت خانہ میں ان کے اصاغروا کاہر میں کوئی شخص
ایسا نہیں جو ضاد کو اس کے مخرج سے پڑھ سکے اس بات نے دیوبندیوں کی بے علمی کا راز فاش کر دیا
سرفراز صاحب تنقید ص ۲۲ میں لکھتے ہیں کہ ضاد اور ظاء میں نیز خاص شکل ہے اور یہی ہم کہنا چاہتے
ہیں کہ اہل دیوبند کے عوام تو کیا علماء کو بھی اتنی تمیز و سلیقہ نہیں کہ ضاد کو اپنے مخرج سے ادا کر سکیں پھر
عموم بلوی عوام کے لئے ہوتا ہے کیا دیوبند کے تمام علماء اور قاری حضرات عوام میں داخل ہیں و ثالثاً
فقہاء کرام نے خطا اور سیاقاً ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے والے کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی نماز فاسد
نہ ہوگی نہ عمدتاً ظاء پڑھنے کے متعلق اور نہ ذیبت دیوبند تو ظاء پڑھنے پر مصر ہے اور سرفراز صاحب کو بھی
اس کا اقرار ہے اہل حق ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے میں اور جو عمدتاً ضاد کی جگہ ظاء پڑھے اس کی نماز بہر حال
فاسد ہے خزائن المغنی میں اس کی بحث ہے (محصلاً ص ۶۹ و ص ۷۰) آگے انہوں نے عالمگیری اور
رد المحتار کے حوالہ سے وہ عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ ہم مؤلف مذکور کے قلم سے پہلے نقل کر کے اس کی
حقیقت عرض کر چکے ہیں صفحہ

الجواب مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے یہ خود ان کی جہالت کا رونا و تالہ ہے۔ اول تو اس لئے
کہ ہم نے کب اور کہاں یہ کہا ہے کہ حضرات فقہاء کرام نے علی الاطلاق ضاد کو ظاء پڑھنے کی اجازت دی ہے
یہ مؤلف مذکور کا ہم پر خالص بہتان اور زرافتراہ و سفید جھوٹ ہے ہم نے حضرات فقہاء کرام کی عبارات
کی روشنی میں اس کی تشریح پہلے کر دی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے افسوس ہے کہ مؤلف مذکور کو ضاد
کو ظاء پڑھنے کی تحریف تو بار بار یاد آتی ہے مگر ضاد کو وال پڑھنے کی تحریف کا ذکر بھول کر بھی ان کی زبان او
قلم سے نہیں نکلتا آخر اس کی کیا وجہ ہے اور دوم اس لئے کہ ہم نے تنقید تین مسئلے میں واضح الفاظ میں
یہ لکھا ہے کہ اکثر و بیشتر قراء حضرات اہل حق کے مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ علم تجوید کے اصول و قواعد
کے تحت حرف ضاد کو اس کے اصل مخرج سے نکالتے ہیں جو سننے والوں کو حرف ظاء سے مشابہ معلوم ہوتا
ہے لہذا اس تصریح کے ہوتے ہوئے مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ دیوبند کے قرأت خانہ میں اکابر و اصاغروا میں
کوئی نہیں جو ضاد کو اس کے مخرج سے ادا کرے اور اس سے دیوبند کی علمی کا راز فاش ہو گیا و محصلہ کہ مستند

۲۰۹

ہوگی کیونکہ لا یكلف الله نفساً الا وسعها (ص ۶)
کیا صورت بھی مولف مذکور کے نزدیک خطا و نسیان کی ہے؟ جواب ہوش سے دین حضرات قلم
کرام کے نزدیک عمد کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ضاد کو اپنے اصل مخرج سے نکالنے پر قدرت رکھتا ہے
مگر قصداً اس کو دوسرے حرف کے مخرج سے نکالتا ہے تو اس کی نماز کے بطلان اور فساد بلکہ اس کے
عند البعض کافر ہونے میں کیا شک ہے باقی عالمگیری اور رد المحتار سے نقل کی گئی عبارت کا خود مولف
مذکور ہی کیا ہوا ترجمہ ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے وہ ساری عبارت ہماری مؤید ہے کہ مکرر سابقاً ذکر مخالف
جیسا کہ مولف مذکور نے اپنی کم علمی سے یہ سمجھ لیا ہے غرضیکہ ہمارے نقل کردہ مفصل حوالوں نے مولف
مذکور کی تمام غلط فہمیوں کا پردہ چاک کر دیا ہے۔

رہا دُر زبیر کے کو موج بلا کا اِدھر سے اِدھر کر دیا رخ، ہوا کا
امامت کی تخصیص کا جواب | یہ عنوان قائم کر کے مولف مذکور نے اس کے تحت جوابات اصولی
طور پر کی ہے وہ یہ ہے کہ مقتدی کی نسبت امام کا مسئلہ بیان کرنا زیادہ اہم ہے کیونکہ مقتدی کی نماز
فاسد ہونے سے ایک کی نماز فاسد ہوگی اور امام کی نماز کے فساد سے تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہوگی
علاوہ ازیں امام کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ امام کو عالم اور قاری ہونا چاہیے بخلاف عوام کے کہ اقتدا کے
لئے تجویذ و قرات کا جانا ضروری نہیں اور شاید آپ کو خطرہ پڑ گیا کہ لوگ ضاد کو غلطاً د کے مشابہ
صفت پر پڑھنے والے کی امامت سے برگشتہ ہو جائیں گے اور آپ کو روئیاں نہیں مل سکیں گی لہذا
چند روزہ زندگی کے مقابلہ آخرت کو ترجیح دینا کے خوف کو دل میں جگہ و ضاد کو ضاد ہی پڑھو
چند سہری سکوں کے بدلے قرآن کو زبدہ (محصلہ ص ۳۷ و ص ۳۸)

الجواب یہ مسئلہ کہ امام کی نماز صحیحہ و فساد مقتدیوں کی نماز کو متضمن ہے اور یہ مسئلہ
کہ امام کو عالم اور قاری ہونا چاہیے نزاع اور اختلاف سے بالاتر اور مفروض غنہا مسائل میں سے
ہے خواہ مخواہ عوام کے اذہان کو شوش کرنا ایک غلط راہ و روش اختیار کرنے کے مترادف ہے ہمارا
الترض مولف مذکور کے صدر الافاضل پر جو کاتوں بدستور اب بھی باقی ہے کہ تصحیح حرف کا مسئلہ
فقہی طور پر اور خود صاحب محیط کے حوالہ کے پیش نظر (جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) ہر نمازی کے لئے
ہے امام ہو یا منفرد لہذا امام کی تخصیص بلا وجہ ہے۔ قارئین کرام ان خود فراموشی کے مولف مذکور نے اپنے

۲۰۸
جل اور بلیس اور بے جالعصب ہے اور پھر ائمہ پر یہ بہتان کہ وہ لکھتا ہے کہ اہل حق ضاد کو
جگہ غلطاً پڑھتے ہیں علمی طور پر کسی قدر بددیانتی ہے راقم کی عبارت ابھی اوپر بیان ہوئی ہے اس میں
نکشدہ الفاظ کو بغور پڑھیں اور پھر مولف مذکور کی خیانت کی داد دیں مَسْبَحَانْكَ هَذَا أَبْهَتْ
عَظِيمًا۔ باقی ہم نے جو یہ کہا ہے کہ ضاد اور ظاء وغیرہ الفاظ میں فرق خاصاً مشکل ہے تو اس میں کیا
کا اعتراض ہم پر نہیں بلکہ امام بزاز نے امام قاضی خاں شیخ القراء کی مصنفین عالمگیری اور حضرت
عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی وغیرہ کا پرہیز ہے جو جگہ جگہ فرماتے ہیں کہ ان میں فرق مشکل ہے
بلکہ خود خاتما صاحب بریلوی حرف ضاد پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ حرف ثواب ترین حرف ہے اور اس کی
ادخصوصاً اعم پر کہ ان کی زبان کا حرف نہیں مشکل الی قوالہ خصوصاً ظاء سے اس حرف کا جگہ کرنا تو سخت
مشکل ہے (العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ ج ۳ ص ۱۷) لہذا آپ ہم پر دانت پینے کی سعی
نہ کریں اگرچہ پڑتا ہے تو ان حضرات پر دانت پیسیں پھر دیکھیں هل یذنب کینذا ما یغفل
ازیں اس بات کو بھی ملحوظ رکھیں کہ مسلک دہلوی سے تعلق رکھنے والے حضرات سبھی مستند عالم نہیں ہوتے
اور پھر تمام علماء مستند قاری نہیں ہوتے اور ضاد وغیرہ بعض حروف کو اپنے صحیح مخرج سے ادا کرنا
و مر قاسی کا کام بھی نہیں ہے اس میں قاری کا بھی ہر اسحاق ہونا ضروری ہے کسی مشاق اور ماہر فرقائی
سے دریافت کریں وہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا گھر پورا کر دے گا اس لئے ماہر اور مشاق قراء حضرات
کے علاوہ باقی سب لوگ حرف ضاد کے مخرج کے سلسلہ میں عوام ہی میں داخل ہیں اور عموماً دہلوی کی
فقہی رعایت کے مستحق ہیں ہاں کوشش وہ ضرور کرتے ہیں کہ ہر حرف اپنے اصل مخرج سے ادا ہوتا رہے
اس میں کوتاہی نہ کریں جیسا کہ باحوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اور سوم اس لئے حضرات فقہاء کرام نے
حرف خطا و نسیان کا مسئلہ ہی نہیں بیان فرمایا بلکہ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اسے اپنے مخرج سے
نکالنے کی کوشش کرتا ہے مگر مشکل ہونے کی وجہ سے وہ اس کے صحیح مخرج سے نہیں نکال سکتا تو اس کی نماز
جائز ہے فصولۃ بجاۃ کے الفاظ محیط میں کے حوالہ سے پہلے نقل کئے جا چکے ہیں ہاں اسے تصحیح کی کوشش
مترک نہیں کرنی چاہیئے اور خود مولف مذکور کے یہ الفاظ باحوالہ پہلے نقل کئے جا چکے ہیں کہ قاری انتہائی
کوشش اور رعایت اجتہاد سے اپنے خیال میں لفظ کو اس کے مخرج سے ادا کرتا ہے لیکن ادائیگی دوسرے
لفظ کے مخرج یا اس کے مشابہ کی صورت میں ہوتی ہے پس اس صورت میں عموماً دہلوی کی وجہ سے نماز فاسد

بھاگ نکلنے کے لئے کس طرح چور و زانیہ نکال دیا ہے وہ یوں کہہ رہے ہیں بخلاف عوام کے کہ انھوں نے
 کے لئے تجوید و قرات کا جاننا ضروری نہیں الخ ہم نے امام اور منفرد کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔
 (ملاحظہ ہو تنقید متین ص ۵۴ و ۵۵) منقذی کی بات ہم نے نہیں کی کیونکہ قرات اس کا کام ہے ہی
 نہیں مگر منفرد کا کام تو ہے اور حشری الوسیع تصحیح حروف امام کی طرح منفرد پر بھی لازم ہے مگر افسوس کہ
 مؤلف مذکور اس بات کو شیر مادر سمجھ کر پی گئے ہیں الحمد للہ تعالیٰ راقم ایم کو جن اکابر علماء سے شرف تلمذ
 حاصل ہے ان کے علمی کمال اور روحانی و اخلاقی کردار سے راقم ایم کو خوف خدا بھی حاصل ہے اور
 آخرت کی بھی بہت ہی زیادہ فکر ہے اور اسی چیز نے راقم ایم کو شرک و بدعت اور غلط مسائل کی تردید
 پر مجبور کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس میں باحسن وجہ کامیابی حاصل ہوئی ہے اور
 الحمد للہ تعالیٰ راقم الحروف کی باحوالہ دلائل اور ٹھوس علمی کتابوں نے مخالفین کے بوش و حواس باختہ کر دیے
 ہیں کہ بیچاروں کے لئے زبانیے ماندن نہ پائے رفتن کا محاورہ بالکل فٹ ہے مؤلف مذکور کے علماء
 کے لئے عرض ہے کہ راقم ایم تقریباً بیست سال سے امامت مفت کرتا ہے مشاہدہ جتنا کچھ ملتا ہے
 وہ صرف خطابت اور تدریس کا ملتا ہے اس لئے راقم کو تو امامت کا سرے سے خطرہ ہی نہیں ہے مگر
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور بیع اپنے ٹولہ کے فن تجوید کے اس مسئلہ کے اُجاگر ہونے کے بعد کراہت
 چار صفات میں سامعین کے نزدیک طاء کے مشاہدہ اپنی امامت کے سلسلہ میں خاصے غلگین و
 متفکر ہیں کہ عوام الناس کے سامنے حقیقت حال سامنے آنے کے بعد کہیں امامت ہاتھ سے نہ
 نکل جائے اور جمعرات کی روٹیاں ہی بد مزہ نہ ہو جائیں باقی ہمارے بارے میں مؤلف مذکور کو ہرگز
 و گلیہ نہیں ہونا چاہئے ہماری طرف سے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ
 ارادے جن کے بچہ ہوں نظر جنکی خدا پر ہو تلاطم خیز منظر سے وہ گھبرا یا نہیں کرتے

باب دوم

مرجہ ایصال ثواب

تنقید متین میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے دُستِ

دُستِ قشہم ینفقون کی تفسیر میں لکھا ہے کہ سلسلہ گیارہویں - قاتحہ - تیجہ - اور چالیسواں بھی اس میں

داخل ہیں اس پر علمی انداز میں جو گرفت ہم نے کی ہے وہ اصل کتاب میں ہی ملاحظہ فرمائیں مؤلف مذکور

نے ہماری گرفت پر سیخ پا ہو کر ہمارے مضبوط صیرج اور ٹھوس حوالوں سے گھیر کر اولاً جواب ہو کر

جو کچھ لکھا ہے اس میں اہم باتیں یہ ہیں -

مولوی سرفراز صاحب نے صدر الافاضل کی تفسیر کا ابتدائی حصہ جس میں مطلق انفاق خواہ قرض و

واجب ہو جیسے زکوٰۃ و نذر اور اپنے اہل کا نفقہ خواہ مستحب جیسے صدقات نافلہ اموات کا ایصال ثواب

نہ نہیں کیا صیہونی چابکدستی سے اس عبارت میں قطع و برید کی ہے اور پہلی عبارت مقرر فی لکھڑ

کی نذر ہو گئی ہے اور اس مذکور عبارت سے سرفراز صاحب کا مدعا یہ ہے کہ عوام کو سمجھایا جاسکے کہ اہل

سنت کے نزدیک مہارز قشہم ینفقون کی تفسیر سلسلہ گیارہویں اور اس کے لواحقات کے سوا کچھ

نہیں (محصلا ص ۵۷)

الجواب ابتدائی حصہ ہم نے اس لئے نقل اور ذکر نہیں کیا کہ یہ امور تو ینفقون کی مدین

شامل ہیں اور حضرات صحابہ کرام سے لے کر تا ہنوز حضرات مفسرین کرام درجہ بدرجہ ان کو اس کی تفسیر

ہیں بیان اور نقل کرتے چلے آئے ہیں لہذا اس میں تو نزاع ہی نہیں ہماری گرفت تو اس پر تھی اور وہ ناہن

بستور باقی ہیں کہ گیارہویں - تیجہ - اور چالیسواں کس صحابی یا تابعی اور کس مفسر اور محدث و فقیہ

نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے؟ مؤلف مذکور کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ادھر

اور ادھر کی بالکل غیر متعلق باتیں لکھتے بغیر حضرات سلف صالحین اور مستند مفسرین عظام رحمہ

صراحت کے ساتھ دو چار حوالے نقل کر دیتے کہ کو فلاں فلاں تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ گیارہویں اور
تیسرا اور چالیسواں اس آیت کی تفسیر میں بیان ہوئے ہیں ناظرین کرم بھی دیکھ لیتے اور ہمیں بھی
یقین ہو جائے تاکہ واقعی یہ امور بھی اس کی تفسیر میں منقول ہیں اور جب مؤلف مذکور ایسا نہیں
کر سکے اور انشاء اللہ تعالیٰ بمع اپنی بدعت پسند پارٹی کے تاقیامت نہیں کر سکیں گے تو پھر ہم ایک
صحیح العقیدہ مسلمان کے لئے غور طلب بات ہے کہ یہ بدعات و خرافات شیخون کی تفسیر میں کیسے اہل
ہو سکتی ہیں ہر ائمہ نے جس ایمانی جہارت اور علمی اور تحقیقی منقرض سے جس اختراعی تفسیر کو کاش
کر پھینک دیا ہے بفضلہ تعالیٰ اس کو مؤلف مذکور فرہم نہیں کر سکے اور بدعات و خرافات کا سنت کے
ساتھ پیوند لگانا ہے بھی بے حد ہی مشکل اور یہ مؤلف مذکور کے بس کا روگ بھی نہیں ہے جو صبیہوں
کو اپنی جہالت کی وجہ سے صبیہوں لکھتے ہیں یاد رہے یہ کہ لفظ بزورن فردوس ہے قاموس جہم
ص ۲۵۴ میں ہے صبیہون کبر فزون اور اس کا حوالہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے اور محض دل کی
نکالنے کے لئے لفظ خان سے گھبرا کر کبھی اسے اسرائیلی قرار دیتے ہیں اور کبھی صبیہون سے تعبیر کرتے ہیں۔
مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری قوم اور برادری کا تعلق قطعاً اسرائیل سے نہیں نہ جسمانی طور
پر اور نہ روحانی طریقہ سے ہاں ممکن ہے کہ قد باری پچھانوں کا جن کے ایک فرد آپ کے خاندان صاحب
بریلوی بھی ہیں کوئی تعلق ہو تو ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہے اگر اسرائیل اور صبیہون سے کوئی تعلق ہے
تو انہی کا ہوگا ترجمہ میں تحریف اور دیدہ و استودین کا حلیہ بگاڑ کر مغضوب علیہم کے ساتھ کئی گنا ان کی
مشابہت بھی ہے لہذا وہ نبر اول کے اسرائیلی اور صبیہونی ہیں

اسی کو کب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن زوال آدم خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا
ہم نے یہ نہیں کہا اور نہ ہمارا یہ موقف ہے کہ شیخون کی تفسیر کا گیارہویں اور اس کے لواحقات کے سوا
کسی اور چیز سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ہمارا موقف تو بالکل واضح ہے کہ زکوۃ انفاق علی الابل اور
جائز قسم کے صدقات کا تو اس سے تعلق ہے ہی ہاں مگر کیا صبیہوں تیسرا اور چالیسواں وغیرہ کا اس سے قطعاً
کوئی تعلق نہیں ہے اگر کوئی تعلق ہو تو تفاسیر میں باوجود ان کے محرکات اسباب اور دواعی کے موجود
ہونے کے ضرور ذکر ہوتا مگر ایسا ہم نے نہیں ہے یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ امور خالص بدعات
ہیں اور اس انداز سے ان کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے

باد صر میں شمیم راحت افزا آگئی

تقرب بغیر اللہ کی بحث

جہاد وغیرہ سے خوف ورجا اور امید و بیم کے نظریہ سے گیارہویں دیتے ہیں اور اس کے لئے انہوں
نیرافسانہ بھی تراشا ہے کہ حضرت پیر صاحب نے بارہ سال کا غرق شہدیت اور اسے نکال پار کیا تھا یہی
تقرب بغیر اللہ ہے جو حرام و شرک ہے (محصلاً) اس پر گرفت کرتے ہوئے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ
ہم مولوی سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی تحریر ہی یا تقریر ہی شہادت موجود ہے
کہ جہاد کا یہ عقیدہ ہے اگر نہیں تو خلاف واقع ایک عقیدہ وضع کر کے کیوں جہاد کی طرف منسوب کیا
اور خلاف نصوص شرعیہ سادہ عوام کے حق میں کیوں بدگمانی کی یا پھر خود کو عظیم بذات الصدور سمجھتے ہیں
اور یہ دعویٰ فاسدہ رکھتے ہیں کہ آپ لوگوں کے دلوں میں جھانک کر ان کے عقائد معلوم کر لیتے ہیں پھر
ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مطلقاً کسی کو نفع و ضرر پہنچانے کا عقیدہ رکھنا تقرب اور شرک ہے تو پھر زہر
ضرر اور تریاق میں نفع سمجھنا اور آپ کا اصرار دیوبند سے تقرب حاصل کرنا یہ سب شرک ہے
اور اگر علی وجہ العبادت نافع اور ضار اعتقاد کرنا اور تقرب علی وجہ العبادۃ شرک ہو تو آپ کا مذہب
باطل ہو گیا۔ و مختار ص ۲۳ میں ہے ہم کسی مسلمان کے حق میں ہرگز یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس فعل
ذبیح کے ذریعہ کسی آدمی کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ اور اس کے تحت علامہ شامی (رد المحتار ج ۵ ص ۲۳۳
میں) لکھتے ہیں یعنی شراح کی مراد تقرب سے تقرب علی وجہ العبادت ہے اس لئے کہ تقرب علی وجہ العبادت
ہی موجب شرک ہے اور ایسا تقرب مسلمان کے حال سے بعید ہے۔ دیدہ و عبرت کے لئے یہ سند کافی ہے
کہ شرک کا مدار کسی کو معبود سمجھنے پر ہے آپ اگر واقعی مسلمانوں کو شرک بنانے پر تلے ہوئے ہیں تو ثابت کیجئے
کہ جہاد پر ہے پیر کو معبود سمجھ کر پوجتے ہیں و دوزخ خط افتاد آئے ہم آپ کو بتائیں کہ مرنیہ گنگوہی ص ۱۸
میں مولوی محمود الحسن صاحب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی پر مرنیہ خوانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں
تباری ثریٰ نور کو دیکر کہ طور سے تشبیہ کہوں ہوں بار بار ارباب فیہری کی بھی نادانی
طور پر کس ذات نے تجلی فرمائی تھی اور مولیٰ علیہ السلام نے کس ذات کے دیکھنے کے لئے بار بار ارباب فیہری
اور مولوی محمود الحسن صاحب کس کی قبر کو طور اور کس کے دیکھنے کو ارانی کہہ رہے ہیں۔ اور آپ کی طرح
یوں ہی بے سند بات نہیں ہے بلکہ پاکستان اور بھارت کے دیوبندی پریسوں کے مطبوعہ مرنیہ میں شیخ

الجواب مؤلف مذکور کی جہلاء کے عقیدہ سے کیا مراد ہے؟ اگر مراد یہ ہے کہ بارہ سال کے بڑے کا غرق ہونا اور پھر دوبارہ ان کے زندہ کرنے کا واقعہ ہی سرے سے جعلی ہے اور یہ جہلاء کے ذمہ الزام ہے تو گذارش یہ ہے کہ ہم نے تنقید متین ص ۱۱ کے حاشیہ میں ان کے مفتی اعظم پاکستان مفتی احمد یار خان صاحب کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے کہ اس دو لہائی قبر گجرات میں ہے اور اس کا نام کبیر الدین ہے اور وہ شاہ دو لہ کے نام سے مشہور ہے اور وہ غوث پاک کے خلیفہ ہیں رقم الثیم نے یہ لکھا تھا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی وفات ۱۱۰۱ھ میں ہوئی ہے اور حضرت شادولہ کی وفات ۱۱۰۱ھ میں ہوئی ہے درمیان میں اتنا طویل زمانہ ہے پھر وہ ان کے خلیفہ کیسے بن گئے؟ اور خود مؤلف مذکور نے ص ۱۱ میں اہل اہل کو حضرت پیر صاحب کی مشہور کرامت کہا ہے اور مفتی احمد یار خان صاحب کی ایک گونہ وکالت کی ہے تو آپ اپنے مفتی اعظم کی تحریر سے اور اپنے اقرار سے بڑھ کر تحریر اور ثبوت اور کیا مانگتے ہیں؟ اور اگر مراد یہ ہے کہ گیارہویں دینے والے حضرت پیر صاحب سے اُمید و ہم نہیں رکھتے اور یہ ان پر الزام ہے اور اس کے لئے کوئی ثبوت نہیں تو معاف رکھنا رقم الحروف نے گوش خود بعض علاقوں میں جہلاء کے یہ مشرکانه نظریات ان کی زبانی خود مٹے ہیں ہم نہ تو کسی کے خلاف بدگمانی کرتے ہیں اور نہ معاذ اللہ تعالیٰ ہمیں بدات الصدور ہونے کا دعویٰ ہے ہم تو لوگوں کی زبانوں سے سنی ہوئی باتوں کے پیش نظر یہ لکھتے اور کہتے ہیں اور بخوبی یہ جانتے ہیں کہ ان بعض الظلّ انہم آپ چونکہ نو عمر ہیں اور پھر ہو سکتا ہے کہ مختلف علاقوں میں آپ کو آنے جانے کا اتفاق بھی نہ ہوا ہو اور عوام و جہلاء سے اتنا اور ایسا سابقہ نہیں نہ پڑا ہو جیسا ہمیں پڑا ہے یا آپ تحرت اور تعصب کے پیش نظر مصلحت ان کے اس بدافراط عقیدہ کا اقرار کرنا مناسب نہ سمجھتے ہوں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے اور آپ عوام الناس کا بلا وجہ نفاق حاصل کرنے کے لئے ان کا دامن پاک کر رہے ہیں اور مورد الزام ہمیں گردانتے ہیں جو حقیقت کے منہ اس خلاف ہے علاوہ انہیں اکثر گیارہویں کے مواقع پر لوگ بیا ننگ و دل پر پڑھا کرتے ہیں امداد کن امداد کن الہ اگر حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے اُمید ورجاء نہیں تو امداد کیوں مانگتے ہیں؟ اور شیخ اللہ کے ولیفیکہ کیوں پڑھتے ہیں؟

عوام تو پھر عوام ہیں آپ کے اعلیٰ حضرت تو خیر سے فاضل بریل میں انہوں نے غیر اللہ سے مدد

مانگنے کا ایسا پھانک اچھا کیا ہے جس سے گندے بغیر کوئی بریلوی بریلوی نہیں ہو سکتا اور نہ ان کا صحیح معنوں میں عقیدہ مند ہو سکتا ہے۔

انہیں کی اپنی بولی اور زبان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

۱۔ بیٹھے اٹھتے مدد کے واسطے۔ یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا (مدائق بخشش حصہ دوم ص ۵)

یا خدا ہر جناب مصطفیٰ امداد کن۔ یا رسول اللہ از بہر خدا امداد کن (ایضاً ص ۲)

اے بدست تو غمان کن مکن کن لانکن۔ وے بھکت عرش و ماتحت انتری امداد کن (ایضاً ص ۳)

احد سے احد اور احمد سے تجھ کو۔ کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث (ایضاً ص ۴)

اقتدار کن مکن حق مصطفیٰ را دادہ است۔ زیر تخت مصطفیٰ بر کرسی دیوان توئی (ایضاً ص ۵)

پیر بریل میر بریل یا شر جیلان توئی۔ انس جان قدیاں وغوث انس جان توئی (۲ ص ۵)

خدا سے پس لڑائی وہ ہے معطی۔ نبی قاسم ہے تو موصول ہے یا غوث (۲ ص ۵)

ولی کیا مرسل آئیں خود حضور آئیں۔ وہ تیری وعظ کی محفل ہے یا غوث

جسے مانگے نہ پائیں جہاں والے۔ وہ بے مانگے تجھے حاصل ہے یا غوث (۲ ص ۵)

تیری چڑیاں ہیں تیرا دانہ پانی۔ ترا میل تری محفل ہے یا غوث (۲ ص ۵)

تیری شیر خوار حرج کشا خیر کشا۔ سرور الشکر کشا مشکل کشا امداد کن (۲ ص ۵)

یا شہید کر بلا یا بواقع کرب بلا۔ گل رخا شہزادہ گلگوں قبا امداد کن (۲ ص ۵)

اے حسین اے مصطفیٰ لاراحت جان نو عین۔ راحت جان نو عین وہ بیا امداد کن (۲ ص ۵)

محتاج و گدایم و توفیق و التاج کریم۔ شیخ عبدالقادر (۲ ص ۵)

ذی تھری بھی ہے مازون بھی ہے مختار بھی ہے۔ کلام کا مدبر بھی ہے عبدالقادر (۲ ص ۵)

یا رسول اللہ دھانی آپ کی گوشمال اہل بدعت کیجئے

غوث اعظم آپ سے فریاد ہے زندہ پھر یہ پاک ملت کیجئے

یا خدا تجھ تک ہے سب کا منتہی اولیاء کو حکم نصرت کیجئے

میرے آقا حضرت اچھے میاں ہو رضا اچھا وہ صورت کیجئے (۲ ص ۵)

مؤلف مذکور عوام اور جہلاء کی بات چھوڑیں اپنے اعلیٰ حضرت کے شر پائے ملاحظہ فرمائیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے لے کر اپنے حضرت اچھے میاں تک سب سے کھلے نقطوں میں امداد مانگتے ہیں اور یہ تصریح کرتے ہیں کہ انس و جان کا کیا کہنا چڑیاں اور دانہ اور پانی بھی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا ہے اور تمام جہان کے وہ مدبر ہیں تو پھر عوام ان کے بے ہودہ مانگیں اور آپ کے اعلیٰ حضرت ہی کہتے ہیں اے مسلمان اے مٹی بھائی اے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان ارفع کے فدائی آفتاب و ماہتاب پر ان کا کلمہ جاری ہونا کیا بات ہے آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک ان کے نائب اُن کے وارث ان کے فرزندان کے ولید غوث انقلین غیث الکونین حضور نور سیدنا مولانا امام ابو محمد شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سلام عرض نہ کرے الخد الامن والاعلیٰ (۱۲) مشرکین مکہ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ سورج اور چاند پر کلمہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا جاری ہے وَكُنْ سَائِلُهُمْ مِّنْ حَاقِّ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَسَعْبَرِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَيَقُوُنَّ اللّٰهُ رَبُّ الْعَنكَبُوتِ (۲) مگر غافل صاحب یہ کہتے ہیں آفتاب و ماہتاب پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلمہ جاری ہے اور وہ سیدنا شیخ عبدالقادر پر سلام کے بغیر طلوع نہیں کرتا سوال یہ ہے کہ جب حضرت شیخ صاحب پیدای نہیں ہوئے تھے تو اس وقت سورج بیچارہ کیا کرتا تھا یا درجہ بے کس تھا جس کا ثبوت نص سے ہے اور در شمس جس کا ثبوت حدیث سے ہے (علی اختلاف فیہ) یہ مجرہ ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے کما ترینی کا فعل نہیں ہوتا۔ رہا نفع و ضرر پہنچنے اور پہنچانے کا قصہ تو ہم نے اپنی کتابوں مثلاً دل کا سرور وغیرہ میں اور خود اسی کتاب میں تصریح کر دی ہے کہ عالم اسباب اور ماتحت الاسباب اگر کسی چیز سے کسی کو نفع یا ضرر پہنچے تو یہ شرک نہیں ہے کیونکہ یہ عالم اسباب کی چیزیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان میں نفع و ضرر کا اثر رکھا ہے لہذا ہر ذریعہ کا ذکر کر کے عوام الناس کو الجھاؤ میں ڈالنا اور انھوں کو جواب کو یہ باور کرنا کہ ہم جواب دے رہے ہیں بے سود اور ہے ہاں مافوق الاسباب طریقہ سے کسی چیز میں نفع و ضرر سمجھنا اور عالم اسباب سے بالاتر ہو کر کسی سے امید و بیم کا نظریہ اور اعتقاد رکھنا یہ خالص شرک ہے لاشک فیہ اور اور بعض جہلدار اسی باطل نظریہ سے گیارہویں دیتے ہیں تو اس کے شرک ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور اسی طرح علمی اور تحقیقی مسائل میں علماء دیوبند و جن کو آپ اپنے دل ماؤف کی بھڑاس نکالنے کے لئے اصنام دیوبند سے تعبیر کرتے ہیں اکی طرف رجوع کر کے استفادہ کرنا عالم اسباب اور ماتحت الاسباب اور میں سے ہے اس کا شرک سے کیا واسطہ ہے؟ کیونکہ یہ تبیس ربط لوگوں سے ہر قسم کی ہے۔

مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ اگر علی وجہ العبادت نافع و ضار اعتقاد کرنا اور تقرب علی وجہ العبادت شرک ہو تو آپ کا مضمون باطل ہو گیا اور اس پر انہوں نے درختنا اور شامی کے حوالے دینے ہیں نہ معلوم یہ کس خیال پر مبنی ہے ایسا لگتا ہے کہ مؤلف مذکور حضرت فقہاء کرام کی عبارات سے بالکل ناواقف ہیں اور جو جہل مرکب کا شکار ہیں۔ اولاً اس لئے کہ ہم نے تنقید متین ص ۱۶۱ میں درختنا ص ۳۹۹ کا یہ حوالہ دیا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی امیر اور اسی کی مانند کسی بڑے آدمی کی آمد پر جانور ذبح کیا تو وہ جانور حرام ہو گا کیونکہ وہ مَا أَجِئَ بِغَيْرِ اللَّهِ کی مد میں ہے اگرچہ بوقت ذبح اس پر اس نے بسم اللہ بھی پڑھی ہو اور اکیلل جہا ص ۱۵ وغیرہ کے حوالہ سے ہم نے ص ۱۶۱ میں نقل کیا ہے کہ تقرب بغیر اللہ کی نیت سے ذبح کرنے والا مسلمان مرتد ہو جاتا ہے اور اس کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہوتا ہے ان عبارات میں ذبیحہ کے حرام ہونے اور اس شخص کے مرتد ہونے کی وجہ عبادت تو نہیں بلکہ تقرب اور تعظیم ہے پھر کیونکہ شرک کو عبادت ہی کے پہلو میں منحصر سمجھا جائے؟

دو تائیہم نے تنقید متین ص ۱۶۱ میں البحر الرائق ج ۲ ص ۲۹۵ اور شامی ج ۳ ص ۱۶۱ کے حوالے سے مفصل عبارات لکھی ہیں کہ اولیاء کرام کے تقرب کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے وہ باطل و حرام ہے ایک تو اس لئے کہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کے لئے عبادت جائز نہیں اور دوسرے اس لئے کہ جس کے لئے نذر مانی گئی ہے وہ نیت ہے اور نذر کی چیز وہ اپنی ملک میں نہیں لے سکتی اور دوسرے اس لئے کہ نذر ماننے والے کا یہ گمان ہونا ہے کہ نیت اللہ تعالیٰ کے ورے معاملات میں تصرف کرتی ہے سو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر صرف غیر اللہ کی عبادت ہی کفر و شرک ہے تو حضرات فقہاء کرام اور علی الخصوص علامہ شامی کو یہ میسر ہی وجہ و مضہاظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ فلعقلہ بذلك کفر، الگ بیان کرنے کی کیا مصیبت اور ضرورت تھی جب کہ پہل وجہ میں عبادت کا صراحت سے ذکر آچکا ہے اور عجیب بات ہے کہ نذر ماننے والے نے تو صرف غیر اللہ کے لئے نذر ہی مانی ہے نہ تو لفظ عبادت کہا ہے اور نہ اُس نے اس کو عبادت سمجھا ہے مگر حضرات فقہاء کرام نذر کو عبادت ہی سے تعبیر کرتے ہیں تو لفظ مذکور کی یہ انتہائی کم علمی اور خام عقلی ہے کہ وہ شرک کو صرف دو چیزوں میں منحصر سمجھتے ہیں حالانکہ دنیا میں شرک کی بے شمار اقسام ہیں اور پہلے بھی ہم اس پر بقدر ضرورت بحث

کر چکے ہیں اور مولف مذکور کے معلومات کے لئے ایک دو حوالے اور عرض کرتے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب جادو کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

جادو کی قسم خالص کفر اور محض شرک ہے کیونکہ اس جادو کی شرطوں میں جو بندہ یہ ہیں پہلی شرط یہ لکھی ہے کہ ارواح کو دلوں پر مطلع جانتے ہیں اور ان کے عجز اور جہل کا ہرگز گمان نہیں کرتے ورنہ وہ ارواح ان کی درخواستیں قبول نہیں کرتیں اور نہ مطلب تک پہنچاتی ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ارواح کو دلوں پر مطلع سمجھنا اور ان کی مطلب براری پر قدرت تسلیم کرنا خالص کفر اور محض شرک ہے۔ نیز حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

یعنی اس سحر کو جابل میں دو فرشتوں پر نازل ہوا تھا جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا اور یہ جادو کی پہلی قسم ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے اور یہ صریح کفر اور محض شرک ہے کیونکہ اس میں رزمِ ان کے ان ارواح کو جو جہان کے مدبر ہیں خدا تعالیٰ کی مانند سمجھتا ہے اور ان کی طرف ایسے افعال کی نسبت کرتی ہے جو صرف اللہ تعالیٰ سے مختص ہیں مثلاً حمد و ثناء اور عمومِ علم اور قدرت اور علیہ اعتقاد آوردن است الخ

(تفسیر عزیزی بقرہ ص ۳۷۲)

اس عبارت میں ارواح کی ایسی حمد و ثناء جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور ان کیلئے عمومِ علم اور قدرت اور علیہ اعتقاد کرنا اور ان کی ایسی تعظیم کرنا وغیرہ خالص کفر اور محض شرک ہے اور حضرت شاہ صاحب ہی تصریح فرماتے ہیں کہ جن و شیاطین و نفوس مغارقہ آدم الخ (تفسیر عزیزی ص ۳۷۲ بقرہ) سب ان خیال میں علاوہ انہیں یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ اگرچہ غیر اللہ کی ایسی تعظیم اور تقرب کرنے والا اس

۱۔ روای کو نیز غیور عبادت نہ تھی تصور کرے اور نہ اپنے کو عابد اور جس کی تعظیم کر رہا ہے اس کو معبود خیال کرے لیکن شرعاً ایسی تعظیم پر جس کی یہ کہ روای عبادت ہی تصور ہوگی گو عبادت اسی میں بند نہیں ہے جیسا کہ ابھی انشاء اللہ العزیز نے مذکور مسئلہ آرہا ہے۔ غرضیکہ اگر یہ تیسری وجہ پہلی کی طرح عبادت ہی میں منحصر ہے تو اس کو جدایا بیان کرنے کی کیا حاجت ہے؟ اور یہ الگ وجہ کیسے قرار پائی؟ اس سے ثابت ہوا کہ صاحب درختار اور علامہ شامی کے نزدیک کفر و شرک صرف عبادت ہی میں منحصر نہیں ہے اور نہ عبادت لفظ عبادت میں بند ہے جیسا کہ مولف مذکور نے اپنی جہالت کی وجہ سے یہ تصور کر رکھا ہے بلکہ مذہب بھی عبادت ہے۔ وثلاً انا امام نووی اور شاہ عبدالعزیز صاحب نقل کرتے ہیں کہ فان قصد مع ذالک تعظیم المذبح و سواہ اس نے اس کے ساتھ مذبح و غیر اللہ کی تعظیم اور اس کی عبادت کا قصد کیا تو یہ کفر ہوگا اگر ذبح کرنے والا اس سے قبل مسلمان تھا تو ذبح کے ساتھ بالذبح مردہ اور شرعاً مسلم جہلاً و غاوی مرتد ہو گیا۔

(عزیزی ص ۱۷۱)

اس میں وجہ کفر غیر اللہ کی تعظیم اور عبادت دو چیزیں ہیں بیان کی گئی ہیں اور او عطف سے بیان ہوئی ہیں جو نہایت کے لئے ہے یہ نہیں جیسا کہ مولف مذکور نے سمجھا ہے کہ مگر کفر و شرک کسی کو معبود سمجھ کر ہی ہے اگر ایسا ہوتا تو اس کی تعبیر یوں ہوتی تعظیم المذبح و غیر اللہ علی وجہ العبادۃ بالاہل العبادۃ اس سے صراحت یہ ثابت ہوا کہ تقرب غیر اللہ اور تعظیم غیر اللہ کے ارادہ سے بھی جانور ذبح کرنا حرام اور کرنے والا مشرک ہے اور یہی حکم ہے تمام مالکولات و مشروبات و ملبوسات کا جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالہ سے تنقید میں نقل کیا گیا ہے وراقعاً صاحب درختار کے قول پر انحر کے آگے یہ عبارت بھی مؤلف مذکور کو ملحوظ رکھنی چاہیئے۔

و نحوہ فی ہرج البوہبانیۃ عن الذخیرۃ و نظم ذہالہ و قاعدہ جمہ و دم خال کافر و فضل و اعلیٰ یس یکفر۔ ہذا فی مطالب المؤمنین و الرشاکہ و النظائر۔ اور اسی طرح شرع و ہبانیہ میں وغیرہ سے نقل کیا ہے اور اس کو منظوم کرتے ہوئے کہہ دے کہ ایس کا روای کرنے والا جہود کے نزدیک کافر ہے اور امام فضلی اور اسمعیل فرماتے ہیں کہ وہ کافر نہیں اسی طرح مطالب المؤمنین

در مختار ج ۳ ص ۵۳۷ نوکشتور و فتاویٰ عزیزی ج ۱ و الف لیلہ) اور الاشباہ والنظائر میں ہے

یعنی امام الفضل اور امام السبیل الزاہدی کے علاوہ جمہور فقہاء کرام، اس شخص کی تکفیر ہی کرتے ہیں۔ جو کسی بڑے شخص کی آمد پر تعظیم و تقرب کے طور پر جانور ذبح کرتا ہے لیکن امام فضل اور اسمعیل فرماتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شاید فاجر نے جانور تقرب و تعظیم کے طور پر ذبح کیا ہو بلکہ اکرام ضیف کے طور پر یا اس کی آمد کی خوشی پر راستبشاراً تقدوم کیا تو لا الرافعی راجع نووی ج ۲ ص ۱۱۱ و فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۲) ذبح کیا ہو کیونکہ مسلمان کے فعل کو کسی اچھے عمل پر ہی عمل کرنا چاہیے لیکن نزاع تو اس میں ہے کہ جو شخص غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم ہی کا قصد کرے تو اس کا کیا حکم ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وکلاء اہل غیر اللہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

دکذالو ذبح شاة علی النصب من الانصاب اعلیٰ قبور من القبور و قصد به التقرب الی صاحب القبر و صاحب النصب و ذکر اسم الله علیہا لاتحل بهذا النص الصریح و صد اکل ذالک علی قصد التقرب الی غیر الله اذ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۳)

اسی طرح اگر کسی نے بتوں میں سے کسی بت پر یا قبروں میں سے کسی قبر پر بکری ذبح کی اور اس سے اسی صاحب قبر و جس کے نام کا بت ہے اس کا تقد کیا اور بسم اللہ بھی اس نے اُس پر پڑھی تو اس نص صریح کی وجہ سے وہ حلال نہیں اور اس سب کا دوا کی مدار تقرب الی غیر اللہ کے قصد پر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں ایسے بد بخت بھی ہیں جو صاحب قبر اور صاحب بت کے تقرب کا قصد اور نیت بھی کرتے ہیں اور ایسے ہی مشرک کے بارے ہماری گفتگو ہو رہی ہے اور تقرب اور تعظیم کا یہی پہلو بعض اوقات عبادت کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور علامہ شامی کی عبارت میں علی وجہ العبادت اسی تقرب کو مشرک کہا گیا ہے کیونکہ تقرب کی بعض صورتیں مثلاً تقرب لاکرام الضیف والانتفاع بالعلوم وغیرہ ایسی بھی ہیں جو مشرک کی مد میں نہیں ہیں جن کا ذکر عنقریب آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

علاوہ ازیں مؤلف نے علامہ شامی کی پوری عبارت نقل نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے ان کے دجل کی قلعی کھل جاتی ہے علامہ شامی کی پوری عبارت یہ ہے۔

قوله انه بتقرب الی الله حی ای علی وجه العبادۃ ان کا یہ قول کہ وہ اس طریق سے آدمی کا تقرب کرنا ہوگا

وانه المكفر لکن لما كان فی ذالک تعظیم له لم تکن التسمیة مجردة لله تعلق حکماً کہا لو قال بسم الله و اسم فلان حرمت ولا ملازمة بین المحرمة والكفر كما قد مضى من المقدسی فانهم انتہی (شامی ج ۵ ص ۲۲ طبع مصر)

یعنی عبادت کے طور پر کیونکہ یہی موجب کفر ہے لیکن جب اس میں غیر اللہ کی تعظیم ہے تو حکماً بسم اللہ پڑھنا اللہ تعالیٰ کے لئے خاص نہ ہوگا جیسا کہ کوئی ذبح کرتے وقت کہے اللہ تعالیٰ کے نام سے اور فلاں کے نام سے تو یہ حرام ہے اور حرام ہونے اور کفر میں کوئی تلامز نہیں ہے جیسا کہ ہم نے امام مقدسی سے پہلے نقل کیا ہے اس کو خوب سمجھو۔

یعنی یہ ضروری نہیں کہ جو چیز حرام ہو وہ کفر بھی ہو، ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کفر نہ ہو لیکن حرام ہو گیا امام فضل اور امام زاہدی کا جمہور فقہاء کرام سے اختلاف کفر اور عدم کفر کا ہے اس کے حرام ہونے میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ آپ اگر واقعی مسلمانوں کو مشرک بنانے پر تلے ہوئے ہیں تو پھر یہ ثابت کیجئے کہ جب لہ بڑے پیر کو معبود سمجھ کر پوجتے ہیں و بدو نہ خطا افتادہ و خصوص قطع سے بے خبری کا نتیجہ ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ كَانُوا يُوعَدُونَ إِلَىٰ أَزْيَرِهِمْ لِيَجَادُوهُمْ وَكَانُوا يُغَوَّيُونَ أَنَّهُمْ مُّشْرِكُونَ ۚ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ۚ (الانعام ۱۲۰)

اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑیں اور اگر تم ان کا کہا مانو تو اس وقت تم مشرک ہو۔

ترجمہ ہم نے آپ کے اعلیٰ حضرت کا نقل کیا ہے اس کی تفسیر میں آپ کے صدر الافاضل لکھتے ہیں ص ۲۴ اور اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حلال جانو ص ۲۴ کیونکہ دین میں حکم الہی کو چھوڑنا اور دوسرے کے حکم کو ماننا اللہ کے سوا اور کو حاکم قرار دینا مشرک ہے (ص ۲۴)

اور مفتی احمد یار خاں صاحب آخری جہاں کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں جو مشرک کرے وہ مشرک جو مشرکوں سے دینی محبت کرے وہ مشرک جو مسلمانوں سے غصہ نفرت رکھے وہ بھی مشرک کافر ہے (نور العرفان ص ۲۲) دنیا میں منویہ فرقہ کے بغیر جو یزدان و اہرمن کے چکر میں مبتلا ہے وہ کون حق ہے جو شیاطین اور ان کے چیلوں کو معبود سمجھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے کہ ان کی اطاعت کرنا ہی مشرک ہے اور آگے جو مشرک آپ کے صدر الافاضل اور مفتی صاحب نے کی ہے وہ بھی بالکل واضح

ہے جو شرک کی بے شمار قسموں میں سے بعض میں تو یہ دعویٰ کرنا کہ شرک جیسی ہوگا کسی کو بخود سمجھا جائے جیسا کہ مؤلف مذکور نے کیا ہے نہ ہی جہالت ہے اور دین کے واضح احکام سے بالکل بے خبری ہے مؤلف مذکور کا شرع لنگوٹی سے حضرت شیخ الہند کا یہ شعر نقل کرنا تہا ربی تربت انور بالکل بے موقع اور بے عمل بات ہے اور اپنے ناخواندہ اور حقیقت ناشناس حواریوں کو کچھ دکھانے کا ایک ناکام حربہ ہے اس لئے کہ حضرت مولیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ربّ اذنی فرمایا تھا اور حضرت شیخ الہند اپنے پیر و مرشد کو اسی مرتبہ میں شیخ ربانی سے تعبیر کرتے ہیں تشبیہ صرف اس بات میں ہے کہ جیسے حضرت مولیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ربّ اذنی فرما کر اپنے رب کی رویت اور دیدار کا سوال کیا تھا میں آپ کی قبر کو طوسے تشبیہ دے کر آپ کے دیدار کا متمنی ہوں فرمایا اس میں شرعاً کیا اور کوئی قباحت ہے؟ اور یہ بات باحوالہ اپنے مقام پر عرض کی جا چکی ہے علامہ عینی فرماتے ہیں۔

قلت التشبيه لا عموم له فلا يلزم ان
يكون في جميع الاجزاء
(عمدة القاری ج ۳ ص ۱۱۱)
اور حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔

والتشبيه لا يشترط فيه المساواة من
كل جهة (شرح نخبۃ الفکر ص ۱۱۱)
کے تشبیہ میں من کل الوجہ مساوات شرط نہیں ہے۔

الغرض اپنے استاد اور پیر و مرشد کے فراق اور مرتبہ میں شاعرانہ تخیل کے طور پر مباغہ اپنے مرشد کی تربت کو طور سے تشبیہ دے کر (جو خود ان کی عبارت میں مصرع ہے) یہ آرزو کرنا کہ بعد از مرگ بھی مجھے ان کا دیدار نصیب ہو اس کا شرک سے کیا تعلق ہے اور اس قسم کی غیر متعلق باتوں کی خواہ نواہ فضول بھرتی سے مؤلف مذکور کو کیا حاصل ہے؟ مگر وہ کہہ سکتے ہیں۔

سے نہیں ملتا سخن اپنا کسی سے ہمارے لنگو کا ڈھب جدا ہے
نذر پوری نہ ہونے پر ضرر کا ترتب | مؤلف مذکور کہتے ہیں کہ نذر پوری نہ ہونے پر ضرر کے ترتب کا عقیدہ آپ نے عوام اہل سنت یا جہلا کی طرف بلاشبہات منسوب کر دیا ہے آپ اس پر کوئی حوالہ اور سند نہیں لائے یہ عقیدہ آپ کے سلف میں موجود ہے۔

چنانچہ امت دیوبند کا واحد سہارا شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کی کرامات کے باب میں ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ فرما دیگ کو کوئی مشکل آپڑی اس نے نذر مانی کہ اے خدا اگر یہ مشکل حل ہوگی تو میں اس قدر ہدیہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کروں گا چنانچہ وہ مشکل حل ہوگئی اور وہ نذر پوری کرنا بھول گیا کچھ عرصہ بعد اس کا گھوڑا بیمار ہو گیا اور ہلاکت کی دہلیز تک پہنچا میں اس بیماری اور ہلاکت کے سبب پر مطلع ہوا اور ایک خادم کے ذریعہ پیغام بھیجوا یا کہ یہ بیماری نذر پوری کرنے کے سبب سے ہے اگر گھوڑے کی خیریت چاہتا ہے تو فلاں نذر جیسے فلاں جگہ مانا نذر پوری کرو۔ وہ اپنے فعل پر نادم ہوا اور نذر ارسال کی اور اسی وقت اس کا گھوڑا شفا یاب ہو گیا (انفاس العارفین ص ۵۵)۔

اللہ اکبر آپ کہتے ہیں کسی کو نافع و ضار سمجھنا بھی شرک ہے تقرب بغیر اللہ بھی شرک ہے اور شاہ صاحب فرما دیگ کو اپنے تقرب اور اپنے نفع و ضرر کی تلقین کر رہے ہیں فرما دیگ تو خیر آپ کے نزدیک شرک ہوا ہے لیکن شاہ صاحب کا مقام آپ کے ہاں ابلیس سے کیا کم ہوگا؟ اپنی عبادت پر راغب کرنا شیطان بعین کا کام ہے اگر آپ کے دل میں انصاف کا شائبہ بھی موجود ہے تو شاہ عبدالرحیم صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب سے بیزاری کا اعلان کریں پھر جو لوگ آپ کے فتویٰ کی زد میں آتے ہیں ان کی عبارتوں کو بطور دلیل آپ کیوں پیش کرتے ہیں؟ جن امور کو دیوبندی بیانگ و بدل کفر و شرک حرام و بدعت کہتے ہیں ان تمام امور میں ان کے اکابر و اصغر سر سے پاؤں تک غرق ہیں آخر کب تک دیوبند کے ان تبوں کی پوجا ہوگی اب وقت آگیا ہے کہ ان کے چہروں سے مکرو فریب کی نقاب اتار کر عوام کو ان کے اصلی چہروں سے روشناس کرایا جائے (محصلہ ص ۵۹)۔

الجواب مؤلف مذکور کو ان کی پارا آئی کے بعض سہارا دینے والوں نے بلاوجہ محقق۔ مدقق علامہ اور قلم کے ذہنی کا خطاب دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ مؤلف مذکور کو علم و فہم سے کوئی سروکار نہیں ہے بلکہ جو غیر متعلق حوالے اور ادھر ادھر سے فضول بھرتی کر کے وہ بلاوجہ خوش ہو رہے ہیں اور یہ بے کار بھرتی بھی ان کو بہرگز سودمند نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ ایک ہے نذر پوری نہ ہونے پر ضرر کا ترتب یا دوسرے اور ایک ہے اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو نافع اور ضار سمجھنا جس کے قبضہ اور بس میں نفع اور ضرر نہ ہو۔ اب چیز ہے ان حوالہ سے جو ثابت ہے وہ پہلی چیز ہے اور مؤلف مذکور کا دعویٰ دوسری چیز کا اثبات

ہے چنانچہ مولف مذکور انفس العارفين کا حوالہ نقل کرنے کے بعد اس سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسے = اشد الکرب کہتے ہیں کسی کو نافع و ضار سمجھنا بھی شرک ہے۔ تقرب بغیر اللہ بھی شرک ہے اور شاہ صاحب فرما دیگ کہ اپنے تقرب اور اپنے نفع و ضرر کی تلقین کر رہے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ بیماری نذر پوری نہ کرنے کے سبب سے ہے (کہ میں بیماری بسبب عدم وفاء نذر است) کیونکہ نذر و منت ماننے والے کا کام جب پورا ہو جائے تو اس پر نذر کو پورا کرنا فقیہی طور پر لازم اور واجب ہوتا ہے اور یہ تکلیف اس واجب کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے ہوئی اس میں انہوں نے اپنے نافع و ضار ہونے کی تلقین کب کی ہے؟ اور اس میں تقرب بغیر اللہ کا سبق کہاں دیا ہے؟ و ثانیاً اس عبارت میں تصریح ہے کہ اے خدا اگر میں مشکل حل ہوگئی تو میں اس قدر بدیدہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کروں گا بارخدا یا اگر میں مشکل حل ہوگئی تو میں اس قدر بدیدہ شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کروں گا نذر اس نے حضرت شاہ صاحب کے لئے نہیں مانی نذر تو خدا تعالیٰ کے لئے مانی ہے ہاں اس نذر کی رقم اور بدیدہ کے مصرف شاہ صاحب ہیں اور یہ ان کے لئے ہدیہ ہے اور دینے والا حب حضرت شاہ صاحب کی زندگی میں ان کو ہدیہ دینا چاہتا ہے تو گویا ایک گونہ ان کو محتاج سمجھ کر ہدیہ پیش کرتا ہے نہ کہ نافع و ضار سمجھ کر و ثانیاً بعض جہاد رحن کی بات ہو رہی ہو گیارہویں دینے سے قبل ہی یہ غلط عقیدہ اور نظریہ قائم کئے ہوئے ہیں کہ اگر ہم نے بردت گیارہویں ندوی تو ہمیں نقصان و خسارہ ہوگا اور خدا نخواستہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے طبعی طور پر کسی وقت ان کو کوئی تکلیف پہنچی ہے تو جھٹ کو سی اس سے ملاتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ہم سے کوئی کمی و کوتاہی سہزہ ہوگئی ہے اور یہاں معاملہ یہ ہے کہ فرما دیگ بیچارہ نہ تو پہلے اس نظریے کا قائل ہے کہ حضرت شاہ صاحب نافع و ضار ہیں اور نہ تکلیف پہنچنے کے بعد ہی وہ گھوڑے کی بیماری کا سبب سمجھ سکا ہے اس کو تو زراہ ہمدردی اور خیر خواہی حضرت شاہ صاحب نے اپنی دینی بصیرت اور علمی فراست سے یہ پیغام بھیج کر بنایا ہے کہ تیرے گھوڑے کی بیماری کا سبب عدم وفاء نذر ہے بتانے کے بعد پھر کہیں اس کو بات سمجھ آئی ہے اور حضرت شاہ صاحب نے لالچ و طمع کے طور پر نہیں دیکھو کہ وہ حضرات بڑے ہی خدا

بیدہ ہوتے تھے، بلکہ ایک مسلمان کے ساتھ ہمدردی کے طور پر یہ فرمایا کہ نذر پوری کرو کہ و اللہ فوہم کا قرآنی حکم بھی پورا ہوا اور دینے والا یغوث (بخاری ج ۱ ص ۳۶۲) کی حدیث کی زد سے بھی بچا جاسکے۔ الحاصل انفس العارفين کے اس حوالہ سے نہ تو حضرت شاہ صاحب کا نافع و ضار ہونا ثابت ہے اور نہ فرما دیگ کا بغیر اللہ تقرب کرنے کا ثبوت ہے اور نہ تو وہ کافر و شرک ہے اور نہ حضرت شاہ صاحب ہی معاذ اللہ تعالیٰ شیطان ہیں اور نہ انہوں نے اپنی عبادت کی تلقین کی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب دونوں عالم ہونے کے علاوہ اہل اللہ میں سے بھی تھے اور علماء دیوبند ان کی صریح اور شہوس عبارات سے استدلال کرنے میں حق بجانب ہیں اور ان کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ آپ اپنے دل مافوق کی بھڑاس نکالنے کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو امت دیوبند کا واحد سہارا کرکے اور مولوی محمد عمر صاحب ان کو بد رنگ کہہ کر ان سے وابستگی سے گریز کرتے ہیں (دیکھئے نفیاس حنفیت ص ۵۵ طبع چپام) جن کی عبارات تیز نشتر کی طرح آپ حضرات کے سینوں کو زخمی کرتی ہیں اور پھر سمجھدراغوام کے سامنے آپ لوگوں کی حیات اور پیٹ پروری کی جو آپ کا متاع عزیز ہے خوب خوب نقاب کشائی ہوتی ہے کہ نہ تو اگتے بنے اور نہ نکلنے سے

کوئی صاحب نہ ہوں بلکہ ناخوش نکلے یہ صریح خیال حب قومی پیچھے اور فکر شکم پہلے بارہ سال کا بیڑا تنقید میں بعض جہاد کے اس غلط نظریہ کا رد کیا گیا تھا کہ کامل و نامثل ایک سیر و دو صریح سیر چاروں نکلنے کی وجہ سے جوش انتقام میں اگر عین شادی کے موقع پر نہ ہوا ان کا بیڑا غرق کروے (محصلاً) اور مفتی احمد یار خاں صاحب کے حوالہ کو تنقید میں میں افسانہ اور گپ سے تعبیر کیا گیا تھا اس پر مولف مذکور گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اولاً بارہ سال کا غرق شدہ بیڑا پار کرنا حضرت شیخ صاحب کی مشہور کرامت ہے اور لکھتے ہیں کہ آپ نے حضرت شیخ صاحب پر خالص افتراء باندھا ہے کہ انہوں نے گیارہویں وصول نہ ہونے کی بنا پر نہ ہوا ان کا مع اپنے بڑائیوں کے بیڑا غرق کر دیا اور گیارہویں وصول کر کے بارہ سال بعد بیڑا پار کر دیا ہماری تحقیق یہ ہے کہ حضرت شیخ صاحب کو دریا کے کنارے ایک معمولی بڑھیا نظر آئی دریافت کیجئے معلوم ہوا کہ بارہ سال ہوئے ہیں کہ ان کا نوجوان شیام براتوں کے غرق ہو چکا ہے اسلامی اور دینی ۲۱۹ سے آپ کا دل بھرا مسجد میں سر رکھ کر دھا

ماگلی اسے اللہ اس بڑھیا کے بیٹے اور براتوں کے غرق شدہ بیٹے کو نکال دے قادر مطلق اور کار ساز حقیقی نے اپنے بندہ کامل کی دعا منظور فرمائی اور غرق شدہ بھائی نکال دیا۔ جو اللہ سلطان اللہ کا منقہ مناقب الابرار) و ثانیاً اس واقعہ کے محال ہونے کی بات یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ غرق شدہ بیٹے کو پار لگانا اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی سے باہر موجود قطعاً محال ہے کیونکہ ان اللہ علیٰ کل شیء قہر یوقیسی افسوسناک بات ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے لئے کذب اور زنا جیسی قباحت جو محال بالذات ہے ثابت کرتے ہیں اور قدرت الہیہ کا وظیفہ نہ متاثر شروع کر دیتے ہیں حالانکہ محال بالذات تحت قدرت نہیں ہوتا اور بارہ سال کا ڈوبا ہوا بیٹا ترانا امر ممکن اور جائز الوقوع ہے اسے قدرت الہیہ سے بعد سمجھ کر بے جا تاویل شروع کر دیتے ہیں جب کہ مردوں کا زندہ کرنا قدرت الہیہ میں امر ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے حضرت عزیر علیہ السلام کا سو سال کے بعد زندہ ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعدد واقعات میں جدید قیام مردوں کو زندہ کرنا ہے و ثانیاً اگر آپ اس واقعہ کو قدرت الہیہ میں جائز الوقوع مانتے ہیں تو اس کے محال ہونے کی ایک ہی وجہ رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی دعا سے کوئی خرق عادت نہ ظاہر فرماتا ہو قرآن کریم میں ہے کہ حضرت مریم کے پاس بے موسیٰ پھیل آتے تھے اور اصف بن برخیا کو اللہ تعالیٰ نے تخت کو مسافت کثیرہ سے پلک جھپکنے سے پہلے لانے پر قادر کر دیا آپ کے حکیم الامت نے بھی اس کو تسلیم کر لیا ہے یہ واقعات تو سابقہ اربابان کے اولیاء پر ظاہر ہوئے پھر امت محمدیہ کے اولیاء پر اور خصوصاً اس ولی پر جو قدسی ہندہ علی رقبۃ کل ولی کا وصف رکھتا ہو کرامت کا دروازہ کس طرح بند ہو جائے گا مشکوٰۃ شریف صفحہ ۹ میں ہے اگر میرا ولی مجھ سے سوال کرے تو میں اُسے ضرور عطا فرمادگا تو پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مراد پوری نہ کر کے اپنا وعدہ پورا نہیں فرمایا یا تو آپ راضیوں کی طرح حضرت شیخ صاحب کو ولی نہیں سمجھتے یا خدا کو جھوٹا سمجھتے ہیں (معاذ اللہ) و ثانیاً بھی انفس العارفين سے گزر چکا ہے کہ آپ کے مسلم پیر شاہ عبدالرحیم نے نذر وصول نہ ہونے پر ایک گھوٹے کا بیڑ غرق کر دیا اور نذر لے کر چھوڑی گستاخی معاف یہ انتقام کس شریعت سے جائز ہوگا دعا مسأ اگر آپ ٹھہرے ہوئے جہاز کے ترانے کے انکار پر اصرار ترک نہیں کرتے تو کرامات امدادیہ کا مطالعہ کیجئے تھانوی صاحب کے پیر کی ایسی کرامتیں مل جائیں گی اور اگر مردہ زندہ کرنے کو آپ غریب سمجھتے ہوں تو تیرہ لگانو ہی ملاحظہ کریں یہ اجمال ہے تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ نیز بارہ سال کی دہلی

ہوئی کشتی تڑوینے کا واقعہ بہر حال قطعی سے ثابت ہے ہی نہیں کہ اس پر ایمان لانا ضروری قرار دیا جائے اس قسم کے واقعات خطابیات کے قبیل سے ہوتے ہیں جو اگر روایات صحیحہ سے ثابت ہوں اور اصول دینیہ سے متعارض نہ ہوں تو انہیں ظن کے درجہ میں مان لینا کافی ہوتا ہے مولوی سرفراز صاحب کی اصل چونکہ اعتراض پر مبنی ہے اس لئے انہوں نے غوث اعظم کی اس کرامت کو روایت طوعاً و کرہاً تسلیم کر لیا ہے درایت تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کی یہ تاویل کی ہے کہ کسی بڑھیا کا کوئی بڑا کا دس بارہ سال آٹھ رگی کے دریا میں غوطے کھاتا رہا ہوگا اور شیخ کی دعا سے ہدایت پا گیا ہوگا (محصلاً) جواب یہ ہے کہ کسی بھی واقعہ کو اس کے ظاہر سے بٹانے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب اس کے ظاہری محمل پر کوئی استحالہ شرعی یا عقلی لازم آتا ہو اور بارہ سال کا بیڑا ترادینا امر خارق للعادة ہے اور اولیاء سے اس کا صدور جائز ہے شرح عقائد صلا میں ہے کہ ولی کی کرامت اس کا کسی امر خارق عادت کو ظاہر کرنا ہے جو دعویٰ نبوت سے متفرق نہ ہو اور اگر اب بھی آپ کو پس و پیش ہے تو راجح ثلاثہ کا مطالعہ کیجئے جو الف سے لے کر ایک سلف دیوبند کی مرقومہ کرامات سے بھری پڑی ہے (انتہی و محصلہ) صفحہ ۸۳۱

الجواب۔ مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے بالکل تطویل لا حاصل ہے اور نثری تغافل اور دفع الوقتی ہے ہم بفضلہ تعالیٰ ترتیب و اران کی باتوں کا جواب عرض کرتے ہیں غور فرمائیں اول تو اس لئے کہ ہم نے حضرت شیخ صاحب پر کوئی افتراء نہیں باندھا بلکہ ان کو کامل ولی کہہ کر عوام اور جہلان کا ان کے بارے غلط نظریے کا رد کیا ہے افتراء بعض جہلان کا ہے جس کا ہم نے رد کر کے حضرت شیخ صاحب کے دامن کو اس سے پاک کیا ہے مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ہم نے معاف اللہ تعالیٰ افتراء باندھا ہے بیشر سے دماغ کی کمی پیداوار ہے ہم نے اس واقعہ کی جو توجیہ بیان کی ہے وہ اس سے کئی مرتبے بڑھ کر صحیح ہے جو انہوں نے سلطان الازکار فی مناقب الابرار کے حوالہ سے نقل کی ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات میں احیاء موتی کا ثبوت تو قطعی الثبوت اور قطعی الدلائل نصوص سے ثابت ہے اور حضرات اولیاء کرام کی کرامات میں احیاء موتی کے واقعات کن قطعی الثبوت اور قطعی الدلائل نصوص سے ثابت ہیں تاکہ ایسے واقعہ کو تسلیم کر کے ان کا ایک فرد تصور کیا جائے ہا کتب تاریخ و سیر اور کتب اسماء رجال وغیرہ میں بزرگوں کی کرامات میں بعض واقعات ہم نے بھی پڑھے ہیں اگر آپ محنت شاقہ سے دس واقعات بھی ایسے ڈھونڈ لکھ لیں

تو بفضلہ تعالیٰ ہم باحوالہ ان سے کہیں بڑھ کر عرض کر سکتے ہیں لیکن یہ تمام واقعات ظنی ہیں قطعی نہیں آپ نے جو قدرے علمی اور کلام کی باتیں اپنی کتاب میں لکھی ہیں ان میں سے ایک آپ کے الفاظ میں یہ بھی ہے: نیز بارہ سال کی ڈوبی ہوئی کشتی تیرا دینے والا واقعہ بہر حال قطعی سے ثابت ہے ہی نہیں کہ اس پر ایمان لانا ضروری قرار دیا جائے اس قسم کے واقعات خطابیات کے قبیل سے ہوتے ہیں جو اگر روایات صحیحہ سے ثابت ہوں اور اصول وغیرہ سے متعارض نہ ہوں تو انہیں ظن کے درجہ میں مان لینا کافی متوالیہ ہے (ص ۸۲)۔ سوال یہ ہے کہ ایسے نرے خطابی اور ظنی واقعات کو سہارا دینے کی کیا ضرورت ہے جس سے جہاد کے عقیدے مزید خراب ہونے کا خطرہ ہو اور فراموشی و شواہد اس پر جو ہوں کہ وہ تنکوں کے پل پر سے اپنی نیلیں گزارنے کا وہار کھائے بیٹھے ہوں یہ دین کی کونسی خدمت ہے۔ اور دوم اس لئے کہ بارہ سال تو درکنار بارہ ہزار سال کے غرق شدہ بیڑے کا نکال دینا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور نہ تو یہ ناممکن ہے اور نہ محال بالذات ہے لیکن سب کے لحاظ سے اس کا ثبوت بھی تو ہونا چاہیے اور آپ خود اس کو قطعی سے ثابت نہیں مانتے اور خطابی اور ظنی کہہ کر گلو خلاصی چاہتے ہیں ربا آپ کا یہ لکھنا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے لئے کذب اور زنا جیسی قباحت کو جو اللہ تعالیٰ کے لئے محال بالذات ہے ثابت کرتے ہیں الہ تو آپ کا اپنے بڑوں کی طرح نرا جمل ہے۔

کیونکہ کسی دیوبندی عالم نے اللہ تعالیٰ کے لئے معاذ اللہ تعالیٰ کذب نہیں ثابت کیا خلف وعید اور امر کان کذب کا مسئلہ الگ ہے کہ کیا خلاف واقع جملہ بولنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے یا نہیں ۹۔

اصل کتاب تنقید متین میں فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ سے اس پر باقاعدہ بحث موجود ہے کہ اہل حق کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے لیکن نہ اس نے کبھی بولا ہے اور نہ بولے گا اور اگر خلاف واقعہ جملہ بولنا محال بالذات ہے تو چاہیے کہ مخلوق بھی اس پر قادر نہ ہو حالانکہ ابھی آپ نے دیوبندیوں کے خلاف جھوٹ بولا ہے کہ وہ خدا کے لئے کذب ثابت کرتے ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ لوگوں کے نزدیک معاذ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی قدرت مخلوق کی قدرت سے بھی کمتر ہے کیونکہ محال بالذات کسی صورت اور کسی تقدیر پر واقع نہیں ہوتا اور آپ کی یہ بات بجا ہے کہ محال بالذات تحت قدرت نہیں ہوتا (اصل حالانکہ اسی کتاب میں آپ نے بے شمار جھوٹ بولے ہیں نہ معلوم ان محال بالذات امور پر آپ کیسے قادر ہو گئے ہیں؟ یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اہل حق کے نزدیک صفت کلام ثابت ہے اور وہ مستکلم ہے اور کلمہ اللہ

واعمال کی دھجیاں فضائے آسمانی پر بکھیر کر رکھ دی ہیں کہ ان کے رفوگر تاقیامت ان کو رونہ نہ کر سکیں باقی مشکوٰۃ شریف ص ۹ کے حوالہ سے مولف مذکور نے جو حدیث قدسی نقل کی ہے اگر مبرا اولیٰ مجید سے سوال کرے تو میں اُسے ضرور عطا فرماؤں گا۔ اس سے ان کی کیا مراد ہے؟ اگر تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ولی اللہ تعالیٰ سے جو سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و صلاحت کے مطابق اور ولی کی شان کے لائق بعض چیزیں عطا فرما دیتا ہے تو بالکل بجا ہے اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ولی کا ہر سوال قبول فرماتا ہے اور کسی سوال کو رد نہیں کرتا تو یہ اصول شریعت کے بالکل خلاف ہے کیونکہ نبی کا درجہ یقیناً اور قطعاً ولی سے بڑھ کر ہوتا ہے اور خصوصاً قرآن اور احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں کہ ہر سوال ہر نبی کا بھی قبول نہیں ہوا قرآن کریم میں تصریح ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے کی نجات کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا لَا تَسْأَلُنِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں الغرض حضرت نوح علیہ السلام کا یہ سوال منظور اور قبول نہ ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر تین دعائیں مانگیں وہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمادیں اور تیسری منظور نہ فرمائی (مسلم ج ۲ صفحہ ۲۹ و ترمذی ج ۲ صفحہ ۲۷) وقال بعد احسن حسن صحیح و موارد النظم ص ۵۵) جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول نہ ہوئی تو پھر ولی کی ہر دعا قبول ہونے کا دعویٰ کب صحیح ہو سکتا ہے گو خدا تعالیٰ کے خواہ میں کوئی کمی نہیں ہے۔ خطا اگرچہ ہمارے رہی ہے رفو افزدوں عطا خدا کے دوعالم کی کہیئے کبھی رہی؟ اور جبکہ ہم اس لئے کہ انھیں العارین کی عبارت کا مطلب ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ وعدہ پورا نہ کرنے پر گرفت رب تعالیٰ نے فرمائی انتقام حضرت شاہ صاحب نے نہیں لیا اور بنجم اس لئے کہ بفضلہ تعالیٰ ہم نے کرامات امدادیہ اور مرثیہ گنگوہی اور ارواح شادہ کو غور سے پڑھا اور سمجھا ہے نہ تو ہم کرامات کے منکر ہیں اور نہ بغیر ثبوت کے کرامات تسلیم کرتے ہیں بفضلہ تعالیٰ ہم فراموش و تغریط سے سخت اجتناب کرتے ہیں اور اسی طرح شرح عقائد کا حوالہ بھی علی الراس والعین ہم مانتے ہیں اور ہمارے کسی نظریہ پر اس سے رد نہیں پڑتی اور یہ بات بھی ہم دلائل کے ساتھ مانتے ہیں کہ کسی واقعہ کو جب کہ شرعی اور عقلی طور پر اس سے استحالة لازم نہ آئے اپنے ظاہر سے نہیں پھرنا چاہیئے۔ (المصنف من الكتاب والسنة تحمل على ظواهرها ما لم يصرف عن ادلائل قطعي وشروح العقائد)

قرآن کریم اور سنت کی نصوص کو اپنے ظاہر پر حمل کیا جائے گا جب تک کہ کوئی قطعی دلیل اس سے مانع نہ ہو لیکن شرط یہ ہے کہ واقعہ کا ثبوت بھی تو قطعی ہو ورنہ محض ظنی اور خطابی امور کو بلا شرعی اور تاریخی ثبوت بجا کر قبول اور تسلیم کرنا ہے؟ مجد اللہ تعالیٰ ان کو سمجھنے والے اعلم و ہنر موجود ہیں۔ تمیز حق و باطل کا نکھڑا غیر ممکن تھا۔ نہ ہونے گر جہاں میں معاند علم و ہنر پیدا ہو ولی اشرف علی خلقا کی گپ

یہ عنوان قائم کر کے مولف مذکور نے کرامات امدادیہ سے حضرت مولانا قنوجی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے (اور تقریباً تمام متدینین اس کو اہل حق کو لازم دینے کی خاطر مختلف پیرویوں میں نقل کرتے رہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت قنوجی کے ایک بے دست جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت تھے حج خانہ کعبہ کو تشریف لے جا رہے تھے کہ لمبئی سے آگٹھ میں سوار ہوئے آگٹھ نے چلتے چلتے ٹکڑ کھائی اور قریب تھا کہ چکر کھا کر غرق ہو جائے انہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں اور اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیروشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور عرض کیا کہ اس وقت سے زیادہ اور کونسا وقت امداد کا ہوگا اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور کارساز مطلق ہے اسی وقت ان کا آگٹھ غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی اور توبہ واقعہ پیش آیا ابھرا گئے روزِ دوم جہاں اپنے خادم سے بولے دلا میری کرد باؤ نہایت درد کرتی ہے خادم نے کہا دباتے دباتے پیرا بن مبارک جواٹھا یا تو دیکھا کہ کچھ چل بیٹا ہے اور اکثر جگہ سے کھال اتر گئی ہے پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے کہ یہ کچھ چل فرمایا کچھ نہیں پھر پوچھا آپ خاموش رہتے تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا حضرت یہ تو کہیں کر گئی ہے اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے فرمایا آگٹھ دو باجا نا تھا اس میں ہمارا دینی اور سلسلہ کا باجی تھا اس کی گریہ و زاری نے مجھے بے چین کر دیا آگٹھ کو کر کا سہارا دے کر اوپر کو اٹھا لیا جب آگے چلا اور بندگان خدا کو نجات ملی اسی لئے چھل گئی ہوگی اور اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا۔ انتہی کلام مولوی سرفراز صاحب چونکہ کرامات اولیا کو میرزاں اعتراض سے توڑتے ہیں لہذا ان کی خدمت میں کچھ گزارشات ہیں اولاً آپ کے نزدیک مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت شرک ہے قنوجی صاحب کے اس دوست نے امور مافوق الاسباب میں ہی استعانت کی ہے آپ اس کو شرک قرار دیں گے یا خود ساختہ شرک کی تعریف سے رجوع کریں گے؟ و ثانیاً حاجی امداد اللہ صاحب نے جو مافوق الاسباب امر میں امداد کی ہے تو آپ انہیں خدا کا شرک قرار دیں گے یا اپنی ضلالت سے تائب ہونگے؟

الجواب۔ اس سے قبل کہ ہم بقدر ضرورت مؤلف مذکور کے سوالات کا جواب میں بطور تمہید حضرت مفتاویٰ کی چند عبارات عرض کرتے ہیں تاکہ بات سمجھنا آسان ہو حضرت مفتاویٰ اپنی مشہور کتاب ہشتی زیور میں کفر و شرک کی باتوں کے بیان میں لکھتے ہیں کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت ضرورت خبر رہتی ہے الی قولہ کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہوگی کسی کو نفع نقصان کا مختار سمجھنا کسی سے مرادیں مانگنا رومی اولاد مانگنا الخ (حصہ اول ص ۳۱) نیز وہ لکھتے ہیں ولی لوگوں کو بعض بھید کی باتیں سوتے یا جانتے میں معلوم ہو جاتی ہیں اس کو کشف اور الہام کہتے ہیں اگر وہ شرع کے موافق ہے تو قبول ہے اور اگر شرع کے خلاف ہے تو رد ہے (حصہ اول ص ۳۱) اور تعلیم الدین ص ۳۱ میں لکھتے ہیں ولی لوگوں کو بعض باتیں بھید کی سوتے جانتے میں معلوم ہو جاتی ہیں اس کو کشف والہام کہتے ہیں اگر وہ شرع کے موافق ہے تو قبول ہے اور اگر خلاف ہے تو رد ہے اتنی۔ اور ایک اور مقام میں تحریر فرماتے ہیں کسی سے غیب کی باتیں پوچھنا اور اس کا یقین نہ رکھنا کفر ہے البتہ نبیوں کو وحی سے اور ولیوں کو کشف اور الہام سے اور عام لوگوں کو نشانیاں سے کوئی بات معلوم ہو سکتی ہے (تعلیم الدین منطبع خواجہ برقی پریس دہلی) اور پھر آگے ص ۳۱ میں ان شرک فی العلم کے عنوان میں لکھتے ہیں کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ اعتقاد کرنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت خبر ہے الخ اور ارشاد فرماتے ہیں غیب کا حال سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا البتہ نبیوں کو وحی سے اور ولیوں کو کشف اور الہام سے اور عام لوگوں کو نشانیاں سے بعض باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔

دہشتی زیور (حصہ اول ص ۳۱) اور فرماتے ہیں کہ مسلمان جب خوب عبادت کرتا ہے اور گناہوں سے بچتا ہے اور دنیا سے محبت نہیں رکھتا اور پیغمبر صاحب کی ہر طرح خوب تابعداری کرتا ہے تو وہ اللہ کا دوست اور پیارا ہوتا ہے ایسے شخص کو ولی کہتے ہیں اس شخص سے کبھی ایسی باتیں ہونے لگتی ہیں جو اور لوگوں سے نہیں ہو سکتیں ان باتوں کو کرامت کہتے ہیں (دہشتی زیور حصہ اول ص ۳۱)۔

اور بات اپنی جگہ باحوال بیان کر دی گئی ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل مؤلف ہے جو نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے (ملاحظہ ہو مسامرہ ج ۲ ص ۸۹ و احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۱۱ و تامل الایمان ص ۴۴) لشیخ عبدالحق الصلوی اسی طرح ولی کے ہاتھ پر جو خرق عادت فعل صادر ہوتا ہے وہ حقیقت ولی کا فعل و تصرف نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے ولی اس فعل کا صرف مظہر ہوتا ہے کبھی کبھی ولی سے کرامت کا ظہور اس کے ارادہ اور

وٹاٹھا مفتاویٰ صاحب نے اس روایت پر اعتقاد اور اس کو بیان کیا ہے آپ ان کو مبلغ شرک اور ایسے قرار دیں گے یا اپنے بیان کو ایسی منطق ٹھہرائیں گے؟ ورنہ ایم ورجا میں آپ کے پیر بھائی نے حاجی صاحب کی طرف توجہ کی تو اس نے حاجی صاحب کو قافہ مطلق مانا یا نہیں؟ اگر نہیں تو شیخ جیلانی کی طرف اس حال میں توجہ کرنے سے ان کا قافہ مطلق مانا کس طرح لازم آئیگا؟ ورنہ حاجی صاحب باوجود شہر سے کہیں نہ جانے کے سمندر میں جہاز کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے سوال یہ ہے کہ حاجی صاحب بعینہ موجود تھے یا جسم مثالی کے ساتھ بر تقدیر اول اکثر جزئی لازم آئیگا بر تقدیر ثانی مثل شئی تو غیر شئی ہوتی ہے پس لازم آئیگا کہ نہ وہ دینے والا حاجی صاحب کا غیر ہونہ کر خود حاجی صاحب و سادہ آدمی ایسا قادر ہو کہ کوسوں میل مسافت آہن و احد میں ملے کر کے بحری جہاز سیدھا کر دیتا ہو وہ اپنی کمر سے در دو کیوں دور نہیں کر سکتا؟ و سادہ آدمی شخص کمر دوانے میں اپنے مربک کا محتاج ہے وہ جہاز میں بیٹھے ہوئے سینکڑوں آدمیوں کی حاجت روائی کیا کر کر سکتا ہے؟ وٹاٹھا مفتاویٰ صاحب کے دوست نے اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور ان کی بارگاہ میں عرض کی اور وہ اس کی مدد کو آئے سچے سوال یہ ہے کہ حاجی صاحب ہر وقت ہر جگہ اپنے مریدوں کے حال پر مطلع اور ان کا کام سننے رہتے ہیں یا نہیں بر تقدیر ثانی جب انہیں ہر وقت ہر جگہ کے حال کا علم نہیں تو اس وقت اس جگہ کے حال کا علم کیسے ہو گیا؟ اور بر تقدیر اول حاجی صاحب کو جب ہر وقت ہر جگہ کا علم حاصل ہے تو بتلایے کہ وہ اس صفت میں خدا کے شریک ہوئے یا نہیں؟ اگر نہیں تو حضور علیہ السلام کے لئے علم کلی ماننے سے کوئی شخص کیسے شرک ہوتا ہے؟ وٹاٹھا صاحب کہ چھلی ہوئی تھی اور کئی جگہ سے کھال اتر گئی تھی تو دیوانے سے ختم میں ٹیس لگتی ہے پھر کیوں دیوایا؟ مفتاویٰ صاحب نے کس بھونڈے طریقہ سے اپنے پیر کی کرامت ظاہر کرنے کا جیلہ وضع کیا ہے؟ ورنہ حاجی صاحب کو اپنے مرید کی بیکی اور آہ و زاری نے بیچارہ لگانے کی طرف توجہ کیا اور سینکڑوں بندہ گان خدا کی بے کسی پر کوئی رحم نہ آیا ورنہ یہ کہنے کی کیا وجہ تھی کہ اس میں ایک تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا اس کی گریہ و زاری نے مجھے بے چین کر دیا۔ صرف مولوی سرفراز صاحب ہی نہیں بلکہ ان کے تمام حواریوں کو دعوت ہے کہ وہ ان کے وضع کردہ اصول اور مبنی شرک کے تحت ان سوالوں کا جواب دیں اس میں بہتوں کا بھلا ہو گا ورنہ منصف مزاج مولوی سرفراز صاحب کے اصولوں کی روشنی میں مفتاویٰ صاحب کی بیان کردہ اس گپ کو کوئی وقعت نہیں دیں گے (محصلاہ ص ۸۳ تا ۸۶)

قصہ کے بغیر بھی ہوتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی خاص وجہ سے ولی کے دل میں غیب پیدا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس داعیہ کے مطابق کرامت ظاہر فرما دیتا ہے اور خود حضرت تھانویؒ ہی تحریر فرماتے ہیں اور جاننا چاہئے کہ کرامت کے لئے اس ولی کو اس کا علم ہونا ضروری ہے اور نہ اس کے قصد کا متعلق ہونا ضروری ہے اور جاننا علم ہونا ہے اور قصد نہیں ہوتا اور کبھی علم اور قصد دونوں اسے ہوتے ہیں اس بنا پر کرامت کی توین قسمیں ٹھہریں ایک قسم وہ جہاں علم بھی ہو اور قصد بھی جیسے نیل کا جاری ہونا حضرت عمرؓ کی خطابت کے زمان سے اور دوسری قسم وہ جہاں علم ہوا اور قصد نہ ہو جیسے حضرت عمرؓ علیہ السلام کے پاس یہ فصل میوؤں کا آجنا تا میری قسم وہ جہاں علم ہوا اور قصد بھی ہو جیسے ابوبکر صدیقؓ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانے کا دو چندہ چند ہو جانا بخاری ج ۱ ص ۸۵ وج ۱ ص ۸۵ وج ۲ ص ۸۵ چنانچہ حضرت صلیبیؒ کو تعجب ہوا جس سے ان کے علم و قصد کا پہلے سے متعلق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (کرامات امدادیہ مثل)

قارئین کرام! ایک طرف تو حضرت تھانویؒ کے توحید علم غیب اور بزرگوں کے کشف الہام وغیرہ کے بارے میں نظریات ہیں جن کا مبنی خالص توحید ہے اور وہ اسلامی اصول کے روح کے عین مطابق ہیں اور یہ قرآن کریم و احادیث صحیحہ اور امت کے اجماع سے ثابت ہیں اور دوسری طرف اس کے برعکس اپنے اعلیٰ حضرت کی چند کہیں بھی ملاحظہ کریں تاکہ تصویر کے دونوں رخ بیک وقت سامنے آجائیں اور وضاحت تینوں الاشیاء کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ خانصاحب بریلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حضور ہر قسم کی حاجت روا فرما سکتے ہیں دنیا و آخرت کی سب باتیں حضور کے اختیار میں ہیں (فتاویٰ افریقہ ص ۱۱) اور لکھتے ہیں

فریاد امتی جو کرے حال زار میں۔ ممکن نہیں کہ غیر بشر کو خبر نہ ہو مردائق بخشش حصول السلام اور نیز لکھتے ہیں۔ خدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب سے۔ دو عالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے (ص ۶۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو آخر خدا تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں علیہ و علیٰ جمیعہم الصلوٰۃ والسلام لیکن خانصاحب تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں بہت کچھ لکھتے ہیں کہ اکثر جن میں ایک مصرع یہ بھی ہے ع کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر۔ اور یہ بھی پہلے باحوالہ بیان ہو چکا ہے کہ خانصاحب فرماتے ہیں تجھ کو۔ کن اور سب کن مکن حاصل ہے باغوث۔ جب سب کن مکن کے اختیالات حضرت شیخ صاحب کو حاصل ہیں اور وہ سارے عالم کے مدبر ہیں تو تم مجھے اور کیا رہ جاتا ہے؟ اب گذارش یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ تو بہتر جن عادت و افتاد کرامات امدادیہ میں کرامت کی مدین لکھتے ہیں اور توحید و علم غیب اور کرامت

کے بارے میں اپنے معتقدات وہ ہیں جو خود ان کی اپنی عبارات کے حوالوں سے عرض کئے جا چکے ہیں اور جو عقیدے ان کے ہیں وہی ان کے پیرو بھائی کے تھے اور یہ تو آخر یہ تھے وہ تو یقیناً ان اعتقادات میں ان جیسے کامل ہی نہیں بلکہ کامل تر اور اسل ترہوں کے کیا ایسے حضرات کرامت کے ایک واقعہ کو نقل کرنا اسی طرح کا ہو سکتا ہے جس طرح ڈوبے ہوئے بیرے کو بارہ سال کے بعد باہر نکال دینے کا واقعہ خانصاحب کے ایسے نظریات کے کسی حامل کا ہو سکتا ہے؟ خدا رکھ تو فرمائیے کم از کم آپ نے تلخیص المفتاح تو فرمائی ہی ہوگی اس میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب کوئی موعود اثبات التزمیع البطل کہتا ہے تو اس کا مطلب کچھ ہوتا ہے کہ وہ مثلاً اسناد مجازی مراد لیتا ہے اور جب دوسرے یہ جملہ بولتا ہے تو اس کا مفہوم اور ہوتا ہے الغرض ایک ہی واقعہ اور جملہ کا مطلب قائل اور قائل کے لحاظ الگ الگ اور جدا جدا ہوتا ہے ع کے فرق مراتب مکنی زندگی۔

اب اس تمبیہ کے بعد ملاحظہ فرمائیں کہ راقم ٹیم تو ہر عقیدہ و عمل میں بحمد اللہ تعالیٰ اہل سنت و الجماعت کا تابع ہے معتزلہ وغیرہ کے باطل نظریات کے پیچھے ہر وقت دلائل و براہین کا ٹھہ لئے پھرتا ہے اور راقم کی کتابیں اس پر شاہد عدل ہیں پھر مولف مذکور کا یہ الزام کہ راقم کرامات اولیاء کو میزان اعتبار پر توڑتا ہے مگر میزان اور صریح افتراء ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقم ٹیم حضرت اولیاء کرام کی کرامت کا قائل ہے اور ان کے ذکر کو بے خیال نہ کرتا ہے یہ وہ در ہے کہ جس پر بصیرت نور پاتی ہے یہ وہ گھر ہے کہ ہوتے ہیں جہاں اہل نظر پیدا

اب آگے آپ اختصار کے ساتھ ترتیب واران کے سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں کہ ان کے سب سوالات مردود ہیں اول اس لئے کہ حضرت تھانویؒ نے اپنے دوست کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ بابا بٹا حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور دخیالی طور پر صندوق ہوض کیا کہ اس وقت سے زیادہ اور کونسا وقت امداد کا ہوگا اللہ تعالیٰ اسمیع بصیر اور کار ساز مطلق ہے اسی وقت ان کا آگہوت غرق سے نکل گیا۔ اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ اس کا یہ عرض پیش کرنا محض خیالی طور پر تھا نہ تو وہ اپنے یہ کو سمیع و بصیر مانتے ہیں اور نہ کار ساز کیونکہ اسی عبارت میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ اسمیع و بصیر اور کار ساز مطلق ہے یعنی ان کی اس آہ و زاری کو سننا اور مایوس کن حالت کو دیکھنا صرف خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے اور وہی کار ساز مطلق ہے اس کی سبیل وہ خود پیدا کر دیکھا چنانچہ اس کار ساز مطلق نے اپنا فضل کرامت اپنے دوست اور پیارے حاجی امداد اللہ صاحب کے ہاتھ پر صادر فرما کر آگہوت کو غرق سے بچا لیا اگر وہ اپنے پیر روشن ضمیر کو سمیع و بصیر اور کار ساز مطلق تصور کرتے اور ان با فوق الاسباب میں استعانت کرتے تو یقیناً شکر ہونے

الغرض نہ تو وہ حضرات مشرک ہیں اور نہ محمد اللہ تعالیٰ ہمیں شرک کی تعریف سے رجوع کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ قرآن کریم اور صحیح احادیث اور علماء ملت کی صریح عبارات کو پیش نظر رکھ کر شرک کی یہ تعریف کی گئی ہے جس میں بقضائے تعالیٰ امر ہو مگر نہیں ہے اور وہ اس لئے کہ کار ساز مطلق نے کشف والہام کے ذریعہ سے حضرت حاجی امدا اللہ صاحب کو اس واقعہ سے مطلع فرما کر ان کے ہاتھ پر یہ خرق عادت فعل صادر فرمایا تو حضرت حاجی صاحب معاذ اللہ تعالیٰ خدا تعالیٰ کے شریک ہیں اور نہ محمد اللہ تعالیٰ ہم گمراہ ہیں کہ ہمیں ضلالت سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئے و سہم اس لئے کہ حضرت حقانوی نے کرامت کے طور پر یہ ایک واقعہ نقل کیا ہے نہ تو کرامت بیان کرنے والا مشرک ہوتا ہے اور نہ مبتلع شرک تو پھر بلا وجہ وہ کیوں المیس قرار دیئے جائیں؟ اور اس واقعہ سے ہمارے کس بیان پر رد پڑتی ہے تاکہ اس کو المیسی منطق قرار دیکر اس پر غور کیا جائے یہ آپ کے خبت باطن کا اثر ہے کہ خواہ مخواہ آپ المیس کا لفظ بول کر اس کا اظہار کرتے ہیں اور کبھی المیسی منطق کا جملہ بول کر دل مؤف کو تسکین دیتے ہیں اور یوں المیسا نہ چال چل کر عوام الناس کو اپنے حق نفرت دلاتے ہیں و چہ بلام اس لئے کہ مایوسانہ حالت میں اس شخص نے حضرت حاجی صاحب کی طرف صرف خیالی طور پر توجہ کی ہے نہ تو ان کو سمیع و بصیر مانتا ہے اور نہ کار ساز مطلق کیونکہ یہ صفات تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بات ہے جب ان کو کار ساز مطلق نہیں مانتا تو قادر مطلق کیسے تسلیم کرتا ہوگا؟ بخلاف اس جماعت کے جس کی مفت میں آپ وکالت کرتے ہیں کہ وہ چلا کر اور گا کر پھر جتنی رہتی ہے سے ادا دکن ادا دکن از بند غم آزاد دکن۔ درویش و نیاں دکن یا شیخ عبدالقادر اور خانصاحب کے ارشادات پر یہ عرض کئے جا چکے ہیں کہ وہ ان کو میرے عالم اور دکن مکن کی خدائی کر سی پڑ پڑے اور تو تصور کرتے ہوئے ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) اور دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے فاین اثری من الشریا اور پنجم اس لئے کہ کتب عقائد وغیرہ میں تصریح ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات میں ایک طبعی مسافت بعیدہ بھی ہے حضرت آصف بن برخیا کا واقعہ تو آپ کو بھی مستم ہے تکرار جزئی تو تب لازم آتا ہے کہ بعینہ جسم عنصری کے ساتھ متعدد مقامات میں حاضری ہوا و طبعی مسافت میں یہ نہیں ہونا بلکہ ایک ہی جسم جلدی کے ساتھ دور دراز پہنچ جاتا ہے جیسا مثلاً ہوائی جہاز کا مسافر باقی اجسام مثالیہ کی بحث اپنے مقام میں مذکور ہے یہاں اس کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور خود مؤلف مذکور کو بھی واضح الفاظ میں اس کا اقرار ہے کہ اجسام مثالیہ متعدد متعلقہ بروح واحد امکان متعدد ہیں

موجود ہو سکتے ہیں اور یہ تکرار جزئی نہیں کیونکہ اجسام میں نوع من الیقیناً موجود ہے الخ بلفظہ تو وضع البیان میں غرضیکہ کسی شق سے تکرار جزئی لازم نہیں آتا اور شمس اس لئے کہ کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے یہ ولی کا سبب نہیں ہوتا اور اس کے ہاتھ پر کرامت صادر ہونے کی وجہ سے وہ قادر ہو جاتا ہے جیسا کہ مؤلف مذکور کا بنیاد و دعویٰ ہے سو جتنا کام اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر ظاہر کر دیا وہ ہو گیا اور جنہیں کیا وہ نہیں ہوا و سہم اس لئے کہ کرامت صادر ہونے کی وجہ سے معاذ اللہ تعالیٰ ولی خدا تو نہیں ہو جاتا وہ بدستور محتاج کا محتاج ہی رہتا ہے لہذا مرید سے کہہ دینے کی وجہ سے ان پر کوئی زد نہیں پڑتی و سہم اس لئے کہ حاجی امدا اللہ صاحب نے تو ہر جگہ اپنے مریدوں کے حال پر مطلع تھے اور نہ ہر ایک کا کام سنتے تھے اور صرف اس واقعہ کا علم بطور کشف وغیرہ ان کو اس لئے ہو گیا کہ سمیع و بصیر و کار ساز مطلق ذات نے ان کو بتا دیا اور اللہ تعالیٰ کا ان کو بتانا ہی بڑا مرح ہے اور کونسا مرح و کار ہے؟ پوچھنے والے آپ سے بھی معجزات و کرامات کے بارے میں ایسے بے شمار سوالات کر سکتے ہیں مثلاً یہ کہ حضرت عمر کو حضرت سائر بن زئیم کے واقعہ کی اطلاع کیوں ہو گئی؟ اور ابو لؤلؤ غیرہ جو سی نے حضرت عمر کو شہید کرنے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا اور خنجر کے مسجد میں آجھی کیا اور ایک حد تک اپنا پروگرام پورا بھی کر دیا تو حضرت عمر کو اس کی اطلاع کیوں نہ ہوئی؟ یہ ترجیح بلا مرجح کیونکہ سائر ہو گئی؟ کرامات کے اثبات پر عقل و نقل متفق ہیں اور کتب عقائد اس مسئلہ سے بھری پڑی ہیں اس پر اور کونسی عقلی اور نقلی دلیل آپ کو درکار ہے؟ اور خواہ مخواہ کی لایعنی شقیں نکالنا کونسا علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے بجز اس کے کہ آپ کے حواری آپ کو بڑا منطقی تصور کر لیں گے۔ الغرض نہ تو حضرت حاجی صاحب کو ہر جگہ کا علم ہے اور نہ حضرت محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کل علم غیب ماحصل ہے یہ عقیدہ برا مشرکانہ اور خالص کافرانہ ہے بحث از الہ الہیب وغیرہ میں ملاحظہ کریں انشاء اللہ تعالیٰ شکوک و شبہات کا فور ہو جائیں گے و سہم اس لئے کہ کمر کے چھلے باندھنے اور اکثر جگہ سے کھال کے اتر جانے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ گہرے زخم ہو گئے ہوں جن کو دبانے سے تکلیف ہوتی ہو بعض اوقات ایسی جگہ کو بلکا دبانے سے درد میں کمی محسوس ہوتی ہے پھر یہ کیا ضروری ہو کہ کمر میں چھلی ہوئی جگہ کو ہی دبا دیا ہو جو سکتا ہے کہ اس کے آس پاس والی جگہوں کو دبا دیا گیا ہو غرضیکہ جب عقلی طور پر تطبیق ممکن ہے تو اس کرامت کو انتہائی بھونڈے طریقہ سے تعبیر کرنا اخلاقی پستی کا جیتنا جائز مظاہرہ ہے اور سہم اس لئے کہ اگر کوئی اس کو گمراہ و زاری اور گریہ اگرچہ حضرت حقانوی کے ایک

۶۸

دینی اور سلسلے کے بھائی نے کی تھی لیکن اس کی اس بے کسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں بندگان کو نجات دے کر فرمایا اور دوران کا بیڑا بارگیا خود اس واقعہ میں حضرت حاجی صاحب کے یہ الفاظ ہیں جب آگے چلا اور بندگان خد کو نجات ملی انہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حاجی صاحب کی اس کرامت میں مطیع نظر ہیں وہ حضرت تھانوا نوئی کا دینی اور سلسلے کا بھائی اور اپنا مرید ہی تھا بلکہ اس میں اور بندگان خدا کی نجات بھی شامل تھی دینی اور سلسلے کے بھائی کا ذکر خصوصیت سے اس لئے آیا ہے کہ آہ و زاری اُس نے کی تھی ورنہ اس میں سوار سبب بندگان خدا کی نجات ملحوظ تھی جیسا کہ خود ان کی عبارت سے ظاہر ہے بحمد اللہ تعالیٰ اپنے عوارض کی معنوت و احوال و امداد کے بغیر ہی (کیونکہ علماء دیوبند کثرت اللہ تعالیٰ جاعتہم کو ایسے مہمل لایعنی اور بے مغر سہولت کے جوابات دینے کے لئے قطعاً کسی توجہ کی ضرورت ہی نہیں ہے) ان کے بخیر اور بعیش نے کے لئے تنہا خود فرما دیا جیسا طالب علم بھی کافی ہے ہم نے علما و ملت کے قائم کردہ خصوص اصول اور قواعد کے تحت ان سے الات کے جوابات دینے میں تا کرنا کہ تمام منصف مزاج حضرات اسلام کے ان بنیادی اصولوں کی روشنی میں حضرت تھانوا کی کوشش اور نقل کردہ کوہ کرامت کی قدر و قیمت پہنچان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مرشد کامل حضرت حاجی صاحب کو کبسا زہرِ رحمت فرمایا تھا جس کے ذریعہ سے یہ خرقِ عادت کا ان کے ہاتھ پر پورا درجہ ہوا آج ہے ۔

مولوی محمود الحسن کی گپ

الہند کا یہ شعر غفر قتل کیا جسے

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا اس مسیحائی کو دیکھیں دوسری این مریم اور پھر یہ لکھا سنا ہے کہ بہت سے چالاک دیوبندی عام ذہنوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس شعر کی یہ باطل توجیہ کرتے ہیں کہ اس شعر میں مرده سے جاہل اور زندہ سے مراد عالم ہے یعنی جاہلوں کو عالم بنایا اور عالموں کو جاہل نہ بننے دیا یہ توجیہ قبیح قطعاً باطل و مردود ہے اگر یہی معنی مقصود تھا تو پھر خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقابل کی کیا ضرورت تھی کیونکہ ہر نبی میں تعلیم کا وصف موجود تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقابل سے کیا میں جسی زندہ کردہ کرنا مراد ہے جب حاجی اماد اللہ صاحب نے ڈوبتے ہوئے جہاز کو تیرا اور مولوی رشید احمد صاحب نے مر دہر دوں کو زندہ کیا تو غوث اعظم نے بارہ سال کے ڈوبے ہوئے بیٹے کو تیرا یا تو کوئی مہر فرما دیا اس کو گپ کہتے ہیں کیا ان حضرات پر حضرت جبرائیل کی وحی آئی تھی جس کا ان کا نہیں کیا جاسکتا؟ جو وصف حضرت

امیدار و اولیاء علیہم السلام کے لئے شکر کرنا جائز ہے وہ اپنے پیروں اور مولویوں کے لئے عین توحید اور جائز
محض بن گیا، و صوب چھاؤں کی اس پالیسی سے کیوں لوگوں کو فریب دیتے ہیں لوگوں کے پاس بھی سوچنے
کے لئے دل و دماغ اور دیکھنے کے لئے آنکھیں ہیں جب آپ کے اقوال و اعمال کا موازنہ کریں گے تو آپ کے
بارے کیا سوچیں گے یا جن گیسٹوں کے وائٹرز میں آپ نے عوام کو پھانس رکھا ہے جب وہ بیچ و خم کھائیں
تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس حالت میں وہ (مصلحہ ص ۸۷) و ص ۸۸

کے تو یہ آپ کی کیا حالت ہوگی اور اس کے جواب میں مولف نے فرمایا کہ اس شعر پر اعتراض کیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولف مذکور کو واضح عبارت کے مفہوم سمجھنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے جب کوئی عقلمند آدمی کلام کرتا ہے تو اس کا انداز میں کوئی مصداق ہوتا ہے حضرت گنگوہی کا زمانہ تاریخی طور پر کوئی اتنا بعید اور تاریک زمانہ نہیں کہ اس کے واقعات سے عوام بے خبر ہوں اگر حضرت گنگوہی نے حتی طور پر یہ باذن اللہ تعالیٰ مرثیے لکھے ہوتے تو یہ واقعات زبانِ رد و غلطی ہوتے کہ غلطانِ مردہ مردہ ہوا اور غلطانِ ملکہ ملکہ مردہ مردہ ہوا کیونکہ شعر میں جمع کا صیغہ مردوں کو موجود ہے اسی طرح اگر زندوں کو کسی طور پر نہ مرنے دیا ہوتا تو بے شمار قریب الہک زندہ لوگوں کو انہوں نے موت سے بچایا ہوتا حتیٰ کہ خود بھی نہ مرتے اور کم از کم باقی دارالعلوم و بوند حضرت نانوتوی کو تو نہ مرنے دیتے مگر تاریخ گواہ ہے کہ اسباب گز نہیں ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ اس شعر میں حسی موت و حیات مراد نہیں ہے بلکہ معنوی مراد ہے جو علم و جہالت ہے اور قرآن کریم میں آنا ہے اَوْصَحَّ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ الْآيَةُ دِثِ الْاِنْعَامِ ۱۵۰۰ بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا پھر مرنے لگا تو زندہ کر دیا اس میں اس کا ذکر ہے کہ جو شخص جہل و ضلال کی موت مر چکا تھا پھر اس کو حق تعالیٰ نے ایمان و عرفان کی روح سے زندہ کیا۔ اس مقام میں موت و حیات سے معنوی موت و حیات مراد ہے نہ کہ حسی مراد ہے اس کا ظاہر ہے غزوہ بدر کے واقعہ میں اس کا بھی ذکر ہے۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّاهُ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ وَالْقَوْلُ لِلَّهِ الْآخِرُ ۚ (انفال - ۵)

”اگر سے جس کو مرنا ہے قیام حجت کے بعد اور جس کو جی رہا ہے قیام حجت کے بعد۔“

ایک تفسیر کے رُوسے یہاں بھی معنوی موت و حیات مراد ہے چنانچہ مؤلف مذکور کے صدر الافاضل لکھتے ہیں
 محمد بن اسحاق نے کہا کہ ہلاک سے کفر حیات سے ایمان مراد ہے الخ (ص ۲۶)۔ اور مفتی احمد یار خاں صاحب
 لکھتے ہیں کہ یہاں زندگی سے مراد ایمان ہے اور ہلاکت سے مراد کفر ہے (ص ۲۸۹) جب قرآن کریم سے اس

۲۳۵

החזק

مقام پر موت و حیات سے معنوی مراد ہے اور آپ کے مسلم بزرگ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں تو انصاف سے فرمائیے کہ دیوبندیوں نے یہاں کو نسی چلائی کی ہے؟ اور کس شعبہ بازی سے صرف ایک موبہم چیز کو اختیار بنا ڈالا ہے؟ اور یہ معنی کر کے جو خارج اور نفس الامر کے بالکل مطابق ہے کس ذہن کو گواہ کیا ہے؟ راجحیت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تقابل کا معاملہ تو اس پر بھی مؤلف مذکور نے قطعاً غور نہیں کیا کیونکہ حضرت شیخ الہندؒ فرماتا چاہتے ہیں کہ جتنی طور پر باذن اللہ تعالیٰ مردوں کا زندہ کرنا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مشاہدہ دیکھا ہے عیاں راجحیاں اور اس میں ان کی مسیحائی تو ایک واضح امر ہے لیکن نامساعد حالات میں مجاہد برطانیہ کے دور میں اس کثرت سے معنوی موت و حیات کی مسیحائی بھی دیکھ لیں تو کیا ہی اچھا ہوا اور اس مسیحائی کو دیکھیں ذریعہ مریمؑ فرما کر انہوں نے اس معنی کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے اگر حضرت مسیحائی ہوئی تو وہ تو انہوں نے دیکھی ہی تھی پھر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کے دیکھنے کی آرزو کا کیا معنی ہوا؟ معنوی بھی گو دیکھی تھی مگر قدسے محدود تھی اس سے بقول مؤلف مذکور تقابل ہی اس امر کو واضح کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسیحائی تو حتمی ہوا اور حضرت گنگوہیؒ کی صرف معنوی ہو رہا یہ اشکال کہ تعلیم و صف تو ہر نبی میں تھا پھر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تقابل کا کیا مطلب؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت انبیاء اکرم علیہم الصلوٰۃ والسلام میں مسیح کے لقب سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی فرق تھے اور یہاں حضرت گنگوہیؒ کے لئے جب ایک گورنر مسیحائی ثابت کی گئی تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہی مناسب و موزوں تھا گو ان کی مسیحائی رجحی و معنوی تھی اور ان کی صرف معنوی اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ روایت انجیل حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دشمنوں کے ہاتھ گرفتار کرنا والا وہ شخص تھا جو بظاہر ان کا کلمہ پڑھنے والا تھا اسی طرح حضرت مولانا گنگوہیؒ دو غیر ان کے رفقاء کے خلاف فحبری کر کے اور ان کو اذیت پہنچا کر انگریز کا تقرب اور اس سے مفاد حاصل والے بھی خود کو مسلمان ہی کہلاتے تھے اور خانصاحب بریل نے بھی انگریز کے ہاتھ مضبوط کرنے کی خاطر ان حضرات پر جس طرح کفر کی گولہ باری کی اور طعن کی مشین گن سے ان حضرات کی آبرو کی چھلنی کرنے کی لاماصل کوشش کی وہ تو آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہے تو یہ وجہ تقابل بھی خاصی فرنی ہے انجیل شہی باب ۲۶ آیت ۱۴-۱۵ میں ہے۔ اُس وقت اُن بارہ میں سے ایک نے جس کا نام یہوداہ اسکر یوت تھا سردار کا انہوں کے پاس جا کر کہا کہ اگر میں اُسے تمہارے حوالہ کر دوں تو مجھے کیا دو گے؟ انہوں نے اُسے تیس روپے تول کر دیئے۔

وعلیٰ هذا اقلنا واشترى لعمام من السوق
او ذبح بقرة او شاة لاجل ان يطبخ مرقا
وطعاما ليطعم الفقراء ويجعل ثوابها
لروح فلان حلت بلا شبهة وعلا مة
هذه الارادة ان ما يعين بقرة خاصة
باسم ذلك الميت ولا يعلمها بشئ بل يكون
عنده كل البقر سواسية في ذلك ان اللحم
المشتري من السوق والحاصل بعد ذبح
البقرة وفاء في وفاء النذر۔

قوله والفرق تحكم قد علمت وجہ الفرق
فان هناك اراقة الدم باسم الله من غير
نية التقرب الى الغير بتلك الاراقة
بل ايصال ثواب اليه باطعامه للفقراء
وايصال نفع اليه بالاكل كما في الو لا ثم
والاعراض وفي صودة الشراء الاراقة
نفسها عما يتقرب به الى ذلك الغير
(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۴۷ و ص ۴۸)

مؤلف مذکور نے اس مفصل عبارت کا قول اور آخر حصہ پیش کرنے کی جرات ہی نہیں کی جس سے مسلم پر وضاحت
سے روشنی پڑتی ہے اور جلا وہ پیش بھی کیے کرتے کیونکہ جس معاملہ وہی کے وہ درپے ہیں اس مفصل
عبارت سے ان کا سارا کھیل ہی ختم ہو جاتا ہے اور ان کے لئے اپنا کرب اور تماشہ دکھانا ہی بالکل
بے سود ہو جاتا ہے پھر جلا وہ یہ سودا کیوں کرتے؟ اس مفصل عبارت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ تقرب
غیر اللہ یا تقرب الی غیر اللہ جس میں غیر کی تعظیم کا پہلو ہو وہ بہر صورت ناجائز ہے اور نزاع بھی ضروری
شق اور صورت میں ہے باقی رہا تقرب الی غیر اس نیت اور ارادہ سے کہ وہ غیر اس کا گوشت کھائے اور

وجہ العبادۃ کے سوا اور کچھ نہیں چنانچہ شاہ صاحب اس قاعدہ پر تفریع بٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں کسی
شخص نے بازار سے گوشت خریدا یا گائے بکری کی یا بکری تاکہ اس کا کھانا تیار کرے اور فقراء کو کھلا کر
اس کا ثواب کسی روح کو پہنچا دے تو یہ بلاشبہ جائز ہے (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۴۷) علاوہ انہیں اس
کی مزید توضیح چھٹے باب میں آرہی ہے سامنے آنے کے بعد مخالفین پر واضح ہو جائیگا کہ شاہ صاحب
کی عبارتوں میں ان کے مذہب مسلک کے اثبات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے (مفصل ص ۴۷ و ۴۸)
الجواب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا کالوات و مشروبات والا حوالہ بڑا اہل اور مخصوص ہے اور مؤلف
مذکور نے علامہ شامی کے جس حوالہ سے علی وجہ العبادۃ کے جملہ سے سہارے کر جس طرح جان چھڑانے کی ناکامی
کی ہے وہ اہل علم کے ہاں قابل دید ہے علامہ شامی کے حوالہ کا مطلب قدسے تفصیل سے پہلے گزر چکا ہے ارادہ
کی ضرورت نہیں ہے البتہ ذلتاً کہہ کر انہوں نے فتاویٰ عزیزی کا جو حوالہ اور اس پر تفریع نقل کر کے غلط
اخذ کیا ہے وہ بالکل غلط ہے اور پھر کتاب کے چھٹے باب میں دلائل کے ساتھ مرعوب کرنے کی جو بلا وجہ تکی
دی ہے وہ گیدڑ کھسکی کے سوا کچھ نہیں اس لئے کہ یا زندہ صحبت باقی۔ ہم حضرت شاہ صاحب کی قدر سے
مفصل عبارت نقل کرتے ہیں جو انہوں نے بعض علماء کے جواب میں لکھی ہے۔

قوله بنية غير الله لكن لا بنية التقرب
به الى ذلك الغير بل بنية اكله وانتفاعه
باللحم فعلم ان منشاء اشتباه هذا
السائل انه لا يفرق بين الذبح بمعنى
اراقة الدم وبين المذبوح بين اللحم
والشحم فمضى كان اراقة الدم للتقرب
الى غير الله حرمات الذبيحة ومعنى كان
اراقة الدم لله والتقرب الى الغير
بالاكل والانتفاع حلت الذبيحة لان
الذبح عبادۃ عن الاراقة لا عن المذبوح
اي الذي يحصل بعد الذبح من اللحم والشحم

ان کا قول کہ غیر اللہ کی نیت سے لیکن غیر کے تقرب کی نیت
سے نہ ہو بلکہ اس کے کھانے اور اس کے گوشت سے فائدہ
اٹھانے کی نیت سے ہو اس سے معلوم ہوا کہ اس سائل کے
اشتباہ کا منشاء یہ ہے کہ وہ ایسی ذبح میں جو خون بہانے
کے لئے ہو اور ایسے مذبوح میں جو گوشت اور جربے کے لئے
ہو کوئی فرق نہیں کرتا حالانکہ جب خون بہانا تقرب فی اللہ
کے لئے ہو گا تو جانور حرام ہوگا اور جب جانور کا خون بہانا
صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور تقرب غیر سے یہ مطلب
ہو کہ وہ کھائے اور فائدہ اٹھائے تو ذبح کیا ہو جانور
حلال ہے کیونکہ ذبح کا مقصد خون بہانا ہے نہ وہ گوشت
اور جربے جو مذبوح سے ذبح کے بعد حاصل ہوتی ہے اور

اس سے فائدہ اٹھائے تو یہ ایصالِ ثواب (اور اگر کم ضیف) وغیرہ میں ہے جیسے کہ ولیمہ اور شادی وغیرہ میں جانور ذبح کئے جاتے ہیں اور ان کی قلت میں کوئی کلام نہیں الغرض تقرب الی غیر اللہ کے جس نزاعی پہلو کو وہ اجازت قرار دیتے ہیں اس کو وہ اول سے آخر تک اجازت ہی کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ولیمہ عقیقہ، نصاب کا گوشت کر کے نفع کا نا وغیرہ اس مد میں نہیں ہے اور وہ بلاشبہ جائز ہے حد کر کے کہ مؤلف مذکور کو علماء کی عجائبات سمجھنے کی توفیق نصیب ہو خلاصہ کلام ہے کہ بعض جابل عوام جس تقرب کی نیت سے گیارہویں دیتے ہیں وہ حضرت شاہ صاحب کی مالکوت و شہادت والی عبارت اور اس مذکورہ مفصل عبارت کی زد میں ہے لہذا اس کے حرام اور ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ہمیں رسول کی تعلیم عام کرنا ہے حیات اہل کے لئے کم ہے کیا کیا جائے

گیارہویں بصورت ایصالِ ثواب تنقید تیس میں یہ لکھا گیا تھا کہ جو لوگ تقرب کی نیت سے نہیں بلکہ ایصالِ ثواب کے ارادہ سے گیارہویں دیتے ہیں تو انہوں نے اس ایصالِ ثواب کے لئے امت میں سے صرف حضرت شیخ صاحب کا ہی انتخاب کیوں کر لیا ہے؟ ہر دور کو یہ ثواب اس نہیں آتا؟ اگر یہ محض ایصالِ ثواب ہے تو ماں باپ اور لواحقین کو کیوں نہیں کئے کسی نماز و روزہ چھوٹ گیا ہوگا اور کسی سے گناہ سزا دہوئے ہوں گے اور یہ لوگ گیارہویں کی وجہ میں صرف اسی بزرگ کو کیوں ایصالِ ثواب کرتے ہیں جو بفضلِ تعالیٰ نیکیوں سے مالا مال ہیں ومحصا۔

مؤلف مذکور اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولوی سمرقانی صاحب کو امت مسلمہ کا بڑا درد ہے اور وہ اس بات کے بے حد آرزو مند ہیں کہ لوگ اپنے ماں باپ کے لئے ایصالِ ثواب کریں لیکن یہ گلسرین کے آنسو میں اور بناؤ فی رونا و دھونا ہے اہل سنت کو مسلک ہے جیسا کہ صمد الافاضل نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ مسلک گیارہویں تیجہ چالیسواں وغیرہ سب متاخر فنہم یدفقون میں داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ فاتحہ تیجہ اور چالیسواں عام لوگ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ایصالِ ثواب کے لئے کرتے ہیں فاتحہ علی الاطلاق ثواب پہنچایا جاتا ہے اور تیجہ تیسرے دن اور چالیسواں چالیسواں دن لہذا مولوی سمرقانی صاحب کا دعویٰ باطل ہو گیا اصل مقصد ان کا اگر ہوں کی طرح تیجہ اور چالیسواں وغیرہ کو بھی بدعت و مکروہ و مذموم کہنا ہے جیسا کہ تنقید تیس میں ۷۵ میں ہے ظاہر ہو گیا کہ شیخ جیلانی کے لئے ایصالِ ثواب کرنا بھی مولوی سمرقانی صاحب کے نزدیک حرام ہے اور عام اموات کے لئے بھی

ایصالِ ثواب کرنا مکروہ و بدعت سے خالی نہیں پھر وہ کونسا ایصالِ ثواب ہے جو بلاشبہ جائز اور صحیح ہے اور جس پر اکثر فتویٰ متفق ہیں؟ ممکن ہے اس کے جواب میں مولوی سمرقانی صاحب یہ کہیں کہ بغیر تعین یوم کے ایصالِ ثواب کیا جائے تو جائز ہے لیکن ہمیں بھی یہ بتلائیں کہ بغیر تعین کے کسی شخص کا تحقق کس طرح ہو سکتا ہے؟ مولوی سمرقانی صاحب کا یہ کہنا قطعاً باطل ہے کہ جو بزرگ نیکیوں سے مالا مال ہوں اس کو ایصالِ ثواب نہیں کرنا چاہیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کی نیکیاں ہو سکتی ہیں؟ مگر شکوۃ ص ۱۲۵ میں ابو داؤد و ترمذی کے حوالہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کو وصیت فرمائی تھی کہ وہ آپ کی طرف سے قربانی کریں چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے تھے کیوں سمرقانی صاحب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھا کہ وہ نیکیوں سے مالا مال ہیں پھر آپ نے فرمایا آپ کو کیوں قربانی کے ایصالِ ثواب کے ساتھ خاص کر لیا امت کے گنہگار افراد کے لئے کیوں نہ وصیت فرمائی انھاس العاقبت ص ۱۱ میں ہے کہ شاہ عبد الرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایصالِ ثواب میں ان کے پاس آپ کی نیاز دینے کے لئے کوئی چیز میسر نہ تھی آخر کار کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ پر نیاز دی ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس انواع و اقسام کے طعام حاضر ہیں اور ان کے درمیان وہ گڑ اور چنے بھی رکھے ہیں آپ نے کمال سرت و التفات سے فرمایا اور انہیں طلب فرمایا اور کچھ آپ نے تناول فرمایا اور آپ نے اصحاب میں تقسیم کر دیا دیکھئے شاہ ولی اللہ صاحب کے والد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں آپ ان سے سوال کیجئے کہ آپ تو ثواب سے مالا مال ہیں شاہ صاحب دوسروں کو ایصالِ ثواب کیوں نہیں کرتے؟ کاش نادانوں کی عقل میں یہ بات آ سکتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا غوث اعظم اور دیگر مقربین حق کی بارگاہ میں ایصالِ ثواب اس لئے نہیں کیا جاتا کہ انہیں ہمارے ابداء ثواب کی احتیاج ہے اور انہیں ہم سے کسی فائدہ کی خواہش ہے بلکہ انہیں ایصالِ ثواب کرنے کی خود میں حاجت ہے تاکہ ان کے ساتھ رابطہ قائم ہو اور ممکن ہے میدانِ محشر میں بھی تعلق اور نسبت کام آجائے اور ہم مقربین کی شفاعت سے بہرہ مند ہو جائیں مقربان حق سے فائدہ رکھنے والے اور ان کی تنقیص کرنے والے اللہ تعالیٰ کی اس وعید کو کیوں بھول جاتے ہیں جو میرے ولی سے عداوت اور دشمنی رکھتا ہے میں اس سے جنگ کا

اعلان فرمادوں (مشکوٰۃ ص ۱۹) (محصار ص ۸۹ تا ص ۹۲)

الجواب۔ ہمارے سوال کا جواب تاہم مؤلف مذکور کی گردن پر شیر بہر کی طرح ہمارے ہم
نہ کہہ سکتا کہ اگر بعض محتاط قسم کے لوگوں کے نزدیک گیارہویں ایصالِ ثواب کا نام ہے تو خیال ان کے
اس اہتمام اور تعمین کے ساتھ ہر علاقہ کے لوگ ہر گیارہویں تاریخ کو اپنے ماں باپ اور لواحقین کو کوہوں
ایصالِ ثواب نہیں کرتے؛ اس مقام پر مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ عوام فانیہ نتیجہ اور حیلیم کی صورت میں
اپنے ماں باپ اور لواحقین کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں بالکل غیر متعلق بات ہے ہم نے مطلق ایصال
ثواب کی بات یہاں نہیں کی تاکہ بزرگم خویش بعض متعین کردہ افراد و عیال و حیلیم وغیرہ کے مذکرہ سے اس
سوال سے آسانی کے ساتھ گلوں کو صی ہو جائے۔ نتیجہ اور حیلیم وغیرہ تو وہ اپنے مقام کی بحث ہے ان کو
کا شرف کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ انشاء اللہ تعالیٰ اپنی جگہ پر مذکور ہوگا اور کافی حد تک ہم بھی چکا ہے
نیز ہم آپ کے صدر الافاضل کا یہ ناروا بیان ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ گیارہویں نتیجہ اور حیلیم ہمارے شہر
کی تفسیر میں شامل ہیں کیونکہ اگر یہ بدعات اس کی تفسیر میں شامل ہوتیں تو ضرور حضرات صحابہ کرام
سے لے کر تاہم مؤلف مفسرین کرام اس کی تفسیر میں ان کا ذکر فرماتے اور وہ ہرگز اس سے نہ چوتے مؤلف
مذکور کا یہ کہنا کہ شیخ جیلانی کے لئے ایصالِ ثواب کرنا بھی مولوی سرفراز صاحب کے نزدیک حرام ہے۔
نہرے تعصب بلکہ گندہ و ہنیت کی پیداوار ہے اس لئے کہ سرفراز نے جو بات تفتیقہ میں کہی ہے وہ
یہ ہے کہ گیارہویں بصورتِ تقرب حرام ہے اور بقصدِ تعالیٰ ہمارے وزنی دلائل و براہین کی موجودگی میں
مؤلف مذکور باوجود چکر کاٹنے کے اور طرح طرح سے پیڑھے بدلنے کے بھی اس کی حلت ثابت نہیں
کر سکے اور تفتیقہ میں رد میں ٹھوس دلیل کے ساتھ یہ ثابت کرنے کے بعد کہ موعود گیارہویں ایصالِ ثواب
کی مدین بھی شمار نہیں کی جاسکتی۔ لکھا ہے کہ گیارہویں کو ایصالِ ثواب کی مدین رکھنا بھی کسی طرح حشر
سے خالی نہیں ہے۔ کہاں یہ الفاظ اور کہاں ان کو حرام سے تعبیر کرنا عہدیں تفاق و راہ است از کجا نا کجا۔
ہاں تم تہجد اور حیلیم وغیرہ کو بدعت مکرہ اور مذموم حرکتیں سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف کوئی عقلی اور نقلی صحیح
دلیل موجود نہیں ہے جیسا کہ عیاں ہے اور باقی انشاء اللہ تعالیٰ عیاں ہو جائے گا باقی عام اموات کے لئے
حلال و طیب مال سے شرعی طور پر وراثت تقسیم کرنے کے بعد ایمان و اخلاص و اتباع سنت کے جذبہ
کے ساتھ بغیر ایام کی تعمین کے جو ایصالِ ثواب ہو وہ درست ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں
بلکہ شرعاً ایک مطلوب امر ہے مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ بغیر تعمین کے کسی شے کا تحقق کیسے ہو جاتا ہے

یہ ان کے محض طفلانہ ذہن کا نتیجہ ہے اس لئے کہ ایک ہے تعمین عر فی شمل بعض لوگ دوسرے بعض
پانچواں بعض چھٹا بعض آٹھواں دن و علیٰ ہذا القیاس کوئی اور دن اپنی سہولت کے لئے طے کر لیتے
ہیں اس کا کوئی منکر نہیں ہے انکار اس کا ہے کہ ہر قوم اور ہر شخص اور ہر جگہ اور ہر بدعت پسند علاقہ میں
تیسرا ہی دن متعین ہو وہ سوال دن ہی مقرر ہوا اور حیلیم ہی طے شدہ ہو کہ بغیر اطلاع دینے خود بخود درشتہ دار
ان دنوں میں کشاں کشاں طوعاً و کرہاً حاضر ہوں اور نہ شریک ہونے والے کو بنظر حقارت دیکھا
جائے یا اس پر وہ بیت کا فتویٰ ٹھونس دیا جائے اور آنے والے بھی بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ ہے
تو یہ فضول رسم ہی مگر کیا کریں آخر رادری اور شہد داری کا معاملہ ہے نہ شریک ہوں تو ناک کی خیر
نہیں رہتی اور خیر سے بچ کر نام ہی آج کل عموماً رسم قتل ہے یہ ہے تعمین حقیقی جس کو ہم ہی نہیں بلکہ حضرات
فقہاء کرام بھی بدعت کہتے ہیں اور بقول علامہ طیبی راجح محمد بن عبد اللہ الطیبی المتوفی ۷۲۸ھ لوگ
اس کو جماعت میں حاضر ہونے سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں (بیرونہ راجح من المحصور للجماعۃ بحوالہ فتاویٰ
رشیدیہ ج ۳ ص ۱۸۱) الغرض نفس ایصالِ ثواب اپنی شرعی شرائط کے ساتھ جائز اور صحیح ہے ایسی تعمین
بدعت ہے جس کا ذکر بھی اوپر ہوا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے یہ سوال ہوا کہ۔ بیع الاول کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کھانا
پکا کر اس کا ثواب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچانا اور اسی طرح محرم کے دنوں میں حضرت امام حسین
علیہ السلام کو اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دیگر آل اطہار کو ثواب پہنچانا صحیح ہے یا
نہیں؟ و محصلہ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

جواب انسان در کا خود مختار است میرسد
کہ ثواب خود برائے بزرگان با ایمان گرداند لیکن
برائے اس کار وقت و روز تعمین نمودن و ماہی
مقرر کردن بدعت الی قولہ و ہر چیز کہ برائے ترغیب
صاحب شرع و تعمین وقت باشد آں فعل عیث
است و مخالف سنت سیدالانام و مخالف سنت
حرام است پس ہرگز روانہ باشد و اگر دشمن خواہد
آوی اپنے کام میں مختار ہے اس کو یہ حق پہنچانے کا اپنا ثواب
با ایمان بزرگوں کو دے لیکن اس کام کے لئے وقت
اور دن اور مہینہ مقرر کرنا بدعت ہے (آگے فرمایا) کہ وہ
ہر چیز جس پر صاحب شرع کی ترغیب اور وقت کی
تعمین نہ ہو اس کا کرنا فضول اور آنحضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت ہے اور آپ کی
سنت کی مخالفت حرام ہے پس وہ ہرگز جائز نہیں ہے

اسلم کی طرف سے قبول فرما۔

شرح حدیث بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ قربانی امت کے ایصالِ ثواب ہی کے لئے کی تھی جس میں ظاہر ہے گنہگار بھی شامل ہیں اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو نبی معصوم ہیں ایصالِ ثواب کہاں جو تمام امت کے لئے کیا گیا۔ اور حضرت علی کا جو معانی اور امتی میں ایصالِ ثواب کہاں؟ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ہذا مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے آپ کے لئے ایصالِ ثواب کے لئے قربانی کی وصیت کیوں خاص کی اور امت کے گنہگار افراد کے لئے کیوں نہ وصیت کی (محصلہ) ایک لایعنی بات ہے اس لئے کہ آپ کو اپنی امت کے گنہگار افراد کا بھی خیال تھا اور اسی لئے تو آپ نے ان کی طرف سے قربانی کی اور حضرت علیؓ کی حدیث اولاً تو صحیح نہیں کہ اس وقت تا چوںکہ وہ آپ کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے اس لئے یہ مسئلہ واضح کرنے کے لئے ان کو وصیت قربانی تاکہ معلوم ہو جائے کہ بزرگ ترین شخصیت کو بھی ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے۔ الغرض آپ نے خود اپنے ہاتھ مبارک سے امت کے لئے ایصالِ ثواب کے لئے قربانی کی علاوہ انہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر دوں کے لئے دعا اور صدقہ وغیرہ کی امت کو جو تعین فرمائی ہے وہ بھی اسی خیر خواہی کی ایک کڑی ہے اور اس مضمون کی روایات پر شرح الصدور کتاب الروح اور تذکرہ قرطبی وغیرہ کتابوں میں سیر حاصل بخت موجود ہے۔ غرضیکہ امت کے گنہگاروں کو بھی بھلا یا نہیں گیا آخر میں مؤلف مذکور نے حدیث من عادی دلیما فقد اذنت بالحرث نقل کر کے عوام کو یہ باور کرانے کی کامیابی کی ہے کہ جو لوگ حضرت شیخ صاحب کی گیارہویں کے منکر میں وہ معاذ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور اولیاء کرام کی تنقیص کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی وعید کی زد میں ہیں مگر ہم مفصل عرض کر چکے ہیں کہ نفس ایصالِ ثواب کے ہم منکر نہیں اور نہ معاذ اللہ تعالیٰ اولیاء کرام اور علی الخصوص حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی توہین و تنقیص کرتے ہیں ہم تو تمام کو اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے سمجھتے ہیں اور ان کی محبت اور اتباع کو اپنے لئے نجات کا حسب حدیث شریف المرامع من احب لیکن اگر آپ لوگ ان حضرات سے خدائی صفات کی نفی اور بدعات کی تردید کو معاذ اللہ تعالیٰ ان کی تنقیص سمجھتے ہیں تو یہ آپ لوگوں کی کم فہمی یا کج بخشی کا غلط نتیجہ ہے اور ایسی نام نہاد توہین تو معاذ اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک محدثین کرامؓ فقہاء عظامؓ اور بزرگان دینؓ کرتے رہے ہیں اور حضرت شاہ عبدالغنی

صاحب کے حوالہ سے ایسی توہین آپ مفصل سن چکے ہیں اعلیٰ کی حاجت نہیں ہے اور اگر بقول آپ کے گیارہویں دینا اللہ تعالیٰ کی دشمنی کا موجب ہے تو اس میں آپ لوگ بھی شریک ہیں کیونکہ لاکھوں بلکہ کروڑوں ولیاء کرام کے نام پر آپ لوگ بھی گیارہویں نہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دشمنی مول لے رہے ہیں مگر آپ کہہ سکتے ہیں خدا پرست ہے پھر بھی بھٹک ہی جاتا ہے خطا بھی فطرت آدم ہے کیا کیا جائے

سو علم | یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ سرفراز صاحب نے فتاویٰ ضویہ سے آنحضرت کی بشارت پیش کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو خواہ میسر نہ رہے باقی یہ تعین عری ہے جب چاہیں کر لیں انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جالت ہے و بدعت ہے اس پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ ہجرت و تاسف کی بات ہے کہ جو چیز فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت کے نزدیک بھی بدعت ہے وہ قرآنی حکم کی تفسیر کیسے بن سکتی ہے تنقید ۵۵ مولوی سرفراز صاحب کو پتہ نہیں چلایا جان بوجھ کر جاہل بنے ہیں اعلیٰ حضرت کو تعین ضروری جاننے کو بدعت قرار دیتے ہیں جو کہ تعین شرعی ہے اور تعین عری کو جائز قرار دیتے ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں کلام اس میں ہے کہ وجوب تعین کے اعتقاد کے بغیر سوئم جائز ہے یا نہیں؟ اور محمد اللہ سرفراز صاحب اس کے علم جواز پر کوئی دلیل نہیں لاسکے خود اعلیٰ حضرت کا مستقل رسالہ الحجۃ الفاطمیہ چھپ چکا ہے جس میں اکابر و بابہ اور دیابنہ کی عبارتوں سے جواز چہلم سوئم اور عرس پر استدلال کیا گیا ہے سرفراز صاحب میں بہت ہے تو ان عبارتوں کا جواب دیں مار کھا کر بیسوزان لوگوں کی پرانی عادت ہے۔ رونے دہونے سے آپ پر رحم تو آسکتا ہے لیکن دعویٰ تو دلائل سے ثابت ہوگا اسی طرح سرفراز صاحب نے دیگر فقہاء کرام کی عبارتوں سے مواد پیش کیا ہے کہ موت کے تیسرے دن ضیافت کرنا مکروہ ہے بے شک ضیافت کرنا مکروہ ہے کہ وہ خوشی کے موقع پر ہوتی ہے اور غم اور سوگ کا موقع ہے لیکن یہ ان کو کون سمجھائے کہ سوئم میں قل فاطر اور طعام کا ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور ایصالِ ثواب کو اصولی طور پر وہ بھی مانتے ہیں جس پر وہ جملہ ائمہ فتویٰ کا اتفاق تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ ایصالِ ثواب اسی وقت خارج میں متحقق ہوگا جب کسی قید کے ضمن میں ہوگا یا وفات کے پہلے روز ہوگا یا دوسرے یا تیسرے روز اگر کسی کام جیت ہو ہو خارج میں متحقق بدو کسی فرو کے متصور ہے تو بڑے کرم اس منطق سے ہمیں بھی مطلع کریں اور اگر آپ نے ایصالِ ثواب کو محض لحاظ عقلی اور مزہ حصول میں مانا ہے تو چلیے آپ اس پر کوئی صریح حدیث پیش کر دیجئے چشم

الجواب۔ ہم نے تنقید میں علامہ ابن امیر الحاج امام ابن حجر مکی امام موفق الدین ابن قدامہ امام کورنی امام نووی ملا علی القاری قاضی شاد صاحب پانی پتی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تہجد نصیر الدین اور مولانا عبدالحی کھنوی کے حوالے سے صریح عبارات نقل کی تھیں لیکن مولف مذکور ان سب کو پی گئے ہیں اور ذکر تک نہیں لیا ان تمام عبارات میں ممانعت کی وجہ ایصال ثواب کے لئے تیسرے دن تک نہیں کی صراحت ہے ان پیش کردہ عبارات میں ممانعت کی وجہ ضیافت نہیں جیسا کہ ان عبارات کی مولف مذکور نے بیجا تاویل کی ہے اور امام ابن حجر مکی کی عبارت میں یہ الفاظ موجود ہیں تیسرے دن فقراء وغیرہم کے لئے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے الی قول سب کی سب بدعت مذکورہ ہیں مولف مذکور کس طرح عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں اور ان ٹھوس اور محکم عبارات سے گلو خلاصی کے لئے تاویل نہیں بلکہ تحریف کہتے ہیں کیا علم و دیانت اسی کا نام ہے پھر اس کے بعد ہم نے خود ان کے اعلیٰ حضرت کے تین حوالے عرض کئے تھے ایک احکام شریعت کا اس کا بھی انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسرا الحجۃ الفاعلہ کا اس کا بھی انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا ہاں البتہ الفتاویٰ الرضویہ کی عبارت کا جواب دینے کی ناکام کوشش کی ہے مگر خانصاحب کی عبارت خود مولف مذکور پر نفیس کر رہی ہے اور وہ خود چلا چلا کر کہہ رہی ہے کہ میرا جواب نہیں ہوا ان کے الفاظ پھر ملاحظہ کر لیں خانصاحب دوسرے اور تیسرے دن ہی کو تعین عری کا مصداق نہیں بنا رہے وہ کہتے ہیں جب چاہیں کریں انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے اور بدعت اس عبارت میں خانصاحب جس چیز کو ممانعت کی علت قرار دے رہے ہیں وہ ضیافت نہیں (یہ یاد رہے کہ جن حضرات فقہاء کرام نے یہ فرمایا ہے کہ تین دن تک میت کے گھر میں کھانا نہیں پکا ناچا جیئے کیونکہ ضیافت خوشی میں ہوتی ہے نہ کہ غمی میں وہ عبارات ہم نے یہاں نقل نہیں کیں یہاں جو عبارات ہم نے نقل کی ہیں ان میں سوئم۔ ساتواں۔ چالیسواں سال کے بعد برسی کی تصریح ہے اور بعض عبارتوں میں فقراء کے کھانے کی اور بعض میں طعام قبروں پر لے جانے کی صراحت ہے ان تمام عبارات میں ممانعت کی صریح وجہ ایام کی تعین ہے نہ کہ ضیافت۔ ضیافت کی علت ہونے کی عبارتیں دوسرے مقام پر مذکور ہیں اور ان میں بھی اور ممانعت صرف تین دن تک کے لئے ہے مولف مذکور اپنی جہالت کی وجہ سے ان کو گڈ نہ کر رہے ہیں بلکہ ایام کی تعین ہے جیسا کہ ان کی عبارت

سے بالکل ظاہر ہے اور جس تعین کو خانصاحب تعین عری کہتے ہیں وہ صرف دوم اور سوئم میں منحصر نہیں جیسا کہ مولف مذکور نے اپنی نادانی سے یہ سمجھ رکھا ہے بلکہ اس تعین عری میں تعیم ہے جس پر خانصاحب کے یہ الفاظ دال ہیں جب چاہیں کریں اور دوم اور سوئم کی گنتی کو ضروری سمجھنے کو وہ جہالت و بدعت کہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ خانصاحب اور مولف مذکور کے نزدیک ضروری جاننے سے کیا مراد ہے کیا یہ مراد ہے کہ سوئم کرنے والا گلی میں فحول ڈال لے اور گلی بازاروں میں اسے بجاتا اور ساتھ گنا پھرے کہ لوگوں کو سوئم کرنے کو ضروری سمجھتا ہوں یا یہ مراد ہے کہ گوزبان سے تو وہ لفظ ضروری نہیں کہتا لیکن عملاً اس کو ایسا اور اتنا ضروری قرار دیتا ہے کہ اس میں حاضر ہوئے بغیر کوئی چارہ نہیں پاتا اور عاف رکھنا بالعموم ایسا ہی ہوتا ہے اور ہر مراد ہے حتیٰ کہ اجتماعی شکل میں اس بدرسم کو توڑنا جہاد سے کسی درجہ کم نہیں مولف مذکور ہی بہت اور جرأت کر کے اور اپنے شکم مبارک کا آزار لے کر تحریج کی تعین کے خلاف علمی مضمون لکھ کر اخبارات اور رسائل میں چھاپ دیں پھر دیکھیں کہ عوام جو بے لفظ سنا لیں گے وہ تو الگ بات ہے آپ کی برادری کے حتمی ملا ہی انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے تکتے بوٹیاں کر دیں گے معاف رکھنا ضروری اور کس چیز کا نام ہے جس چیز کو خانصاحب تعین عری سے تعبیر کرتے لوگوں کے عمل سے وہی چیز آج کل تعین حقیقی کا نام ہے خانصاحب کی عبارت کو پی کر خانصاحب کی جس عبارت کا انہوں نے جواب دیا ہے وہ بھی نرمی و دفع الوقتی اور تاثر تکلیف سے فروتر ہے مولف مذکور کا یہ کہنا کہ بہت اور جرأت ہے تو الحجۃ الفاعلہ کا جواب دین خالص طفلانہ بات ہے اس لئے کہ الحجۃ الفاعلہ سے کہیں بڑھ کر ان بدعت کے اثبات پر مولوی عبد السمیع صاحب نے انوار اطہر میں حوالے دیئے ہیں جن کا عالمانہ اور محققانہ جواب البراہین القاطعہ میں دیا جا چکا ہے آپ کو توفیق ہو تو اس کی تردید کر دیں پھر خدا تعالیٰ کی قدرت کا کرم دیکھیں کہ آپ کو کس طرح دن کو تارے نظر آتے ہیں مولف مذکور کا یہ کہنا کہ۔ اسی طرح سرفراز صاحب نے دیگر فقہاء کرام کی عبارتوں سے مواد پیش کیا ہے کہ موت کے تیسرے روز ضیافت کرنا مکروہ ہے الخ اس کے بغیر ہم اور کیا عرض کر سکتے ہیں کہ لغتہ اللہ علی الکافین ہم نے فقہاء کرام کی جو عبارات نقل کی ہیں ان میں کسی ایک میں بھی ممانعت کی علت ضیافت مذکور نہیں ان میں جو کچھ مذکور ہے وہ ایام کی تعین ہے حتیٰ کہ خانصاحب کی عبارت میں بھی ممانعت کی علت ضیافت نہیں قرار دی گئی بلکہ دنوں کی تعین ہی قرار دی گئی ہے انیسویں کے مولف مذکور اپنے ناخواندہ حواریوں کو جنہوں نے تنقید میں نہیں پڑھی کس طرح اندھیرے

ہیں رکھے ہیں اور کس طرح صریح جھوٹ پر کمر باندھ لی ہے چہ دلاور است ورنے کے کلف چہ راغ واد
اور ہم نے حضرت شیخ عبدالحق صاحب کی یہ عبارت بھی نقل کی تھی آتائیں اجتماع مخصوص روز سوم وار کتاب
تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامی بدعت است و حرام مدارج النبوت ج ۱ ص ۱۰۸
طبع نو کشور مؤلف مذکور نے اس عبارت کا بھی قطعاً کوئی جواب نہیں دیا اور بعد ازاں ایسی صریح عبارات کا
جواب لائیں بھی کہاں سے صرف موٹی سی بے مغز کتاب لکھ کر اپنے حواریوں سے داؤ تحسین لینا ہی ان کا کمال
ہے مؤلف مذکور کی یہ بات بھی بڑی ہی تعجب انگیز ہے کہ مارکھا کر سوزنا ان لوگوں کی پرانی عادت ہے
بہر حال رونے دھونے سے آپ پر رحم تو آسکتا ہے لیکن دعویٰ تو دلائل سے ہی ثابت ہوگا۔ اس عبارت میں
وہ اپنے سیدھے منہ سے اور بھولے بھالے مگر حکم پرست حواریوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ مؤلف مذکور نے
علمی توپ سے کوئی ایسا گولہ چلا دیا ہے جس سے سرفراز جیسا توحید و سنت کا شیدائی اور شرک و بدعت پر لڑائی
ضرب لگانے والا تجربہ کار اور بوڑھا جرنیل علم کے میدان کا رنار میں گھائل ہو کر گر پڑا ہے اور بیچارہ رو دھو رہا
ہے اور مؤلف مذکور کو انسانی ہمدردی کے تحت اس پر رحم آ رہا ہے شاید اسی علمی مورچہ یوں ہی بار دلائل مفت
میں فحش کر لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مؤلف مذکور کو گوش بوش سن لینا چاہیے کہ حق باطل سے سچ جھوٹ
سے توحید شرک سے سنت بدعت سے اور علم جہل سے کبھی مار نہیں کھانا ملے صرف اپنے ہی حلقہ درس میں
اور اپنے ہی حواریوں میں ایک طرف کاروائی کرتے ہوئے صرف ہوائی فائر سے فرضی طور پر دل خوش کرنے کے
لئے اپنے مقابل کو آپ گھائل کر دیں تو یہ صرف آپ کے عجیبے جتنے کے کرشمے تک ہی محدود ہے اور بس
ان خاک کے پتلوں کو تو چاہیے تو کندن کر

اخلاص کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

الحاصل مؤلف مذکور پوری کتاب میں عموماً اور اس باب میں خصوصاً جواب دینے میں بالکل ناکام
رہے ہیں ہماری کسی بات اور کسی حوالہ کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور نہ ان سے اس کی توقع ہو سکتی ہے اور
آخر میں انہوں نے جو یہ بات کہی ہے کہ اگر کسی من حیث ہو ہو کا خارج میں تحقیق بدوں کسی فرد کے متصور ہے تو اس
منطق سے ہم بھی مطلع کریں اور اپنے منطق ہونے کا رعب جمایا ہے یہ بھی نرمی مضحکہ خیز بات ہے اس لئے کہ
کلی طبع کے سلسلہ میں مناطفہ میں خاصا اختلاف ہے جمہور علما یہ کہتے ہیں کہ کلی طبعی خارج میں خود نہیں بلکہ
افراد کے ضمن میں متحقق ہوتی ہے اور بعض متاخرین جن میں علامہ نقضانی وغیرہ بھی شامل ہیں یہ کہتے ہیں کہ خارج
میں صرف افراد جو جو دیں کلی موجود نہیں یعنی افراد کے ضمن میں بھی نہیں جو کچھ خارج میں ہے وہ صرف افراد ہی افراد ہیں۔

بجلی سے نہیں جاتی کاشانوں کی تاریکی
ایمان کے چراغوں کو نور عطا کر دے
مسئلہ ایصال ثواب دلائل شرعیہ کی روشنی میں
یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ایصال
ثواب اہل سنت کے نزدیک جائز ہے اور معتزلہ چونکہ حیات الاموات کے منکر ہیں اس لئے وہ ایصال
ثواب کا انکار کرتے ہیں اس مسئلہ کو متکلمین نے کتب عقائد میں ذکر کیا ہے۔ پہلا حوالہ انہوں نے شرح
عقائد ص ۲۵۲ کا دیا ہے کہ زندہ لوگ مردوں کے لئے جو دعائیں لکھتے اور صدقات کرتے ہیں ان سے ان کو
نفع پہنچتا ہے معتزلہ اس میں خلاف ہے۔ دوسرا حوالہ مشکوٰۃ ص ۱۶۹ سے پیش کیا ہے کہ حضرت سعد بن
عبادہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کنواں کھود کر ان کو بہترین صدقہ کی
تلفیق فرمائی تیسرا حوالہ اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۶۹ سے نقل کیا ہے کہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ عبادت
بذریعہ ثواب بھی پہنچتا ہے اور چوتھا حوالہ مسائلربعین ص ۳۳ سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا
نقل کیا ہے کہ علماء حنفیہ کے نزدیک بدنی اور مالی دونوں عبادتوں کا ثواب میت کو پہنچتا ہے جیسا کہ پہلے
میں ہے اور پانچواں حوالہ بغیر صفحہ بتائے شرح الصدور ص ۱۲۹ میں ہے۔ صفحہ ۱۲۹

حضرت انس کی مرفوع روایت کا ذکر کیا ہے کہ میت کی طرف سے جب کوئی صدقہ کرتا ہے تو جبرائیل
علیہ السلام اس کو نورانی طبق میں رکھ کر میت سے خطاب کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں کہ تیرے اہل خانہ نے
پیش کیا ہے اور میت اس سے بہت خوش ہوتی ہے اور چھٹا حوالہ بھی بغیر صفحہ بتائے شرح الصدور کا
(جو ص ۱۲۹ میں ہے۔ صفحہ ۱۲۹) حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت کا پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عبد صالح
کا درجہ جنت میں بلند فرماتا ہے وہ کہتا ہے یہ کیسے؟ تو رب تعالیٰ فرماتا ہے تیری اولاد کی دعا کی وجہ سے

الجواب معلوم نہیں کہ مؤلف مذکور نے بلا ضرورت اور غیر متعلق بحث یہاں کیوں چھیڑ دی ہے یہ حوائج تو اس شخص کے خلاف وہ پیش کرتے جو ایصالِ ثواب کا یا قبور میں حیات کا منکر اور معتزلہ کے نظریے کا حامل ہو بوجہ اللہ تعالیٰ ہم نے تسکین الصدور اور سماع الموتیٰ میں حیات فی القبور پر باحوال ٹھوس بحث کی ہے جس سے بشرط انصاف کسی منکر کو انکار کی گنجائش ہی نہیں رہتی اور ایصالِ ثواب کے بارے میں ہم نے راہِ سنت و غیرہ کتابوں میں بقدر ضرورت باحوال بحث کر دی ہے اس مفروضہ بحث کے بجائے مؤلف مذکور کو سوئم وغیرہ آیام کی تعین کی بدعت ہونے کے بارے میں معقول جوابات دینے چاہیے تھے جن سے لوگوں کی علمی بیاس بچتی لیکن وہاں تو خیر سے مؤلف مذکور ریشہ و خطی ثابت ہوئے اور اس غیر متعلق اور غیر ضروری بحث میں گاؤربان بن رہے ہیں شاید اپنے ناخواندہ حواریوں کو یہ بتانا مقصود ہو گا کہ سرفراز معاذ اللہ تعالیٰ معتزلہ کا ہم نوا ہے اور نفس ایصالِ ثواب کا منکر ہے اور ہمارے خلاف اپنے دعویٰ کے اثبات پر دلائل تو مؤلف مذکور کے پاس ہیں نہیں اس طریقہ سے کہ کتاب میں فضول بھیج کر کہ اس کو ضخیم بنا دیا جائے عوام سرفراز سے متنفذ اور بدظن ہوں گے اور اس کی کتابیں خریدنا اور پڑھنا ترک کر دیں گے مگر یہ مؤلف مذکور کا نرا وہم ہے

بے باک ہیں دعوئے راہوں میں بغاوت کے ان پاؤں کو طاقت کی زنجیر عطا کر دے

ایصالِ ثواب میں تعین کی توضیح | یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ سرفراز صاحب نفس ایصالِ ثواب کے قائل ہیں مابہ النزاع سوئم۔ گیاڑھویں اور عرس وغیرہ کی معین تاریخوں میں ہے کہ ایصالِ ثواب جائز ہے یا نہیں؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ جائز ہے کیونکہ ایصالِ ثواب کا حکم کلی جب ثابت ہے تو ایسا غوجی پڑھنے والا بھی جانتا ہے کہ کل اپنے افراد کے ضمن میں پائی جاتی ہے ہذا سوئم وغیرہ اس کے افراد میں سرفراز صاحب نے اعلیٰ حضرت اور دوسرے فقہاء کرام کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ تعین بدعت ہے سو گذارش ہے کہ مطلق تعین بدعت نہیں تعین شرعی بدعت ہے کوئی شخص یوں اعتقاد کرے کہ گیارہ تاریخ کو ایصالِ ثواب کیا گیا تو صحیح ہے اور بارہ کو حرام ہے۔ اگر ان تاریخوں میں ایصالِ ثواب فرض و واجب سمجھے تو تعین یقیناً بدعت سیدہ اور محض باطل ہے۔ اگر ہماری تحقیق نہیں مانتے تو اپنے پیر روشن ضمیر کی بات مان لیجئے وہ فیصلہ ہفت مسئلہ میں تحریر فرماتے ہیں نفس ایصالِ ثواب ارواح اموات

میں کسی کو کام نہیں اس میں بھی تخصیص و تعین کو توقف علیہ ثواب کا سمجھنا فرض و واجب اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید در صحیح نقیذ ہے۔ مصدقہ ہدایت کن الیہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا بصلحت نماز میں سورہ خاص معین کرنے کو فقہاء و محققین نے جائز رکھا ہے۔ اہل سنت ان عرفی تاریخوں کو فرض و واجب اور ان کے علاوہ تاریخوں کو حرام نہیں سمجھتے اور آیام میں بھی ایصالِ ثواب کو جائز سمجھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں سرفراز صاحب کو بھی طوعاً و کرہاً اس کا اقرار کرنا پڑا تنقید میں منہ میں ہے اب کچھ ہوشیار قسم کے لوگوں اور بطل پروروں نے یہ جیلہ شروع کر دیا ہے کہ کسی جگہ تو گیارہویں تاریخ کو یہ دن منالیتے ہیں اور کسی دوسری جگہ بارہویں اور تیرہویں کو (مجلد ۹۲ تا ۹۶) الجواب۔ مثل مشہور ہے کہ سوان کے اندھے کو ہر ای نظر دکھائی دیتا ہے یہی حال مؤلف مذکور کا ہے کہ ان کو ایصالِ ثواب کے لافعاذ آیام میں صرف سوئم گیارہویں چیلیم۔ اور برسی وغیرہ ہی نظر آتی ہے دوسرے افراد ان کو قطعاً دکھائی ہی نہیں دیتے اور ہم بقدر ضرورت بحث اس پر پہلے کر چکے ہیں مؤلف مذکور اپنے اعلیٰ حضرت اور دوسرے فقہاء کرام کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ مطلق تعین بدعت نہیں بلکہ تعین شرعی بدعت ہے کہ گیارہ تاریخ کو ایصالِ ثواب صحیح ہے اور بارہ کو حرام ہے مؤلف مذکور بھی عجیب شخصیت کے مالک ہیں اور سوئم تو یہی ہے کہ دروغ گویا لفظ نہ باشد۔ قارئین کرام کو یاد ہو گا کہ پہلے مؤلف مذکور نے تنقید میں پیش کردہ حضرات فقہاء کرام کی عبارات کے بارے میں لکھا تھا کہ سرفراز صاحب نے دیگر فقہاء کرام کی عبارتوں سے مواہد پیش کیا ہے کہ موت کے تیسرے روز ضیافت کرنا مکروہ ہے اور وہاں تو ممانعت کی علت ضیافت بتلائی تھی اور یہاں انہیں حضرات فقہاء کرام سے ممانعت کی وجہ تعین آیام بیان کی ہے آخر اس دورنگی چال اور گولہ محضہ کا کیا سبب ہے؟ ممکن ہے مؤلف مذکور کے نزدیک اس پر عمل ہو گا لنگا لنگے تو گنگا رام اور جنانا گئے تو جنانا داس ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور پھر دوبارہ عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ میں بہت اور جرات ہے تو سوئم گیارہویں چیلیم اور برسی وغیرہ کو عموماً جماعتی صورت میں اپنی جگہ سے ہٹا کر بتا دیں ہم بھی آپ کی یہ کرامت تسلیم کر لیں گے اور یہ محجس کے کہ واقعی حلوہ نمودار میں بھی کوئی خالص دینی انقلابی مریضہا ہوا ہے اور اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکیں گے تو پھر کا طبعی کے ان چند افراد کی رام کہانی کو بار بار دہرانے کی تکلیف نہ اٹھائیں علی صورت میں عوام نہیں بلکہ آپ جیسے خواص میں ان آیام میں حاضری جمعہ و جماعت میں حاضری سے بھی زیادہ اہم سمجھتے ہیں اور ان کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتے تو پھر اس کے بدعت سیدہ اور باطل محض ہونے میں کیا شبہ ہے؟ ہمارے حضرت پیر روشن ضمیر کی عبارت

چھوٹ جائے بلکہ تعین شرعی ہے تو سال کے تین سو بیسٹھ دنوں میں سے ہم پر سات دنوں کی تعین کا اعتراض ہے تو آپ پر تین سو اٹھاون دنوں کی تعین کا اعتراض ہے اس شرعی حرج اور تعین شرعی پر آپ کے پاس کوئی صحیح اور صریح دلیل ہے اور تعین شرعی کے بدعت ہونے میں کسی کو کلام نہیں مگر صاحب ذرا ہوش میں اگر جواب دیجئے کہ تعین شرعی بریلویوں کی بدعت ہے یا دیوبندیوں کی ع وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ (محصلا ص ۹۷ و ۹۸)

الجواب کہادت مشہور ہے کہ آپ کو چھپڑوں کے خواب ہی نظر آتے رہتے ہیں یہی حال مولف مذکور کا ہے کہ موقع محل ہو یا نہ ہو سوئم۔ گیارہویں اور چہلم وغیرہ ان کے ذہن سے نکلتے ہی نہیں اور انکشی فی الجرح کی طرح یہ ان کے ذہن میں جاگزین ہیں اور تنقید میں ان کے ٹھوس حوالوں نے ان کو کچھ ایسا حواس باختہ کر دیا ہے کہ وہ کہ ان کو گیارہویں اور سوئم وغیرہ ہی یاد آتے ہیں کہ ہائے کیا بن گیا؟ اور کس طرح شکم شریف پر حکم حوالوں کا گولہ پڑ گیا؟ مگر اس دواہل سے کیا حاصل؟ علمی گولہ جو کام کرنا تھا وہ بفضلہ تعالیٰ کر چکا ہے اور رہی یہی کسر بھی انشاء اللہ تعالیٰ نکل جائے گی۔ مولف مذکور اور ان کی پارٹی اگر بقول خود سوئم وغیرہ عرفی تاریخوں میں ایصال ثواب کو واجب اور غیر میں حرام نہیں سمجھتے تو علی صورت میں اس پر عمل کر کے کھائیں تاکہ عوام کو بھی یقین آجائے کہ جو وہ کہتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں اگر جماعتی صورت میں ایسا کر لیں تو عوام خود بخود سمجھ لیں گے کہ واقعی آپ لوگ اطلاق شرعی کو اپنی اصل پر رکھتے ہیں ورنہ سب یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ مولف مذکور اور ان کی پارٹی کے پاس ہاتھی کے دانت ہیں کھانے کے اور کھانے کے اور۔ ہمارے موقف تو نہیں کہ سوئم وغیرہ آیام میں ایصال ثواب کرنا حرام ہے حاشا و کلام ہم پر زرا بہتان اور خالص جھوٹ ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ انہی آیام کو ایصال ثواب کے لئے خاص کر لینا اور دوسرے آیام میں ایصال ثواب نہ کرنا بدعت ہے۔ نہ تو ہم نے اطلاق شرعی کو باطل کیا ہے اور نہ معاذ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تغلیط کی ہے یہ آپ کی خالص شیطنیت ہے کہ عوام کے جذبات کو خواہ مخواہ ہمارے خلاف بھڑکاتے ہیں جب ہم نے یہ کہا ہی نہیں کہ ان آیام میں ایصال ثواب حرام ہے تو پھر مینیوں کی طرح یہ حساب کرنا کہ سات دن کی تعین کا ہم پر اور تین سو اٹھاون دن کی تعین کا اعتراض تم پر آتا ہے۔ قطعاً بے فائدہ ہے ان آیام کی تعین شرعی پر آپ لوگوں کے اتفاق تعامل سے بڑھ کر اور کوئی دلیل آپ کو درکار ہے؟ آپ لوگوں کا تعامل ہی اس تعین کو تعین شرعی اور تعین حقیقی

آپ کو ہرگز سوئم نہیں کیونکہ آج کل عوام کیا بلکہ خواص بھی ان آیام کی کارروائی کو علف فرض و واجب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں لہذا اس کے ممنوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہاں اگر کسی موقع پر کوئی شخص وقتی مصلحت کے پیش نظر دوسرے دن کی تعین کرے اور کوئی اپنی خاکی مصلحت کی وجہ سے چوتھے دن کی کرے کوئی اور اپنی وقتی مصلحت کے لئے پانچویں دن کی کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں مگر آج کل ایسا کون کرتا ہے اور کہاں ہوتا ہے؟ حضرات فقہاء کرام نے کسی سورت کو تعین کرنے کی صرف اس صورت میں اجازت دی ہے کہ اس سورت کا پڑھنا آسان ہے یا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ پڑھی ہے اس لئے بطور تبرک اس کو پڑھنا ہے اور ظاہر امر ہے کہ تنازع فیہا آیام کی تعین (دوسرے آیام سے صرف نظر کرتے ہوئے) نہ تو نسبت دیگر آیام کے شرعاً آسان ہے نہ عقلاً جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی تو کیا حضرات سلف صالحین سے بھی ان آیام کی تعین ثابت نہیں بلکہ وہ اس کو بدعت سید سے تعبیر کرتے ہیں۔ مولف مذکور نے تنقید میں کاپور احوال نہیں جس میں بات کھلتی ہے لفظاً یہ ہوں گو۔ کے آگے یہ عبارت ہے وہ بتلاتے تو یہ ہیں کہ لیجئے ہم گیارہویں تا یرخ کو ہی ضروری نہیں سمجھتے لیکن اصل بات وہ عوام الناس سے بالکل اوچھل رکھتے ہیں وہ یہ کہ اس طریقہ سے ان کے طبق مبارک کے لئے متعدد جگہیں نکل آتی ہیں اور کوئی جگہ ہاتھ سے نہیں جاتی آؤ تو بظاہر مسئلہ کی ہے مگر انتظام سب پیٹ کا ہے اور عوام الناس کو وہ آئے دن بجائے دلائل و براہین کے چاولوں اور مٹھائیوں سے مطمئن کرتے رہتے ہیں انتہی (ص ۵۹) اس ساری عبارت کو بھی ملاحظہ فرمائیے اور پھر نتیجہ مولف مذکور نے اس سے نکالا ہے اس کو بھی ملاحظہ کریجئے کہ من چہ میگویم و طبل من چہ میسراید مگر وہ کہہ سکتے ہیں۔

بڑا ہوتا محمد راز تو نے کیا ہم کو رسوا کرنا کہتے ہیں
گیارہویں کو حرام کہنا بدعت ہے | یہ عنوان قائم کر کے مولف مذکور نے جو کچھ اس کے تحت لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے عرفی تاریخوں میں ایصال ثواب کرنا ہمارے نزدیک واجب اور غیر میں حرام نہیں ہم مطلق شرعی کو اس کے اطلاق پر رکھتے ہیں لیکن آپ نے سوئم بمقام چہلم گیارہویں اور عرس وغیرہ آیام میں ایصال ثواب کو حرام کر کے اطلاق شرعی کو باطل اور معاذ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تغلیط کی ہے۔ نیز جب آپ نے ان تاریخوں میں ایصال ثواب کو حرام قرار دیا اور باقی آیام میں جائز رکھا تو ان آیام کو آپ نے ثواب کے لئے متعین کر دیا اور یہ تعین عرفی نہیں جس سے آپ کی جان

بتا رہا ہے اور ہم تو شکیوئیت ان آیات کے جب کہ انہی آیات کی تخصیص نہ ہو باقی تمام آیات میں بھی ایصال ثواب کو تعمین عرفی ہی سمجھتے ہیں اور یہ بھی ایسا ہی لہذا ہم سے دلیل کا مطالعہ سو دے باقی سوئم وغیرہ کی تعمین کے بدعت و حرام ہونے پر ہم نے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی وغیرہ کے حوالے عرض کر دیے ہیں جن سے آپ نے کثرت کی طرح بالکل انکھیں بند کر لی ہیں لغرض بریلویوں کی تعمین ان کے اجماعی تعامل سے تعمین حقیقی و شرعی بن جاتی ہے جس کے بدعت ہونے کا آپ کو بھی اقرار ہے کہ تعمین شرعی کے بدعت ہونے میں کسی کو کام نہیں۔ اور ہمارا بھی اس پر صواب ہے باقی رہے اہل سنت والجماعت اور اہل حق و دیوبندی تو ان کے نزدیک تعمین عرفی ہے اور ان پر عملی اور تحقیقی طور پر قطعاً کوئی تردد نہیں پڑتی جیسا کہ کسی بھی اہل علم اور منصف مزاج سے یہ بات مخفی نہیں ہے تعجب ہے کہ مولف مذکور نے عنوان تو یہ قائم کیا ہے کہ گیارہویں کو حرام کہنا بدعت ہے اور آگے دلیل بغیر دلیلوں کے بے سود حساب کے اور کچھ نہیں دی گویا نرسی لغافلہ سے اپنا یہ بے بنیاد دعویٰ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گیارہویں کو حرام کہنا بدعت ہے اور ہمارے سابق پیش کردہ واضح اور روشن حوالے جو ان کی آنکھوں کو تیرہ کہے ہیں وہ بالکل ان کو نظر نہیں آ رہے بقول بلگرامیؒ

شہرہ با حضرت خورشید گفست چشم مرا کو چہ راسی گئی

تعمین عرفی یہ سرخی قائم کر کے مولف مذکور لکھتے ہیں کہ سوئم، جہلم اور عرس وغیرہ ایصال ثواب کے حکم کے کلی افراد ہیں اور ان تاریخوں میں تعمین شرعی نہیں بلکہ عرفی ہے جیسے شارع نے ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے حکم مطلق ہے ظہر کی نماز اپنے پورے وقت میں سے جس وقت بھی پڑھ لی جائے اور ہو جائے کی لیکن باوجود اس کے مساجد میں ادائیک کا وقت معین کر دیا جاتا ہے کہیں ظہر پڑھنے اور کہیں دو بجے اور کہیں چھ بجے ہوتی ہے۔ یہ تعمین عرفی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان اوقات کے آگے پیچھے نماز جائز نہیں اسی طرح سوئم و جہلم وغیرہ کا معاملہ ہے ان دنوں کی تعمین عرفی ہے آگے پیچھے بھی ایصال ثواب جائز ہے (محصلاً ص ۹۹ و ۱۰۰)

الجواب مولف مذکور کا یہ قیاس بالکل مردود اور مع الفارق ہے اول اس لئے کہ وہ خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کہیں ظہر پڑھنے کے کہیں دو بجے اور کہیں چھ بجے ہوتی ہے سوال یہ ہے کہ کیا ان کی رسم نقل بھی بدعت پسند طبقہ کے ہاں کہیں دوسری تاریخ کو اور کہیں تیسری کو اور کہیں چوتھی اور پانچویں وغیرہ کو ہوتی ہے اور ان کا چالیسواں بھی کہیں پچاسویں دن یا ساٹھویں دن کو اور برسی کہیں دیر ہر برسی کے بعد اور کہیں رخصتی

برسی کے بعد ہی بوا کرتی ہے؛ اگر ایسا ہے تو صحیح ہے ورنہ یہ قیاس قطعاً باطل و مردود ہے و ثانیاً اس لئے کہ جہاں اوقات نماز کے لئے یہ تعمین عرفی کی جاتی ہے وہاں سوئم گرام و سرما کے لحاظ سے یہ اوقات بھی اوتے بدلتے رہتے ہیں جیسا کہ کسی بھی ذی شعور آدمی پر یہ مخفی نہیں ہے مگر سوئم اور جہلم اور برسی وغیرہ ایسی بدعتیں ہیں کہ یہ اپنی جگہ سے ہٹنے کا سرے سے نام ہی نہیں لیتیں ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں اور سر بار عرض کرتے ہیں کہ مولف مذکور ان سوئم مذکور و بدعت کو اپنی جگہ سے جماعتی صورت میں کس طرح سے ہٹا کر تباہ کیا تاکہ پتہ چلے کہ واقعی یہ تعمین عرفی ہے مگر مفت کے لہذا دیکھانے کو نہ چھوڑتا ہے ۵

مومن خدا کے واسطے ایسا متاع نہ چھوڑ دوزخ میں دال طعن کو کوئے تباہ نہ چھوڑ

تعمین عرفی کو ترجیح

مولف مذکور یہ عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ اگرچہ ایصال ثواب ہر دن جائز ہے لیکن لوگوں میں سوئم، جہلم اور عرس کی عادت پڑ گئی ہے اور دوسرے ان دنوں ایصال ثواب کا انتظار کرتے ہیں لہذا ان کو ترجیح ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ لکھتے ہیں کہ عالم برزخ میں زندوں کی مدد اموات کو بہت جلد پہنچتی ہے اور اموات کو زندوں کی مدد کا انتظار رہتا ہے اور وہ یوں سمجھتے ہیں کہ وہ ابھی زندہ ہیں اور صدقات فاتحہ دعائیں اس وقت بہت کام آتی ہیں اسی وجہ سے لوگ ایک سال تک اور بالخصوص چالیس دن تک اسی قسم کی مدد کرتے ہیں (تفسیر عزیزی ص ۱۱۵ پٹ) مبتدعین و دیوبند کے مسلک شیخ حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ سہ ماہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہاتھیں تاریخ! یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول (یعنی کسی معین وقت میں اس کام کو کرنا معمول بن چکا ہو) بعد ہی نہیں بلکہ کسی کام کو کسی خاص وقت میں کرنے کا معمول بنا لیا جائے جو بعض تعمین عرفی ہے نہ کہ تعمین شرعی و حقیقی۔ صفحہ ۱۱۵ اس وقت وہ یاد آ جاتا ہے۔ اور ضرور آتا رہتا ہے اور نہ تو سالہا سال گذر جاتے ہیں کبھی خیال بھی نہیں ہوتا اسی قسم کی مصلحتیں ہر امر میں ہیں جن کی تفصیل طویل ہے محض بطور نمونہ حقوڑا سا بیان کیا گیا ہے ذہن آدمی خود کر کے سمجھ سکتا ہے؛ کاش کہ سرور صاحب بھی غور کر کے سمجھ جائیں ورنہ ہم ان کی ذہانت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہمعلمت میں لکھتے ہیں۔ اور اسی ضمن میں بزرگوں کے عرسوں کی محفل کرنا ہے اور ان کی قبروں پر ہمیشہ جاتے رہنا اور ان کے لئے فاتحہ کو لازم کرنا اور ان کے لئے صدقہ دینا ہے۔ اب ذہن آدمی سمجھ جائے کہ اگر شاہ صاحبؒ مشائخ کے اعراس کی حفظ کی نصیحت فرماتے ہیں

اور یہ حفاظت معین تاریخ ہی میں ہو سکتی ہے ورنہ کسی کو کیا معلوم عرس کب ہوا؟ پس لوگ نہ وہاں جا سکیں گے
نعرے ہوگا معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے نزدیک بھی عرفی تاریخوں کی تعیین راجح ہے مگر یہ باریک بینی سرفراز
صاحب کے پس کار وگ نہیں۔ ہم ان کی خدمت میں شاہ رفیع الدین صاحب کا فتویٰ پیش کرتے ہیں جس
میں صاف الفاظ میں اس ترجیح کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ فتاویٰ مسئلہ میں لکھتے ہیں حدیث میں ہے
کہ یہود نے جناب نبوت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد اور غرق فرعون
یوم عاشورہ کو کیا حضرت اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم حق موسیٰ علیہ السلام کو ادا کرنے کے زیادہ
حق دار ہیں پس آپ نے عاشورہ کا خود روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی حکم فرمایا اور نیز حضرت بلال کو پیر کا
روزہ رکھنے کی وصیت کی اور فرمایا کہ میں اس دن پیدا ہوا اور اس دن میں مجھ پر قرآن نازل ہوا اور اسی
دن میں نے ہجرت کی اور اسی دن مجھے وفات ہوگی بنا بریں تاریخ و ماہ و سال کو یاد رکھنے کی لوگوں میں
رسم پڑ گئی ہے اگرچہ حقیقت میں اس دن کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ وقت تصدق اور دعا ہمیشہ
ہے لیکن جب لوگ ان خاص ایام میں ایصال ثواب کرتے ہیں تو ان کے فوت شدہ اقارب کو ان خاص
دنوں میں وصول ثواب کا انتظار رہتا ہے اور کشف سے ثابت ہوا ہے کہ اس قسم کے ایام میں ارواح
مجتبئہ ہوتی ہیں پس ختم دعا اور کھانا کھلانے کے ثواب سے ان کی امداد کرنا بدعت مباح ہے اور اس میں
کسی قسم کی قباحت نہیں ہے بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز شاہ رفیع الدین
اور حاجی امداد اللہ صاحب کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ تعیین عرفی راجح ہے پہلے تین بزرگوں کی عبارت سے
سرفراز صاحب نے تنقید تین میں استدلال کیا ہے اور چوتھے مبتدعین دیوبند کے متعلق علیہ پیر اور ستم شیخ
ہیں اب آپ کے لئے دو ہی راستے ہیں یا تو تعیین یوم کو مباح مان کر عرس سوئم اور چاہے کو جائز مان لیجئے یا پھر
ان حضرات کو بدعتی اور مشرک قرار دے کر جنہم میں پہنچا دیجئے (محصلہ مسئلہ تا ملاحظہ)

المجواب۔ مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے بالکل مردود ہے اولاً اس لئے کہ وہ عنوان تو تعیین عرفی کی ترجیح
کا قائم کرتے ہیں اور پہلے ہم نے عرض کر دیا ہے کہ تعیین عرفی میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ ہر قوم اور ہر علاقہ کے باشندے
کو حق حاصل ہے کہ وہ شرعی قواعد و شرائط کو ملحوظ رکھ کر کبھی کوئی دن مقرر کر لیں اور کبھی کوئی دن اور کہیں کوئی
یوم تعیین ہو جائے اور کہیں کوئی یوم۔ اور مؤلف مذکور اس عنوان کے تحت اپنے فاسد ذہن کے موافق جس
تعیین کے اثبات کے درپے ہیں وہ تعیین عرفی نہیں رہتی بلکہ تعیین حقیقی اور شرعی بن جاتی ہے جس کے ثبوت

ہونے میں اصولی طور پر انہیں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے وراثتاً ہم نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے
حوالہ سے یہ بات پہلے عرض کر دی ہے کہ ایصال ثواب کے لئے دن اور مہینہ وغیرہ متعذر کرنا بدعت ہے اور
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت ہے جو حرام اور ناروا ہے ان کی اس مفصل عبارت
کی موجودگی میں ایک مبہم جمل اور غیر مفصل عبارت سے استدلال کا کیا مطلب؟ وراثتاً تفسیر عزیزی
کے حوالہ سے نہ تو سوئم کی تعیین ثابت ہے اور نہ چلم وغیرہ کی اس سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ کہ مرے ایصال
ثواب کے منتظر ہوتے ہیں اور صدقات و دعائیں ان کے کام آتی ہیں اور لوگ سال تک اور بالخصوص
چالیس دن تک ان کی اس قسم کی مدد کرتے رہتے ہیں غرضیکہ یہ حوالہ دہوئی سے بالکل غیر متعلق ہے وراثتاً
حضرت حاجی صاحب کی عبارت میں بھی کوئی ایسا واضح لفظ نہیں جو تعیین حقیقی و شرعی پر دل ہو بلکہ
ذہن آدمی ان کی عبارت میں رہا تعیین تاریخ کے الفاظ سے تعیین عرفی ہی سمجھ گیا جیسا کہ کسی بھی
ذہنی فہم پر یہ مخفی نہیں ہے وراثتاً حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی صریح عبارت جس میں سوئم اور چلم
وغیرہ کی صریح الفاظ میں تردید کی گئی ہے ہم نے تنقید تین میں ۳۶ میں درج کی ہے جس کا کوئی جواب مؤلف
مذکور نے نہیں دیا وہ خود ہی انصاف سے کہیں کہ ان کی یہ مجمل عبارت اس صریح عبارت کا توڑ کیوں کر
ہو سکتی ہے؟ اور اس سے تعیین حقیقی کیسے ثابت ہوتی اور ہو سکتی ہے؟ باقی مشائخ کے جن اعراض کی
حفظ کا انہوں نے تذکرہ فرمایا ہے وہ سادھے اعراض اب کس جگہ اور کہاں ہوتے ہیں جن میں اختراعی وجود
اور ان کا التزام نہ ہو؟ رہا صدقہ و خیرات تو بیان ہو چکا ہے کہ ان شرعی امور کا کوئی بھی مسلمان منکر
نہیں ہے۔ الغرض حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت میں بھی اس تمام نہاد عرفی تعیین کا کوئی ذکر نہیں
جس کو آپ عرفی تعیین سے تعبیر کرتے ہیں اور حقیقت میں وہ تعیین شرعی اور حقیقی بن چکی ہے ہمت
ہو تو اس کو ذرا اپنی جگہ سے سرکار تو دیکھیں اور جو عبارت تنبیہات کے حوالہ سے ہم نے عرض کی ہے
اس سے سوئم و چلم وغیرہ کی تعیین کا صراحتہ رد ہوتا ہے وراثتاً حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کی
عبارت میں صوم عاشورہ کی تعیین کا ذکر ہے لیکن وہ تو تعیین شرعی ہے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے اس کی تعیین فرمائی ہے یہ امر تو محل نزاع سے بالکل خارج اور مفروضہ عنہ ہے اور خود آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہفتہ میں پیر اور جمعرات کا روزہ اکثر رکھتے تھے پیر کے روزہ کی وجہ بھی بیان فرمائی
کہ فیہ ولدت و فیہ لعنت الخ اسی طرح حضرت بلال کو پیر کے دن کے روزہ کی وصیت کی تو یہ تعیین

ماوشاکی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے اور پھر خصوصیت سے آپ نے حضرت بلالؓ کو وصیت کی تھی نہ تو تمام حضرات صحابہ کرام کو یہ وصیت فرمائی اور نہ ساری امت کو۔ آگے حضرت شاہد خدو تصریح فرماتے ہیں کہ بنا بریں تاریخ وہاں کو یاد رکھنے کی لوگوں میں رسم پڑ گئی ہے اگرچہ حقیقت میں اس دن کی کوئی خصوصیت نہیں کیونکہ تصدق اور دعا ہمیشہ ہے الہ یعنی شریعت کی طرف سے تو کوئی تعین نہیں یہ لوگوں کی خود ساختہ رسم ہے اور حقیقت اس دن کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ صدقہ اور دعا ہمیشہ درست ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا زمانہ ہمارے زمانہ کی نسبت پچھریں بیرون القرون کے قریب تھا اس میں علماء صلحاء اور صحیح العقیدہ لوگ زیادہ تھے نام و نمود اور شہرت سے بھی اجتناب کرتے تھے اور دین کے اصول کے زیادہ پابند تھے آجکل تو رسم قل وغیرہ میں شرکت ایک لازم تصور کر لیا گیا ہے اور اس کے مقابلہ میں بعد اوج جماعت اور دیگر امور دین کا نمونہ ایسا ہوتا نہیں کیا جاتا تھا کہ رسم قل وغیرہ کا کیا جاتا ہے وہ سب لے کر موقوف مذکور حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ کی عبادت آخر تک پوری نقل کر دیتے تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا تو جو ترویج نادر اور اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے، اے اگے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

واما از کتاب تحرات از روشن کردن چراغ عبا و
ملیوس ساختن قبور و سرودن و نواختن معارف
بدعات تشیعہ اند و حضور جنس مجالس ممنوع اگر
مقدمہ باشد بعمل حدیث گذشتہ متن را می شناسم
مستنداً الی عمل باید کرد و در مقام زجر بر آگندہ
کردن اسباب بدعت کافی و اللہ تعالیٰ اعلم۔
بر حال تحرات کا ارتکاب شدہ قبور پر چراغ جلا نا اور
قبور پر چادریں ڈالنا اور سرودن و نواختن وغیرہ جانا
تو بدترین بدعات میں سے ہیں اور ایسی مجلسوں میں
حاضر ہونا ممنوع ہے اگر قدرت ہو تو حدیث متن کافی
مستنداً الی حدیث پر عمل کرنا چاہئے اور زجر کے
مقام پر بدعت کے اسباب کو بر آگندہ کر دینا کافی ہے۔
(فتاویٰ رضوی ص ۱۸)

مؤلف مذکور ہی ازراہ انصاف یہ بتائیں کہ آجکل اکثر عسوں میں کیا قبور پر چراغاں نہیں کیا جاتا؟ اور کیا قبور پر چادریں اور پھول وغیرہ نہیں چڑھائے جاتے؟ اور کیا ان میں گانے بجانے والے بھانڈے نہیں آتے اور گائے نہیں ہوتیں؟ اور کیا ایسے اعراض میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ شرکت کی تلقین فرماتے اور بقول آپ کے اس تبیین کو ترجیح دیتے ہیں یا اس کو بدعات تشیعہ قرار دیتے ہیں؟ اور کیا ایسے اعراض کی بدعات کو کبھی کر رکھ دینے

اور ان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیتے ہیں یا بقول آپ کے ان میں شرکت کو ترجیح دیتے ہیں؟ جواب غور سے دین حاصل ان بزرگوں میں سے کسی ایک کی صریح عبارت سے سوئم جہلم اور سوئم معبود کی باحت ثابت نہیں ہوتی اور نہ حضرت معاذ اللہ تعالیٰ کا فر دشرک اور جہنمی ہیں یہ جملہ حضرت بفضلہ تعالیٰ منوں موجد متبع سنت اور علماء حق اور خادمان دین تین تھے جو ہر بیان حال یہ کہتے ہیں۔

مرا جو ہر ہو سر تا پا صفائے مہر بیغیر
مرا حیرت زدہ دل آئینہ خانہ ہو منست کا
شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تعین یوم تصریح
یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ہم اس مسئلہ کی مزید توضیح فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۱۸۳ سے مدنیہ ناظرین کرتے ہیں۔

مسوال۔ سال کے بعد ایک دن کو زیارت قبور کے لئے معین کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سال کے بعد ایک دن معین کر کے قبر پر جانے کی صورت میں ہیں۔ اول ایک یا دو شخص لے کر جماعت کے قبر چلیں اور زیارت اور دعا وغیرہ کریں اور یہ از روئے روایات ثابت ہے۔

تفسیر در مشورین نقل ہے کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مغابر میں اہل قبور کی دعا کے لئے تشریف لے جاتے تھے (تفسیر رازی ج ۵ ص ۱۸۳) پر بھی اس قسم کی روایات موجود ہیں (سعدی) دوم ہدایت اجتماعی سے کثیر لوگ جمع ہوں اور حتم قرآن کریں اور شیرینی یا طعام پر فاتحہ پڑھیں حاضرین کے درمیان تقسیم کریں یہ قسم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس اور بعد خلفاء راشدین میں معمول نہ تھی لیکن اگر کوئی اس طرح کرتے تو حرج نہیں کیونکہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے سوئم لباس فاخر وہیں کر عید کی طرح شادمانہ و فخرانہ قریہ ایک معین دن جمع ہوں اور قبر پر قص و سرود کی محفل سجاوین اور قبر پر سجدہ و طواف کریں یہ قسم حرام و ممنوع ہے بلکہ حد تک پہنچتی ہے اور یہی ان دو حدیثوں کا محل ہے جن میں ہے (لا تجعلوا قبوری عیداً) اور اللہم لا تجعل قبوری وثناً بعد یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہیں (فتاویٰ رضوی ج ۱ ص ۱۸۳) شاہ صاحبؒ کے اس تفصیلی جواب سے ظاہر ہوا کہ عرس کے لئے دن معین کر کے ایصال ثواب کرنا طعام و شیرینی پر فاتحہ پڑھنا ختم قرآن کرنا یہ سب جائز ہیں اور مدارحمت قبر کے لئے سجدہ و طواف کرنا اور قص و سرود کا ارتکاب ہے نہ کہ تعین یوم ممکن ہے سرفراز صاحبؒ کی انکسیر کھل گئی ہوں اور اب بھی اگر بدعت کا بھوت نہ اتر تو ایک حوالہ اور پیش خدمت ہے فتاویٰ رضوی ج ۱ ص ۱۸۳ بر شاہ صاحبؒ کے ایک معاصر کا ان پر ایک اعتراض مندرج ہے جو انہوں نے شاہ صاحبؒ

کے سال سال عرس کرنے پر وار دیا ہے۔ انہوں نے اپنے بزرگوں کے عرس کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے سال کے سال مقابر پر جاتے ہیں طعام و شیرینی تقسیم کرتے ہیں اور منہ سے کی تعریف میں مشغول رہتے ہیں و ابلیس سوال کا جواب شاہ صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ یہ طعن ہمارے حال سے ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ غیر الفرض شرعیہ کو کوئی شخص بھی فرض نہیں جانتا بلکہ قیور صالحین کی زیارت اور ان سے برکت حاصل کرنا اور ثواب سے ان کی مدد کرنا اور تلاوت قرآن و دعا سے خیر کرنا اور کھانا اور شیرینی تقسیم کرنا باجماع علماء امر متحسن اور خوب ہے اور روز عرس کی تعیین اس لئے ہے کہ کسی دن ان کا وصال ہوا اور یہ دن ان کے وصال کی یاد دلانا ہے و فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۵۹ شاہ عبدالعزیز صاحب کی اس عبارت سے کئی فوائد حاصل ہوئے اول شاہ صاحب ہر سال تاریخ معین پر اپنے والد کا عرس کرتے تھے بریلیوں کو آپ کو بتاتے رہتے ہیں کہ وہ عرس جہلم عرس اور گیارہویں وغیرہ کرتے ہیں اور تعیین بدعت ہے اور کل بدعت ضلالتہ و کل ضلالتہ فی النار اب اپنے مشتمل شرح و مرشد کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ کیا ان کو بھی بدعتی قرار دے کر جہنم میں بھیجا گیا؟ اگر وہ بدعتی نہیں تو آپ بریلیوں کو تعیین کی وجہ سے کیوں اہل بدعت کہتے ہیں وجہ فرق بین مہور و نہو کو آپ کی اصل میں شبہ پڑ جائے گا کیونکہ اسرائیلی نسل ہی کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ ایک کام کو اپنے اجبار و جبر کے لئے جان کر دیتے اور اسی کام کو جب مسلمان کرتے (نہیں بلکہ عام اسرائیلی کرتے) حقد تو اسے غلط کہا کرتے تھے پھر آپ ہی بتلائے کہ ہم آپ کو کیا سمجھیں؟ و دوم اس عبارت سے مستفاد ہوا کہ شاہ صاحب صالحین کے لئے ایصال ثواب کیا کرتے تھے ان کی عبارتوں پر تنبیہ کرنے والے لکھنوی کے لئے منہ مقرر ہے کہ وہ گیارہویں کو اس لئے حرام وغیرہ قرار دیتے ہیں کہ برے پیر نیکیوں سے مالامال ہیں انہیں ایصال ثواب کی کیا ضرورت ہے۔ جب صالحین نیکیوں سے مالامال ہیں تو شاہ صاحب سے پوچھئے کہ وہ صالحین کو ایصال ثواب کیوں جائز قرار دیتے ہیں؟ و سوم اس معنیٰ مخصوصہ کے ساتھ کیا عرس خیر القرون میں موجود تھا اگر نہیں تھا تو شاہ صاحب کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو آپ کے مسامحہ (مؤلف مذکور کو اتنی تمیز بھی نہیں کہ لفظ حرام مذکور ہے نہ کہ مؤنث اور اس کی صفت مسلم ہے نہ کہ مسلمہ۔ صفت) کو حلال کہتے جا رہے ہیں و چہاں بریلیوں کے بارے میں اپنی روایتی سو غلطی اور بدگمانی کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں کہ آٹھ تو بظاہر مسلک کی ہے مگر انتظام سب پیٹ کا ہے اور عوام الناس کو وہ آئے دن بجائے دلائل و بل میں کے پادلوں اور متعالموں سے مطمئن کرتے رہتے ہیں (منقید و) اب شاہ صاحب کے بارے میں کیا کہنا چاہیے؟

تقسیم طعام و شیرینی امر متحسن و خوب است اگر یہ مسئلہ واقعی پیٹ کے انتظام کے لئے ہے تو کتنا مفید معاف اس کی بنیاد تو آپ کے حکمی باپ دادا نے رکھی ہے اور من سن فی الاسلام سنتہ مستغنیہ فعلیہ و ذمہ ہا و ذمہ من عمل بھا کے فارمولے کے تحت ان امور کا وبال آپ کے معنوی آباء کے قریب عمل کی رسوائی قرار پائے گا اہل سنت پر تبرک کرنے سے پہلے کاش آپ نے ایک نگاہ اپنے اسلاف پر کی ہو تو محصلہ

الحجاب

مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے بالکل لا حاصل ہے اول اس لئے کہ ہم نے پہلے خود حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالے سے یہ بات عرض کر دی ہے کہ ایصال ثواب کے لئے دن مقرر کرنا بدعت ہے اور انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کی خلاف ورزی ہے جو حرام و ناروا ہے و ثانیاً حضرت شاہ صاحب کی اس سابق عبارت کے پیش نظر اس عبارت کا مطلب یہ لیا جاسکتا ہے کہ اس میں تعیین حقیقی نہ ہو بلکہ تعیین عرفی ہو مثلاً کسی سال وہی دن جو جس میں کسی بزرگ کی وفات ہوئی تھی اور دوسرے سال اس کے بعد تیسرے سال اس کے بعد کا کوئی دن مقرر کر لیا جائے اور حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں یک روز معین کردہ جس کا معنی مؤلف مذکور نے یہ کیا ہے ایک دن معین کر کے اور یک روز معین نمودہ کا لفظ اس کی تائید کرتے ہیں کیونکہ اگر اعلیٰ تعیین قطعی اور حتمی طور پر وہی دن مراد ہو تو کسی بزرگ کی وفات کا تھا تو وہ تو روز معین ہے پھر معین کردہ اور معین نمودہ کا کیا مطلب ہے اور فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۵ کی بصری عبارت آگے ص ۱۲ میں آرہی ہے کہ برائے زیارت قبور روز معین نمودہ بدعت است لہذا جو اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل واضح ہے و ثانیاً پہلی اور دوسری صورت میں جس اجتماع کی بغیر اخراجات نامہ اور بدعات نمودہ کے حضرت شاہ صاحب نے اہت بیان فرمائی اور یہ تحریر کیا کہ اس میں کوئی قباحت نہیں مؤلف مذکور ہی یہ بتائیں کہ ایسا عرس آج کل کہاں تو سب جوان خرافات سے کلا و بعضاً پاک اور خالی ہوئے و رابعا مؤلف مذکور نے فاتحہ بر شیرینی یا طعام نمودہ کا ترجمہ شیرینی یا طعام پر فاتحہ پڑھیں غلط کیا ہے کیونکہ حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت میں فاتحہ خواندہ نہیں جس کا معنی فاتحہ پڑھنا ہے بلکہ فاتحہ نمودہ ہے اور فاتحہ سے محض ایصال ثواب اور دعا مراد ہوتا ہے یہ ضروری نہیں کہ فاتحہ ہی پڑھی جائے خود حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

ہر روز از بند و مسلمان وغیرہم درآمداد و بندوں اور مسلمانوں وغیرہم کا ہر فرقہ اپنے مردوں کی

اعانت محمد کان خود بفاخر دور و دو صدقات مشغول فاتحہ دور و دو صدقات کے ذریعہ امداد اعانت اندر تحفہ اثنا عشر یہ منسبت میں مصروف ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہندو کب اپنے موعوم ایصال ثواب میں فاتحہ اور دور و دو پڑھتے ہیں؟ اور کب فاتحہ دور و دو قائل ہیں؟ مطلب بالکل واضح ہے کہ فاتحہ دور و دو صدقات وغیرہ سے محض ایصال ثواب مراد ہے۔ ہر فرقہ اپنے رزم و خیال کے لحاظ سے اپنے مردوں کو ایصال ثواب کرتا ہے اور ان صاحب لکھتے ہیں۔ فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے جو کچھ قرآن مجید دور و دو شریف ہو سکے پڑھ کر ثواب نذر کرے اھ احکام شریعت جس سے سوئم طبع برقی پڑھ کر اس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے قرآن کریم کا کوئی حصہ ہو یا دور و دو شریف ہو اس کا ثواب پہنچانا فاتحہ کہنا ہے اگرچہ اس میں علی التبعین سورہ فاتحہ نہ بھی ہو چونکہ بعض لوگ بعض اوقات غرض و غرض ایصال ثواب میں پیش کی ہوئی اشیاء پر فاتحہ بھی پڑھتے ہیں تو اس لئے مجموعہ کا نام رسمیت الکل باسم الخیر فاتحہ رکھ دیا جاتا ہے (ملاحظہ ہو انوار ساطعہ ص ۷۷) اور مؤلف انوار ساطعہ لکھتے ہیں۔ تنبیہ ہاں اگر کوئی کم فہم عوام میں ایسا ہو کہ وہ ثواب عبادت مالی کو یوں سمجھے کہ بغیر فاتحہ پڑھے نہیں پہنچے گا اس کو عقیدہ بدلنا چاہیے اور اس کو زجر و توبیخ کرنا چاہیے الخ (انوار ساطعہ ص ۷۷) خود آپ کے صدق الافاضل اپنے رسالہ فیضان رحمت ص ۶۷ میں لکھتے ہیں فقط الحمد او قل ہو اللہ فی تخصیص مراد نہیں ہے اور ص ۷۷ میں حضرت شاہ صاحب کی مذکورہ عبارت کے متعلق لکھتے ہیں۔ شاہ صاحب کی اگر فاتحہ سے جو ان کی عبارت میں وارد ہے فاتحہ شریف سر سومر ہند مراد ہو تو ہمارا معین مدعا ہے۔ اور اگر فاتحہ سے مطلق و عام مراد ہوتا ہم ہمارے لئے مضرت نہیں۔ اگر اس عبارت میں فاتحہ پڑھنا ہی قطعاً مراد ہو تو آپ کے صدق الافاضل کو اگر کہ کیا ضرورت پیش آئی ہے؟ وغامض اس لئے کہ حضرت شاہ صاحب نے جو تیسری صورت لکھی ہے ثواب عرس میں آج کل یہی صورت ہوتی ہے جس کے حرام و ممنوع ہونے میں ان کے نزدیک کوئی کلام نہیں اور بقول ان کے دو حدیثوں کے مضمون سے یہی ثابت ہے مؤلف مذکور نے کمال استادی کی ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں دو دیگر بدعات ممنوعہ کا سرے سے ترجمہ ہی نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس کے موقع پر قرچہ چاغاں کرنا۔ چادریں چڑھانا پھول ڈالنا اور قالی وغیرہ عام رائج ہے اور یہی دیگر بدعات ممنوعہ کا مصداق ہیں اگر اس جملہ کا ترجمہ کرتے تو ان کی کاڑی نہیں چل سکتی فقہ لہذا انہوں نے سلامتی اسی میں سمجھی کہ اس کا ترجمہ ہی نہ کیا جائے لیکن ان کے تعاقب میں جو لگا ہوا ہے وہ کب ان کو کسی سوراخ میں گھس کر

چھپے دیتا ہے۔ غرضیکہ حضرت شاہ صاحب کی خود اپنی عبارت سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حقیقی طور پر ایصال ثواب کے لئے دن مقرر کرنا بدعت حرام اور ناروا ہے ہاں عرفی طور پر از خود کبھی کوئی دن اور کبھی کوئی دن ایصال ثواب اور ختم قرآن کریم کے لئے مقرر کر لینا ساج ہے اور شریعتی پر فاتحہ پڑھنے کا مفہوم حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں قطعاً نہیں ہے یہ مؤلف مذکور کی اپنی خانہ ساز اختراع ہے ان کی عبارت میں کھانا اور شیرینی تقسیم کرنا ہے۔ اور حضرت شاہ صاحب کے نزدیک ماحرمت تعین یوم چرغاں۔ چادریں اور پھول چڑھانا قریض و سرور قوالی اور سجدہ و طواف وغیرہ سب امور میں اور انہیں امور کو وہ بدعات ممنوعہ سے بغیر ذلت ہیں الحمد للہ تعالیٰ کہ سرفراز کی آنکھیں تو پہلے ہی سے کھل چکی ہیں اسی لئے وہ توحید و سنت اور شرک و بدعت کا فرق بخوبی جانتا ہے اور اکابر کی عبارات کا صحیح مطلب بھی سمجھتا ہے یہ آپ اور آپ کی بدعت پسند جاعت ہی ہے کہ روشن دلائل دیکھنے کے باوجود آپ کے بدعت کا جھوٹ آپ کے وجود سے نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا کیونکہ اُسے لذیذ سے لذیذ تر تو رکائیں آئے دن سوئم جہلم گیارہویں اور عرس وغیرہ کی شکل میں ملتی رہتی ہیں وہ بھلا ایسے میر بان کو کیوں چھوڑے؟ اور آنکھیں کیسے کھلنے دے وہ تو یہ کہے گا کہ

بے نگاہ لطف دشمن پر توبہ نہ جائے ہے یہ قسم اے بے روت کس سے دیکھا جائے ہے
وساوت اس لئے کہ فتاویٰ عزیزی کی جو دوسری عبارت مؤلف مذکور نے پیش کی ہے وہ بھی ان کو سوند نہیں کیونکہ حضرت شاہ صاحب قبور صالحین پر اس اجتماع برائے عرس کی اجازت دیتے ہیں جو بدعات ممنوعہ سے خالی ہو چونکہ ان کے دور میں علماء و صلحا زیادہ تھے اس لئے اُس میں بدعات ممنوعہ اور اخراجات سے خالی اجتماع ہوتا ہو گا مگر آج کل یہ بالکل ناممکن ہے اس لئے حضرت شاہ صاحب ہی کی ہر سچ عبارت کے پیش نظر اس کی گنجائش نہیں ہے و سابقاً مؤلف مذکور نے حضرت شاہ صاحب کی عبارت سے جو فوائد اخذ کئے ہیں وہ بھی ان کیلئے نہ ہوائی قلعة ہیں۔ اول تو اس لئے کہ حضرت شاہ صاحب جس تعین یوم کے قائل ہیں وہ تعین عرفی ہے کہ امر لہذا وہ نہ تو بدعتی ہیں اور نہ جہنی ہیں اور بریلوی جس تعین کے قائل ہیں وہ حقیقت میں تعین شرعی اور تعین حقیقی بن جاتی ہے اور بدعت کے بارے یہ ارشاد بالکل فٹ ہے کل بدعت ضلالت و کل ضلالت فی النار اگر اتنی واضح و جہ فرق بھی آپ کو سمجھ نہ سکے تو دوبند می مکتب فکر کے کسی مدرس میں داخلہ لیں اور ہماری اصل میں آپ کو شبہ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اگر شبہ کرنے پر مجبور ہیں تو قند مار سے آنے والے کسی غمان کی اصل میں کریں جو حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی اور حضرت مہاراجپوری اور حضرت فغانوی

جیسے بزرگوں پر بزمِ جویش کہ حرام کی وجہ سے کفر کا فتوہ لگانے میں اور ان کے کفر میں شک کرنے والے کو بھی کہتے ہیں اور حضرت شاہ شہید نظام کے بزمِ خود مٹے سنگین کفر پر عقائد متاثر بھی ان پر کفر کا فتوہ لگایا نہیں دیکھنا علماء مجتہدین کو بھی ان کی تکفیر سے منع کرتے ہیں ملاحظہ ہو عبارات اکابر حصہ اول وغیرہ اب فرق قندھاری کے سے آیا ہے جو بقول آپ کے اسراہیل نسل ہی کی خصوصیت ہے بفضلہ تعالیٰ ہم نے صرف اسی چیز کو بدعت کہا جس کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب (و غیرہ) نے بدعت کہا ہے اور جس چیز کو ہم بدعت کہتے ہیں اس کو علماء و مشائخ اور عوام سب کے لئے بدعت کہتے ہیں اس میں کسی کی تفریق نہیں کرتے اور دوم اس لئے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے لئے بھی ہمارے نزدیک ایصالِ ثواب درست ہے ہم پر مؤلف مذکور کا یہ نہ ہٹانا اور جھوٹا الزام ہے کہ صحابین کے لئے ایصالِ ثواب کے قابل نہیں ہیں الحمد للہ تعالیٰ کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب (و غیرہ) بزرگوں کی عبارات پر تکیہ کرنے والے کا دامن بالکل پاک ہے اسی طرح ہم نے مطلقاً گیارہویں کو حرام نہیں کہا حرام اس صورت میں کہا ہے جو بطور تقرب ہو یا ایصالِ ثواب کی مدد سے کسی شخص اور ایک ہی دن کی تعیین کے بارے میں ہم نے پہلے کہا ہے کہ یہی حدیث سے خالی نہیں ہے اور سوم اس لئے کہ اگرچہ حضرت شاہ صاحب کے بقول بیعت مخصوصہ کے ساتھ عرسِ خیر القرون میں نہ تھا اور ان کے ساتھی جو تھوہ بدعات ممنوعہ سے خالی تھا جیسا کہ خود ان کی عبارت میں یہ قید گر چکی ہے لیکن آپ لوگ جو عرس کرتے کرتے ہیں وہ بدعات ممنوعہ سے پُر اور زخافات سے مملو ہوتا ہے لہذا ناجائز ہے حضرت شاہ صاحب نے جو کچھ فرمایا اس پر فتویٰ نہیں لگتا اور جو کچھ آپ حضرات کرتے ہیں وہ ان کے حرام و ممنوع کے فتویٰ کی مدد سے ہرگز نہیں سچتا اور چہاں ہم اس لئے کہ بحمد اللہ تعالیٰ ہم کسی کے خلاف سو غلطی اور بدگمانی نہیں کرتے ہم تو آپ لوگوں کے حالات کے پیش نظر کہتے ہیں کہ سب انتظام پیٹ کا ہے اور آپ کی کوئی مساجد سے تعلق حضرت اس لئے دیوبندیوں کی مسجد میں آئے ہیں اور آتے رہتے ہیں کہ وہ گیارہویں اور عرس اور عذرا جانے کیا کیا ایجاد کردہ مدت کے چندوں سے اکتا گئے تھے اور یقین جانئے کہ حضرت شاہ صاحب اور ان جیسے حضرات جب طعام اور شیرینی کا تذکرہ فرماتے ہیں تو لوگوں سے بٹور مٹو کر چندوں کے ذریعہ وہ ہرگز نہیں ہوں گے بلکہ حلال و طیب اور اپنی جیب سے طعام و شربینی پیش کرتے ہوں گے اور آپ لوگ تو دنیا کے جیبیوں پر بدعات کے سلسلہ میں بادشاہی کرتے ہیں چونکہ وہ حضرت بڑے نیک اور حلال خور تھے اور تعیینِ آیام کو بدعات سمجھتے تھے اس لئے وہ جو کچھ بھی ایصالِ ثواب کی مدد میں کرتے تھے وہ ان سے مستحسن

الحدیث کی میں بھی شمار کرنے کے لائق ہے اور ان کا قرطاس عمل بالکل صاف و مستحضر ہے ان کی فکر ہرگز نہ کیجئے اپنی خیر منائیے اور بفضلہ تعالیٰ ہم نے اہل بدعت کی جس کا رد الی کو بدعت سے تعبیر کیا ہے وہ سچ ہے بدعت ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب جیسے علمی شخصیتیں بھی ان کو بدعت ہی قرار دیتی ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہم نے اپنے اسلاف کی عبارات کو بڑی گہری نگاہ سے دیکھا اور حساس اور بصیرت والے دل سے پٹھا اور سمجھا ہے جس سے آپ لوگ یقیناً محروم ہیں لیکن اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ آپ حضرات پر شرک بدعت کی وجہت پڑی ہے

تصرت کیا ہر ایک کو قسم از دل نے جو شخص کہ جس چیز کے قابلِ نظر آیا

فائدہ :- حضرات فقہاء کرام نے تو یہ بات صراحت سے لکھی ہے اور ہم نے راہِ منت میں ان کے کچھ حوالے بھی درج کئے ہیں لیکن ہم آپ لوگوں کی خیر خواہی کے لئے آپ کے ہی ایک سلم بزرگ مولوی عبدالسمیع صاحب رامپوری کا حوالہ عرض کئے دیتے ہیں تاکہ سوئم - ساتواں - دسواں - اور چہلم وغیرہ میں حرام عرس سے آپ گھج جا میں مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں - نصیحت جب کوئی آدمی مر جائے اور کوئی شخص اس کا عزیز و قریب اپنے خالص مال میں سے اس کے لئے فاتحہ کرے اس میں کسی فقیہ و محدث کو کام نہیں اور خاص میت کا مال اگر اس کام میں صرف کرنے لگیں تو اس میں یہ شرط ہے کہ اس کے وارثوں میں کوئی نابالغ نہ ہو یا اگر وہ اس لئے کہ ترک کرے بعد مرے ملک وارثوں کا ہو جائے تاہم پس اگر وارث بالغ ہیں تو وہ مال خالص ان کا ہو گیا اگر کوئی وارث ان میں غائب نہیں سب موجود ہیں یا کوئی غائب تھا اور اس نے اجازت دے دی تو اس صورت میں ان کو اختیار ہے جس قدر چاہیں میت کے لئے صرف کر دیں اور اگر سب نابالغ ہیں تو ترک کر دینا میت سب ان کی ملک ہو گیا اس کا صرف کر دینا میت کے ایصالِ ثواب میں جائز نہیں مذکور نہ کھانا نہ روپیہ نہ بیسہ فقط تجہیز و تکفین میں جو اٹھے وہی درست ہے اور پس اور اگر بعض وارث نابالغ ہیں تب بھی نابالغوں کا حصہ کل اشیاء ترک میں شریک ہے اس کا صرف کرنا بھی ایصالِ ثواب کے لئے جائز نہیں (انوارِ ساطعہ ۱۲۵) کیا مؤلف مذکور اور ان کی جماعت نے اپنے بزرگ کی اس نصیحت اور اس میں پیش کردہ ماکہ بھی سوئم - ساتویں - چہلم اور پرسی وغیرہ میں ملحوظ رکھا ہے؟ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو اکل اموال شریعی کی کمی کی زحمت تو گنجے جو قطعی ہے اور تعیینِ آیام کی وجہ سے صرف بدعت کے قریب ہوئے اور اگر ایسا نہیں کرتے اور ترک میں یتیم اور غیر حاضر وارث کے ہوتے ہوئے بھی سوئم وغیرہ میں صفا یا کر جاتے ہیں تو

پھر بقیہ علی غصب کا مصداق ہونے کے ساتھ ساتھ پیٹ ظالم کا جھنڈا نہیں تو اور کیا ہے؟
ہوس دنیا کا حُب مطلب رسمی سے مجھے تفصیل سب پر اس لئے ہے

پیٹ کا منظم کون ہے؟ یہ سرخی جہاں مولف مذکور نے لکھا ہے کہ آپ نے کھانے والے مرنے نہیں دیکھے یا پھر مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام کرنے والے کاریگروں سے تجاہل عارفانہ برت رہے ہیں اب وقت آگیا ہے کہ اس راز سے پردہ اٹھا ہی دیا جائے اس کے بعد انہوں نے تنقید میں نقل کردہ فتاویٰ شیعہ کا حوالہ دیا ہے کہ ہندو ہولی اور دیوالی میں تحفہ دیں تو مسلمان کو لینا اور کھانا درست ہے (محصلاً) اس پر مولف مذکور نے جواب دیا ہے کہ ہندو ہولی اور دیوالی کی تاریخیں معتین طور پر منائی جاتی ہیں جن میں اہل ہندو آگے پیچھے کرنا جائز نہیں سمجھتے جب گیارہویں تعیین کی وجہ سے آپ کے اہل حرام ہے تو ہولی اور دیوالی کی پوری تعیین کی وجہ سے کس طرح جائز ہوگئی ہیں جب سبیل کی شریعت روافض کے شعائر کے تشبیہ کی وجہ سے آپ کے قطب عالم کے نزدیک حرام ہے تو خود کفار کے شعائر کا کھانا کس طرح جائز ہو گیا؟ پھر آپ کے مفتی نے علی الاطلاق بغیر کسی دلیل اور شرعی شہادت کے اہل ہندو کے ہاتھ کا پکا ہوا کسی قیدی استثناء کے بغیر کیسے حلال کر دیا؟ لنگھوئی صاحب نے لنگھوئی صاحب کا حق فرزند ہی ادا کرتے ہوئے وکالت میں کہا ہے کہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ کافر کا مال خواہ ہودا و خنزیر وغیرہ کی رقم ہی سے حاصل ہو جب مسلمان کے پاس آجائے تو تبدیل ملک سے حلال و طیب ہو جائے گا۔ سبحان اللہ کیا کہنے اس استدلال کے اگر آپ کو کافر گستا اور خنزیر بھی پکا کر پیش کرے تو تبدیل ملک کے بعد وہ بھی آپ کے لئے حلال و طیب ہو جائیگا بریں عقل و دانش بیاید گریست۔

پتہ نہیں کہ سر فرزند صاحب نے خود مغالطہ کیا ہے یا لوگوں کو یہ قیوف بنانے کی کوشش کی ہے کفار کی رقم حرام کی کمی ہی سہی لیکن رقم کو تو نہیں جیایا جاتا اس سے خرید کر کوئی چیز کھانی جاتی ہے بخلاف کافر کے ہاتھ سے ہونے والی چیز کہ اس کو خود کھایا جائیگا پس ان دونوں کا حکم ایک کیسے ہو سکتا ہے؟ اہل ہندو گائے کے پیشاب پاک سمجھتے ہیں کشان کے بزنوں کو چائنا ہوتا ہے دن رات انواع و اقسام کی نجاستوں میں ملوث رہتے ہیں ان کے ہاتھ سے پکے ہوئے معین دن کے کھانے کو بلا کسی قید و استثناء کے جائز قرار دینا لنگھوئی جیسے فقیہ کی کام ہو سکتا ہے اس کا راز تو آید و مراد جنہیں کنند۔ اب پتہ چلا کہ مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام کرنے والے کون ہیں؟ اگر ابھی طبیعت صاف نہ ہوئی ہو تو ایک اور حوالہ بھی پیش خدمت ہے۔ محاکمۃ الصمدین ملازمہ رقم ہے کہ مولوی شبیر احمد عثمانی مولوی حفظ الرحمن صاحب کے جواب میں کہتے ہیں دیکھئے مولانا اشرف علی تھانوی

صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سن گیا کہ ان کو کچھ سو روپیہ حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گذرنا اب اسی طرح اگر حکومت مجھے یا کسی شخص کو استعمال کرے مگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ شرعاً مانو نہیں ہو سکتا۔ دیکھا آپ نے یہ ہے مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام مولوی تھانوی اور عثمانی اپنے پیٹ کا انتظام بھی کرتے ہیں اور شرعاً مانو نہیں نہ ہوئے حقیقت یہ ہے کہ مولوی عثمانی اپنی اور تھانوی صاحب کی برائت میں خواہ کچھ کہتے رہیں لیکن سوچنے والے ضرور سوچیں گے کہ حکومت برطانیہ آخر ان مولویوں کو اس قدر رقم کیوں مہیا کرتی تھی؟ اور دیوبند کی چار دیواری کے اندر ان سے وہ کونسا کام لیا جاتا تھا جس کے لئے حکومت ان کو بھاری قیمت ادا کرتی رہی مولوی سر فرادھا کو اس آئینہ میں بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا اور اب حقیقت راز نہ رہی ہوگی کہ کھانے پینے کا رسیا کون ہے؟ اور فقہی رعایتوں سے فائدہ کس نے اٹھایا ہے؟ (محصلاً مثلاً مثلاً)

الجواب۔ مولف مذکور کی اپنے روحانی آبا کی طرح یہ عادت ہے۔ اور اس کتاب میں وہ نمایاں طور پر نظر آ رہی ہے کہ جب وہ معقول جواب دینے سے قطعاً قاصر اور سرسرا عاجز ہو جاتے ہیں تو بالکل غیر متعلق باتیں چھیڑ کر عوام سے داد و تحسین حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی قبیرہ انہوں نے اس عنوان میں اختیار کیا ہے جس کے بارے میں بھی چند باتیں عرض کرنے کی ضرورت ہے اول ہم نے تنقید میں میں مفتی حنفی کی مستند کتاب البحر الرائق کا حوالہ دیا ہے اور اس کے علاوہ مولف مذکور کے مسلم عالم حضرت ہریر علی شاہ صاحب کے فتاویٰ حیرہ کے دو حوالے دیئے ہیں جن کو مولف مذکور شیر مادر سمجھ کر پکے گئے ہیں ان کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ان جوانوں کا ذکر کرتے اور پھر ان کو تسلیم کرتے اور با ان کا کوئی معقول جواب دیتے مگر وہ ایسا نہیں کر سکے۔ دوم مولف مذکور اپنی جہالت کی وجہ سے اس کی تمیز بھی نہیں کر پاتے آپ کو مسلمان کہلانے والا اسلام کے اصولوں و فروع کا مکلف ہوتا ہے اور وہ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتا وہی کچھ کر سکتا ہے جس کی اس کو شریعت نے اجازت دی ہو لہذا اس کا اپنی طرف سے ایام کی تعیین کا اور مطلب ہے، بخلاف غیر مسلموں کے کہ وہ جب نہ تو اسلام کے اصول مانتے ہیں اور نہ فروع نوان کی کسی کاروائی پر مسلمان کہلانے والے کی کاروائی کو قیاس کرنا جیسا کہ مولف مذکور نے کیا ہے جہالت کا پلندہ

ہے مسلمان اگر کسی جانور وغیرہ کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے نافرذ کرے تو وہ حرام ہو جاتا ہے اور مآکل و
 بغیر اللہ کی مدد میں چلا جاتا ہے اور کافر خود ساختہ تحریکات کے تحت بحیرہ سائب و حبیلہ اور عام قریب
 تو اس کا کچھ اعتبار نہیں شوم ہم نے حضرات فقہاء کرام کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ جو قمر کا فکے یاں ہو تو وہ
 اس سے شراب فروخت کی ہو یا سود لیا ہو اور عام اس سے کہ اس نے خنزیر فروخت کر کے رقم حاصل کیا ہو یا
 ہم نے رقم کی کسی ہے نہ کہ زمین چیز کی مگر مولف مذکور نے اپنے قروں کی طرح خالص جھینٹا ذہن استعمال کر کے
 یہ لکھا ہے کہ اگر آپ کو کافر گنتا اور خنزیر بھی پکا کر پیش کرے تو تبدیل ملک کے بعد وہ بھی آپ کے لئے
 حلال و طیب ہو جائے گا لاجل و لا قوۃ الا باللہ وادیجئے مولف مذکور کی اس اہلیسا نہ ہم کی بات
 کو فروخت کر کے ان کی رقم کی ہو رہی ہے اور وہ عین گنتا اور خنزیر پکا کر کھلا رہے ہیں مولف مذکور کو کچھ تو
 شرم کرنی چاہیئے کہ بات کیا ہوتی ہے اور وہ اپنی شبعہ بازی سے اپنے نامو اندہ حواریوں کو کیا کرتا ہے
 وچہاں مسلمان جب بھی کسی غیر مسلم کے کھانے کا ذکر کرے گا تو اس سے وہی چیز مراد ہوگی جو مسلمان کے لئے
 شرعاً حلال ہو سکتی ہے لفظ مسلمان کے ذکر کرنے ہی میں وہ تمام شرعی قیود و حدود آجاتی ہیں جو اس کے
 لئے لازم ہیں ان کو الگ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں الا لوجہ مخصوص حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بقضائے نقد النقص
 تھے جہاں شرعی اور فقیہی طور پر کسی قید کے ذکر کی ضرورت ہوتی تھی وہ اس کو نظر انداز نہیں کرتے تھے اور جہاں بات
 واضح ہوتی تھی وہاں اس کا تذکرہ نہیں فرماتے تھے مولف مذکور نے اپنے کسی لائق استاد سے ضروریہ سنا ہوا
 کہ سید محمد امین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بشمولیت اپنے بعض صحابہ کرام کے نیچے ہر ایک ایک بیوی کے
 ہاں دعوت کھائی اگرچہ پہلے ہی فقر نے یہ بات بتادی کہ حضرت مذکورہ کیوں کہ اس میں زہر ہے سوال یہ ہے
 کہ کھائے وغیرہ ماکول الاہم جانور کے پیشاب کے طاہر اور نجس ہونے کے بارے حضرات ائمہ اربعہ کا آپس میں
 حضرت امام محمد کا حضرت شافعی سے اختلاف ہے اور سور الکلب کو حضرت امام مالک کا طاہر قرار دیتے ہیں اور
 برتن دھونے کے حکم کو تبعیدی کہتے ہیں مگر خنزیر و شراب (جو سگڑ میں حرام ہو چکی تھی) کی حرمت میں تو کوئی اختلاف
 نہیں ہے حالانکہ یہود ان کو استعمال کرتے تھے اور اپنے تبرینوں میں ان کو رکھتے اور پکاتے تھے اور ان کے ہاتھ
 بھی ان کو لگتے تھے پھر ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا آپ نے کیوں قبول فرمایا جب کہ یہودی بھی انواع و اقسام کی
 نجاسات میں ملوث رہتے تھے وچہ فرق واضح ہونی چاہیئے۔

قاریین کرام نے ملاحظہ فرمایا کہ سوئم گیارہویں جہم اور عرس وغیرہ کی ممانعت کے دلائل نے کس طرح

مؤلف مذکور کو مجبوظ الحواس کر دیا ہے کہ ان کہی باتوں سے بھی گریز نہیں کرتے اور بالآخر شرمندہ ہوتے ہیں و پنجہ
 مکاتیب الصدیدین کی عبارت سے یہ ثابت کرنا کہ انگریز علماء دیوبند کو بری بری تفسیر دیتا تھا اور دیوبند کی جہاد یواری
 کے اندر خدا جانے وہ ان سے کیا خدمات لیتا تھا؟ مؤلف مذکور اور ان کے ہم نوا دوستوں کے میسرے دماغ کی پیدوار
 ہے اور ان کے دماغ کے جھینگے پن کی علامت ہے کیونکہ حضرت مولانا عثمانی تو یہ فرما چاہتے ہیں کہ ہمارے سیاسی مخالفت
 ہمارے متعلق جو کہتے ہیں کہ ہمیں حکومت ملادیتی ہے اور ہمیں استعمال کر رہی ہے تو ایسی بے بنیاد باتیں لوگ
 حضرت تھانوی جیسے مسلم بزرگ کے متعلق بھی کہتے رہے ہیں تو یہ ان کے علم میں تھی اور نہ ہمارے علم میں پھر ایسے
 بے پرکی باتوں سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ مگر مولف مذکور عوام کو دھوکا دینے کے لئے اس سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حکومت
 برطانیہ ان کو قیس دیتی تھی اور خود مولف مذکور کو اس کا دبی زبان سے اقرار ہے کہ اس عبارت میں مولانا عثمانی اپنی
 اور حضرت تھانوی کی برات بیان کرتے ہیں نہ کہ رقم لینے کا اثبات چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ مولوی عثمانی اپنی اور تھانوی
 صاحب کی برات میں خواہ کچھ کہتے رہیں اہل جب وہ برات کرتے ہیں اور اس سے بائیل اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں
 تو پھر برطانیہ سے رقم لینے کا کیا معنی؟ وعلیہ کہ اللہ تعالیٰ مولف کو فہم عطا فرمائے۔ و ششم الحمد للہ تعالیٰ کہ علماء دیوبند
 نے نہ تو ظالم برطانیہ کی کسی بھی صورت میں خدمت اور مدد کی ہے اور نہ وہ ان سے اپنی تائید میں کوئی خدمت لے سکا ہے
 بلکہ ہندوستان میں برطانیہ کا سب سے برا دشمن علماء دیوبند ہی کا طبقہ تھا جیسا کہ کسی بھی تاریخ دان سے یہ بات مخفی
 نہیں ہے بخلاف اس کے اُس ظالم و جابر برطانیہ کے دور میں آپ کے اعلیٰ حضرت نے اعلام الاحیاء بان ہندوستان
 دارالاسلام لکھنؤ اس کے ہاتھ مضبوط کئے۔ ہم مشہور و معروف مؤرخ پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب کا
 ایک حوالہ سہر دست عرض کئے دیتے ہیں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ انگریز کی خدمات کس نے کیں تھیں؟ اور انگریز
 نے کس سے خدمات لیں تھیں قادری صاحب لکھتے ہیں۔

حکومت کی معاندانہ پالیسی | حقیقت یہ ہے کہ انگریز نے تحریک جہاد کو بری طرح کچلا مجاہدین اور
 مصلحین کو دہائی کے نام سے موسوم کر کے بدنام کیا گیا تمام ملک میں دہائیوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا
 مرکزی حکومت نے صوبائی حکومتوں سے ان کے حالات اور سرگرمیوں کی کیفیت طلب کی ایک محکمہ سران
 رسائی اسی مقصد خاص کے لئے وجود میں آیا حکومت انگریزوں نے باغی اور دہائی متزاور الفاظ قرار
 دیئے عامۃ السابین میں ان کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کیا اور ایک عام معاشرتی انقطاع شروع ہو گیا
 بعض علماء کا کردار | بہت سے علما نے مذہبی خدمات سمجھ کر دہائیوں کی مخالفت کی حکومت نے

رسالہ مسائل فقہیہ مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی نے تحفہ محمدیہ فی رد و بایہ لکھے ملاحظہ ہو طوابع الانوار از مولوی انوار الحق ص ۸۵۔ ص ۹۱ و اکمل التاریخ ج ۲ ص ۲۵۲ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از جناب پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری ص ۶۱ تا ص ۶۳ طبع پاک اکیڈمی، ٹولٹ مذکور کو یہ مفصل تاریخی حوالہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ انگریز کی خدمت کس طبقہ نے کی ہے ۔

پڑا خاک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں جلا کے خاک نہ کروں تو داغ نام نہیں
وہ قسم مؤلف مذکور بات ثابت کرنے سے قاصر ہے کہ علما دیوبند مسئلہ کی آر میں پیٹ کا انتظام کرتے
ہیں آئیے اب ہم بتاتے ہیں کہ پیٹ کا انتظام کس طبقہ نے کیا ہوا اس کے لئے مسائل کی آر کیسے لی؟ تمام
اہل بدعت بشمولیت ان کے اعلیٰ حضرت کے سوئم۔ ساتواں۔ دسواں۔ گیارہویں چہلم اور ہری وغیرہ کو
مسائل کی شکل دے کر سنگینوں کی نوکوں سے ان کی حفاظت پر کمر بستہ ہیں اور ہر سمجھدار آدمی ان کی اس
پیٹ پر ہوی کو بخوبی جانتا ہے خالص صاحب زندہ غٹے لوگوں کو ہاضمہ کا یہ چورن بتاتے تھے چنانچہ وہ لکھتے
ہیں نیزیر و حاج بعض علما کرام سے نقل فرمایا جس نے کھانا زیادہ کھا لیا اور بدھمی کا خوف ہو وہ اپنے پیٹ
پر ہاضمہ پھیرتا ہوتا میں باریکھے لیکلے لیکلے عیدنی یا کدشہی ورضی اللہ عنہ سیدی اہل
عبد اللہ القشہی۔ اسے میرے معدے آج کی رات (غالباً گیارہویں کی رات ہوگی۔ صفحہ) میری عید کی
رات ہے اور اللہ راضی ہو ہمارے سردار حضرت ابو عبد اللہ قرشی سے اچھ (فتاویٰ افریقہ ۷۸) طبع غوی پریس
بریلی) یہ ہے پیٹ کا انتظام جس میں صریح طور پر پیٹ کا ذکر بھی ہے اور ہاضمہ کا چورن بھی پیٹ پر ہاضمہ پھیرتے
ہوئے بتایا گیا ہے۔ اور خالص صاحب جب دینا سے نصحت ہونے لگے تو وفات سے چند گھنٹے پہلے یہ صویت
فرما گئے: اعزایسے اگر لطیف خاطر ممکن ہو تو فاتحین ہفتہ دومین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں
دودھ کا برف خانہ ساز اگر چہ جینس کا دودھ ہو مگر مرغ کی برانی۔ مرغ پلاؤ۔ خواہ بکری کا شامی کباب پڑھے
اور بالائی۔ فیبرینی آرد کی پھریری دال مع ادک و لوازم۔ گوشت بھری کچوریاں سیب کا پانی۔ انار کا پانی
سوڈے کی بوتل دودھ کا برف اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے یوں کرو یا جیسے مناسب جاو مگر لطیف خاطر میرے
لکھنے پر مجبور نہ ہو۔ (وصایا شریف ص ۷ طبع لاہور) یہ ہے درحقیقت پیٹ کا انتظام کہ زندگی میں بھی پیٹ
پر ہاضمہ پھیرنے کے طریقے اور ہاضمے کے نسخے بتاتے رہے اور مرنے کے بعد بھی ان اشیاء کو بھیجنے کے متمنی ہیں
اور اپنے اعزہ وغیرہم کو یہ بھی فرماتے گئے کہ: حتی الامکان اتباع شریعت زچھوڑو اور میرا دین و مذہب میری

ایسے علماء کی سرگرمیوں کو بے نظر استحسان دیکھا اور ان علماء کو بالواسطہ بلا واسطہ ان خدشات کا معائنہ دیا۔ وہابیوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکا گیا مقدمات قائم کر کے ان کے قبضہ سے مسجدیں نکالی گئیں ایک عرصہ تک حکومت کی عام پالیسی اس سلسلے میں یہ رہی کہ ایسے مقدمات میں بالعموم وہابیوں کی مخالفت پارٹی کے حق میں فیصلہ ہوا۔ مولوی وصی احمد سورتی ثم پیلی بھیتنی (ف ۱۳۳۳ھ) نے ایک فتویٰ جامع الشواہد فی اخراج الوہابیہ عن المساجد مرتب کیا گم نام سے گم نام مولوی نے اس پر دستخط کئے اس فتویٰ کی خوب تشہیر مولوی مولوی محمد لدھانوی (ف ۱۳۹۵ھ) بن مولوی عبدالقادر لدھیانوی نے اس موضوع پر ایک رسالہ انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفسد لکھا اسی طرح لاہور کے مولوی نبی بخش جلویانی نے اخراج المنافقین من مساجد المسلمین لکھا ان فتاویٰ اور رسائل کی رو سے مساجد میں وہابیوں کو نماز پڑھنے سے روکا گیا ان کو زد و کوب کیا گیا ان کی تذلیل اور تشہیر کی گئی اگر ایک طرف ولیم ولسن ہنٹر نے اور انڈین مسلمانس لکھ کر ان کے خلاف حکومت کو مواد مہیا کیا تو دوسری طرف مولانا فضل رسول بدایونی (ف ۱۳۸۲ھ تا ۱۳۷۶ھ) اور ان کے ہمנו علماء نے غریب وہابیوں کے خلاف تصنیفات و تالیفات کا ایک انبار لگا دیا۔ مولوی فضل رسول بدایونی کی تصانیف میں سیف الجبار۔ تصیح المسائل البوارق الحمد لرحیم الشیاطین النجید۔ احقاق الحق وابطال الباطل اور مجموعہ رسائل و فوائد وغیرہ ہماری نظر سے گزرے ہیں مولانا فضل رسول بدایونی کی تصانیف کی جہاں تک سلسلے میں ایک بات خاص طور سے ہم نے نوٹ کی کہ ان کی اکثر تصانیف کسی نہ کسی سرکاری ملازم کی اعانت سے شائع ہوئی ہیں۔ شاید یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہو کہ مولوی فضل رسول بدایونی کو ریاست حیدرآباد سے سترہ روپے یومیہ وظیفہ دیا گیا جو بعد کو گیارہ روپے یومیہ ہو گیا اور ۱۹۱۵ء تک ان کی اولاد کو متاثر جیسا کہ ان کے سوانح نگار نے لکھا ہے (اکمل التاریخ جلد دوم از مولوی محمد یعقوب صاحب ضیاء القادری بدایونی ۱۹۱۵ء ص ۵۲) مولانا حیدر علی ٹوکی نے اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ لکھی ہے کہ مولوی فضل رسول بدایونی نے مولانا اسماعیل شہید دہلوی کی شہادت ۱۸۳۱ء کے بیس سال بعد وہابیوں کی رو میں کتابیں لکھنی شروع کیں ظاہر ہے پنجا کے انگریزوں کے قبضے میں آجانے کے بعد مجاہدین کا مقابلہ براہ راست انگریزوں سے تھا مولوی فضل رسول کے ہمנו علماء میں ان کے بھائی اور داماد مولوی فیض احمد بدایونی نے تعلیم الجاہل مولوی عماد الدین سنجلی نے شمس الایمان مولوی محی الدین نے رسالہ حوالہ قادریہ مولوی سراج الحق نے رسالہ تحفۃ الحرمین الشریفین

کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے (وصایا شریف ص ۱) ملاحظہ کیا آپ نے کہ خالص صاحب کیا فرما گئے ہیں؟ کہ اتباع شریعت توحشی الامکان لیکن خالص صاحب کا دین اور مذہب جو ان کی کتابوں سے ظاہر ہے (جن میں سیٹ مبارک کا خاصا انتظام موجود ہے۔ صفحہ ۱) اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے امید ہے کہ مؤلف مذکور پر یہ راز منکشف ہو گیا ہوگا کہ سیٹ کا منتظم کون ہے؟ ورنہ یار زندہ صحبت باقی ہے

شیشے کے گھر میں رہ کے وہ پتھر میں بیٹھتے دیوار آئنی پر حماقت تو دیکھئے
ضابطہ سنت بیان کرنے میں سرفراز صاحب کی فاش غلطی
گیارہویں کو خلاف سنت اور بدعت قرار دینے کے لئے لکھڑوی صاحب نے ایک اور مذہب کو پیش کیا ہے چنانچہ تنقید ص ۵۲ میں لکھتے ہیں کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گیارہویں دینے کا حکم دیا؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ اگر کسی جزئیہ کے سنت ہونے کا مدار اس امر پر ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالخصوص اس جزئیہ کا حکم فرمایا ہو تو دنیا میں بے شمار جزئیات سنت ہونے سے رد جائیں گے مثلاً وعظ و تبلیغ کرنا سنت ہے پس آپ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالخصوص مولوی سرفراز کو وعظ کرنے کا حکم فرمایا ہے اگر ایسا ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے ورنہ ثابت ہوگا کہ لکھڑوی صاحب کا وعظ کہنا بدعت ہے۔ اس کے بعد سرفراز صاحب نے دو مسائل پر قائم کیا ہے کہ ایصال ثواب کے لئے کیا کسی ایک شخصیت کے انتخاب کا ارشاد فرمایا ہے (ص ۵۲) جو باعرض ہے کہ دروغ گو حافظ نہ باشد! ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہیں کہ بریلوی سوئم و چلم وغیرہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ عام افراد امت کے لئے ہوتے ہیں پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ ایصال ثواب کے لئے ایک ہی شخصیت کا انتخاب کر لیا ہے اگر آپ کے خیال میں بریلوی صرف گیارہویں دیتے ہیں تو سوئم و چلم اور عرس کا نام نہ لیجئے اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سوئم وغیرہ بھی کرتے ہیں تو یہ نہ کہتے کہ انہوں نے ایصال ثواب صرف بڑے پیر کے ساتھ خاص کر لیا ہے آپ کے کلام میں کس قدر تناقض ہے۔ آپ نے ہم پر تبرکاً کیا آپ کے عقل ہوش جو اس سب ماؤف ہو گئے یا شیمسن کی بوقل چڑھائی اور نشر میں بے نکیاں ہانکتے چلے گئے اس کے بعد پھر گو یا ہوئے کہ کسی کے ایصال ثواب کے لئے دنوں کی تعیین کا فرمان دیا گیا ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے اور پھر گیارہویں سنت ہے ورنہ ہرگز نہیں (تنقید ص ۵۲) اس کے جواب میں گذارش ہے کہ آپ جو میں خطبہ سے پہلے وعظ کرتے ہیں کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

آپ کا شک کا کہاں ہوگا؟ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی (مصلد ۱۱۲)

الجواب ہم نے اہل سنت والجماعت کی تعریف میں حضرت شیخ عبدالغفار صاحب کی غلیظہ الطالین کا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی حجتہ اللہ البالغہ کا اور حافظ ابن کثیر کی تفسیر کا اور حضرت شاہ عبدالغفری صاحب کے فتاویٰ عن غریبی کا حوالہ دیا ہے مگر افسوس کہ مؤلف مذکور ان سب کو ہی لکھے ہیں اور ہمیں تو معلوم نہیں کہ شیمسن کیا بلاموتی ہے؟ ممکن ہے مؤلف مذکور ان سب ٹھوس اور صریح حوالوں کو ہی بوقل سمجھ کر چڑھا گئے ہوں مؤلف مذکور کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ہمارے نقل کئے ہوئے تمام حوالوں کا صریح الفاظ میں تذکرہ کرتے اور پھر سب کا باحوالہ جواب دیتے مگر علمی باتوں کا جواب دینا تو ان کے بس میں کب ہے؟ اور امید بھی کیا ہے؟ ہم دوبارہ گذارش کرتے ہیں کہ ہم نے سنت کا جو معنی بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور ان بالا بزرگوں کی صریح عبارات کی روشنی میں کیا ہے اور آپ نے ان کا قطعاً کوئی جواب نہیں دیا بفضلہ تعالیٰ ہم بدستور اپنے صحیح موقف پر ٹپے ہوئے ہیں باقی جو باتیں مؤلف مذکور نے ذکر کی ہیں تو وہ خود ان کی جہالت پر وادیا کر رہی ہیں اولاً تو اس لئے کہ ان کا دعویٰ ہے سنت کی جزئی کا اثبات اور اس کے ساتھ حور وہ یہ ملار ہے ہیں کہ سرفراز صاحب کو آپ نے وعظ کرنے کا حکم فرمایا ہو سو گذارش یہ ہے کہ سرفراز سنت کی جزئی نہیں سرفراز تو سنت پٹیل کرنے والے کلی افراد کا ایک فرد ہے حیرت ہے کہ مؤلف مذکور پر کہ ان کو ذات اور صفت کی ہی تمیز نہیں جب قرآن کریم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہر امتی کو صریح حکم ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک ہی نہیں بلکہ ہزاروں حضرات صحابہ کرام نے آپ کے (بخاری ج ۱ ص ۱۲) وغیرہ کی صحیح سند سے ثابت شدہ (ارشاد ۱) لَبَّيْكُمْ الشَّاهِدُ الْغَائِبِ پر عمل کر کے امت کو یہ بتایا ہے اور تاقیامت آپ کا حکم جاری و ساری ہے کہ تبلیغ ہر امتی کا فریضہ ہے تو سنت کی ایک جزئی نہیں بلکہ بے شمار جزئیات سامنے آچکی ہیں لہذا نہ سرفراز کا وعظ کہنا بدعت ہے اور نہ کسی اور کا بل ان اگر اس وقت تبلیغ و وعظ پر کوئی عمل ہوا ہوتا تو تبلیغ و وعظ کی ایک جزئی نہیں سامنے نہ آئی ہوتی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم نہ ہوتا تو پھر معاملہ الگ تھا مؤلف مذکور کا مطلقاً وعظ و تبلیغ کو سنت کہنا نہ معلوم کس خیال پر مبنی ہے؟ کیونکہ تبلیغ دین کسی موقع پر فرض کسی پر واجب کسی پر سنت اور کسی پر مستحب ہے۔ دوم ہم نے مطلق ایصال ثواب کے

کسی ایک شخصیت میں انحصار پر گرفت نہیں کی تاکہ آپ اپنے محبوب شغلہ سوئم جہلم اور عرس وغیرہ کا حوالہ دیکر گلو خلاصی کر لیں کہ نوہم امت کے اور افراد کے لئے بھی ایصال ثواب کرنے میں ہم نے گیارہویں کے ایصال ثواب کو صرف ایک ہی شخصیت کے لئے مخصوص کرنے پر گرفت کی ہے چنانچہ تنقید میں ص ۵۵ میں ہمارے الفاظ یہ ہیں۔ اور گیارہویں کا ایصال ثواب صرف حضرت شیخ صاحب سے ہی کیوں مختص کر دیا گیا ہے؟ اور ہماری مضبوط گرفت ابھی تک آپ کی گردن پر ہے اور ہمارا سوال بدلتو رہا ہے جس کا کوئی جواب تاہنوز نہیں ہوا اور محمد رشید تعالیٰ ہمارے کلام میں ہرگز قطعاً کوئی تناقض نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے اور راقم الشیم جتنا ہے کہ یہ توحید و سنت پر عمل کرنے کی برکت ہے کہ تقریباً بیستہ سال کی عمر میں بھی ہوش و حواس بالکل صحیح ہیں اور کافی تک حافظہ بھی بزرگ رہا ہے کیونکہ فیصلہ تعالیٰ راقم الشیم سچا ہے۔ ہم اس میں آپ کے مؤید ہیں کہ دروغ گور حافظہ نہ باشد لیکن ایسا شخص جب آپ اپنا آئینہ دیکھیں گے تو آپ کو ضرور نظر آجائے گا۔ سوئم اس لئے کہ ہم نے تفسیر ابن کثیر کے حوالے سے یہ لکھا تھا۔

واما اهل السنة والجماعة فيقولون في كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة رضي الله تعالى عنهم هو بدعة الخ
بہر حال اہل سنت والجماعت یہ فرماتے ہیں کہ جو فعل و قول حضرت صحابہ کرام سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے الخ۔ (ج ۲ ص ۱۵۶)

مناصب علوم ہوتا ہے کہ طلبہ کے افادہ کے لئے ایک دو حوالے مزید یہاں عرض کر دیں علامہ ابو الفتح محمد بن عبد البر الشہرستانی (المتوفی ۴۵۸ھ) لکھتے ہیں کہ

واخبر النبي عليه الصلوة والسلام ستفتقر امتي على ثلاث وسبعين فرقة الناجية منها والحدّة والباقون هلكي قيل ومن الناجية؟ قال اهل السنة والجماعة قيل وما السنة والجماعة؟ قال ما انا عليه اليوم واصحابي (الملل والنحل ج ۱ ص ۱ طبع بيروت)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے کہ بتائید میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی نجات پانے والا ان میں سے ایک فرقہ ہوگا اور باقی عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائیں گے پوچھا گیا کہ فرقہ ناجیہ کون سا ہے؟ فرمایا اہل سنت والجماعت پوچھا گیا کہ سنت والجماعت کیا ہے؟ فرمایا جس طریقہ آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔

اس روایت میں ما انا عليه اليوم واصحابی کے الفاظ معیار اور کوئی کا درجہ رکھتے ہیں اور یہ

الفاظ مستدک حاکم ج ۱ ص ۱۵۹ و درنثور ج ۲ ص ۲۳۱ اور مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۹ وغیرہ میں بھی موجود ہیں اہل بدعت حضرات ہیں انصاف سے یہ کہیں کہ کیا تیجہ و سواں۔ چالیسواں میلاد۔ ایصال ثواب کیک کھانے کو سامنے رکھ کر اس پر کچھ پڑھنا۔ اجتماعی شکل میں ذکر یا گھر اور بلند آواز سے سجدوں میں اذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھنا اور گیارہویں وغیرہ بدعات جن پر وہ سختی سے کاربند اور صبر ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اور حضرات صحابہ کرام کے وقت تھیں؟ جب کہ سوائے گیارہویں کے کہ حضرت شیخ صاحب کی ولادت اور وفات کافی عرصہ بعد کو ہوئی تمام امور کے اسباب محرکات اور دواعی اس وقت موجود تھے تو ان امور کے بدعت ہونے میں کیا شک اور شبہ ہے؟ اور اہل سنت والجماعت کا یہی ناجیہ فرقہ ہوگا جس کا چہرہ قیامت کے دن سفید ہوگا اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے چنانچہ جبر الامت حضرت ابن عباسؓ یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

یعنی یوم القيمة تبیض وجوہ اہل السنة والجماعة وتسود وجوہ اہل البدعة والفرقة۔
یعنی قیامت کے دن اہل سنت والجماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت اور افتراق کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹ درمشتوا ج ۱

ص ۱۱۲ و تفسیر مظہری ج ۲ ص ۱۱۲

اب مولف مذکور میں غور کریں کہ کیا جنہم اہل بدعت کا ٹھکانہ ہے یا اہل سنت والجماعت کا؟ اور یہ حدیث کی روشنی میں کون سی ہے اور بدعتی کون ہے؟ اور بروز قیام سفید فام کون ہوں گے اور رو سیاہ کون ہوں گے؟ اب انصاف کو ملحوظ رکھ کر فیصلہ کرنا خود ان کا اپنا کام ہے۔

اور ہم نے راہ سنت و امت میں ۲۴ میں مجموعہ سے قبل تقریر کرنے کے باقاعدہ صحیح اسانید سے حوالے دیئے ہیں ان کی موجودگی میں ہم سے حوالے طلب کرنا یا وہ غلط جمعہ کو جنہم کی مذکر کرنا یا ہمارے لئے کوئی ٹھکانہ تلاش کرنا نفس جہالت اور کفر فہمی کا نتیجہ ہے آپ کو خود اس پر غصہ نہ دل سے غور کرنا چاہیئے کیونکہ اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

شاہ طبری کی عبارت کی وضاحت | یہ عنوان قالم کر کے مولف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی سرفراز صاحب نے انہی سب کچھ اور نادانی سے تعین کو بدعت قرار دینے کے لئے علامہ شاہ طبری کی ایک عبارت پیش کی ہے ہم اسے نقل کر کے مولوی صاحب کی غلط فہمی دور کرنا چاہتے ہیں شاہ طبری فرماتے ہیں ان مطلق احکام میں قید لگانا جن کی قید کسی

شرعی دلیل سے ثابت نہیں اپنی رائے سے شریعت بنانا ہے خصوصاً جب اس کے معارض کوئی دلیل موجود ہو اور اگرچہ
ج۱ ص ۲۸۷ بحوالہ نقیہ علامہ شاطبی کے قول میں تقیید سے مراد قید و جوبی ہے مثلاً ایصال ثواب کے لئے کوئی شخص
سوگم کو بایں طور مقرر کرے کہ اگر اس دن ایصال ثواب ہوا تو جائز اور آگے پیچھے ہوا تو ناجائز اور یہ شرع میں زیادتی
ہے اس کلام کا اس کے سوا کوئی محمل نہیں کیونکہ اطلاق شرعی کا تحقق بغیر کسی فرد کے متحقق نہیں لگھڑی ہی ہم کو کسی
اطلاق شرعی پر بغیر سے تقید کئے عمل کر کے دکھایں نیز حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے اس کی وضاحت نہیں
عرس کے سلسلہ میں نقل کر چکے ہیں فانظر وتدبر (محصلاً ص ۱۱۲ و ۱۱۳)

المجواب مؤلف مذکور نے محض اپنے نانو اندہ حواریوں کے مطمحہ کرنے کے لئے اور ان کو راقم اہم کی بے
سمجھی اور نادانی کی گیت سنا کر اور دوسری کے علامہ شاطبی کی عبارت کی جو تاویل اور اس میں جو علمی ٹھوکراکائی ہے
وہ علمی اور تحقیقی طور پر ایک نرا عجوبہ ہے اور توجیہ القول بلا درغی بہ قائلہ کا مصداق ہے کیونکہ علامہ شاطبی علمی اور
عملی دونوں قیدوں کو بدعت قرار دیتے ہیں یعنی مثلاً غیر فرض کو فرض یا فرض کو غیر فرض اعتقاد کرنا یا علمی قید ہے
اور دوسری یہ ہے کہ جہاں تبیین کے ساتھ شارع سے عمل ثابت نہیں وہاں عمل کرنا اس کو بھی وہ بدعت ہی قرار دیتے
ہیں جو علمی قید ہے ہذا مؤلف مذکور کا غلط شاطبی کی عبارت پر قید کو مگر فعلی قید میں منحصر سمجھنا ان کی بے سمجھی اور کھلی نادانی
کی واضح دلیل ہے کیونکہ علامہ شاطبی کے نزدیک مطلقات شرعیہ میں دونوں طرح کی قیدیں بدعت ہیں ہم علامہ
شاطبی کی چند عبارت عرض کرتے ہیں جو اس تقییدی المطلقات کے سلسلہ میں انہوں نے تحریر فرمائی ہیں

۱) فاذا اجتمع في النافلة ان تلتزم السنن الترخیر
السنن الرواتب امارا لها وامانی اوقات
محدود ودعنی وجه محدود و اقیمت فی
الجماعة فی المساجد التي تقام فیها الفروض
او المواضع التي تقام فیها السنن الرواتب
فذلک ابتداء والدلیل علیہ انہم یأت
عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا
عن اصحابہ ولا عن التابعین لہم بالحدین
فعل ہذا المجموع لہذا امجموعا

اس عبارت میں اس امر کی تصریح ہے کہ عملی طور پر نوافل پر ایسا التزام کرنا جیسا کہ سنن مؤکدات پر کیا جاتا ہے
یا تعیین اوقات میں تعیین طریقہ سے عملاً ان کا التزام کرنا یا جماعت کے ساتھ ان کو ادا کرنا بدعت ہے اور اس کی دلیل
وہ پیش کرتے ہیں کہ یہ عمل اور فعل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ سے
اس طریقہ پر ثابت نہیں ہے اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک صرف علمی قید ہی بدعت نہیں عملی قید
بھی بدعت ہے۔

۲) فالعمل بالنافلة التي ليست بسنة
على طريق العمل بالسنة اخراج النافلة
عن مكانها المخصوص بها شرعاً ثم يلزم
من ذلك اعتقاد العوام فيها ومن لا علم
عند الانه سنة وهذا فساد عظیم
لان اعتقاد ما ليس بسنة والعمل بها
على حد العمل بالسنة نحو من تبدیل
الشریعة كما لو اعتقد فی الفرض انه
ليس بفرض او فيما ليس بفرض انه فرض
ثم عمل على وفق اعتقادہ فانه فاسد
فذهب العمل فی الاصل صحيحاً فاخرجه
عن بابہ اعتقاداً وعملاً من باب
افساد الاحكام الشرعية (د ج ۱ ص ۲۸۷)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ جس طرح غیر سنن کو سنن اعتقاد کرنا تبدیل شریعت ہے اسی طرح غیر سنن
پر سنن کی حد و سنن کے طریقہ پر عمل کرنا بھی تبدیل شریعت ہے اور اس عبارت میں اس کی بھی انہوں
نے تصریح کر دی ہے کہ جو عمل اصل میں صحیح ہو لیکن اعتقاداً یا عملاً اس کو اس کی جگہ سے ہٹا دیا جائے تو اس سے
احکام شرعیہ کا بطلان لازم آتا ہے۔

کیا غنیۃ الطالبین شیخ جیلانی کی تصنیف ہے؟

یہ سرخی قائم کر کے مولف مذکور لکھتے ہیں گنگوڑی

صاحب کے ضعیف مطالعہ اور نہایت جسارت کی ایک اور بین مثال یہ ہے کہ انہوں نے غنیۃ الطالبین کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی تصنیف قرار دیا ہے حالانکہ شیخ ابن حجر مکی نے فتاویٰ حدیثیہ میں علامہ عبدالعزیز نے ہراس میں علامہ ملتانی نے حاشیہ نبراس میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ترجمہ غنیۃ میں تصریح فرمائی ہے کہ یہ کتاب انجناب کی تصنیف نہیں ہے طوالت کے خوف سے ہم نے عبارت پیش نہیں کیں علاوہ ازیں اس کتاب میں بعض ضعیفہ و فخرہ مرجعہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس میں ایسے مسائل شامل ہیں جو جمہور اہل سنت کے معتقدات کے خلاف ہیں مثلاً روایت باری تعالیٰ کا انکار حالانکہ یہ اعتزال پر مبنی ہے اہل سنت کا اس نظریہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور جناب شیخ مکی ذات تنوید و صفات اس بد عقیدہ کی سے بہت بلند و بالا ہے (محصلہ ص ۱۱۳ و ۱۱۴)

الجواب - مشہور کبات ہے کہ چوہہ کو سونٹھ کی گردہ کہیں سے مل گئی تھی اور اس نے اس کے بل بوتے پر جنرل میڈیکل مشورہ کھولنے کی نشان دہی تھی یہی ذہن مولف مذکور نے استعمال کیا ہے ہم نے تنقید میں کتاب غنیۃ الطالبین وغیرہ کے حوالے سے اہل سنت والجماعت کی تعریف اور حدود اور بل نقل کئے تھے چونکہ مولف مذکور اور ان کی جماعت اہل سنت والجماعت کی اس تعریف میں کسی طرح داخل نہیں اس لئے انہوں نے آسان طریقہ سے یوں گلو خلاصی چاہی کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحب کی تصنیف ہی نہیں اور مولف مذکور نے شاید اس پر عمل کیا ہو کہ نہ رہے ہانس نہ بچے ہانسری لیکن اس عنوان اور سرخی کے تحت انہوں نے جو کچھ کہا ہے بالکل بے سود ہے اولاً اس لئے کہ واقعی علامہ عبدالعزیز فراموشی نے ہراس ص ۱۱۴ میں اور اس کے محشی مولانا محمد بن زوردار ملتانی نے اور شیخ عبدالحق صاحب وغیرہ نے کتاب غنیۃ الطالبین کی حضرت شیخ صاحب کی تصنیف ہونے کا انکار کیا ہے لیکن جمہور محققین اور علماء کی تحقیق کے مقابلہ میں ان چند حضرات کی رائے کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہے اب غور فرمائیے کہ یہ راقم شیم اپنے ضعیف مطالعہ کے پیش نظر چند حوالے عرض کرتا ہے اور قوی مطالعہ والا تو بہت ہی زیادہ حوالے پیش کر سکتا ہے و قوت مکی ذریعہ علیم ۵۔

(۱) ناقد فن رجال علامہ مکی لکھتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحب کی تالیف ہے (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۰۰ والعرض البکیر ورق ۶۹ للذہبی)۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا بدعتیں حضرت کے علوم چلیم اور برسی وغیرہ کو عمل ان ایام میں متعین کرنا کاثبوت لازم نہیں کر دیا؟ اور کیا وہ جماعتی صورت میں ان ایام کی تعیین تو لے پر قادر ہیں؟ (۳) علامہ شاطبی نے چند افعال و اعمال کا ذکر فرمایا ہے جو اصل میں جائز یا مستحب ہیں لیکن فرماتے ہیں کہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

فہذا امور دجائزۃ او مندوب الیہا ولکن ہم کرہوا فقلہا خوفاً من البدعة لان اتخاذاہ سنة انما ہو بان یواظب الناس علیہا مظهر من لہا و هذا شأن السنۃ و اذا جرت مجری السنن صارت من البدع بلا مشک لا الاعتصام بہ (ص ۲۸۶)

اس عبارت میں ان افعال کو علامہ شاطبی نے بدعت کہا ہے جو اصل میں تو جائز و مباح ہیں لیکن لوگ ان کو سنت کی طرح ظاہر کر کے اور ان پر مواظبت کر کے شرعی حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب یہ مباح اور جائز امور سنت کی طرح لوگوں میں معمول بہا بن جائیں تو ان کے بدعت ہونے میں کوئی شک ہی نہیں ہے اس عبارت میں گرگی بات یہی ہے کہ عملی قید سے بھی جائز اور مستحب امر بدعت بن جاتا ہے مولف مذکور ہی بتائیں کہ کیا سوئم چلیم و عرس وغیرہ کی ان کے نزدیک عملی پوزیشن یہی نہیں ہے کہ لوگ ان پر مواظبت بھی کرتے ہیں اور ان کو ظاہر بھی کرتے ہیں؟ غرض کہ علامہ شاطبی کی عبارت میں تنقید سے علمی اعتقادی اور واجبی قید ہی سمجھنا اور عملی کو اس سے خارج کر دینا مولف کی نہایت کم فہمی اور پرے درجہ کی نادانی پر مبنی ہے۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ اطلاق شرعی پر بغیر اسے متعبد کئے عمل کر کے دکھائیے اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے تعیین عرس کا حوالہ ہم نقل کر چکے ہیں سو گذارش یہ ہے کہ ہم ان دونوں باتوں کا جواب پہلے عرض کر چکے ہیں وہاں ہی ملاحظہ کر لیا جائے بار بار اعادہ سے خواہ مخواہ تطویل ہوتی ہے۔

سخن ہائے غلط کو سب نے جانا ۔ ہوا یہ تذکرہ آخر فسانا،

(۲) حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحب کی تصنیف ہے۔ ملاحظہ ہو (المجموع فی الرد علی الجہمیۃ ص ۶۶)

(۳) حضرت ملا علی القاری غنیۃ الطالبین کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف تسلیم کرتے ہیں (ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر ص ۸۹ طبع کانپور)

(۴) ملا کتاب علی الخفئی اس کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف بتاتے ہیں (کشف الظنون ج ۲ ص ۵۹)

(۵) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اس کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف مانتے ہیں (ملاحظہ ہو توفیق الہیہ ج ۱ ص ۲)

(۶) امام ابو الفرج عبد الرحمن باب الدین المشہور بابین رجب الخبلی اس کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف مانتے ہیں (ملاحظہ ہو طبقات ابن رجب ص ۱)

(۷) مولف در اسات اللیب اس کو حضرت شیخ صاحب کی تالیف مانتے ہیں (ملاحظہ ہو ص ۳۵۹)

(۸) اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی (۹) علامہ عبد الغنی النابلسی (۱۰) اور علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی (۱۱) اس کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف مانتے ہیں (ملاحظہ ہو عقیدۃ الحمد لولانا ابی عبد الرحمن عبد اللہ گیلانی ج ۱ ص ۱ تا ص ۱۱) اور (۱۲) خود عقیدۃ الحمدیہ کے مصنف بھی اس کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف مانتے ہیں (ملاحظہ ہو عقیدۃ الحمدیہ ج ۱ ص ۱) لیکن ہم نے بفضلہ تعالیٰ آپ کے مرغوب عدد گیارہ کی گنتی کے مطابق گیارہ حوالے عرض کر دیے ہیں اگر آپ نے کچھ لکھا اور ہماری زندگی ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم مزید کچھ عرض کریں گے۔ یا زندہ صحبت باقی۔

گرچہ چونکہ ہم مرغوم گیارہویں کے قطعاً قائل نہیں ہیں اس لئے ممکن ہے کہ کوئی کوثر مغز ہمارے ان پیش کردہ حوالوں کے عدد سے یہ ثابت کرنا چاہے کہ ایسے گیارہ حوالے دے کر گیارہویں کے قائل ہو گئے ہیں اس لئے ہم اس عدد کو جو مولف مذکور اور ان کی جماعت کا توہم غوب عدد ہے اور ہر گیارہویں تاریخ پر ان کے واسے بنیاد سے ہوتے ہیں) توڑ کر مزید حوالے عرض کرتے ہیں۔

(۱۲) مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں صاحب (دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۲۵) لکھتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحب کی تصنیف ہے۔

(۱۳) مولانا شاہ محمد علی حبیب الغلواروی اسوہ حسنہ ص ۱۹ میں لکھتے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحب کی

غنیۃ الطالبین کو حضرت شیخ صاحب کی مشہور و معروف تصنیف بتایا اور تسلیم کیا گیا ہے۔

(۱۵) مولوی محمد عمر صاحب مقیاس حقیقت ص ۵۹ تا ۵۹۹ میں سات مرتبہ غنیۃ الطالبین کے حوالے دے کر صریح الفاظ میں اس کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف تسلیم کرتے ہیں (۱۶) مفتی احمد یار خاں صاحب بھی غنیۃ الطالبین کو حضرت شیخ صاحب کی تصنیف تسلیم کرتے ہیں چنانچہ اشرف التفسیر المعروف تفسیر نعیمی پارہ سوم ص ۶۱ میں لکھتے ہیں حضور غوث پاک غنیۃ الطالبین جلد دوم ص ۵۸ میں فرماتے ہیں کہ نواں عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا

(۱۷) جامع الفتاویٰ المعروف بہ نواشرعیت ص ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱

ہیں بخلاف حضرت صوفیہ اکرام کے کہ وہ نیک دل ہونے کی وجہ سے لوگوں کے بارے ضرورت سے زیادہ حس ظنی کرتے ہیں اور اپنے صاف و شفاف دل پر لوگوں کے دلوں کو قیاس کرتے ہیں کہ جیسے ہم مخلص و صادق ہیں واقعہ بیان کرنے والا راوی بھی ایسا ہی ہوگا اس لئے وہ تنقید نہیں کرتے امام ابن الجوزی کا یہ قول عقیدتیں کو کم نہیں مشہور ہے اذ وقع صوفی فی الاسناد فان غلّ یدیک ہندہ العرف الشذی صلی یعنی جب کسی سند میں صوفی واقع ہو جائے تو پھر تم اس سند اور حدیث سے ہاتھ دھو ڈالو کیونکہ وہ غیر معتبر ہے اور اس کی وجہ یہی ہے جو ہم نے ابھی اوپر بیان کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب روایت باری تعالیٰ کے انکار سے مؤلف مذکور کی کیا مراد ہے؟ کیا یہ مراد ہے کہ قیامت کے دن مؤمنوں کو پیار و شفقت کے ساتھ اور دوسروں کو عموماً طور پر اللہ تعالیٰ کی جو رویت اور دیدار نصیب ہوگا اس کے حضرت شیخ صاحب منکر ہیں جس طرح کہ معتزلیہ وغیرہ منکر ہیں؟ تو یہ ان پر نہ بہتان اور خالص افتراء ہے اور حضرت شیخ صاحب کا دامن اس سے بالکل پاک ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ دیدار اور رویت نہیں ہوئی؟ تو یہ مسئلہ خود اہل سنت والجماعت میں مختلف فیہا ہے اور صاحب نبراس نے چار قول اس میں اہل سنت والجماعت کے نقل کئے ہیں (ملاحظہ ہو نبراس ص ۶۷ و ۶۸) وغامض اس لئے کہ خود مؤلف مذکور جمل مرکب کا شکار ہیں بات دراصل کچھ اور ہے اور انہوں نے اپنی جہالت اور ضعف مطالعہ کی وجہ سے کچھ اور بھی سمجھ رکھی ہے علامہ عبد العزیز فرمادہ لکھتے ہیں۔

واما حدیث جابر روایت دی مشافہۃ
لا شک فیہ ففی شوبہ نظر ولا یغترک
وقوعہ فی غنیۃ الطالبین المسنوۃ
الی الغوث الاعظم عبد القادر جیلانی
قدس سرہ العزیز فالنسبۃ غیر صحیحۃ
والاحادیث الموضوعۃ فیہا وافرۃ انتہی
(نبراس ص ۶۷)

بہر حال حضرت جابر کی حدیث جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو مشافہہ دیکھا ہے جس میں کوئی شک نہیں تو اس حدیث کے ثبوت میں کلام ہے اور اس حدیث کا غنیۃ الطالبین میں جس کی نسبت غوث اعظم عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی طرف لگی ہے واقع ہونا تجھے ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے کیونکہ یہ نسبت صحیح نہیں اور اس میں موضوع حدیثوں کی بھر مار ہے۔

کے ساتھ رویت ثابت کرتے ہیں جیسا کہ ایک جماعت کا مسلک ہے اور اس کے لئے وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس کے بارے علامہ عبد العزیز صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث کی صحت محل نظر ہے قارئین کرام سمجھ گئے ہوں گے کہ بات اصل میں کیا ہے اور مؤلف مذکور نے اپنی لاعلمی قلت مطالعہ اور کم فہمی کی وجہ سے اس کا کس طرح بتکڑ بنا دیا ہے اور علامہ عبد العزیز اور اسی طرح شیخ عبد الحق محدث دہلوی اپنے اس دعویٰ پر کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ صاحب کی تصنیف نہیں کوئی دلیل نہیں پیش کر سکے بجز اس کے کہ اس میں جعلی حدیثوں کی بھر مار ہے مگر اس سے تو دعویٰ ثابت نہیں ہوتا جن کتابوں میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا ان میں بعض موضوع احادیث بھی موجود ہیں کیا ترمذی شریف اس سے خالی ہے؟ یا ابن ماجہ میں نیست سے زائد روایتیں ایسی موجود نہیں ہیں حتیٰ کہ نسائی اور ابوداؤد میں سبیل والی روایت موضوع ہے (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲) ہم نے قدرے تفصیل سے اس پر مقام ابی حنیفہ میں بحث کر دی ہے۔ یہ چند حضرات بلا دلیل غنیۃ الطالبین کے حضرت شیخ کی تصنیف ہونے کا انکار کرتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں ان سے بدرجہا زیادہ محقق اور کثیر تعداد میں علماء اس کتاب کو حضرت شیخ صاحب کی ہی تصنیف سمجھتے ہیں اور اصول کا مسئلہ ہے کہ المثبت اولیٰ من النافی لہذا انہی حضرات کے قول و تحقیق کا اعتبار ہے اور غنیۃ الطالبین حضرت شیخ ہی کی تالیف ہے۔

الفاظ کے بچوں الجھتے نہیں داننا خواص کو مطلب ہے صدف سے گہرے؟ (اقبال) حق سے فرار | تنقید تین ص ۶۷ و ص ۶۸ میں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ کی

غنیۃ الطالبین کی عبارت کے بعد ایک صحیح اور مرفوع حدیث اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی بے مثال کتاب حجتہ اللہ البالغہ اور حضرت ملا علی القاری کی مرقات کے حوالے بھی درج کئے گئے ہیں لیکن مؤلف مذکور ان کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے آگے چل دیئے ہیں ان کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اپنے قارئین کو ان سے بھی روئنا س کراتے مگر ایسا کرنے کے بعد ان کے حلوے ماند ہرگز دھڑکتی تھی اور ان کے مفاسدات کی جن کے بل بوتے پر وہ اپنی بھولی بھالی بے حیوں کو الگ بائیں میں رکھے ہوئے ہیں قلعی کھل جاتی تھی اس لئے ان کے لئے خیر سی میں تھی کہ ان کا ذکر ہی نہ کیا جاتا۔

طعام پر فاتحہ پڑھنا | یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے تنقید تین کا ایک اوصور اور نامکمل حوالہ لکھا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں مولوی گکھڑی صاحب نے کھانے پر فاتحہ پڑھنے کو ہندوئی رسم قرار دیتے ہوئے ذکر کیا لیکن جس تاریخ کو کوئی مرا اس تاریخ میں انہیں ثواب پہنچانا ضرور مستحب میں دیکھا

کے ثواب پہنچانے کا نام سرادھ ہے اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اول اس پر پُخت کو بلوا کر
بید پر بٹھواتے ہیں جو پُخت اس کھانے پر بید پر بٹھاتا ہے ان کی زبان اجماعاً من کہلاتا ہے اور اسی طرح اور
بھی دن مقرر میں (تفقید صلا)۔ اس بیان میں انتہائی بے باکی اور دروغ گوئی سے کام لیا گیا ہے اور اولیٰ
سوچو جو کچھ رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں ہے کہ ہندوؤں میں رقیامت کا تصور ہے اور نہ ثواب و عذاب کی پس
یہ کہنا کہ ہندو ثواب پہنچانے کے لئے طعام پر بید پر بٹھواتے تھے ایسی باوجود گوئی ہے جسے ماننے کے لئے کوئی
ہوشمند تیار نہیں ہو گا نیز ہم بحث استعانت میں تفسیر غزیری سے نقل کر چکے ہیں کہ جو لوگ مردوں کو جلا
دیتے ہیں ان کے مذہب میں مرنے والوں کو زندوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تفسیر غزیری پٹ ضلع
دیکھئے توضیح البیان ص ۱۴۴ پھر بتلائیے آپ کے حکمی داد کی اس تحقیق کے مقابلہ میں آپ کے ہندیاں پر کون
کان دھڑے گا آپ کہتے ہیں ہندو اپنے مردوں کو ثواب پہنچاتے ہیں شاہ صاحب فرماتے ہیں ایں چیز اصل
نسبت بآئندہ اصل مذہب آئنا نیز واقع نیست اب بتلائیے کہ آپ جھوٹے ہیں یا آپ کے حکمی داد
انتہی بلفظ (ص ۱۴۴)

الجواب مؤلف مذکور بھی خالص اعجاز روزگار میں کہ جعل و تلبیس کے بغیر کوئی بات لکھنا ان
کی قسمت ہی میں مقدر نہیں سچ ہے جیسے روح ویسے فرشتے تنقید تین ۶۵ تا ۶۷ میں سیویم و جہلم وغیرہ
ایام کے اندر ایصال ثواب کے بدعت و مکروہ ہونے پر گیارہ روشن حوالے دیکر دیگر علماء احناف کثر اللہ تعالیٰ
جماعتہم کے مذکور میں جن میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا حوالہ بھی ہے۔ واما ایں اجتماع مخصوص
روز سوم وارتکاب تکلیفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامی بدعت است و حرام و مدارج
النہۃ ج ۱ (ص ۱۴۴) اور زمین حوالے ان کے علاوہ ان کے اعلیٰ حضرت کے پیش کئے تھے جن میں سے ایک یہی
نصحا جو امام بزازؒ کے حوالے سے انہوں نے نقل کیا ہے یعنی میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو
کھانے تیار کر لئے جاتے ہیں سب مکروہ و ممنوع ہیں (احکام شریعت حصہ سوم ص ۱۹۲) اور اس کے بعد حافظ
ابن کثیرؒ اور حضرت عبد العزیز محدث دہلوی کے حوالوں سے اصولی طور پر بدعت کی تعریف اور اس کا حرام
اور ناپا ہونا ذکر کیا تھا مگر صدافوس کہ مؤلف مذکور نے ان میں کسی ایک کا ذکر تک بھی اپنی کتاب میں
نہیں کیا اور نہ جواب دیا ہے اور نہ رقیامت تک جواب دے سکتے ہیں علمی دنیا میں اس سے بڑھ کر بددیانتی
اور کیا ہوگی؟ اور کیا ہو سکتی ہے؟ کہ جس کتاب کی تردید پر کرنا بدکھی ہے ان میں مرکزی حوالوں کا نام تک

لکھی اور اس میں انہوں نے جو کچھ لکھا بالکل حق اور صحیح لکھا مگر چونکہ انہوں نے آپ کے سیوٹم و جیلیم نور پور علی لات ماری ہے اس لئے آپ کو ان کی صحیح کاروائی دروغ گوئی نظر آتی ہے زہد مولف مذکور کا یہ کہنا کہ ہندو میں زقیامت کا تصور ہے اور نہ ثواب و عذاب کا پس یہ کہنا کہ ہندو ثواب پہنچانے کے لئے طعام پر بیدار ہوتے تھے ایسی یادہ گوئی ہے جیسے ماننے کے لئے کوئی ہوشمند تیار نہیں ہوگا نیز ہم بحث استعانت میں تفسیر عریزی سے نقل کرتے ہیں کہ جو لوگ مردہ کو جلا دیتے ہیں ان کے مذہب میں مرنے والوں کو زندوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا (جھل) نہ معلوم یہ کس خیال پر مبنی ہے اگر یہ کہا جائے کہ ہندو قیامت اور ثواب و عذاب کے بارے اس طرح کا نظریہ نہیں رکھتے جس طرح کہ اہل اسلام کا ہے تو بجا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ہندوؤں میں بعض فرقے کالیہ قیامت کے منکر ہیں جیسا کہ مشرکین عرب میں ایسے لوگ موجود تھے تو اس میں بھی کوئی کلام نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ ہندوؤں کا کوئی بھی طبقہ کسی بھی معنی میں قیامت کا اور ثواب و عذاب کا قائل نہیں تو یہ بالکل غلط ہے ہم مولف مذکور کے معلومات کے لئے مہرشی سوامی دیانند سرسوتی کی مشہور کتاب ستیا رتھ پرکاش کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں ان کو غور سے دیکھیں (۱) سورگ سکھ بھوگنے کا نام ہے اور نرگ دکھ کا اگر جیو آتما کی سستی زانی جائے تو سکھ دکھ کا محسوس کرنے والا کون ہے؟ جیسے اس وقت سکھ دکھ بھوگنے والا جیو (یعنی روح و حیات) ہے ویسے اگلے جنم میں بھی ہوگا کیا راستبازی اور پراو پکار وغیرہ نیک افعال بھی ورنہ انشرم والوں کے رائیگاں جائیں گے؟ ہرگز نہیں انتہی بلفظ (۲) جس چیز کی (مثلاً روح) ہستی ہے وہ بالکل نیست و نابود نہیں بہت جیونیست و نابود نہیں ہو سکتا جسم جل جانا ہے جیونیست جیو تو دوسرے جسم ہیں داخل ہو جاتا ہے اس لئے جو لوگ قرضہ لیکر بیگانے مال سے اس جہان میں مرنے اڑتے ہیں اور قرضہ ادا نہیں کرتے وہ یقیناً گنہگار ہوتے ہیں اور دوسرے جنم میں نرگ یعنی دکھ بھوگتے ہیں اس میں کچھ شک نہیں (بلفظ) (۳) جسم سے نکل کر جیو دوسرے مقام اور دوسرے جسم میں جلا جاتا ہے اور اس کو پہلے جنم اور کنبہ وغیرہ کا علم بالکل نہیں رہتا اس لئے پھر کنبہ میں نہیں آ سکتا (بلفظ) (۴) مال برہمنوں نے پریت کرم (مردہ کے متعلق رسوم) اپنی روزی کی خاطر جاری کئے ہیں جو تکبر وید کے مطابق نہیں اس لئے قابل تردید ہیں (بلفظ) ستیا رتھ پرکاش ص ۵۳) مولف مذکور کو بار بار یہ عبارت پڑھ کر غور کرنا چاہیے کہ ہندوؤں کے روشن خیال فرقہ آریہ کا مہارو کیا کہہ رہا ہے کہ فی الجملہ اگلے جنم یعنی رنخ و قیامت بھی ہے اور دکھ اور سکھ بھی ہے فی الجملہ قیامت اور ثواب و عذاب کے لئے ہندوؤں کا اور کونسا احوال

آپ کو درکار ہے؟ البتہ سرسوتی صاحب نے اس عبارت میں ایک اور مزید بات بھی صفائی سے کہی ہے وہ یہ کہ مردہ کے متعلق رسوم مثلاً تیجہ مساتوان، دیوال، برسی وغیرہ اور کھانا سنا سننے رکھ کر اس پر کچھ پڑھنا وغیرہ یہ وہ تعلیم کے خلاف ہیں اور قابل تردید ہیں تو برہمنوں نے اپنے پیٹ کے دھندے اور روزی کی خاطر جاری کی ہیں جیسے یعنہا یہ رسوم سختی ملاؤں نے اپنی روزی اور پیٹ کے دھندے کی خاطر نہ صرف یہ کہ ایجاد کئے ہیں بلکہ سنگینوں کی نوکوں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں تو یہ امور بدعات ہیں ہی اور فقہا ملت سختی سے ان کی تردید کرتے ہیں جن کے واضح حوالے ہم نے تفسیر عریزی میں دیئے ہیں مگر مولف مذکور ان کو بلی گئے ہیں اسی طرح یہ امور وید کی تعلیم کے لحاظ سے بھی بدعات ہیں اور برہمنوں کی ایجاد ہیں اب دیکھئے کہ بلاوجہ ہمارا قارورہ معتزلہ سے ملنے والوں کا اپنا قارورہ کن سے جا ملتا ہے؟

کنہم جنس باہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز سرسوتی صاحب کی اس عبارت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ ہندوؤں میں ایصال ثواب کا عقیدہ اور تصور موجود تھا اگر نہ ہوتا تو ہر جنم میں رسوم کے ذریعہ اپنی روزی کمانے کی خاطر ان کا استحصال نہ کرتے اور نہ کر سکتے یہ سب باتیں ہندوؤں کا اپنے وقت میں سب سے بڑا مذہبی رہنما اور ہوشمند لکھ رہا ہے معلوم نہیں کہ مولف مذکور جیسے ہوشمند ہونے کے دعویدار کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے یا نہیں؟

عجیب و ہموکہ | مولف مذکور نے لکھا ہے کہ نیز ہم بحث استعانت میں تفسیر عریزی سے نقل کرتے ہیں کہ جو لوگ مردوں کو جلا دیتے ہیں ان کے مذہب میں مرنے والوں کو زندوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تفسیر عریزی ص ۵۳ دیکھئے توضیح البیان ص ۱۲۵

الجواب | مولف مذکور سے عرض ہے کہ ہم نے تفسیر عریزی سے آپ کی نقل کردہ عبارت کی تشریح پہلے باحوالہ کر دی ہے لیکن معاف رکھنا وہاں جو تیجہ آپ نے حضرت شاہ صاحب کی عبارت سے نکالا تھا وہ آپ کی بولی میں یہ تھا شاہ صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اولیاء سے بعد الوصال استعانت اور ان کا مدد کرنا یہ مسلمانوں کی خصوصیت ہے اور مادہ و استمداد کا نہ ہونا یہ کفار کا خاصہ ہے پس اب آپ غور فرمائیے کہ اولیاء سے استعانت کا انکار کر کے سرفراز صاحب نے اپنا قارورہ کس جماعت اور کس گروہ سے جلا لیا ہے (ص ۵۶) سو گدازش ہے کہ اس سے معلوم تو ہوا کہ بقول آپ کے ان لوگوں (یعنی کفار) کا مذہب ہے کہ ہندوؤں سے جلا دیئے جاتے ہیں وہ نہ توار نہ خود زندوں کی مدد کرتے ہیں اور نہ ان سے استمداد کی جا سکتی ہے۔ اور

ریشہ احمدی غفرلہ

اس کے حاشیہ میں ہے: ونقل ضمیمہ فیصلہ ہفت مسئلہ بعد الحمد والصلوة اشرف علی تھانوی خدام آستانہ حضرت شیخ الشیخ سید السادات مولانا و مرزا الحافظ الحاج الشاہ محمد امداد اللہ صاحب ضوافت برکاتہم اپنے پیر بھائیوں اور دیگر ناظرین فیصلہ ہفت مسئلہ کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ رسالہ ہفت مسئلہ جو بیعت اس کے کچھ ضعف قوای جمایہ حضرت ممدوح کو خود قلم مبارک سے لکھنے میں تکلف ہوا ہے بحکم حضرت ممدوح بعبارت اس خدام کبغرض محاکمہ بعض مسائل تحریر ہو کر تقریباً عرصہ چار سال کا ہوا کہ شائع ہوا ہے چونکہ بعض صاحبوں کو اس مکتفہ صوداہلی سمجھنے میں غلطی ہوئی اور حضرت ممدوح کو علی الاطلاق ان اعمال وغیرہ کا مجوز قرار دیا یا انکی خلاف واقعہ ہے اس لئے محض غیر خواہی کی نظر سے حضرت صاحب کی غرض اور تحقیق کا اظہار ضروری سمجھ کر اطلاع عام دیتا ہوں تاکہ مجھ کو حق پوشی کے گناہ سے اور دوسرے صاحبوں کو التباس و اشتباہ سے نجات ہو ظاہر ہے کہ یہ امور و اعمال جس حدیت و کیفیت سے مروج و شائع ہیں اکثر عوام مخصوص جبلت ان کے سبب انواع انواع مفاسد اعتقادی و عملی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کا تجربہ و مشاہدہ ہر عاقل فہم منصف کر سکتا ہے مثلاً مولد میں بعض قیود کو نوکد سمجھنا اور ترک قیود و دل تنگ ہونا ایصال ثواب کے طرق میں علاوہ تاکد قیود کے اگر اولیاد کی روح کو ہو تو ان کو حاجت روا سمجھنا اور ترک التزام میں ان سے ضرر رسائی کا خوف کرنا اور اگر عام آقاہب کی روح کو ہو تو اکثر تصد نام آری ہونا اور وطن و شہر سے ڈرنا اور سماع میں زیادہ مجمع اہل بہو و باطل کا ہونا اور امداد اللہ کی جمع ہے ریشہ صفت و نساء سے اختلاط اعراس میں اولی و فساد و فجار کا مجمع ہونا اور یہی ہونا و دائے رسم کی خدمت کو قرض وام کرنا پڑھنے والوں کا اکثر طعام و شیرینی کے لئے یا وجاہت داعی کی وجہ سے پڑھنا امداد وغیرہ میں بعض کم فہموں کا منادی کو خیر و تقدیر جاننا کام پڑا ہونے پر ان کو فاعل و متصرف سمجھنا جماعت ثانیہ اکثر جماعت اول میں مستی کرنا جھگڑ و نثرل میں جماعت اولی کو فوٹ کر دینا اور اس پر متاسف نہ ہونا ان کے مسلوں میں باری تعالیٰ کے عجز کا اعتقاد کر لینا اور اسی طرح کے بہت سے مفاسد ہیں جن کی تفصیل استقراء و تتبع سے معلوم ہو سکتی ہے سو حضرت ممدوح ہرگز ہرگز ان مفاسد کو یا ان کے مقدمات و اسباب کا کائر نہیں فرماتے حضرت ممدوح پر ایسا گمان کر کے علی الاطلاق ان امور کے حوازی پر تکیہ کرنا یا حضرت ممدوح سے سوء عقیدت کر لینا حضرت ممدوح کے کمال اتباع و تلمذ

یہاں آپ کسی عبارت سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ جو لوگ مردوں کو جلا دیتے ہیں ان کے مذہب میں مرسلہ والوں کو زندوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا صحیح ہے کہ دروغ گورہا فظنہ باشد دروغ گوئی کی نسبت آپ دوسروں کی طرف کرتے ہیں اور غیر سے خود اقرار ہی دروغ گوئیت ہو رہے ہیں آخر معاملہ کیا ہے کیا یہ بات درست نہیں کہ تنقید متین کے مقصود اور جواب سوالوں نے آپ کو بدحواس کر دیا ہے اور بدحواس ہو کر آپ کچھ کا کچھ دیتے ہیں۔ الغرض جس چیز کو ہمارے حکمی و ادائیت کر رہے ہیں وہ اور ہے اور جو نتیجہ آپ اپنی کم فہمی کی وجہ سے اس سے اند کر رہے ہیں وہ اور ہے لہذا ہم بھی سمجھتے ہیں اور ہمارے حکمی و ادائیگی سمجھتے ہیں بقضائے تعالیٰ ہم میں سے کوئی بھی جھوٹا نہیں جھوٹا تو وہ شخص ہے جس کو اپنا لکھا بھی یا نہیں رہتا کیونکہ دروغ گورہا فظنہ باشد کاش کہ آپ اہل دیوبند کے کسی مدرسہ میں کچھ عرصہ رہ کر ہندی طالب علموں سے بھی کچھ پڑھ لیتے تو آپ کو ہندی اور دہلی کی مطابقت کا اور تقریب تام کا مفہوم تو کم از کم سمجھ آ جاتا اور یوں اندھی اونٹنی کی طرح اندھے میں ٹھوکرین نہ کھاتے پھرتے۔

مرکزی پیر کا حوالہ

مؤلف مذکور لکھتے ہیں جس کا نہایت مختصر خلاصہ یہ ہے کہ آپ طعام پر قرآن پڑھنے کو کھانے پر بید پڑھنے کی مشابہت کی وجہ سے حرام کہتے ہیں اور آپ کے مرکزی پیر حاجی امداد اللہ صاحب نہا جہ کی فیصلہ ہفت مسئلہ میں لکھتے ہیں کہ تشبیہ تو تب ہو کہ وہ عادات اس قوم کے ساتھ مخصوص ہوں کہ جو کہ اسی قوم سے سمجھا جائے جب دوسروں میں بھی وہ پھیل کر عام ہو جائیں جیسا کہ امور متعلق عادات و ریاضات جو غیر قوموں سے ماخوذ ہیں جو مسلمانوں میں اور درویش مالوں کے گھروں میں بھی پائی جاتی ہیں مذہب نہیں قصہ نظیر اہل قبا اس میں کافی حجت ہے۔ پس یہ بیعت مروج ایصال ثواب کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور گیارہویں۔ دسویں۔ بیسیویں چہلم ششماہی رسالہ اور توشیح احمد عبدالحق دہلوی اور سرمدی حضرت شاہ بوعلی قلندر و علوئے شرب برات اور دیگر طرق ایصال ثواب اسی قاعدہ پر مبنی ہے (محصلاً) (توضیح البیان ص ۱۱)

الجواب۔ بلاشبہ حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مرکزی پیر تھے لیکن آپ کا استدلال اس صحیح نہیں ہے۔ اولاً اس واسطے کہ رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ حضرت حاجی صاحب کا نوشتہ نہیں چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ میں ہے کہ یہ رسالہ ہفت مسئلہ ان کا لکھا ہوا نہیں کسی نے لکھا ان کو سنا دیا انہوں نے اصل طلب کو دیکھ کر اباحت کی تصحیح کر دی اور حال اہل مذہب نے خبر نہ ہوئی فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اور آپ کی تقریر دلنریک غرض سے ناواقفی ہے خلاصہ ارشاد حضرت ممدوح کا یہ ہے کہ جس شہود کے ساتھ لوگوں میں شائع ہیں وہ بدعت ہیں کیونکہ اس رسالہ میں مصرح ہے کہ غیر دین کو دین میں داخل کرنا بدعت ہے سو جو لوگ ان قیود کو جو فی نفسہ مباح ہیں مگر نہ کرتے ہیں وہی غیر دین کو دین میں داخل کرنے والے ہیں اس مرتبہ میں اعلیٰ حق پر ہیں اور بلا التزام قیود و رسم و لزوم مفاسد اچھا نہ کر لینا اور اچھا نہ کرنا یہ مباح ہے اس کو حرام کہنا مانعین کا تشدد ہے وہی اس مرتبہ میں جواز ہے بایں معنی دونوں کو آپ نے حق پر قرار یا چنانچہ بعض اکابر مخصوصین کے پاس جو حضرت ممدوح کا والاناہرہری آقا اس میں افطامہ موجود ہیں کہ نفس ذکر مندوب اور قیود بدعت میں اسی طرح دیگر مسائل میں تفصیل ہے جو اصول شرعیہ میں غور کرنے سے مفہوم ہو سکتے ہیں اس توضیح کے بعد کسی کو اشتباہ والتباس کا محل باقی نہیں رہ سکتا اگر رسالہ ہدای کی کوئی عبارت اس تقریر مذکور کے خلاف پائی جائے وہ اس غلام کی عبارت کا قصور سمجھا جاوے اور حضرت صاحب دامت فیہ نعیم و برکاتہم کو بالکل میرا اور منہ اخفا کیا جائے و اعلیٰ اللہ البلاغ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ مطبوعہ مجتبائی دہلی ماہ ستمبر ۱۳۱۲ھ بمطابق ۱۲ رجب ۱۳۱۲ھ رشیدیہ ۱۳۱۲ھ

اس واضح تفصیل و تشریح کے بعد اولاً تو رسالہ فیصلہ بدعت مذکور صحابی صاحب کی ہنود و شرعہ تحریر سمجھنا اور یہ بلا کر اچھا کہ مولف مذکور لکھتے ہیں آپ کے مرکزی یہ حاجی امداد صاحب مہاجر کی فیصلہ بدعت مسلمانوں میں لکھتے ہیں بدعت حقیقت حال سے بچہ بچہ کا نتیجہ ہے و ثانیاً حضرت تھانویؒ جو اس رسالہ کے مضمون کو اپنی عبارت میں مرتب کرنے والے ہیں ان کی اس تصریح کے بعد ان کی مراد کے بغیر کوئی اور مطلب لینا جیسا کہ مولف مذکور اور ان کی جماعت ایسا کرتی ہے خالص سیدہ زوری اور بٹ دھرمی ہے و ثانیاً رسالہ فیصلہ بدعت مسلمانوں میں مذکور مسائل کے بارے فتاویٰ رشیدیہ میں تصریح ہے کہ اور مسئلہ اندازہ غیر میں صاف صاف (اس رسالہ میں) صدقہ حق لکھا ہے کہ نہاد غیر اگر حاضر و غائب جان کر لگا تو شرک ہوگا اور جو بے اس کے شوق میں کہتا ہے تو مغفور ہے گنہگار نہیں اور جو بدو عقیدہ شرک کے یہ سمجھ کر کہے کہ شاید ان کو حق تعالیٰ خبر کر دیوے تو خلاف محل فعل میں خطا و گناہ ہے مگر شرک نہیں اور جو نص سے ثبوت ہو جیسا صلوٰۃ و سلام بخیرت فخر عالم علیہ السلام کے بلکہ کا پہنچنا تا وہ خود ثابت ہے سو یہ سب حق ہے اس میں کوئی اہل حق مخالف اس کے نہیں کہتا۔ اب یہ بین مسئلہ قیود مجلس مولود کے اور قیود ایصال ثواب کے اور عرس بزرگان دین کا کرنا سو اس میں وہ خود لکھتے ہیں کہ دراصل یہ مباح ہیں۔ اگر ان کو سنت یا ضروری جانے بدعت و تعدی حدود اللہ تعالیٰ و گناہ ہے اور بدو ان کے کرنے میں وہ اباحت لکھتے ہیں ہم لوگ منع کرتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ ان کو رسوم اہل زمانہ سے

خبر نہیں کہ یہ لوگ ان قیود کو ضروری جانتے ہیں لہذا باعتبار اصل کے مباح لکھتے ہیں اور ہم لوگوں کو عادت ملوام سے محقق ہو گیا ہے کہ یہ لوگ ضروری اور سنت جانتے ہیں لہذا ہم بدعت کہتے ہیں پس فی الحقیقت مخالفت اصل مسائل میں نہیں ہوئی بلکہ بسبب عدم علم حال اہل زمانہ کے یہ امر واقع ہوا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا امام صاحب نے صابی کو ایک حکم دیا اور صاحبین کے دوسرا حکم یہ کہ بسبب اختلاف صابی کے ہوا ہے کہ امام صاحب کے وقت ان کا حال اہل کتاب جیسا تھا اور صاحبین کے وقت مجوس جیسا پس اختلاف اصل مسئلہ کا نہیں بلکہ وجہ حال اہل زمانہ کے ہے ایسا ہی دیگر مسائل میں ہے پس ایسا ہی ان تین مسائل ہفت مسئلہ میں سمجھ لو ورنہ حضرت سدر کے عقائد ہرگز بدعت کے نہیں ہیں کہ اہل فہم و دانش خود عبارت رسالہ سے سمجھ سکتا ہے الہ فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱۱ علاوہ ازیں میدان فتویٰ میں مشائخ کی بات حجت نہیں ہوتی حضرت فقہار کرام کی بات ہی حجت ہوتی ہے چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ میں ایک سوال کے آخر میں یہ بھی درج ہے :
اور ثانیاً کہ آپ کے یہ صاحب حاجی امداد صاحب بھی مولود کہتے تھے جواب تفصیل سے فرمائیے (اس کے جواب میں لکھا ہے) الجواب مجلس مولود کا مفصل براہین قاطعہ میں دیکھو وراہن قاطعہ اس پر غامضی و مل بحث موجود ہے وہ میں حافظ ابن حجر اور شیخ عبدالحق سے محفل ملاؤں میں شرکت کے جواز پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ بعد اس کے سنو کہ اس وقت مجالس مولود میں کوئی امر غیر شروع نہ ہوتا تھا اور نفس ذکر ولادت کو مجیب اور کوئی عالم منع نہیں کرتا اس وقت کی محافل میں اگر کوئی امر مباح اتفاقی تھا اس پر ناکہ کا گمان و عقاب جو قلوب خواص میں تا کہ وہ وجوب بلکہ بقول ان حضرات کے سنی اور غیر سنی ہونے کی ماہ الامتیا زوجہ میلاد و ختم وغیرہ قرار چکے ہیں۔ صدقہ (مذکور) مولود کو ہو گیا کہ کوئی امر ہوتا ہے اور علماء کو اس وقت اباحت موجودہ کا خیال ہوتا ہے اور مال کاری مفیدہ و دھیان نہیں ہوتا تو اس وقت جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور پھر آخر میں اس میں کہ امت پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت ممنوع ہو جاتا ہے پس تعامل ان لوگوں کا موجب جواز نہیں ہوتا البتہ قریب غلطی کا تعامل حجت ہوتا ہے لہذا امر مخصوص مباح بھی بعض اوقات بسبب اس ناکہ کے مکروہ ہو جاتا ہے جیسا صلوٰۃ انہی کہ تمدنی و انتہام سے مساجد میں ادا کرنے سے صلوٰۃ خصل مستحب کو حضرت ابن عمرؓ نے بدعت فرمایا تو پس شیخ عبدالحقؒ اور ابن حجرؒ کی تحریر سے اس حالت وجود میں یہ محفل مزاج ہرگز جائز نہیں ہو سکی گو اس وقت میں مباح تھی اہل علم اور حجت قول و فعل مشائخ سے نہیں ہوتی بلکہ قول و فعل شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور اقوال مجتہدین جرحہم اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں جب ان کے

پیر سلطان نظام الدین قاسم سرہ کے فعل کو حجت کوئی لانا کہ وہ ایسا کرتے ہیں تم کیوں نہیں کرتے کہ فعل مشاوع
حجت نہ باشد اور اس جواب کو حضرت سلطان الاولیاء بھی پسند فرماتے تھے لہذا جناب حاجی صاحب سلواری
کا ذکر کرا سوا لات شریع میں ہے جاہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ ۱۳۱۱ھ قسطنطنیہ
رشیدیہ ج ۱ ص ۹۵ طبع جدید برقی پریس دہلی

ہم نے تحقیق میں دس سے زیادہ حضرات فقہاء کرام کی ٹھوس اور صریح عبارتیں سیوم وغیرہ کے مکروہ
بدعت اور حرام ہونے پر نقل کی ہیں جو ان کے مفاسد شرعیہ سے واقف و آگاہ تھے اور انہیں کی بات دینی
امور میں قابل قبول ہے اور مؤلف مذکور کے ہم مسلک مولوی محمد صالح صاحب کی عبارت میں اس کی تصریح
ہے کہ بغیر ہندوستان کے اور کسی اسلامی ممالک میں کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کا رواج نہیں (محصلہ)
اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ دیگر ممالک کے مسلمانوں نے اس نامبارک حرکت کو نہیں اپنایا
اور یہ ہندوستان کے ہندوؤں میں ہی رائج تھی اور انہیں سے جاہلوں اور پیٹ پستلوں نے اس کو لیا ہے تو یہ رسم
عام تو نہ ہوئی اور تشابہ بالیغی کے مد سے نہ نکلی اور حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں۔ وردہ اکثر امور متعلق عادات
اور ریاضات جو غیر قوموں سے مانور میں مسلمانوں میں اس کثرت سے پھیل گئے ہیں کہ کسی عالم درویش کا گھر
بھی اس سے خالی نہیں الٰہ اور اس بدعت کو ہندوستان کے بغیر کسی دوسرے اسلامی ملک میں سرے سے
کوئی جانتا ہی نہیں تو یہ رسم تشبہ بالیغی سے کیونکر اور کیسے خارج ہو گئی؟ غرضیکہ حضرت حاجی صاحب
کا نقل کردہ حوالہ بھی مؤلف مذکور کو کسی طرح مفید نہیں ہے کہ لا ینفعی۔

لاف و گزاف

مؤلف مذکور نے اس کے بعد ایک زالی منطق یا ایک مبہم منتر پیش کیا ہے جس کا خلاصہ
یہ ہے کہ طعام پر قرآن پڑھنا اہل منور کی مشابہت نہیں بلکہ سرسراہ مخالفت ہے کیونکہ وہ وید پڑھتے ہیں ہر اللہ
تعالیٰ کا کلام پڑھتے ہیں جیسے شریکین جانور و روح کرتے وقت بتوں کا نام لیتے تھے مسلمان ان کی مخالفت میں
اللہ کا نام لیتے ہیں تو جس طرح جانور پر بتوں کی جگہ اللہ کا نام لینا کفار کی مشابہت نہیں مخالفت ہے اسی
طرح طعام پر وید کی جگہ کلام اللہ پڑھنا ان کی مخالفت ہے ورنہ آپ کے قاعدہ کے مطابق ذبح پر اللہ کا نام
لینا طواف میں اللہ تعالیٰ کی تائید لا شریک الاکبنا یہ سب کفار کی مشابہت قرار پائے گا ممکن ہے
سرفراز صاحب اپنی روایتی کجروی سے یہ غدر پیش کریں کہ نہ پڑھنا اللہ کا نام لینا اور طواف میں تلبیہ کے لفظ
تو مخصوص ہیں طعام پر کلام پڑھنے کی کوئی نص موجود ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مخصوص جزئیہ پر نہ

یہی مشرکین کی مخالفت تو ثابت ہے باقی یہ غدر کردہوں کا ثواب اکٹھا کیوں پہنچایا جاتا ہے الگ الگ
فاتحہ اور طعام کا ثواب کیوں نہیں پہنچایا جاتا جواب یہ ہے کہ الگ الگ بھی جائز ہے اور الگ پہنچاتے ہیں
آپ کو دینی اور سوز و غم کا علاج کیجئے اور دونوں کو جمع کر کے ثواب پہنچایا بھی جائز ہے اور جمع میں العباد
ثابت ہے جیسے قرآن میں حج و عمرہ کو حج کہنا حالت جہاد میں ذکر کرنا۔ عید گاہ جاتے ہوئے تلبیہ پڑھنا
حضرت علیؓ کا حالت نماز میں زکوٰۃ دینا اہل مکہ کا تراویح و طواف کو جمع کرنا اہل مدینہ اور امام مالکؒ کا تراویح
کا پیش رکعات کے ساتھ طواف کے قائم مقام سولہ رکعتوں کو جمع کرنا شیخ محقق اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۲
پر فرماتے ہیں ایک عمل خیر میں ثواب ہائے متعددہ کی نیات جمع کی جا سکتی ہیں (۱) زیارت حق (۲) انتظار
نماز (۳) اعضا کو معاصی سے پاک رکھنا (۴) اعتکاف (۵) قصد درود و (۶) تہجد و (۷) ذکر و (۸) قصد
ادراک ثواب جمع و عمرہ (۹) افادہ و استفادہ (۱۰) زیارت برادر دینی (۱۱) سلام (۱۲) تفکر و مراقبہ
(۱۳) قصد شادہ حق اور نیت کے بارے حدیث ہے نیت المؤمن خیر من عملہ جب ایک وقت میں بارہ
عبادتیں جمع ہو سکتی ہیں تو طعام اور تلاوت کے ایصال ثواب کی دو عبادتیں جمع ہونے میں کوئی چیز
مانع ہے (۹) (محصلہ ص ۱۱ و ص ۱۱)

الجواب مؤلف مذکور کو فہم و بصیرت سے بالکل کوئی سروکار نہیں وہ صرف صفحات سیاہ کرنے
کا نام ہی تصنیف سمجھے بیٹھے ہیں اس مضمون میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کی کہ نہیں کا شاخسار ہے
اور بس اولاً اس لئے کہ مشابہت میں من کل الوجوہ مساوات مرا نہیں ہوتی حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ
والتشبیہ لا یتقرط فیہ المساواة من تشبیہ میں من کل الوجوہ مساوات شرط نہیں ہے۔
کل جهة (شرح نخبہ الفکر ص ۱۱)

بلاشبہ آپ حتی لوگ طعام سامنے رکھ کر قرآن پڑھتے رہیں اور برہمن بید پڑھتے رہیں تشابہ
بھی ہے کیونکہ ایصال ثواب کا کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کی کارروائی بغیر ہندوؤں کے اور کسی قوم
میں اور خاص طور پر مسلمانوں میں نہیں کی گئی اور نہ اسلامی ممالک میں یہ موجود ہے یہ ہندو واندہ رسم ہے او
انہیں سے رسم پستوں اور پیٹوؤں نے لے لے لہذا بہر حال تشابہ برقرار ہے و ثانیاً خود مؤلف مذکور کو اس
کا اقرار ہے کہ جانور پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لینا اور تلبیہ خصوصاً احکام میں اور خود ہی سرفراز کے مضبوط
عملہ کا بیت ملکوت میں داخل ہو کر دفاع بھی کر رہے ہیں اور یہ بھی صاف لفظوں میں تسلیم کرتے ہیں کہ کھانا

سامنے رکھ کر اس پر قرآن کریم پڑھنے کے جزئیہ میں کوئی نص بھی نہیں ہے یعنی خود ہی مقیاس اور قیاس علیہ کا فرق بھی تسلیم کرتے ہیں اور مجتہد فی الاصول یا فی الفروع کے حوالہ کے بغیر ہی بغیر اشتراک علت کے محض ہوائے نفسانی کے تحت قیاس فاسد کی بنیاد رکھتے ہیں اور بایں ہمہ پھر لکھتے ہیں کہ مشرکین کی مخالفت تو ثابت ہے عجیب شخصے میں پھنسے ہوئے ہیں معاف رکھنا آپ کو یا حوالہ ثابت کرنا ہے کہ ایصال ثواب کا کھانا سامنے رکھ کر اس پر قرآن کریم پڑھنے کا ثبوت فلاں صحابی یا فلاں امام یا کم از کم فلاں معتبر فقیہ ہے یا ادھر ادھر کی باتوں میں نہ الجھیں اور نہ تاخوندہ لوگوں کو بلا وجہ الجھانے کی ناکام کوشش کریں ورنہ شاید آپ کو کس نے کہا ہے کہ جمع بین العبادتین صحیح نہیں آپ دوسروں کی کو رہیں اور سو غلطی کا شکوہ نہ کرنا کہ جس کا شایع شدہ ہے اپنا چہرہ مبارک بھی دیکھا ہوتا جمع بین العبادتین بلکہ بین العبادات کا کوئی منکر نہیں بلکہ البتہ اس کا ثمر ثابت و رکاب ہے۔ قرآن جہاں میں ذکر عید گاہ کے راستہ میں کبیرت کا پڑھنا اور وَبِذِكْرِكَ الْوَلَدِ الْأَوَّلِ وَالْأَوَّلِ وَالْأَوَّلِ (ایک تفسیر کی رو سے) سب مخصوص احکام ہیں اور اسی طرح تراویح و طواف کا جمع کرنا اور اہل مدینہ اور حضرت امام مالک کا عمل جو خیر القرون ہی کے دو ہیں پختے سب کچھ مستم و درست ہے اور اسی طرح اشعة اللمعات کے حوالہ میں سے ایک فعل میں بارہ نیکیوں کا جمع ہونا محل نزاع سے بالکل خارج ہے مؤلف مذکور کو ثابت تو یہ کرنا ہے کہ ایصال ثواب کا کھانا سامنے رکھ کر اس پر قرآن کریم وغیرہ پڑھنا فلاں آیت یا حدیث یا خیر القرون کے تعامل یا فلاں امام اور معتبر فقیہ کی اس صریح عبارت سے ثابت ہے اور ہم مجدد اللہ تعالیٰ یا حوالہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ ہندوؤں کی رسم ہے اور ہندوؤں کے بغیر کہیں بھی نہیں ہے۔ الغرض جو دلیل آپ کو ثابت کرنا تھی اس سے آپ قطعاً قاصر اور یقیناً عاجز رہے ہیں لطیفہ مؤلف مذکور کی ترکی تو صرف اس خیرم ہو گئی ہے کہ ایک فعل میں بارہ عبادتیں آسکتی ہیں اور کون مسلمان اس کو نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہر سنت عبادت ہے اب ہم عرض کرتے ہیں کہ صرف ایک فعل میں چھ سو سنتیں بھی ثابت ہیں چنانچہ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی (المتوفی ۲۵۵ھ) اپنی کتاب صفۃ الصلوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ

فی کل اربع رکعات یصلیہا الانسان ست مائۃ
سنتہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اخر جناہا بفصولہا فی کتاب صفۃ الصلوٰۃ
ہم نے ان کے فصول کے ساتھ کتاب صفۃ الصلوٰۃ

(مقدمۃ النشر لموارد الظمان ص ۱۱)
میں کر دی ہے۔

مرکزی پیر کا ایک اور حوالہ | مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ انصاف پسندوں کے لئے تو یہ بالاحتیاق کافی ہے لیکن جہنم میں دیوبند دلائل سے زیادہ اپنے آباء کے اقوال کو پسند سمجھتے ہیں اس لئے ہم ان کے مرکزی پیر کے فیصلہ ہفت سلسلہ سے حوالہ پیش کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ سلف میں تو یہ عادت تھی کہ مثل کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصال ثواب کی نیت کر لی متاخرین میں سے کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نیت دل سے کافی ہے۔ لیکن عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اسی طرح زبان سے کہہ لیا جائے کہ اس کھانے کا ثواب فلاں کو پہنچ جائے تو بہتر ہے پھر کسی کو خیال ہوا کہ کھانا سامنے ہوتا تو زیادہ استحضار قلب ہو گا کسی کو خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اگر کچھ کام الہی بھی پڑھ لیا جائے تو جمع بین العبادتین ہو گا چونکہ تو ان شریف کی بعض سورتیں لغظوں میں مختصر اور ثواب میں زیادہ ہیں پڑھی جانے لگیں کسی نے خیال کیا کہ رفع یدین سنت ہے لہذا بھی اٹھانے چاہئیں اور کسی کو خیال ہوا کہ کھانے کے ساتھ پانی بھی ہونا چاہیے کیونکہ پانی پلانا اور ثواب ہے پس یہ ہیئت کذا غیر حاصل ہو گئی (محصار ص ۱۱۸)

الجواب مجدد اللہ تعالیٰ اس دور میں مسلک دیوبند سے وابستہ حضرات اول و درجہ پر توجہ و حسد سنت کے داعی اور شرک و بدعت کا قلع قمع کرنے والے ہیں اور خلق خدا اس کو بخوبی جانتی اور منصف مزاج حضرات اس کو مانتے ہیں ان کو مبتدعین کہنے والا ضدی متعصب اور کور مغر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا اور یہ بات بھی بالاباحوالہ عرض کی جا چکی ہے کہ دلائل شرعیہ اور سوالات شرعیہ میں مرکزی پیر حضرت حاجی املاؤ اللہ صاحب کا ذکر بالکل بے جا ہے۔ علماء دیوبند دلائل شرعیہ سے استناد کرتے ہیں یہ کہ اپنے آباؤ کے اقوال اور ان کی علمی اغلاط سے وہ و حضرات سلف اور خیر القرون کے تعامل ہی میں خیر سمجھتے ہیں اور متاخرین کی اغلاط کو ہرگز نہ سمجھتے ہیں باندھتے کیونکہ ایصال ثواب کے سلسلہ میں کوئی نیا محرک داعیہ اور سبب پیش نہیں آیا تاکہ اس میں قیاس و اجتہاد کی ضرورت پیش آئے اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل اور قرون شہود لہذا بخیر کی مخالفت کو وہ بدعت بھی سمجھتے ہیں اور حرام بھی۔ ہم نے تنقید تین ص ۱۱ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی باحوالہ عبارت نقل کی ہے وہ مخالفت سنت حرام پس ہرگز روا نہ باشد۔ مگر مؤلف مذکور اس کو بالکل پی گئے ہیں اور شیخ عبدالحق کی عبارت بھی بدعت است حرام کے بارے میں بھی بات عرض کی جا چکی ہے اس لئے اس مزموع خیال سے وہ عبادتوں کو جمع کرنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے جو بدعت بھی ہے اور حرام بھی

اور مرکزی پیر کی بات شرعی دلائل کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ وہ خود قابل تاویل ہے کہ بلا التزام اجتناب ایسا ہو تو جائز ہے ورنہ بدعت ہے جیسا کہ پہلے مفصل حوالہ عرض کر دیا گیا ہے اور آج تو اس کو اہل سنت کی طاعت قرار دیتے ہیں اور ان کے لئے تو اس کو ترک کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مولف مذکور خود تجربہ کر کے یہیں علوم کا انعام اس کو علماء پر واجب سے اہم قرار دیتے اور اس پر عمل کرتے ہیں حتیٰ کہ جمعہ اور جماعت وغیرہ کے تارک کو ایسی ہیادری اور غضبناک نگاہ سے نہیں دیکھتے جس سے وہ ان بد رسوم کے تارک کو دیکھتے ہیں۔

شریعت کے بادشاہ کا فیصلہ | مولف مذکور لکھتے ہیں کہ حاجی صاحب آپ کے طریقت کے شہنشاہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب شریعت کے بادشاہ کہلاتے ہیں اب ہم آپ کو بادشاہ شریعت کی زبان سے طعام پر فائز پڑھنے کے حجاز کا حکم سنواتے ہیں شاہ صاحب لکھتے ہیں حتم کلام اللہ کنند و فائز بر شریعتی یا طعام نمود تقسیم و میان حاضران نمایند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفاء راشدین بنمودہ اگر کسی اس طور بکند پاک نیست زیرا کہ درین قسم قبیح نیست بلکہ فائدہ احیاء و اموات را حاصل سے شود در فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۳۹

اور فتاویٰ عزیزی ص ۱۱۹ و ۱۱۹ توضیح البیان

طعامیکہ ثواب آن نیاز حضرت الما میں نمایند ہر گز فائز و قتل و زور و خونان تبرک می شود و خوردن بسیار خوب است (ص ۱۱۹ و ۱۱۹ توضیح البیان)

الجواب حقیقتہ شریعت کا بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے اور مجازاً شریعت کے بادشاہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے حضرت خلفاء راشدین ہیں اور حضرت شاہ صاحب خود فرماتے ہیں کہ یہ طریقان بادشاہوں میں نہ خلفا سودینی طور پر خیریت اُسی میں ہے جو عمل انہوں نے کیا علاوہ ان کے اگرچہ بلا التزام ایسا کرنا فی نفسہ مباح بھی ہو لیکن علوم اس کا ردائی کا ایسا التزام کریں اور آج کل فی الواقع ایسا ہی ہوتا ہے کہ ترک کرنے پر دل آمادہ ہی نہ ہو بلکہ ترک کرنے والے کو طاعت کریں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنے لگیں تو ایسا معاملہ مال کے لحاظ سے بدعت ہو جاتا ہے اور مولف مذکور کا بھی اس پر صاف ہے کہ اگرچہ حضرت شاہ صاحب کے اس جملہ سے کہ فائز طعام شریعتی نمود یہ سمجھنا کہ کھانا سامنے رکھ کر اس پر فائز پڑھنے کی جیسا کہ مولف مذکور کا مدعی ہے درست نہیں ہے کیونکہ فائز و خدادون اور فائز بر شریعتی نمود کا مطلب ایصال ثواب ہے

یہ نہیں کہ کھانا سامنے رکھ کر اور فائز کھانا کر اس پر فائز پڑھیں جائے بلکہ اس قاطعہ میں ہے فائز و خدادون کے معنی ایصال ثواب کے ہوتے ہیں مجاز متعارف کے طور پر الخ اور خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں فائز ایصال ثواب کا نام ہے جو کہ قرآن مجید و درود شریف سے ہو سکے پھر کہ ثواب مذکور کے الخ احکام شریعت حصہ سوم صفحہ ۱۵ طبع برقی پریس مراد آباد

اور فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۱۹ کی عبارت خوب است کے آگے یہ عبارت بھی ہے جس کو مولف مذکور نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

لیکن بسبب برون آن طعام پیش تعزیر یا دہناوت لیکن اس کھانے کو تعزیروں کے سامنے لے جانے اور پیش تعزیر وغیرہ تمام شب بلکہ پیش قبول حقیقتہ تعزیر و غیرہ کے سامنے شب بھر رکھنے بلکہ حقیقتہ قیروں کے سامنے رکھنے میں بھی کفار اور بت پرستوں کے مشابہت ہم تشبہ بکفار و بت پرستان سے نمود پس ازین جهت کراہت پیدامی کند و اللہ اعلم (ج ۱ ص ۱۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ مشابہت کسی صورت میں اور کسی طرح بھی نہیں ہونی چاہیے اور چونکہ کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنا ہندوؤں کا طریقہ ہے اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہیے اور اقل درجہ یہ ہے کہ اس چیز میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے غالباً جن حضرات نے کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کی اجازت دی ہے ان کے علم میں یہ بات نہ ہوگی کہ یہ ہندوؤں کی رسم ہے اور ان سے مانو مذہب اور پھر وہ اس کا روائی اعتقاد و اعتقاد وری بھی نہیں سمجھتے ہوں گے بخلاف ان حضرات کے جن کو اس کا علم ہے انہوں نے اس بد رسم کی نفی کی ہے اور اصول کا قاعدہ ہے کہ من عرف حجتہ علی من لم یعرف کرہانہ والوں کی بات نہ جانے والوں کی حجت ہے تشبہ بکفار کا ضابطہ | حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے کفار کے ساتھ تشبہ کے ممنوع اور غیر ممنوع ہونے کے سلسلہ میں شرعی قاعدہ تحریر فرمایا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

موفق تو اعد شرع شریف چیزیکہ مخصوص بکفار موافق تو اعد شرع شریف چیزیکہ مخصوص بکفار باشند و مسلمانان آنرا استعمال کنند خواہ در لباس خواہ در اکل و شرب داخل تشبہ و ممنوع و آنچه مخصوص بکفار نیست گو کہ کفار آنرا بیشتر استعمال میکنند مسلمانان کمتر پس مضائقہ ندارد الی قیاس و تشبہ

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ کہنا کہ قرآن کریم کا ایسی جگہ یعنی طعام وغیرہ کے مقام پر پڑھنا بے ادبی ہے تو یہ درست ہے لیکن یہ بے ادبی بھی صرف اس وقت ہوگی جب کہ قرآن کریم کا پڑھنا وعظ و نصیحت کے طور پر نہ ہو اگر وعظ و نصیحت کے موقع پر ہو اور شرک و بدعت کی تردید میں ہو تو ہر جگہ جائز ہے بلکہ رتبہ کے لئے کبھی قرآن کریم کا پڑھنا واجب ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پر کلام اللہ پڑھنا حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک بھی ایک گونا بے ادبی ہے اگر اس کا پڑھنا مطلقاً اور سببہ وجہ جائز نہ ہوتا تو یہ بے ادبی نہ ہوتا پھر حضرت شاہ صاحبؒ کا زمانہ اور ان کا ماحول خالص علمی تھا ان کے تصویروں میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو شرعی طور پر وراثت تقسیم کے بغیر یتیموں اور غائب وارثوں کی اجازت کے بغیر ہی مشترکہ مال سے گونا گون کھانے اور پھیل فروٹ سامنے رکھ کر ان پر قرآن کریم پڑھا کر ختم دلا دیں گے اور اس کا روائی کو ایسا ضروری سمجھیں گے کہ اس کو اہل سنت والجماعت کی علامت قرار دیں گے اور اس لئے کرنے والوں کو وہاں تک کی توپ سے داغیں گے اور یہ کہ رحم قتل کا ایسا التزام کریں گے کہ زمانہ جمعہ اور جماعت چھوٹ جائے تو کوئی پرواہ نہیں مگر سوئم وغیرہ ہاتھ سے ہرگز نہ چھوئیں گے اور یہ کہ کسی لوگ محض ناک اور دکھلاوے کی خاطر اور ناموری کی خاطر یہ کاروائی کریں گے اور بجائے فقراء غنیوں امیروں اور اپنی برادری کے لوگوں کو بھاجی کے طور پر کھلائیں گے اور یہ کہ بعض لوگوں کی کمائی کی خالص حرام ہوگی مگر ختمی طمان و ہاں بھی حاضری دیں گے اور یہ کہ نابالغ بچوں تک کے لئے جو تکلف ہی نہیں ہوتے رسم قتل التزام ہوگی یہ اور اس قسم کے دیگر بے شمار مفاسد ان کے ذہن میں بھی نہ ہوں گے اور مولف مذکور بھی اس امر سے بخوبی آگاہ ہوں گے کہ اگر ختم کے کھانے پر کچھ بھی نہ پڑھا جائے اور ایسے کھانی لیا جائے تو ختم دوانے والوں کا دل کبھی مطمئن نہیں ہوگا اور وہ اس کا روائی کو ایک خامی تصور کریں گے اسی کو کہتے ہیں غیر ضروری کو ضروری سمجھنا اور غیر سنت کو سنت سمجھنا جس کے بدعت ہونے پر مولف مذکور بھی متفق ہیں کما تر۔ اگر حضرت شاہ صاحبؒ اس دور میں ہوتے اور عوام کے یہ نظریات ان کے پیش نظر ہوتے تو یقیناً مذکور کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کی اجازت کبھی نہ دیتے اور اس کو بدعت بھی قرار دیتے لہذا نیاز حضرت امایہؒ کے کھانے پر فاتحہ وغیرہ پڑھنے کے حوالہ پر آجکل کے سوئم وغیرہ کے پڑھنے کو قیاس کے نزاقیاں صحیح الفارق ہے مولف مذکور کو صرف حوالہ ہی نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ ماحول بھی دیکھنا چاہیئے اور اوڈو ج ۱

۲۲۲ وغیرہ میں ہے کہ آپ نے بڑے کوروزہ کی حالت میں مباشرت یعنی عورت کے بدن سے بدن ملانے کی

اور مسلمان کم استعمال کرتے ہوں اس میں کوئی مضائقہ نہیں (انگے فرمایا) ربوہ تشبہ جو عبادات اور عبادوں میں ہے وہ مطلقاً ممنوع ہے اور اس پر بے شمار حدیثیں دلالت کرتی ہیں غرضیکہ ان سببوں میں تشبہ جس طرح بھی موضع میں داخل ہے۔

اس عبارت میں خط کشیدہ جملے صراحت سے اس پر دلالت کرتے ہیں کہ کفار سے عبادات و عبادت میں مشابہت مطلقاً منع ہے اور کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنا مولف مذکور اور ان کی جماعت کے نزدیک عبادات میں داخل ہے یہی وجہ ہے کہ وہ جمع بین العبادتین سے اس کو تعبیر کرتے ہیں اور یہ بھی باحوالہ گذر چکا ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنا بغیر ہندوستان کے اور کسی اسلامی ملک میں نہیں پایا جاتا اور ہندوستان میں یہ ہندو و زعم ہندوں سے مانور ہے لہذا ممنوع ہے علاوہ ازیں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی فرماتے ہیں کھانے پر قرآن کریم پڑھنا بعض صورتوں میں بے ادبی بھی ہے اور بعض صورتوں میں یہ واجب بھی ہے چنانچہ ایک سوال احمد اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

سوال اگر کوئی شخص کھانے پر کلام اللہ یا قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ کھانے پر اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ بیت الخلا میں پڑھنا سزا اللہ تعالیٰ جواب اس طرح کہنا جائز نہیں ہے بلکہ بے ادبی ہے ہاں اگر اس طرح کہے کہ اس موقع پر پڑھنا بے ادبی ہے تو مضائقہ نہیں اور وہ بھی اس صورت میں کہ وعظ و نصیحت کے طور پر نہ ہو اور اگر وعظ و نصیحت کے طور پر ہو اور شرک و بدعت سے منع کرنے کے لئے ہو تو ہر جگہ پڑھنا جائز ہے بلکہ بدعت کیلئے پڑھنا کبھی واجب بھی ہو جاتا ہے۔

سوال کسے کلام اللہ یا آیت کلام مجید را بر طعام خواند چه حکم است شخصے میگوید کہ کلام اللہ بر طعام خواندن آنچنان است کہ کسے در جائے ضرور بخواند فعوضاً باندہ نہا۔ جواب بایں طور گفتن روا نیست بلکہ سوء ادبی است اگر ایں چنین گفت کہ در ہجو اینجا خواندن سوء ادبی است مضائقہ ندارد و آن ہم وقتے است کہ بطریق وعظ و پند بخواند و ابالطو وعظ و پند و منع از شرک و بدعت خواندن در ہجو روا است بلکہ برائے رد بدعت گاہ واجب بشود (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۵۲)

آخری حصہ

مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ہم طعام پر فاتحہ پڑھنے کے جواز و اباحت کے قائل ہیں لیکن فرض و واجب نہیں سمجھتے اور آپ اسے حرام کہتے ہیں اسی طرح ہم تعین غنی کو جائز کہتے ہیں اسے فرض واجب نہیں سمجھتے اور آپ اس تعین کو حرام کہتے ہیں اب گزارش ہے کہ ہم سے تو ایک امر کی اباحت پر اس قدر شد و مد سے نص صریح اور حدیث صحیح کا مطالبہ ہے وحاشیہ پر تنقید متین ص ۲۵ کا حوالہ لکھتے ہیں کہ مہر از صاحب لکھتے ہیں کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا دعویٰ دینے کا حکم اجراء فرمایا ہے یا ایصال ثواب کے لئے کسی ایک شخصیت کے انتخاب کا ارشاد فرمایا ہے یا کسی کے لئے ایصال ثواب کیلئے دنوں کی تعین کا فرمان دیا ہے؟ اگر ایسا فرمایا ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے پھر کیا دعویٰ سند ہے ورنہ ہرگز نہیں و پس ہم بھی کہتے ہیں کہ آپ کیا دعویٰ کو حرام کہتے ہیں اور حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہوتی ہے بلکہ قرآن کریم کی کوئی نص قطعی یا خبر متواتر میں کیا دعویٰ کو حرام کیا ہے؟ اور اگر کوئی خبر متواتر ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے پھر کیا دعویٰ حرام ہے ورنہ ہرگز نہیں بلکہ غلطی لیکن آپ جو حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں آپ کے پاس اس مخصوص حکم کی حرمت پر کوئی صریح اور متواتر حدیث یا قرآن کریم کی نص قطعی موجود ہے جس کی وجہ سے آپ نے طعام پر فاتحہ پڑھنے کو یک جہش قلم حرام کر دیا اگر کوئی دلیل قطعی ہے تو پیش کیجئے کہ قرآن کریم کی فلاں آیت یا فلاں حدیث متواتر سے سوئم چلم عرس کیا دعویٰ اور فاتحہ علی الطعام کی حرمت ثابت ہے ان امور کی حرمت پر آپ دلیل قطعی تو بجائے خود خبر واحد بھی نہیں لا سکتے ہیں قیامت تک بہلت دے کہ بتدعین دیوبند کی پوری جماعت کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اپنے حرمت کے دعویٰ پر کوئی صاف اور صریح نص پیش کریں فان لم تفعلوا الا یہ بغیر کسی دلیل کے اپنی اہوا سے اللہ کے حلال کردہ کو حرام کرنا اللہ اور رسول کے منصب پر فاصیہ قبضہ ہے جو شرکین کا شعار ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اہل دیوبند کے پاس کوئی صریح دلیل ایسی موجود نہیں ہے جس سے وہ فاتحہ علی الطعام یا سوئم یا چلم کی حرمت ثابت کر سکیں کہیں کل بدعت ضلالت کے غم سے استدلال ہوگا کہ یہی نفس بدعت کو لے کر دیکھا جائے گا کہیں من احث فی امرنا بنا لیس منہ فہور سے احتجاج ہوگا کہیں سود ظنی سے عقائد اخترع کئے جائیں گے غرضیکہ دعویٰ کسی خاص امر کی حرمت کا کریں گے اور دلیل میں ایسے عموماً اور اطلاقات شرعیہ کو لائیں گے جن کا دعویٰ سے دور کا علاقہ بھی نہ ہوگا۔ مولوی لکھنوی صاحب

نے اگرچہ ایصال ثواب کا اقرار کیا ہے لیکن ایصال ثواب کی جس قدر مکمل صورتیں ہیں ان سب کا انکار کر کے حقیقت میں نفس ایصال ثواب کا ہی انکار کر دیا ہے کیونکہ وہ کسی تعین و قید کو ماننے پر تیار نہیں اور نظام ہے کہ بغیر قید اور تعین کے نفس ایصال ثواب کا تحقق ممکن نہیں پس قید اور تعین کا انکار کرنا حقیقت میں نفس ایصال ثواب کا انکار کرنا ہے اور ایصال ثواب کا انکار معتزلہ نے کیا ہے طحاوی علی مرقی الفلاح ص ۳۷ میں ہے کہ معتزلہ نے کہا ہے کہ کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے عمل کا ثواب اپنے غیر کو پہنچائے پس ایصال ثواب کا انکار کر کے مولوی لکھنوی نے اپنا قارورہ کن لوگوں سے جا ملایا۔ (توضیح البیان ص ۱۱۹ تا ۱۲۱)

الجواب

اس مضمون میں مؤلف مذکور نے جس کوتاہ فہمی اور جہالت کا ثبوت دیا ہے وہ صرف ان کا اور ان کی جماعت کا خاصہ لازمہ ہے اور یہ ان کو کسی طرح بھی تعین نہیں اور نہ ہمیں مضربے اولاً اس لئے کہ جواز اور اباحت بھی ایک شرعی حکم ہے اور بلا دلیل وہ بھی ثابت نہیں ہوتا آپ نے اس پر کوئی شرعی دلیل پیش کی ہے؟ کتاب وسنت اجماع و قیاس مجتہدین سے کوئی دلیل آپ نے اس پر باحوالہ نقل کی ہے؟ ہم نے راسخ ص ۱۰۷ میں یہ بات باحوالہ لکھی ہے کہ مباح وہ چیز ہے جس میں شارع نے اس کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا ہو الغرض ہمارا آپ سے امر مباح پر دلیل شرعی طلب کرنا بالکل صحیح اور مبنی برائضا ہے لہذا آپ اباحت اور جواز کی آڑے کر دھیل بیان کرنے سے تو نہیں چھوٹ سکتے اور آپ کو ایسا کون چھوڑتا ہے دنیا میں مطلق امر مباح کے لئے وقت مقرر کرنا اور اس پر اصرار اور اس کا التزام کرنا بھی بدعت ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ

سوال میرا ہے زیارت ایشان روز معین نمودن یا روز عرس ایشان کہ معین است رفعت و دست است یا جواب برائے زیارت تبور روز معین نمودن بدعت است و اصل زیارت منست ہے اور وقت کی تعین سلف مذکور اہل بدعت ازاں تعین است کہ صلش جائز است و خصوصیت وقت بدعت مانند صافہ بعد العصر کہ در ملک توران وغیرہ رائج است روز

اوس برائے یاد و نامیدن وقت و عابرائے میت اور عس کا دن میت کے لئے دعا کے یا ذکر کرنے کی خاطر اگر باشد مضائقہ نیست ولیکن التزام آن روز اگر ہو تو مضائقہ نہیں لیکن اس دن کا التزام نہ کرنا بھی نیز بدعت است انان قبیل کر گذشت - بدعت ہے اسی قبیل سے جیسا کہ بیان ہوا -
(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۹۹)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی چیز اصل میں جائز بھی ہو لیکن اس کا التزام کیا جائے تو یہ بھی بدعت ہے اور اس سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک عس بھی بدعت ہے لہذا فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۳۸ کی عبارت سے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے مغالطہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس میں بتا تعین یوم ختم قرآن کریم اور ایصال ثواب کے لئے لوگوں کے جمع ہونے کا ذکر ہے۔ اب آپ ہی ازراہ دیانت و انصاف فرمائیے کہ آپ نے یا آپ کی بدعت پسند جماعت نے کسی مرنے والے کا تیجہ یا گیارہویں وغیرہ کبھی ترک کیا ہے؟ اور کیا لوگوں سے کہا ہے کہ کبھی تیجہ اور گیارہویں وغیرہ ترک کر دیا کرو؟ اگر سچ آپ نے ایسا کیا اور کہا ہے تو پھر یہ صرف جو ازاں و اباحت کے درجے میں رہے گا گو ہے بلا اذن شارع اور بلا دلیل ہی لیکن اگر آپ نے کبھی ترک کرنے کا سبق نہیں دیا اور نہ موقع میسر ہوتے وقت عملاً ترک کیا ہے تو پھر یہ بواج و جائز ہی نہ رہا بلکہ ضروری سمجھ لیا گیا جو بدعت قرار پایا کسی بیماری یا سفر یا لاعلمی یا کم فرصتی وغیرہ کی وجہ سے کسی تیجہ اور گیارہویں وغیرہ میں شریک نہ ہو سکنا اصولاً ترک نہیں کہلاتا اس لئے غلط سمجھتے کا شکار ہو گئے ہوں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ہی ایک اور سوال کے جواب میں یہ تحریر فرماتے ہیں۔

سوال اکثر مردان بعد نماز صبح سلام علیک سوال اکثر لوگ صبح کی نماز کے بعد سلام علیک میکنند سنت است یا نہ؟ (کہتے اور کرتے ہیں یہ سنت ہے یا نہیں؟)
جواب التزام مداومت او بدعت است جواب اس کی مداومت پر التزام کرنا بدعت ہے
(فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۹)

ظاہر ہے کہ مسلمان کو سلام کہنا اور مصافحہ کرنا شرع شریف کے واضح دلائل سے ثابت ہے اور جائز ہے لیکن حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا بعد از نماز صبح التزام اور مداومت بدعت ہے۔
و ثانیاً ہم نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالہ سے عرض کیا ہے کہ شرع شریف کے قواعد کے

موافق عبادات میں کفار سے تشبیہ طلاقاً ممنوع ہے اور کرنے والے اس کو عبادت سمجھ کر ہی کرتے ہیں اور نیز ہم نے باحوالہ بھی عرض کیا ہے کہ یہ دلی بندہ نہ رسم ہے اس لئے بھی ممنوع ہے اور حضرات فقہاء سرانہ بھی اس کو ممنوع ہی قرار دیا ہے کما تر و راجعاً مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ تم تعین عری کو جائز کہتے ہیں فرض و واجب نہیں سمجھتے آپ اسے حرام کہتے ہیں الہ انہوس ہے کہ مؤلف مذکور کو تعین حقیقی اور تعین عری کا فرق بھی کسی استاد نے نہیں سمجھا یا جس کو وہ تعین عری سے تعبیر کرتے ہیں وہ حقیقت اور عوام الناس کے ہاں تعین حقیقی ہی ہے ہر جگہ اور ہر ایک کے لئے متعین طور پر میرے دن ہی رسم قل وغیرہ ہوتی ہے عموماً رشتہ داروں اور احباب کو بتلانے اور اطلاع دینے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی وہ خود بخود چلے آتے ہیں اور اس رسم کے نہ ہونے پر ناراض ہو کر چلے جاتے ہیں جیسا کہ حتمی تلام اور حفاظ وغیرہ سوئم وغیرہ کے پھل فروٹ اور مٹھائیوں کی طرف کشاں کشاں چلے جاتے ہیں وہاں سے کچھ نہ لے تو صلواتیں سناتے جاتے ہیں تعین عری اس کو کہتے ہیں جو ہر جگہ سب کے لئے متعین نہ ہو بلکہ اپنی مصلحت کے پیش نظر کوئی دن مقرر کر کے رشتہ داروں اور احباب کو اطلاع دی جائے جیسے شادی اور جلسہ وغیرہ میں ہوتا ہے کہ ہر ایک کو اطلاع دینے بغیر یہ نہیں ہوتا کہ کب یہ کاروائی ہوگی۔ وہاں ہمارے کیا رھویں کی جس شوق کو حرام کہا ہے اس کی دلیل کی طرف تنقید متین ۵۵ میں اشارہ کر دیا ہے الفاظ یہ میں ظاہر امر ہے بغیر شد سے خوف رجا اور امید و بیم کے اسی نظریہ کو تقرب بغیر شد کہا جاتا ہے جس کے حرام اور ترک ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے بیشتر عوام اسی غرض سے کیا رھویں دیتے ہیں الہ۔ اور تنقید متین ۵۴ ص ۱۸۱ تک ماحصل یہ بغیر شد کی مرسوم باحوالہ بحث ہے اور ۱۶۱ و ۱۶۲ میں تفسیر کلیل اور درمختار کے حوالے درج ہیں کہ بغیر شد کا تقرب ماحصل الایۃ کی مدین ہے اور ۵۵ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا یہ حوالہ بھی ہم نے درج کیا ہے کہ۔ ماکولات و مشروبات و دیگر اموال رانیز ازراہ تقرب بغیر شد دادن حرام و ترک است (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۵۵) مؤلف مذکور کا اخلاقی غرض تھا کہ اس مقام پر ہمارے نقل کردہ تمام حوالوں کو پیش نظر رکھ کر اس کے مطابق گفتگو کرتے اور ان کا مناسب جواب دیتے اگر بن پڑتا مگر ان کو تو صرف اپنے عوام کو ترخانا ہی ہے کہ تو تنقید متین کا جواب ہو گیا ہم نے کیا رھویں کی تقرب بغیر شد کی شوق کو حرام کہا ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی نص قطعی ماحصل یہ بغیر شد ہے اس کی حرمت ثابت کی ہے اور اس پر حضرات مفسرین کرام اور فقہاء عظام کی مستند کتابوں کے باقاعدہ حوالے دیتے ہیں آپ

ہم سے اور کونسی اور کس طرح نص قطعی مانگتے ہیں؟ یہ اب آپ کا اخلاق اور عمل فریضہ ہے کہ کیا وہیں ہی تقرب بغیر اللہ کی شوق کے جائز اور مباح ہونے کے لئے کوئی نص یا نتیجہ تواتر پیش کریں اور آپ کو جس آپ کی جماعت کے قیامت تک اس کی ہدایت ہے دیدہ باید مگر ایصال ثواب کی جائز شوق کو تقرب بغیر اللہ کی مدین گذر نہ کریں و سادہ سادہ مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ آپ نے طعام پر فاتحہ پڑھنے کو بیعت جنس قلم حرام کر دیا اگر کوئی دلیل قطعی ہے تو پیش کیجئے؟ الخ ہمیں بار بار مؤلف مذکور کی کم فہمی پر افسوس آتا ہے کہ کم فہمی کا شکار ہونے کے ساتھ بددیانتی سے بھی کہیں نہیں چوکتے ہم نے کھانا سنا سنہ رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھنے کو حرام نہیں کہا خاص بدعت کہا ہے الفاظ یہ ہیں مگر ایصال ثواب کے لئے جو کھانا فقراء کو دیا جاتا ہے اس کو سامنے رکھ کر اس پر قرآن وغیرہ کچھ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں اور یہ خاص بدعت ہے الخ انتقدین مستند مؤلف مذکور کا فریضہ تھا کہ وہ ہمارے اس جاندار دعویٰ کو صحیح صریح اور مرفوع حدیث سے یا غیر القرون کے اعمال سے رد کرتے کہ لو ایصال ثواب کے کھانے کو سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کا یہ احوال ثبوت موجود ہے مگر وہ ایسا نہیں کر سکے اور نہ کر سکتے ہیں وہ اپنی جماعت کے دیگر افراد کی طرح محض عوام کو بھڑکانا اور اہل حق سے منفرد کرنا ہی جانتے ہیں اور یہی کچھ ان کو پڑھایا جاتا ہے اور یہی کچھ انہوں نے سیکھا ہوتا ہے اور اسی کی بنیاد پر برہمی ان کے شرک و بدعت کی کاٹھی چلتی ہے وَذَٰلِكَ مَبْنٰعُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اور محمد اللہ تعالیٰ ان کی چیز کو ہم نے حرام کہا ہے اس پر دلیل قطعی پیش کی ہے سوئم چہلم اور عرس وغیرہ کو ہم نے بدعت کہا ہے تو اس پر حضرات فقہاء کرام کے صریح اور عیسوی حوالے نقل کئے ہیں اور محمد اللہ تعالیٰ یہ سب حوالے انتقدین میں موجود ہیں جن کا ذکر تک مؤلف مذکور نے نہیں کیا۔ اگرچہ گادر کو دن کے وقت بھی سورج نظر نہ آئے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ محض بلا وجہ چیلنج بازی سے اہل حق کو مرعوب کرنا اور اپنے ناخواندہ حواریوں کو خوش کرنا بغیر طفل تسلی یا گیدڑ بھبکی کے اور کچھ نہیں ہے۔

ہرگز نہ کر سکے مرے خاے سے سرکش پیدا سرنگوں سے ہے عجز عیان تیغ
و سابعاً بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو حرام کرنا اللہ تعالیٰ کے منصب پر غاصبانہ قبضہ ہے کیونکہ اشیاء کی تحلیل و تحریم صرف اسی کا منصب ہے اور اس کا بیان کرنا اللہ تعالیٰ کے رسول برحق کا منصب اور مقام ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیکن حرام کو حلال کرنا بھی تو اسی قاعدہ کی زد میں ہے کیا ما حاصل ہے بغیر کو حلال قرار دینا اللہ تعالیٰ اور اس کے برحق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مناصب پر قبضہ کرنا نہیں ہے؟

اور کیا یہ شرکین کا شعاع نہیں ہے؟ خدا رکھ تو فرمائیے کہ معاملہ کیا ہے؟ تصویر کے دونوں رخ دیکھئے ایک طرف وریفک نہ چلائیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے۔
وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السَّبْكُ الْكَذِبَ
هٰذَا اَحْلَالٌ وَهٰذَا اَحْرَامٌ لِّتَفْتَنُوْا
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ طَرَانِ الَّذِي يَقُوْنُ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُ حُوْنٌ

(النحل - ۱۵)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح اپنی خواہش سے کسی چیز کو حرام کہنا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افتراء باندھنا ہے اسی طرح کسی چیز کو حلال کہنا بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افتراء باندھنا ہے اور یہ آیت بدعتا کی تردید میں نص ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے کوئی ایسی بدعت نکالی جس میں اس کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں یا جس نے محض اپنی رائے اور چاہت سے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال یا اللہ تعالیٰ کی جائز رائے و تشہید (تفسیر ج ۲ - ص ۷۷)

و ثانیاً مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ اہل دیوبند کے پاس فاتحہ علی الطعام یا سوئم اور چہلم کی حرمت ثابت کرنے کے لئے کوئی صریح دلیل نہیں مل بدعت ضلالتہ یا نفس بدعت یا من احداث فی امرنا بذا مالیں متقبو را سے احتجاج ہوگا کہیں سوئم طینی سے عقائد اخترائے گئے جائیں گے غرضیکہ دعویٰ کسی خاص امر کی حرمت کا کریں گے اور دلیل عموماً اور احکامات شرعیہ کو لائیں گے جن کا دعویٰ سے دور کا علاقہ بھی نہ ہوگا یا لائیں گرام غور فرمائیں کہ مؤلف مذکور کس سطحی ذہن سے کام لے رہے ہیں ہم نے فاتحہ علی الطعام کے بدعت ہونے پر اور اسی طرح سوئم اور چہلم وغیرہ کے بدعت ہونے کے بارے میں انتقدین میں عیسوی حوالے عرض کر دیئے ہیں جن کا مؤلف مذکور کی طرف سے جواب بالکل نادر اور اس کتاب میں بھی پہلے اشارہ کر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے البتہ یہاں جو بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو مؤلف مذکور خود ہمارے دلائل

رہا مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ہمیں سو و ظنی سے عقائد و اختراع کئے جائیں گے اور تو اس سے کیا مراد ہے؟ اگر مراد ہے کہ ہم نے اپنے لئے عقائد و اختراع کئے ہیں اور یہ سو و ظنی کا نتیجہ ہیں تو صاف لفظوں میں من لہجہ کہ محمد اللہ تعالیٰ ہمارے تمام عقائد و اعمال وہی ہیں جو حضرات صحابہ کرام اور سلف صالحین کے تھے اور ہم سو و ظنی ان سے متفاوت نہیں ہیں ہاں بشری تقاضا کے تحت عمل کمزوریوں کا انکار نہیں لیکن وہ ہمارے گناہ اور خطائیں ہیں اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ ہم نے اپنی طرف سے آپ کے لئے اور آپ کی جماعت کے لئے عقائد و اختراع کئے ہیں اور اس میں سو و ظنی کا فرمایا ہے تو آپ کو ایسا نہیں ہے کہ ہماری کتابوں سے ان کی باحوال نشاندہی کریں کہ فلاں عقیدہ ہمارا نہیں اور تم نے اختراع کر کے ہمارے لئے کر دیا ہے؟ بخلاف اس کے آپ کے اکابر نے ہمارے اکابر کے خلاف اس قسم کے بے بنیاد الزامات لگائے ہیں قدسے تفصیل کے لئے راقم اشیم کی کتاب عبارات اکابر پہلا حصہ ملاحظہ کریں۔

مؤلف مذکور کا اختراع | مؤلف مذکور کہتے ہیں کہ مولوی لکھنوی صاحب نے ایصال ثواب کی جس قدر ممکن صورتیں تعین کر کے انکار کر کے حقیقت میں نفس ایصال ثواب ہی کا انکار کر دیا ہے کیونکہ قید و تعین کے بغیر ایصال ثواب کا تحقق ممکن ہی نہیں اور ایصال ثواب کا انکار کر کے اپنا قیادہ معتزلہ سے جملایا ہے (محصلہ) مؤلف مذکور نے یہ بات بھی خوب کہی ہے اور دل میں بڑے ہی خوش ہوئے ہوں گے کہ میں نے منکرین بدعات کو خوب لتاڑا ہے لیکن حقیقت اس بات میں مجھ کے پر جتنا وزن بھی نہیں ہے کیونکہ ہم نے تعین عرفی کا کوئی انکار نہیں کیا تعین حقیقی کا انکار کیا ہے اور کھانا سانسے رکھ کر اس پر پڑھنے کی قید کا انکار کیا ہے۔ کیا ثواب سوئم۔ دسویں اور چہلم ہی کو پہنچتا ہے آگے پیچھے ایصال ثواب کا راستہ بند ہے؟ اور کیا طعام سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے سے ہی ثواب ملتی ہو تا ہے ویسے بہک نہیں ہو سکتا؟ کیا ایصال ثواب کے بارے میں ہم نے شرعی قواعد کے مطابق سہولت رکھی ہے یا آپ لوگوں نے؟ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ مرنے والے کی موت کے سے لے کر زندہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک ایصال ثواب کیا کرے یہی نہیں کہ میسرے۔ ساتویں۔ دسویں۔ جمعرات اور چہلم اور برسی کی ہی انتظار ہو اور آپ لوگ ان دنوں کی تعین پر غصہ ہیں اب انصاف سے فرمائیں کہ ایصال ثواب کے ہم منکر ہیں یا آپ لوگوں نے اسے پیچھے میں اور ملاری کی پٹاری میں بند کر رکھا ہے۔ خدا را فرمائیں کہ بات کیا ہے؟ نیز ہم تو کہتے ہیں کہ ہر آدمی خود ایصال ثواب کر سکتا ہے اور آپ نے بھائی چارہ کے طور پر ختمی ملاؤں کے

لئے یہ سب راز اور نکتہ تلاش کر رکھا ہے کہ کھانا سانسے ہو اور خاص ترتیب سے قرآن کریم کی آیات اس پر پڑھی جائیں تاکہ مسلسل اور مرتب نہ ہونے کی وجہ سے نہ تو عوام انہیں یاد رکھ سکیں اور نہ سمجھ سکیں کہ کہاں کہاں کی آیات کریمات پڑھی گئی ہیں اور وہ ناچار ختمی ملا کو بلائے پر مجبور ہوں غور سے فرمائیں کہ ایصال ثواب کے لئے جو حدود و قیود آپ حضرات نے اختراع کی ہیں ان سے ایصال ثواب کرنے میں کمی واقع ہوتی ہے یا فیود اور لا یعنی شرائط کو بلائے طاق رکھ کر شرعی قواعد کے مطابق جو سہولت اور رفیق ہم نے پیش کیا ہے اس سے کمی واقع ہوتی ہے انصاف سے فرمائیں؟

یہ غدر امتحان جذبہ دل کیسا نکل آیا | میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا
رہا مؤلف مذکور کا عوام کو بدظن اور متنفذ کرنے کے لئے معتزلہ سے ہمارا قیادہ ملا تو یہ جمل و تبلیس کے سوا اور کچھ نہیں راقم اشیم کی کتاب راہ سنت سماع الموقی اور تسکین الصدور وغیرہ ملاحظہ کریں کہ ان میں معتزلہ کے غلط نظریات کی کس علمی انداز سے تردید کی گئی ہے اور اہل سنت والجماعت کے حق مسلک کو کس طرح اٹھا کر کیا گیا ہے اور راہ سنت اور تنقید تین وغیرہ میں کس موثر اور مدلل طریقہ سے ایصال ثواب کا اثبات کیا گیا ہے افسوس ہے کہ مؤلف مذکور دوسروں کو اختراع عقائد کے طعن سے ملوث کرتے ہیں اور خود اس لاعلاج بیماری میں چوٹی سے ایڑی تک مبتلا ہیں۔

عہد رسالت میں ایصال ثواب | یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور پہلے تو راقم کی کتاب راہ سنت ص ۶۶ کا حوالہ نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو بیسیاں تین صاحبزادیاں اور چچا محترم آپ کی زندگی میں وفات پانے لیکن آپ نے ان کا تیجہ۔ ساتواں۔ دسواں اور چالیسواں کچھ نہ کیا (محصلہ) اس کے بعد کہتے ہیں کہ اسی صفحہ پر سر فراز صاحب کہتے ہیں کہ ایصال ثواب تو ہوتا تھا مگر نہ تو دنوں کی تعین ہوتی تھی اور نہ شکر ہے کہ آپ نے ایصال ثواب کا اقرار کر لیا اور نہ ہم آپ کا کیا رگزار دیتے رہی دنوں کی تعین تو اگر مطلب یہ ہے کہ عہد رسالت میں جن دنوں میں ایصال ثواب ہوتا تھا وہ نفس الامری میں تعین نہ تھے تو پاگل خانے میں جا کر اپنی عقل کا علاج کریں اور اگر یہ مطلب ہے کہ شرع میں کسی دن کو تعین کرنا واجب نہ تھا تو بسر و چشم ہم ہی یہی کہتے ہیں کہ شرع میں ایصال ثواب کے لئے کوئی دن تعین نہیں کہ سوئم چہلم اور گیارہویں کو ایصال ثواب کیا جائے تو جائز ہو اور اس کے سوا کسی اور تاریخ کو کیا جائے تو ناجائز ہو ہم ان تاریخوں کو ضروری نہیں سمجھتے اور دوسری تاریخوں میں ایصال ثواب کرتے ہیں اور آپ کو بھی مکروہ انداز میں اس کا اقرار ہے چنانچہ تنقید تین ص ۱۵ میں ہے کہ آپ کچھ

کے لئے کوئی دن متعین ہی نہیں ہے واجب کہاں سے ہوتا۔ لہذا مؤلف مذکور کے واجب نہ تھا کہ انفاقاً بلکہ
بغیر متعلق اور سنیہ زوری پر مبنی ہیں۔

انصاف سے فرمائیں کہ آپ حضرات نے کسی بھی بھیل کر ہی سہی سوئم۔ گیارہویں اور چہلم نامہ ہونے دیا
ہے یا بغیر کسی مجبوری کے جماعتی صورت میں ان کے علاوہ اور ایام میں ایصال ثواب کا یہ فریضہ ادا کیا
ہے یا کرتے ہیں؟ آپ حضرات نے عوام کا ذہن ہی یہ بنا دیا ہے کہ وہ ان ایام ہی میں بلا بلائے خود بخود
کشاں کشاں چلے آتے ہیں ان کے ہاں جمعہ و جماعت سے یہ انہماک مقدم سمجھے جاتے ہیں کیا عملیہ اصرار و
الزام اور مداومت و جوب اور ضروری ہونے سے کم ہے؟ پھر ان ہی ایام کی تعمین کی کیا ضرورت ہے
جواز کے لئے اور دن بھی تو ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ اور دنوں میں آپ اس جواز اور کار ثواب پر عمل نہیں کرتے؟
بہد اللہ تعالیٰ نہ تو ہم کسی کے خلاف سوئے ظنی میں مبتلا ہیں اور نہ ہمیں ایصال ثواب سے ضد و عناد ہے۔

ہمیں تو ضد صرف بدعت سے ہے اور عشق و محبت صرف سنت سے ہے اور بس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کی سنت سے ایصال ثواب کا جو طریق ثابت ہے اس کا آپ کو بھی اقرار ہے کہ شرع میں ایصال ثواب
کے لئے کوئی دن متعین نہیں ہے۔ لہذا جب چاہیں کریں ان ایام کی تعمین و تخصیص کو مٹانا آپ کا بھی
فریضہ ہے عرفی تعمین کے ذریعہ جب چاہیں ایصال ثواب کریں یہ بات تعمین حقیقی پر ہی موقوف نہیں
ہے اس طریقہ پر عمل کرنے سے سنت پر بھی عمل ہوگا اور بدعت سے بھی اجتناب ہو جائے گا اور حضور علیہ
الصلوٰۃ والسلام کا یہی ارشاد ہے کہ سنت پر عمل کرو اور بدعت سے اجتناب کرو اللہ تعالیٰ توفیق دے۔
قارئین کرام! اہل بدعت کے لئے گیارہویں وغیرہ ایام کو ترک کرنا کوئی سہل کام نہیں ہے وہ گیارہویں
تاریخ کو اپنی جگہ سے ہلے نہیں دیتے ہاں ملی بھگت کے طور پر آپس کی ساز باز کے تحت کسی جگہ یا ہوں
اور کسی جگہ تیرہویں وغیرہ کو بھی ساتھ ملا لیتے ہیں تاکہ کسی جگہ کے بھیل فروٹ، برنی اور ٹیلیاں اور جاول
وغیرہ ہاتھ سے نہ نکل جائیں اور بطن مبارک پر زد نہ پڑے

بدعت میدیہ کا ضابطہ | مؤلف مذکور راقم کی کتاب راہ سنت ۶۵۰ کا یہ حوالہ نقل کرتے ہیں ایسے
المعین جن کے اسباب و دواعی و محرکات اُس وقت موجود تھے نہ قیاس ہو سکتا ہے اور نہ بدعت حسنہ کا
وجہ پاسکتے ہیں یہ امور قطعی طور پر بدعت قبیحہ اور سنیہ کی مدین داخل ہیں اس میں ایک رقی برابر شک نہیں
چنانچہ علامہ قاضی ابراہیم الحنفی تحریر فرماتے ہیں انا اس کے بعد مؤلف مذکور لکھتے ہیں سرفراز صاحب نے

ہوشیار اور بطن پرور لوگوں نے یہ جیل شروع کر دیا ہے کہ گیارہویں بارہویں اور تیرہویں تاریخ کو بھی میلے ہی
تاکہ بطن مبارک کے لئے متعدد جگہیں نکل آئیں گو کہتے تو وہ یہ ہیں کہ ہم گیارہویں تاریخ ہی کو ضروری نہیں سمجھتے
محصلہ نیت کا حال تو خدا کو معلوم ہے لیکن سرفراز صاحب کی سوئے ظنی سے یہ بات بہر کیف معلوم ہو گئی کہ انہیں ایصال
ثواب ہی سے ضد ہے کیونکہ وہ ایصال ثواب کی سنت ہی کو اپنے طرز عمل اور انداز تبلیغ سے مشابہت چاہتے ہیں۔
کیونکہ جب ہم کہتے ہیں کہ گیارہویں ہی تاریخ ضروری نہیں دوسری تاریخوں میں بھی ایصال ثواب درست
ہے تو وہ کہتے ہیں بطن پروری کا سامان ہے اور اگر معروف تاریخوں پر کیا جائے تو کہتے ہیں بدعت ہے کیا ایصال ثواب
کا حکم حضور نے بدعت کے لئے دیا ہے یا بطن پروری کے لئے (محصلہ توضیح البیان ص ۱۶۱ تا ۱۶۲)

الجواب مؤلف مذکور اپنی اسی کچھ روی کی ڈگر پر چل رہے ہیں جس پر ان کے بڑے اور بیشتر حضرات
چلتے رہے اور چلتے ہیں اور یہ چیز گویا ان کے حیرتیں و دلیت رکھی گئی ہے کہ اس کے بغیر انہیں چہیں اور کچھ نہیں
آتا مؤلف مذکور کو اس کا اقرار ہے کہ سرفراز ایصال ثواب کا اقرار کرتا ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ راقم انہیں اس نیک کام کا
صرف تقری ہی نہیں بلکہ حسب وسعت اس پر عمل بھی کرتا ہے مؤلف مذکور کا فریضہ تھا کہ جن بزرگوں کا ہم
نے ذکر کیا تھا بحوالہ صحیح روایات سے ان کا تیجہ۔ ساتواں۔ دسواں اور چالیسواں نقل کرتے تاکہ پتہ چلتا
کہ ان حضرات کے لئے انہی مخصوص ایام میں ایصال ثواب ہوا لہذا تعمین ثابت ہے اور اگر ان کے سلسلہ
میں نقل نہیں کر سکے تو آپ کی زندگی میں کوئی اور واقعہ ہی صحیح سند کے ساتھ نقل کر دیتے کہ وہ سوئم اور چہلم
وغیرہ کا ثبوت ہے اور وہ روایت جعلی اور موضوع نہ ہوتی لیکن وہ ایسا کہاں سے کرتے جب کہ نفس الامر
میں خیر انقرون میں کوئی ایسا واقعہ کسی صحیح سند سے ثابت ہی نہیں ہے رہا ان کا یہ کہنا کہ عہد رسالت میں جن
دنوں میں ایصال ثواب ہوتا تھا اگر وہ نفس الامر میں معین نہ تھے انا تو یہ زری یا گلوں کی بڑے جو بے پر کی
ہانکا کرتے ہیں کیونکہ جن دنوں میں ایصال ثواب ہوتا تھا وہ تو نفس الامر میں متعین ہوتے تھے لیکن ایصال
ثواب کرنے والے اپنی طرف سے بقید سوئم و دہم چہلم وغیرہ ان کی تعمین نہ کرتے تھے جب کہ نزاع ہی ضرور
اس بات میں ہے مؤلف مذکور کا یہ باطل آمیز اقرار خاصہ وزنی ہے کہ اگر مطلب یہ ہے کہ شرع میں کسی
دن کو معین کرنا واجب نہ تھا تو بسر و چشم ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ شرع میں ایصال ثواب کے لئے کوئی دن متعین
نہیں ہے کہ سوئم اور چہلم اور گیارہویں کو ایصال ثواب کیا جائے تو جائز ہو اور اس کے سوا کسی اور تاریخ
کو کیا جائے تو جائز ہوا انا یہ عبارت حق و باطل کا مغویہ ہے یہ تو حق اور صحیح ہے کہ شرع میں ایصال ثواب

جو بدعت سینہ کا یہ ضابطہ وضع کیا ہے چند وجہ سے مردود اور باطل محض ہے اولاً سرقات ج ۳ ص ۱۹۳ پر ہے کہ امام سیوطی نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ اہل مدینہ کے لئے اہل مکہ کی مشابہت کی وجہ سے چھتیس رکعات تراویح پڑھنا مستحب ہے لہذا آگے لکھتے ہیں سوال یہ ہے کہ طواف کا داعیہ کبہ معظمہ ہے اور وہ بعد رسالت میں بھی موجود تھا اور تراویح کا داعیہ رمضان ہے اور وہ بھی دور نبوی میں کئی بار آیا اور پھر باوجود سبب اور عدم مانع کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو تراویح چھتیس رکعت پڑھیں نہ دو ترویجوں کے درمیان طواف کیا پھر اہل مکہ کے لئے مع طواف کے اٹھائیس رکعات اور اہل مدینہ کے لئے بغیر طواف کے چھتیس رکعات کس طرح مستحب ہو گئیں جس کو آپ بدعت سینہ اور قیصر قرار دیتے ہیں اسی کو امام سیوطی مستحب فرما رہے ہیں اور یہی امام مالک کا مذہب ہے (محصلہ) وثانیاً قرآن کریم پر اعراب حجاج بن یوسف نے لگائے ہیں وہ آپ کی تحقیق کے مطابق خیر القرون میں سے نہیں ہے کیونکہ راہ سنت میں ہے کہ قرآن کا معنی ہے انسانوں کا بہترین طبقہ اور حجاج بن یوسف کے بارے علامہ عینی بنائے شرح ہدایہ ج ۱ ص ۲۷ میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کا سب سے زیادہ فاسق شخص تھا پس ثابت ہوا کہ وہ خیر القرون سے خارج ہے اس بدترین فاسق کا احداث فی الاسلام کس طرح جائز ہو گیا اعراب لگانے کا داعیہ اور سبب بعد رسالت میں بھی موجود تھا کیونکہ آپ کے زمانہ اقدس میں بے شمار عجمی اسلام لائے تھے۔ اور عبداللہ فاروقی و عثمانی میں تو اسلام کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا تھا معلوم ہوا کہ اس وقت بھی سبب اور داعیہ تھا اور مانع بھی نہ تھا مگر اعراب نہ لگائے یہ احداث حجاج بن یوسف نے کیا اور یہ بدعت قبیحہ ہے تو جن صحابہ کرام اور ائمہ دین نے اس کی تائید کی آپ ان کو کس کھاتے میں رکھیں گے (محصلہ ۱۲۳ تا ۱۲۵)۔

الجواب۔ اگر مؤلف مذکور راہ سنت ص ۱۲۳ میں یہ عنوان کہ خیر القرون کا تعامل محبت ہے پھر لیتے اور اس کے تحت ص ۱۲۵ تا ص ۱۲۶ تک پھیلے ہوئے ٹھوس حوالے ملاحظہ کر لیتے تو ان کو کچھ کہنے کی رحمت ہی پیش نہ آتی کیونکہ خیر القرون تبع تابعین تک ہے اور حضرات تبع تابعین کا دور سنہ ۲۲ تک ہے اور حضرت امام مالک کی وفات سنہ ۱۷۸ میں ہوئی ہے اور یہ سب خیر القرون کا زمانہ ہے اور اس دور کا تعامل محبت اور سنت ہے نہ کہ بدعت غلط بحث عقلاء و کفیانہ سے بعید ہے چہ جائیکہ علما کی شان سے۔ بلاشبہ طواف کا داعیہ کبہ معظمہ موجود تھا اور تراویح کا سبب رمضان بھی موجود تھا مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں باجماعت تراویح پڑھانے میں ایک مانع تھا اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے تین تین تو باجماعت نماز تراویح پڑھائی پھر نہیں پڑھائی اور یہ فرمایا کہ۔

آئی خشیت ان تکتب علیکم الحدیث بخاری ج ۱ ص ۱۴۱ اور ایک روایت میں ہے۔

ہی خشیت ان یکتب علیکم فلو کتب ما تکتبہ الحدیث بخاری ج ۲ ص ۱۸۳

یہاں تک کہ مجھے خوف ہو گیا کہ تم پر فرض ہو جائیں گی سو اگر تم پر فرض ہو جائیں تو تم اس پر قائم نہ رہ سکتے اور آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد فرضیت کا خورشید اور مانع جاتا رہا کیونکہ آپ کے بعد وحی کے ذریعہ کسی حکم کے نازل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے اہل مدینہ نے اس پر خیر القرون ہی میں عمل کیا اور حضرت امام مالک نے اس کو مسلک بنالیا تو یہ کاروائی راہ سنت میں پیش کر وہ کسی حوالہ اور عبارت خلاف نہیں بلکہ مؤید ہے علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد رمضان مبارک میکہ میں گزارا کہ بجز اس کے کفر کے مکہ کو لے سال ۱۱ھ میں آپ مکہ مکرمہ میں فاتحہ شان سے داخل ہوئے اور پھر غزوہ حنین اور اوطاس اور غزوہ طائف جیسے اہم معرکے درپیش رہے الغرض جس چیز کو امام سیوطی نے مستحب فرمایا اس کا ہماری کسی عبارت اور کسی حوالہ سے بدعت قبیحہ اور سیدہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

قرآن کریم کے اعراب کا مسئلہ مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ قرآن پر اعراب حجاج بن یوسف نے لگائے اور وہ خیر القرون میں سے نہیں ہے اور بڑا فاسق شخص تھا باوجودیکہ اس کا داعیہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عمر و عثمان کے زمانہ میں موجود تھا تو یہ بھی بدعت سینہ اور قیصر قرار پائیگا جس کی تائید حضرت صحابہ کرام اور ائمہ دین نے کی یہ کس کھاتے میں رہیں گے؟ و محصلہ تو اس سے مؤلف مذکور کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اولاً اس لئے کہ ہم نے راہ سنت ص ۱۲۳ میں باحوالہ چار قول نقل کئے ہیں اعراب قرآن کریم کے ساتھ اول ہی سے موجود تھے حجاج بن یوسف کے حکم سے۔ تیسرے مانع نے اعراب لگانے اس کے حکم سے یہی چہ نبی عز و نے لگائے اور یہ کہ قرآن کریم کے اعراب ابوالاسود دہلی نے لگائے اگر حجاج بن یوسف ہی اعراب لگانے والا ہوتا تب بھی اس کی وفات سنہ ۱۱۸ میں ہوئی اور اس کے بعد سنہ ۱۱۸ تک صحابہ کرام کا دور تھا اور ہم نے بعض صحابہ کرام کی وفات کے سن بھی باحوالہ دیا عرض کئے ہیں اگرچہ خود حجاج بن یوسف بڑا ظالم اور فاسق تھا لیکن اس کا دور خیر القرون کا دور تھا یعنی حضرات صحابہ کرام اور تابعین کا دور تھا اور اس کے اس فعل اور کاروائی پر اس دور میں کوئی گرفت نہیں ہوئی حضرات صحابہ کرام اور اس وقت کے ائمہ دین کا اس کی

ابن حذیفہ بن الیمان قدم علی عثمان وکان
یغازی اهل الشام فی فتح ارمینیة و
آذربایجان مع اهل العراق فافزع حذیفہ
اختلافهم فی القراءة فقال حذیفہ
لعثمان یا امیر المؤمنین ادرك هذه
الامة قبل ان یختلفوا اختلاف الیهود والنصارى
فارسل عثمان الی حفصۃ ان ادسلی الینا
یا نصیحت نسختها فی المصاحف ثم ردها
فارسلت بها حفصۃ الی عثمان فامر زید بن
ثابت و عبد اللہ بن الزبیر و سعید بن العاص
و عبد الرحمن بن الحارث بن هشام فנסحوها
فی المصاحف و قال عثمان للرهط القرشیین
الطلاقة اذا اختلفتم استمرو زید بن ثابت
فی شئ من القرآن فاكتبوه بلسان قریش
فانما نزل بلسانهم ففعلوا الحدیث
(بخاری ج ۲ ص ۴۷)

حضرت حذیفہ بن الیمان حضرت عثمان کے پاس آئے
جب کہ وہ شامیوں اور عراقیوں کو ارمینیہ اور
آذربایجان کی فتح کے لئے تیار کر رہے تھے حضرت حذیفہ
کو لوگوں کے اختلاف قراءت نے پریشان کر دیا تھا
حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ اے
ایر المؤمنین اس امت کا اس سے قبل تدارک کر لیں
کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف میں مبتلا ہو جائے
تو حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کو بیغام بھیجا کہ اپنا
قرآن کریم ہماری طرف بھیج دیں تاکہ ہم اس سے قرآن
کریم کے کئی نسخے نقل کروا کر آپ کو واپس کر دیں حضرت
حفصہ نے حضرت عثمان کو وہ بھیج دیا انہوں نے حضرت
زید بن ثابت حضرت عبد اللہ بن الزبیر حضرت
سعید بن العاص اور حضرت عبد الرحمن بن الحارث
بن ہشام کو حکم دیا کہ اس نسخہ سے قرآن کریم کے نسخے
لکھیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور حضرت عثمان
نے تین قریشیوں کی جماعت سے فرمایا کہ جب تمہارا زید
بن ثابت سے اختلاف ہو تو لغت قریش میں لکھا کیونکہ
انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب اس کارروائی کا داعیہ پیش آیا تو یہ کارروائی اس وقت انہوں نے
کی اسی طرح اس تاریخی روایت کے پیش نظر کہ اعراب بعد کو لگایا گیا داعیہ پیش آنے کے بعد یہ کارروائی ہوئی
تاکہ عمومی لوگ پڑھنے میں غلطی نہ کریں اور اختلاف رونما نہ ہو تو اس میں کیا حرج ہے پہلے اس کا داعیہ یا تو
پیش ہی نہیں آیا ہو گا اور یا اس کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی ہوگی کیونکہ بعض امور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ
ابتدائی اسباب تو پیش آچکے ہوتے ہیں لیکن ان کے بارے میں عجلت سے کام نہیں لیا جاتا سوچنے سمجھنے اور

تائید کرنا ہی اس فعل کی خیریت کی دلیل ہے اور یہ ان اعلیٰ واصحاب کی بشارت کے نیچے داخل ہے و ثانیاً ان
مذکورہ راہ سنت ص ۴۷ سے ایک مختصر عبارت نقل کر دی ہے کہ قرن سے انسانوں کا بہترین طبقہ مراد ہے
لیکن قرن کے معنی کی پوری تشریح جو صفحہ ۴۷ میں مذکور ہے وہ نقل نہیں کی جس میں یہ عبارت بھی ہے
کہ دوران روایات کی تشریح میں امام نووی اور علامہ ابن خلدون کی عبارتیں بھی نقل کی جا چکی ہیں کہ قرن اول
سے حضرت صہابہ کرامؓ اور ثانی سے تابعینؓ اور ثالث سے تبع تابعینؓ کے پاک نفوس اور خود ان کی برگزیدہ نسبتاً
مراد ہیں (ص ۴۷) اس لحاظ سے مطلب بالکل واضح ہے کہ جو کارروائی یہ حضرات خود کریں یا جس کا روالہ کی
تائید و تصدیق کریں وہ خیر القرون کا تعامل کہلائیگا اور وہ حجت ہے اگرچہ حجاج بن یوسف ظالم اور فاسق
اپنے نفس اور شخص اور فرد ہونے کے لحاظ خیر القرون کے اس بلاغہ میں داخل نہیں لیکن طبقاً اور دور کے
لحاظ سے اس کا زمانہ خیر القرون کا دور تھا اب اگر اس کے بے پناہ مظالم کو کوئی سنت اور حجت ثابت کرے
تو باطل ہے کیونکہ اس کی تائید حضرت صہابہ کرامؓ اور تابعینؓ نے نہیں کی بلکہ تردید کی ہے اور ایک تاریخی روایت
کے رُو سے اس نے قرآن کریم پر اسباب لگانے کا حکم دیا تو اس دور کے بہترین انسانوں کی تائید سے وہ اس
کا فعل نہ رہا ان حضرات کا فعل قرار پایا اور سنت و حجت ہو گیا۔ و ثالثاً اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانہ میں اگرچہ کچھ بھی مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان میں بیشتر وہ حضرات تھے جو غلاموں کی مملکت میں تھے اور عرب
کے ملک میں رہ کر عربی زبان سے مانوس تھے اور اس میں کچھ شیعہ بدھ بھی رکھتے تھے اور آپ کے فیض
صحبت سے ان کے دماغ بڑے صاف تھے اور وہ اسلام کی ہر ادا پر مرعہ مٹا جانتے تھے البتہ حضرت عمرؓ
کے مبارک دور میں اکثر عجمی تو ہیں مسلمان ہوئیں مصر عراق شام روم کا کچھ حصہ اور ایران مکمل طور پر
اسلام کے جھنڈے کے نیچے آگیا اور بایں لاکھ مربع میل علاقے ان کے دور میں فتح ہوئے چونکہ ان کا دور
جہاد کا دور تھا اس لئے تقریباً سب حضرات کی توجہ اس اہم امر کی طرف تھی اور فروع و جزئیات کی طرف
کم تھی حضرت عثمانؓ کے دور میں جب کچھ حضرات کی جزئیات کی طرف توجہ ہوئی تو بعض اختلافات رونما ہوئے
لگے تو ان کو لغت قریش (جس میں اولاً قرآن کریم نازل ہوا تھا اور باقی چھ لغات میں پڑھنے کی اجازت تھی)
میں ہی قرآن کریم لکھوانے اور اس کو حدود و ملکات میں پھیلانے اور تقسیم کرنے کی ضرورت پیش آئی چنانچہ
بخاری شریف کی وہ روایت جو حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے اس کی واضح دلیل ہے جس میں
آتا ہے کہ۔

مشاورت کی ضرورت ہوتی ہے ایسا ہی اس کو سمجھیں ۵

ہمزمندی سے ہو تو کیوں کھلے عیب کہ وہ ستار ہے جو عالم الغیب

تکذیب الافادہ و سوء فہم اور بے ربط جھوٹ اس لایعنی بحث کے بعد مؤلف مذکور نے ۱۲۵ اور ۱۲۶

میں فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۳۱ کی عبارت نقل کی ہے اور اس سے اپنے مطلب کا نتیجہ اخذ کیا ہے مگر مجددِ تعالیٰ اہم نے اسی کتاب کے ص ۱۲۳ میں اس کا جواب عرض کر دیا ہے اس کے اب دو بارہ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے وہاں ہی ملاحظہ فرمائیں اس کے بعد مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ پس اب اس کے سوا اور کوئی مفسر نہیں کہ اپنے بدعتِ سیدہ کا معیار مقرر کیا ہے وہ باطل اور مردود ہے اصل میں بدعتِ سیدہ نہ وہ نیا امر ہے جو مزاجِ اسلام کے خلاف اور اس کا مغیر ہو جس کا منشا کتاب و سنت میں موجود نہ ہو اور اس کو دین میں داخل کر لیا جائے تو شامی ج ۱ ص ۳۹ اور جو شخص کسی ایسی بدعتِ سیدہ کا ارتکاب کرے وہ بدعتی ضال اور ضل ہے خواہ کوئی بھی ہو صحابہ کرامؓ تابعین عظامؓ اور ائمہ دینؒ نے جن امور کا احداث کیا ان سب کی اصل کتاب و سنت سے ثابت ہے اور وہ منشا اسلام کے مطابق ہیں ان پر بدعتِ سیدہ اور قبیحہ کی تعریف کسی طرح بھی نہیں آتی بدعت کیا ہے نینے حیاتِ انبیاء کے انکار کا عقیدہ بدعتِ سیدہ ہے۔ امکانِ کذب کا عقیدہ بدعتِ سیدہ ہے۔ عطائی علم غیب کے انکار کا عقیدہ بدعتِ سیدہ ہے علمِ الہی کا حادث ماننا دکانی بلغۃ الحیران، بدعتِ سیدہ ہے۔ انبیاء کرام کی شان میں تنقیصی اور توہینِ کلمات کو صحیح کہنا بدعتِ سیدہ ہے الغرض مجموعی طور پر پورا کاغذ اور بدعتِ سیدہ ہے کاش آپ نے کسی بریلی طالب علم سے پڑھ لیا ہو تا تو یہ سو الیاں مقدردہ بنتیں اور ابراہیم الخفس کی عبارت ہمارے نزدیک ان امور پر محمول ہے جن کا منشا شریعت میں ثابت نہ ہو اور بے شک جس کا منشا شریعت میں موجود نہ ہو اور جو ایسے منکر کا مصداق ہو وہ مردود ہے اور جس کا داعیہ بعد رسالت میں موجود ہو اور مانع کوئی نہ ہو اور پھر بھی حضور اس کو نہ کریں یہ اسی وقت مردود ہو گا جب اس کا منشا اسلام میں موجود نہ ہو اور وہ مزاجِ اسلام کے خلاف ہو اور یہی بدعتِ سیدہ ہے بخلاف اہل سنت کے معمولات کے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا منشا اسلام میں موجود ہے (توضیح البیان ص ۱۲۵ و ۱۲۶)

الجواب بفضلہ تعالیٰ ہم نے بدعتِ سیدہ اور قبیحہ کا جو معیار باحوالہ عرض کیا ہے اس کا کوئی منقول توڑ اور جواب آپ کی طرف سے نہیں دیا جا سکا پھر وہ محض لفظوں سے کیسے مردود اور باطل قرار پایا اور آپ کے کس صریح اور معقول حوالہ سے وہ باطل و مردود ٹھہرا؟ ارشاد تو فرمائیں؟ آپ نے شامی کے

حوالے کا محال نقل کر دیا ہے آپ کا فریضہ تھا کہ آپ ان کی پوری عبارت نقل کرتے اور پھر کچھ کہتے سر دست ہیں اس کے نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ ان کی مفصل عبارت مع تشریح کے اپنے مقام پر مذکور ہے جب آپ کی طرف سے کچھ کہا گیا تو ارشاد اللہ العزیز پھر ہم بھی کچھ عرض کریں گے مگر صد افسوس ہے کہ آپ نے شامی کی عبارت کے ما حاصل پر بھی غور نہیں کیا اولاً اس لئے کہ اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ ہمارے دعویٰ کے کسی طرح خلاف نہیں ہے جس پر آپ بھولے نہیں سماتے؟ علامہ شامیؒ نے بدعت کی تعریف میں جو کچھ فرمایا ہے وہی کچھ باحوالہ ہم نے عرض کیا ہے اگر فرق ہے تو صرف تعبیر کا ہے بدعت کا جو فرد بھی ہے وہ مزاجِ اسلام کے خلاف اور اس کا مغیر ہے اور اس کا منشا کتاب و سنت میں ہرگز موجود نہیں ہے اور کرنے والے اس کو دین ہی سمجھ کر کرتے اور اس پر مصر ہوئے ہیں و ثانیاً آپ حضرات کی جو اختراعی بدعات میں مشائخ و مولوں۔ چہلم۔ برسی اور کھانا سنانے رکھ کر اس پر پڑھنا وغیرہ ان میں کوئی چیز اسلام کے مزاج کے موافق ہے؟ اگر یہ اشیا اسلام کے مزاج کے موافق ہوتیں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؒ ان پر ضرور عمل پیرا ہوتے کیونکہ ان کے اسباب محرکات اور دواعی سبب اس وقت موجود تھے کیا مزاجِ اسلام کے وہ حضرات زیادہ واقف تھے یا آپ لوگ زیادہ واقف ہیں؟ کیا اس وقت لوگ مرتے نہیں تھے؟ یا ان کو ایصالِ ثواب کرنے والے نہیں ہوتے تھے؟ یا سکیں کو کھانا نہیں کھلایا جاتا تھا؟ یا قرآن کریم نازل نہیں ہوا تھا؟ یا پڑھنے والوں میں کوئی اُلٹی تھی؟ یا مردہ کے ساتھ ہمدردی کرنے والے نہیں ہوتے تھے؟ آخر ان بدعات و محترعات کے لئے کونسا نیا داعیہ پیش آیا ہے؟ اور ظاہر امر ہے کہ کسی بھی پہلو اور شعبہ کا جو نقشہ اس وقت تھا اس میں ادنیٰ تغیر بھی مغیر اسلام ہے اور اس سے اسلام کا وہ پیارا اور سادہ نقشہ بدل جاتا ہے جو غیر القرون میں تھا پھر آپ نے یہ بھی صراحت کے ساتھ حوالہ دے کر بیان نہیں کیا کہ ان بدعات و محترعات کا منشا قرآن کریم کی کسی آیت کریمہ میں ہے؟ اور کسی صحیح و صریح حدیث میں موجود ہے؟ یا کسی امام اور مجتہد نے بیان کیا ہے؟ آپ کا فریضہ یہ تھا کہ قرآن کریم کی کسی آیت یا کسی صحیح اور صریح حدیث سے اس پر روشنی ڈالتے یقین جانیئے کہ یہ تمام بدعات و اختراعات قبیح اور مبرمی ہیں اور ان کا منشا قرآن و سنت میں موجود نہیں اور آپ لوگ ان کو دین سمجھ کر کرتے ہیں اور ان پر مصر ہیں یہ تمام رسوم کفارِ مجسم سے اور خاص طور پر ہندوؤں سے ناخود ہیں اور ہندو انہیں سب میں اور درودِ اسلام کے سراسر مخالف اور یقیناً مزاجِ اسلام کے خلاف ہیں باقی حضرات صحابہ کرامؓ و تابعین عظامؓ اور تبع تابعینؒ کا تعامل تو وہ خود حجت ہے جیسا کہ ہم نے راہِ سنت میں

اس پر بسا لا مزید علیہ بالحوالہ بحث کر دی ہے اور حضرات ائمہ دین کا قیاس و اجتہاد کے ذریعہ کچھ فرمائے گئے
وسنت کے اصول سے ماخوذ ہے اس کو درمیان میں لاکر غلط بحث کرنا انصاف سے بعید ہے اور یہ بالکل
بجائے کر ان پر بدعت سیدہ و قبیحہ کی تعریف کسی طور پر سچی نہیں آتی اللہ تعالیٰ کم فہموں کو فہم و بصیرت
عطا فرمائے کہ بات کی تہ تک پہنچ سکیں۔

تعلیم یافتہ اشخاصوں عرض طلب بھلا کیوں کر کہ بہ دست دعائیں گوشہ دلمان اجابت کا

بے چارہ شوشہ

مؤلف مذکور جب ہمارے مستحکم حوالوں کا جواب نہ دے سکے اور اپنی پسند کی بدعات
واختراعات کو بالادلائل ثابت نہ کر سکے تو عوام الناس کو ہم سے بدظن کرنے کے لئے اپنے ہون کا فرسودہ ہتھیار
استعمال کرتے ہوئے یوں بہتان تراشی کر کے اپنے بے بصیرت دل کی بھڑاس نکالی اور لکھا کہ سینے حیات و حیات
کے انکار کا عقیدہ بدعت سیدہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ علماء دیوبند میں کون حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
والسلام کا منکر ہے آپ کو کم از کم المہندل المفند اور راقم الثیم کی کتاب تسکین الصدور کا ہی مطالعہ کر لیا جائے
انشاء اللہ تعالیٰ آپ پر حقیقت بالکل آشکار ہو جائے گی اور جو رول کی طرح اندھیرے میں میٹھ کر رکھے
تیر جانے سے دستگیری حاصل ہو جائے گی الغرض علماء دیوبند میں حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا منکر
کوئی نہیں اور اگر کوئی ہے تو وہ دیوبندی نہیں وہ آپ لوگوں کی طرح بدعتی ہے رہا امکان کذب کے عقیدہ
کا بدعت سیدہ ہونا تو یہ بھی آپ کا اختراع شوشہ ہے اور اصل بات پر پردہ ڈالنا ہے آپ جہاں نقل فی تفسیر
العزیز المذل۔ فتاویٰ رشیدیہ۔ راقم الثیم کی کتاب عبارات اکابر سیدہ صاحبہ ملاحظہ کریں انشاء اللہ العزیز
طبیعت صاف ہو جائے گی اور انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر اعلیٰ کی کچھ بھی نہیں رہی ہے اسی طرح
عطائی علم غیب کا منتر بھی انزالہ اربیب کے مطالعہ سے انشاء اللہ العزیز بالکل کافی ہو جائے گا اس
کا ضرور مطالعہ کریں۔ نیز علم الہی کو حادث ماننے کا خالص الزام نہایتان اور سقیہ جھوٹ بھی راقم کی
کتاب راہ ہدایت پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بالکل رفع ہو جائیگا اور یہ صریح بہتان کا حصار
انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں تنقیصی اور توہین کلمات کہنا بدعت سیدہ ہے عبارات اکابر
سے بخوبی رد ہو جاتا ہے۔ بھلا وہ کون مسلمان ہے کہ جو ان اکابر کی شان میں گستاخی کرتا ہو اور گستاخی کرنے
کے بعد مسلمان بھی رہ سکتا ہو؟ خواہ خواہ کی بہتان تراشیوں کا اس دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے الغرض اہل
دیوبند کا کارخانہ توحید و سنت پر چلتا ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ اس مبارک جماعت کا کوئی بھی عمل بدعت نہیں

ہے اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و مہربانی سے ہمارے اکابر اور لائق اساتذہ کرام نے کتاب وسنت کی روشنی
میں ہیں وہ اصول پڑھائے ہیں جن کو رد کرنے کی استطاعت آپ کے اعلیٰ حضرت کو اور ان کے صف اول
کے تلامذہ کو بھی حاصل نہیں چچا بیکہ دوسروں کو۔ عیاں راجح بیان۔ آپ کو کسی دیوبندی مکتبہ فکر کے
ابتدائی مدرسہ میں داخلہ کر علم کی ابتدائی باتیں ضرور حاصل کرنا چاہئیں کب تک بے علمی کے دلائل
میں پھنسے رہیں گے علم کا عشق شوق ہی پیدا کریں ع علم ہے پیدا سوال عشق ہے پنہاں جواب۔

قاضی ابراہیم الحنفی کی عبارت کے پیش نظر آپ لوگوں کا ہر عمل بدعت ثابت ہے اور آپ لوگوں کے

تمام ایسے بدعتی معمولات روح اسلام اور منشا اسلام کے بالکل خلاف ہیں اور ان میں سے ہر ایک امر

مالیس نہ کا مصداق ہے اور یقیناً باطل و مردود ہے البتہ حق سے انکار اور پھاس پر لصر کا کوئی مدعا نہیں ہے

مجھے مار ڈالو ابے انکار نے پھر نہ کہنا کہ کیا مجھ پر دعویٰ کسی کا

مؤلف مذکور کی ملنگانہ پڑ

وہ یہ عنوان قائم کرتے ہیں بدعت حسنہ کا استنباط اور اس کے تحت

لکھتے ہیں۔ راہ سنت مشافہہ سرفراز صاحب لکھتے ہیں باقی غیر مجتہد کا اجتہاد خصوصاً اس زمانہ میں ہرگز

کسی بدعت کو حسنہ قرار نہیں دیتا۔ الجواب مجتہد سے کیا مراد ہے مجتہد فی الشرع جس کا کام اصول کلیہ

شرع کرنا ہے یا مطلقاً خواہ کسی درجہ کا مجتہد ہو اگر شوق اول مراد ہے کہ مجتہد فی الشرع کا غیر کوئی بھی کسی

ضرورت کے پیش نظر کسی اصل سے کوئی امر مستنبط نہیں کر سکتا تو یہ بدایت باطل ہے کیونکہ ہر نماز میں

تثویب کو متاخرین فقہاء نے مستحسن قرار دیا اور ان میں سے کوئی بھی مجتہد فی الشرع نہیں ہے نیز

ام سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں جو نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں انہیں حل

کرنے کے لئے اس زمانہ میں کونسا مجتہد ہے مثلاً لاؤ ڈاکٹر اسپیکر پر نماز۔ ریڈیو اور ٹیلیفون پر چاند لگا کر

سماس اور ٹیلی ویژن وغیرہ کا جواز اور عدم جواز ایسے صد مسائل جن کے بارے میں صریح نصوں

موجود نہیں ہیں بتلائیے آپ اور آپ کی جماعت کے جفا داری علماء انہیں حل کرتے ہیں یا نہیں؟

اور ب کو چھوڑ بیٹے آپ کے قطب عالم نے جو کو کھانے کو کارٹوب اور مولی دیوالی کی پوریوں کو جواز
قرار دیا ہے اس پر کونسی صیح اور صریح نص موجود ہے اور بغیر کسی نص صریح کے جو آپ کے پیشوانے
یہ اجتہاد کیا ہے اس کو کس کھاتے میں رکھیں گے۔ نیز آپ جو اپنے فاسد اجتہاد سے خدا رسول کے بشار
حلال کر دے اور کو دن رات حرام کرتے ہیں وہ کونسی شرعی اجتہاد سے انجام دیتے ہیں۔ سرفراز صاحب

نے راہ سنت میں بدعت کی بحث میں دیوبندی نظریے کو جو سہارا دینے کی کوشش کی تھی بفضلہ تعالیٰ ہم نے اسے پیوند زمین کر دیا ہے اور اگر سرفراز صاحب اس مردہ کو پھر اکھاڑنا چاہیں تو بصد شوق وہ انشاء اللہ ہمیں اپنے نقاب میں کرسنہ پائیں گے (دائمی بلفظ توضیح البیان ص ۱۲۷ و ۱۲۸)

الجواب: مؤلف مذکور کی ساری ہی کتاب بے علمی اور کم فہمی کا واضح ثبوت ہے مگر اس مقام پر جو باتیں انہوں نے لکھی ہیں وہ تو ان کی جہالت کا واضح ترین ثبوت ہے اولاً اس لئے کہ اجتہاد و قیاس کی حاجت اور ضرورت ان مسائل میں پیش آتی ہے جن کا محرک داعیہ اور سبب غیر القرون میں نہ پایا گیا ہو اور اب پیش آیا ہو اور متقدمین جن بدعات پر مصر ہیں ان میں سے ہر ایک کا محرک اور داعیہ اس وقت بھی موجود تھا ایسے امور میں اجتہاد کا کیا معنی؟ راہ سنت ص ۹۳ و ۹۴ میں ہم نے فرقات ج ۱ ص ۱۴۱ اور اشعة اللمعات ج ۱ ص ۲ کی عبارات درج کی ہیں واللفظ للثانی۔

اتباع اچھان کر در فعل واجب است و ترک
اتباع ہے جو جس نے کسی ایسے کام پر مواظبت کی جو
نیز می باید پس آنکہ مواظبت نماید بر فعل آنچہ
شارع نکرده باشد مبتدع بود۔ کذا قال المحققون
شارع نے نہیں کیا تو وہ بدعتی ہے اسی طرح محدثین
کرام نے فرمایا ہے۔

زمانہ حال میں جو جو کام اہل بدعت کرتے ہیں ان کا ترک سنت ہے کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خیر القرون نے باوجود ان کے اسباب کے یہ کام نہیں کئے افسوس کہ مؤلف مذکور ایسے صریح حوالے بھی ہاں ہی گئے ہیں اور ان کا نام تک نہیں لیا۔ وثانیاً مجتہد مطلق۔ یا مجتہد مستقل یا مجتہد فی المذنب تو حضرت قطبوعین تھے یہ درجہ ان کے بعد کسی کو حاصل نہیں ہاں مجتہد مستسب بعد کو ہوتے رہے اور بعض علماء اہل حق کے نزدیک ایسا جزوی اور فی الجملہ اجتہاد قیامت تک ہے گا اور نئے نئے حوادث اور نوازل کو اپنے تفقہ سے ایسا مجتہد حل کرتا رہے گا ہم نے بقدر ضرورت مقام الی حنیفہ میں اس کی بحث کر دی ہے لیکن یہ اجتہاد ایسے مسائل میں ہو گا جو نئے پیدا ہوں اور ان کے اسباب و دواعی پہلے سے موجود نہ ہوں اور آپ کو خود اس کا اقرار ہے چنانچہ آپ کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ کہ موجودہ زمانہ میں جو نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں انہیں حل کرنے کے لئے اس زمانہ میں کونسا مجتہد ہے مثلاً لاؤڈ اسپیکر پر نماز یا ہم بھی اس پر صا کرتے ہیں کہ ایسے مسائل کو حل کرنے کے لئے علماء کرام کو اپنے تفقہ اور اجتہاد سے کام لینا چاہیے اور یہاں ہے لیکن آپ حضرات جن

بدعات پر لڑتے ہوئے ہیں ان کا کونسا سبب اور داعیہ اب پیدا ہوا ہے جو خیر القرون میں موجود تھا؟ اور دوسرے بدعات کی اس کو حل کیجئے وثانیاً ہم نے راہ سنت ص ۱۳۸ و ۱۳۹ میں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ثنویہ کی بدعت نہ پانچنے اور درج کیا ہے اور علامہ غزالیؒ کا یہ حوالہ بھی درج کیا ہے کہ سلف صالحینؓ جن بدعات کا انکار کیا ہے ان میں سے ایک ثنویہ بھی ہے (الاعتصام ج ۲ ص ۱۲۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے بلند پایہ صحابی اور حضرت علیؓ جیسے خلیفہ راشدؓ کے ارشاد اور سلف صالحینؓ کے فیصلہ کے مقابلہ میں بعض متاخرین کی غلطی کو کون تسلیم کرتا ہے؟ اور کون اس کو اجتہاد کی مدین رکھنا چاہتا ہے؟ اور کون اس کو مانا علیہ و اصحابی کے مقابلہ میں مستحق ماننے کے لئے تیار ہے؟ اور معاف رکھنا سب متاخرین فقہاء بھی ایسا نہیں کہتے بلکہ صرف بعض اور چند نفوس ایسا کہتے ہیں جو متاخرین فقہاء میں بھی آٹھے میں نمک کے برابر ہیں اور یہ ان کی ہر طرح غلطی ہے اور مجبوران کی اس معاملہ میں پروردگار دیکھتے ہیں لہذا اس خالص بدعت کو اجتہاد کی مدین رکھ کر ہرگز مغالطہ نہیں اور نہ کوئی مغالطہ میں آتا ہے اگر آپ نے کچھ لکھا تو انشاء اللہ تعالیٰ یا رزاق صحبت باقی و رابعا آپ نے ہمارے دلائل سے عاجز آکر اپنی فطرت کے مطابق عوام کو بھڑکانے کے لئے کوتے اور بولی دیوالی کی پوریوں کا سہارا لیا ہے یہ بھی آپ کو سود مند نہیں اس لئے کہ تو سے کی اقسام اور اس کے مباح اور غیر مباح اور مکروہ اور غیر مکروہ ہونے کے بارے میں ائمہ دین اور فقہاء کرام کا قدیم و حدیثاً خاصا اختلاف ہے ہم نہایت اختصار کے ساتھ صرف دو حوالے حضرات فقہاء احناف کے عرض کرتے ہیں۔

(۱) امام محمد بن محمد بن حنفی الحنفی المتوفی ۲۴۱ھ اپنی مشہور اور مستند کتاب مبسوط میں کوتے کی اقسام اور ان کے احکام کے بارے میں بحث کرتے ہوئے یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ۔

فان كان الغراب يحث بخلاف فاعل الجيف
تارة والحب تارة وقد روى عن ابي يوسف
وحمد الله تعالى انه يكره لانه اجتمع فيه
الموجب للحل والموجب للحرمه وعن
ابن حنيفة رحمه الله تعالى انه لا يأنس باكله
وهو الصحيح على قياس الدجاجة فانه لا يأنس
بها (مبسوط ج ۱ ص ۲۲۶)

اگر کو ا وہ ہو جو کبھی گندگی کھاتا ہے اور کبھی دلتے تو حضرت ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ وہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں علت اور حرمت کے دونوں موجب جمع ہو چکے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور یہی صحیح ہے مرغی پر قیاس کرتے ہوئے کیونکہ اس کے کھانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس عبارت میں حضرت امام ابو حنیفہ کی یہ روایت بتاتی ہے اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ کوئے کا کھانا اور ہے حضرت مولانا گنگوہی تو ہمارے ہی پیشوا ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت میں انہیں کی معیت نصیب فرمائے لیکن یہ تو فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کو تو آپ بھی اپنا پیشوا تسلیم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اس عبارت کو بار بار دیکھئے کہ امام سرخسی امام صاحب سے کیا روایت نقل کر گئے ہیں اور کس طرح اس کو صحیح قرار دے گئے ہیں اور اس کو بھی نظر انداز نہ کریں کیا کوئے کے بارے حکم ہمارے پیشوا ہی سے ثابت ہے یا حضرت امام ابو حنیفہ سے بھی کچھ ثبوت نہیں ہو گیا ہے وح جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کر لوئے

(۷) علامہ اکل الدین محمد باری الخفی المتوفی ۷۷۷ھ کوئے کی اقسام اور ان کا حکم بیان کرتے ہوئے آخر میں اسی کوئے کے بارے میں جو غلطت اور دانے دونوں چیزیں کھاتا ہے لکھتے ہیں کہ۔

وهو غير مكروه عند ابی حنیفہ ومكروه عند ابی یوسف
امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ ہے۔

(عنا یہ شرح ہدایہ ج ۸ ص ۲۷۷)

حضرات فقہاء کرام کی یہ اصطلاح ہے کہ لفظ عند مذہب پر دلالت کرتا ہے اور عن روایت پر دلالت کرتا ہے مقدار ثلثہ الرعاہ میں تصریح موجود ہے۔

فاذا قالوا هذا عند ابی حنیفہ دل ذالك
یعنی جب فقہاء کرام یہ فرماتے ہیں عند ابی حنیفہ
تو یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ان کا مذہب ہے۔

اب امام اعظم کا مذہب یہ ثابت ہوا کہ جو کو غلطت اور دانے وغیرہ دونوں چیزیں کھاتا ہے وہ مکروہ نہیں ہے اور بقول امام سرخسی یہی بات صحیح ہے جس طرح مرغی کہ غلطت بھی کھاتی ہے اور دانے وغیرہ بھی مگر حلال ہے مگر افسوس ہے کہ مرغی کا مسئلہ تو اہل بدعت نے بھی نہیں چھیڑا کیونکہ یہ ان کا لایفکھا ہے بلکہ اس سے بچنا اسے لے کر بطن مبارک کی تواضع کرتے ہیں اور اگر کہیں مجلسوں اور دعوتوں میں

یہ جنس نہ ملے تو میں بچیں ہوتے ہیں اور طرح طرح کی بولیاں بولتے اور اشارات کرتے رہتے ہیں
اب کوئی کیا کرے علاج شکم مرغ نے بھی دیا جواب ہمیں
فرمائیے کہ فقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں کے حوالے سے حضرت امام ابو حنیفہ کے مذہب سے جو بقول امام سرخسی صحیح ہے اور کونسا صریح حوالہ آپ کو درکار ہے؟ الغرض ہمارے پیشوا کے سامنے فقہ کے یہی حوالے

تھے انہوں نے اپنی طرف سے قیاس و اجتہاد کچھ نہیں کیا آپ ذر اپنے مطالعہ کو وسعت دیں باقی رہا ہولی دیوالی کی پوریوں کا مسئلہ تو اگر مؤلف مذکور ہمارے پیشوا کے فتاویٰ سے پوری عبارت نقل کر دیتے تو کسی کو شبہ پیدا نہ ہوتا مگر ان لوگوں کا کام صرف عوام کے دلوں میں ہمارے خلاف جذبات پیدا کرنا اور عوام کو غلطو میں الجھانا ہے فتاویٰ کی اصل عبارت یہ ہے۔ مسئلہ ہندو ہوا ہولی یا دیوالی میں اپنے استاذ یا حاکم یا نوکر کو کھیلایں یا پوری یا اور کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاذ و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟ الجواب درست ہے فقط (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۲۷۷ طبع جدید برقی پریس ہلی)

اس سوال میں اس کی تصریح موجود ہے یہ کھانا بطور تحفہ و ہدیہ ہے اس سوال میں مرکزی نکتہ لفظ تحفہ ہی ہے چونکہ ہر قوم اپنے خوشی کے ایام میں اچھا کھانا تیار کرتی ہے اس لئے اس دن تحفے تحائف کا بھی خیال رہتا ہے اور اس عبارت میں استاذ وغیرہ کا تذکرہ بھی موجود ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا مشرکوں اور کافروں سے ہدیہ اور تحفہ لینا ناجائز ہے؟ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷۷ میں باب ہے۔ باب قبول الہدیۃ من المشرکین پھر اس کے تحت اجمالاً چند احادیث کا تذکرہ ہے مثلاً ایک یہ کہ ایک جابر اور کافر بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام بطور تحفہ و ہدیہ دی تھیں۔ اور ایک یہ کہ ایک کے بادشاہ اُمید نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سفید خچر ہدیہ دی تھی اور ایک یہ کہ غزوہ خیبر کے موقع پر پیوندنے سازش کر کے کبریٰ کے گوشت میں زہر ڈال کر آپ کو دعوت دی اور آپ نے قبول کی اور اس کے بعد پھر بعض مفصل احادیث ہیں۔ اور بخاری ج ۲ ص ۲۷۷ کی روایت میں ہے کہ آپ نے اس دعوت سے کچھ کھا یا بھی تحفہ ضمیمہ ہمارے پیشوا نے اس میں اجتہاد نہیں کیا بلکہ قبول الہدیۃ من المشرکین کے شرعی قواعد کے تحت یہ بات فتویٰ ہے۔

لیجئے اپنے اعلیٰ حضرت کا ایک جواب بھی سن لیجئے۔
مسئلہ ہندو کے یہاں کی شیرینی پر فاتحہ دینا جائز ہے یا نہیں اور اس کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں۔
الجواب اولیٰ یہ ہے کہ فاتحہ کے لئے شیرینی مسلمان کے یہاں کی ہو اور ہندو کے یہاں کا گوشت حرام ہے باقی کھانوں میں مضائقہ نہیں اگر کوئی وجہ شرعی مانع نہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم وغیر ان شرعیات حصہ اول ص ۷ طبع مراد آبادی غور کیجئے کہ آپ کے پیشوا نے بھی ہندوؤں کے ہاں سے بغیر گوشت کے باقی کھانوں کے دجن میں بڑی وغیرہ بھی داخل ہے ہوا ز کا فتویٰ دے دیا ہے باقی شرعی مانع اور کیا ہو سکتا ہے کیونکہ ہولی اور دیوالی

میں مسلمان شریک نہیں ہوا اور ان دنوں کی تعظیم اس کے دل میں ہے ہندو خود بطور متحد مسلمان کے گھر پر
 وغیرہ بھجنا ہے اور غیر مسلم کا تحفہ اور ہدیہ قبول کرنا درست ہے ہاں اگر غیر مسلموں کے مخصوص ایام کی تعظیم مسلمان
 سے تشبیہ مسلمان کرے تو وہ دوسرا مسئلہ ہے اور اس بارہ میں حضرات فقہاء کرام کے سخت فتوے موجود ہیں لیکن
 فتاویٰ شیعہ کے سوال میں بطور تحفہ کے لفظ صراحت موجود ہیں غلط بحث عقلا کو زرب نہیں دیتی حالانکہ
 کے فتویٰ سے یہی ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک ہندوؤں کے یہاں سے آئی ہوئی شیرینی پر فاتحہ دینا جائز ہے ہاں
 اولیٰ یہ ہے کہ مسلمان کے گھر سے آئی ہوئی شیرینی پر فاتحہ دی جائے اور لفظ اولیٰ اس کا واضح قرینہ ہے۔

ہم نے کسی مسئلہ میں کوئی اجتہاد نہیں کیا نہ تو ہم اجتہاد کے اہل ہیں اور نہ ہی مجاز ہیں اور ہم نے اللہ
 تعالیٰ اور اس کے برحق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حلال کردہ امر کو حرام نہیں کیا اور نہ کہا ہے ہم
 نے صرف ان ہی امور کو بدعات و اختراعات اور حرام کہا ہے جن کو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم اور امت مسلمہ کے مستند علماء اور فقہاء نے بدعات و اختراعات اور حرام فرمایا ہے اور ہمارا
 کسی ایک مسئلہ میں بھی آپ سمیت اپنی پوری جماعت کے ایسا اجتہاد نہیں ثابت کر سکتے ہم نے بفضل
 تعالیٰ ہر بات با دلیل اور باحوالہ کہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راہ سنت کے تمام جاندار۔ دینی
 اور زندہ دلائل اور قطعی براہین اپنی جگہ پر میدان میں قائم ہیں آپ ان میں سے کسی ایک کا جواب نہیں دے
 سکے اور نہ آپ کے اور آپ کی پوری جماعت کے بس کا روگ ہے نہ سے چند صفحات سیاہ کر کے خوش
 ہو جانا اور ڈھینگیں مارنا کہ جواب ہو گیا اور اپنی جماعت سے داو تحمین حاصل کر لینا کوئی حیثیت نہیں
 رکھتا اسی طرح آپ کے مقرر اور مصدق مقدمہ باز بزرگ کا آپ کی اس لایعنی کتاب کے بارے میں یہ لکھنا
 کہ۔ تو اب یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں ہے کہ ایسی جامع مختلف الانواع کتاب آج تک منصفہ شہور پر جلوہ گر
 نہیں ہوئی (منصف) اور نیز یہ کہ بلکہ ہر دعویٰ کو براہین سے مبرجھن کیا ہے (منصف) نری طفل تسلی سے اور
 ایسا لگتا ہے کہ ان بزرگ کو راہ سنت وغیرہ کتابیں اور ان میں درج شدہ مفسوس حوالے اور دلائل دیکھنے
 کی نوبت ہی نہیں آئی اور یا ان میں دلائل و براہین کے پرکھنے کا مادہ ہی نہیں ورنہ کسی عالم کو موازنہ اور
 محاکمہ کرنے کے بعد بشرط انصاف و دیانت ایسی غیر ذمہ دارانہ بات کہنے کی کبھی جرأت و جرات نہیں
 ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے اگر آپ کے دلائل اور براہین کا معیار یہی ہے تو معاف رکھنا۔
 یہی کچھ ہے تو برپا کل کو طوفان اور بھی ہونگے تمہاری خاک کے ذرے پریشان اور بھی ہونگے

لطیفہ تنقید تین ص ۷۷ میں کافر کے مال کے جائز ہونے کے بارے میں ہم نے البحر الرائق ص ۲۲۲
 اور فتاویٰ مہربہ ص ۲۲۹ کا حوالہ بھی دیا تھا فتاویٰ مہربہ کے الفاظ یہ تھے کافر نے جو صف مسجد میں
 بچھائی ہے اس پر نماز پڑھنی جائز و درست ہے کیونکہ کافر کا کل مال حلال ہے خواہ ربوا اسود سے حاصل
 کیا ہو یا غیر رہا مثل تجارت وغیرہ سے پیدا کیا ہو انتہی مگر مؤلف مذکور شیر مادر سمجھ کر ان حوالوں کو ہی
 لگے ہیں اور ان کا ذکر تک بھی نہیں کیا تاکہ ان کے غلط مسئلہ کی قلعی رکھل چلنے کو اسفا سے
 وہ حالی نہ رہے ان کا کہ گاہ بھول سے بھی کسی کے سامنے یہ ماجرا بیان نہ ہوا
 قارئین کرام! آپ بخوبی ملاحظہ کر چکے ہیں کہ ہم نے مؤلف مذکور کی طرح دہوکا دہی کی کاروائی نہیں کی کہ انہوں نے
 تنقید تین کی تردید میں یہ وقیرہ اختیار کیا ہے کہ ایک آدھ حوالے لیا اور اس کا بزعم خویش رد کر کے باقی
 صریح اور محکم حوالوں سے کہو ترکی طرح آنکھیں بند کر کے آگے نکل گئے ہیں کیونکہ عوام الناس نہ تو اصل حقیقت
 سے باخبر ہوتے ہیں اور نہ انہوں نے اصل کتاب دیکھی ہوتی ہے وہ تو ایک آدھ چھٹی سن کر خوش ہو جائیں گے
 کہ واہ واہ ہماری جماعت کے محقق نے کمال ہی کر دیا ہے کیسا جواب دیا اور وہاں بیوں کو کسی کسی نے لفظ
 سنائی ہیں؟ بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے یا تو مؤلف مذکور کی اصل عبارت پوری نقل کی ہے یا اس کا ایسا خلاصہ عرض
 کیا ہے جس میں ان کی گرفت کا کوئی پہلو نہ چھوٹا ہو اور پھر اس کا رد کیا ہے تاکہ پڑھنے والے بخوبی سیکھ سکیں
 طرفین کی باتیں ملاحظہ کر لیں کہ انہوں نے کیا کہا اور انہوں نے کیا کہا؟ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو حق سمجھنے
 کی اور پھر اس پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین ثم آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَلِیْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاٰذِیْنَہٖ وَاٰثِمَہٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔
 احقر ابو الزہد محمد رفیع از خطیب جامع مسجد گلگٹ و مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ
 ۱۸ اشوال ۱۴۰۱ھ ۱۹ اگست ۱۹۸۱ء

إِتْمَامُ الْبُرْهَانِ

تَوْضِيحُ الْبُكْيَانِ

حِصَّةُ سَوْمٍ

تَأْلِيفُ

شيخ الحديث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مکتبہ غلامی

مکتبہ صفائیہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم

گوجرانوالہ

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ سوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	نور و بشر	۱	۱۴	ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو	۹
۲	حضرات انبیاء و ائمہ علیہم الصلوٰۃ	۱	۱۵	کیوں سجدہ نہیں کیا؟	۱۰
۳	والسلام کو بشیر کہنا کفار کا دستور ہے	۱	۱۶	آپ کے صدر الافاضل پر ہماری	۱۱
۴	(مراد آبادی)	۱	۱۷	تنقید بدستور باقی ہے	۱۱
۵	اس پر علمی تنقید کا اشارہ	۱	۱۸	نا قابل تر وید حوالے	۱۲
۶	انبیاء و علیہم السلام جنس بشر اور نوع	۱	۱۹	ان پر لایعنی تنقید	۱۳
۷	انسان میں سے ہیں (توضیح البیان)	۱	۲۰	الجواب	۱۴
۸	الجواب	۲	۲۱	لا یعنی مطالبہ اور اس کا جواب	۱۵
۹	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ	۲	۲۲	لطیفہ ظریفہ	۱۶
۱۰	تعالیٰ کے ذاتی نور سے ماننے والے بھی	۲	۲۳	تقویۃ الایمان کی عبارت پر گرفت	۱۷
۱۱	موجود ہیں	۲	۲۴	الجواب	۱۸
۱۲	رسالہ حنفی کا حوالہ	۳	۲۵	آخری تیر	۱۹
۱۳	دیوان محمدی کے حوالے	۳	۲۶	مشریہ لنگوہی کے شعر پر اعتراض	۲۰
۱۴	آپ ذات کے لحاظ سے بشر اور صفت	۴	۲۷	الجواب	۲۱
۱۵	کے لحاظ سے نور ہیں۔	۴	۲۸	توحید الضمیر کا قصہ	۲۲
۱۶	کمالات کے لحاظ سے آپ کی مخلوق	۴	۲۹	الجواب	۲۳
۱۷	میں کوئی مثل نہیں۔	۴	۳۰	تفسیر ابوالسعود کا حوالہ	۲۴
۱۸	براہین قاطعہ کا حوالہ	۴	۳۱	تفسیر کبیر کا حوالہ اور اسکی تشریح	۲۵
۱۹	کفار آپ کو کس معنی میں اپنے جیسا	۴	۳۲	حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۶
۲۰	بشر کہتے تھے بشر محضہ اور بشریت	۴	۳۳	آپ کے نور ہونے کے متعدد حوالے	۲۷
۲۱	بعض ان نبوت میں فرق ہے	۸	۳۴	الجواب	۲۸

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ سوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۳	اولیت اضافی کا جواب	۲۳	۵۲	الجواب	۲۳
۳۴	تعدد حوالے	۲۴	۵۳	آپ کے نور سے سوئی ملنے کی روایت	۲۴
۳۵	الجواب	۲۸	۵۴	جعلی ہے۔	۲۴
۳۶	مواہب لدنیہ و زرقانی کا حوالہ	۳۳	۵۵	الاختیار المرفوعہ	۲۴
۳۷	اسناد دین کا حصہ ہے (مسلم کا حوالہ)	۳۵	۵۶	سیرت النبی	۲۴
۳۸	امام عبدالرزاق بن ہمام شیعہ فقہ	۳۵	۵۷	بخاری و مسلم کی روایت	۲۴
	(ابن خلدون)		۵۸	امام نووی سے اس کی تشریح	۲۴
۳۹	نور محمدی اور روح محمدی ایک چیز ہے	۳۶	۵۹	عمدة القاری کا حوالہ	۲۸
۴۰	واسطہ فی العروض کی بحث	۳۷	۶۰	اول المخلوقات کے بارے	۲۸
۴۱	مولانا نانوتوی کی متعدد عبارات	۳۷	۶۱	مرقات کا حوالہ	۲۸
۴۲	حضرت شیخ عبدالحق صفا کی عبارت	۴۰	۶۲	موضوعات کبیرہ کا حوالہ	۵۰
۴۳	دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا انکار و معاذ اللہ	۴۱	۶۳	بیان القرآن اور حاشیہ کا حوالہ	۵۱
۴۴	اس کا جواب	۴۱	۶۴	نفی نخل	۵۲
۴۵	حضرت قضاوی اور حدیث نور	۴۳	۶۵	ابن الجوزی اور ملا علی قاری کا حوالہ	۵۲
۴۶	جواب	۴۳	۶۶	علامہ مناوی اور حبیبی کا حوالہ	۵۳
۴۷	تفسیر عزیزی کا حوالہ	۴۴	۶۷	الجواب	۵۴
۴۸	آپ کی بشریت پر نشر الطیب کا حوالہ	۴۵	۶۸	مجمع الزوائد کا حوالہ	۵۴
۴۹	نورانیت محمدی کی تابناک شعاعیں	۴۵	۶۹	مجمع الزوائد کی روایت	۵۵
۵۰	جمع الوسائل کا حوالہ	۴۵	۷۰	وقت کے اشتراک اور عدم اشتراک	۵۵
۵۱	انفاس العارفين کا حوالہ	۴۵	۷۱	کے بارے حضرات ائمہ کا اختلاف	۵۶

فہرست مضامین اتمام البرہان حصہ سوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۹	سایہ ہونے کی روایت کا راوی	۴۹	۸۴	سند احمد اور مجمع الزوائد کی حدیث	۴۴
۵۰	عبدالرحمن بن قیس الرعفرانی کذاب	۵۷	۸۵	بادل کا سایہ	۴۵
۵۱	اور وضاع ہے		۸۶	انفاس العارفين کا حوالہ۔ الجواب	۴۶
۵۲	آپ کی جوتیاں نجاست پر پڑتی تھیں	۵۸	۸۷	آپ پر بادل کے سایہ کی صحیح روایت	۴۶
۵۳	ابوداؤد و دارمی۔ حوالہ النظم	۵۸	۸۸	بخاری شریف سے۔	۴۶
۵۴	اور مستدرک وغیرہ	۵۸	۸۹	آپ پر درخت اور چادر وغیرہ سے	۴۷
۵۵	حضرت ذکوان کی روایت کا جواب	۵۹	۹۰	سایہ کاثوت (بخاری)	۴۷
۵۶	الجواب	۶۲	۹۱	بادل اور مشتوں کے سایہ کی روایات	۴۸
۵۷	فتاویٰ شیعہ اور اہل مالک کا حوالہ	۶۴	۹۲	مستدرک اور شیر ابن ہشام کی روایت	۴۸
۵۸	بزرگوں کے اقوال کے بارے مؤلف	۶۵	۹۳	مگر یہ جعلی ہے (علامہ فہمی)	۴۸
۵۹	مذکور کا جواب	۶۸	۹۴	قسطونی اور زرقانی کا حوالہ	۴۸
۶۰	سایہ اور شیعہ	۶۹	۹۵	طبقات ابن سعد کا حوالہ	۴۹
۶۱	الجواب	۷۰	۹۶	اس کی سند میں واقعی ہے جو کذاب تھا	۴۹
۶۲	جن روایات سے سایہ ثابت انکا جواب	۷۱	۹۷	تہذیب التہذیب کا حوالہ	۴۹
۶۳	الجواب	۷۱	۹۸	دلائل النبوة العصبانی کا حوالہ	۴۹
۶۴	نفی الفی۔ المجامع الصغیر اور السراج	۸۰	۹۹	اس کی سند میں بھی ہی واقعی ہے	۴۹
۶۵	النیر کا حوالہ	۷۲	۱۰۰	مواہب لدنیہ۔ خصائص الکبریٰ	۸۰
۶۶	مسلم کی حدیث۔ امام ترمذی کا بیان	۷۳		اور زرقانی کا حوالہ	۸۰
۶۷	سایہ کی دوسری حدیث	۷۴		اس کی سند میں بھی واقعی ہے	۸۰
۶۸	اس پر گرفت۔ الجواب	۷۴		میر النبی کا حوالہ۔ روایات کا تقابل	۸۰

بیش لفظ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ تَعَالَى حَمْدًا كَثِيرًا كَمَا يَحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضَى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَكَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ وَسَيَنْزِلُ عَلَيْكَ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ كَمَا وَدَّ رَبُّهُ الْحَدِيثُ الصَّحِيحُ وَعَلَى آلِهِ وَآصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَاتَّبَاعِهِ أَجْمَعِينَ.

امابعد - قارئین کرام نے امام ابراہن فی رد تفریح البیان کا پہلا اور دوسرا حصہ پڑھ لیا ہے۔ اب تیسرا حصہ حاضر ہے جس طرح پہلے حصے توجہ دینا چاہیے کہ میں ہم پوری توقع رکھتے ہیں کہ اسی طرح یہ حصہ بھی پڑھا جائے گا۔ طرہین کے دلائل کو پڑھنے والے اہل علم والی صاف حضرات بخوبی بینان العدل سے ان کا موازنہ کریں گے اور امید ہے کہ خود مؤلف مذکور یا ان کی جماعت کے افراد حقائق کو قبول کریں گے جیسا کہ دیگر مسائل میں بعض حضرات کی غلط فہمیاں دور ہوئی ہیں اور انہوں نے حق کو قبول کیا ہے کئی حضرات کے خطوط آئے ہیں اور کئی حضرات خود حاضر ہو کر اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کر چکے ہیں۔ بہر حال ہمارا مقصد و اہتمام کا حصول نہیں صرف یہ آرزو ہے کہ حق ہر حق جو تک پہنچ جائے اور تمام حجت ہو جائے اور دیگر کتابوں کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کی رہنمائی کا ذریعہ بن جائے وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بَعْدَ ذَلِكَ سَبَّحْتَ سُبْحَانَكَ سُبْحَانَكَ سُبْحَانَكَ سُبْحَانَكَ قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین ثم آمین۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَآصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَاتَّبَاعِهِ أَجْمَعِينَ

احقر ابو الزاد محمد رفیع خلیب جامع مسجد گھمڑہ صدر مدرس مدرسہ حضرت العلوم گوجرانوالہ

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ ۱۹ فروری ۱۹۸۲ء

نور و بشر

ہم نے تنقید تین حصوں میں مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ حوالہ نقل کیا تھا جو انہوں نے دَعْوِ النَّاسِ مَنِ يَقُولُ الْآيَةِ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ: "بِالنَّاسِ فَرَمَانِ مِنْ طَيْفِ مَرْزِيہ" کہ یہ گروہ بہر صفات و انسانی کمالات سے ایسا عاری ہے کہ اس کا ذکر کسی وصف و خوبی کے ساتھ نہیں کیا جاتا یوں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی آدمی ہیں مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نہ لگتا ہے اس لئے قرآن پاک میں جا بجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا اور درحقیقت انبیاء کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے۔ ص ۵۷ مولوی نعیم الدین صاحب کی اس عبارت پر ہم نے جملہ اللہ تعالیٰ بڑی شغور اور باحوالہ تنقید کی ہے ہماری تنقید کی کچھ عبارت تو یہاں لفظ بشر ہے الی قولہ مگر ایسی معنی نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تاکہ نقل کرنے کے بعد مؤلف مذکور مسئلہ بشریت کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں۔ علماء اہل سنت نے انبیاء علیہم السلام کے جنس بشر اور نوع انسان سے مبعوث ہونے کا کب انکار کیا ہے؟ لیکن انبیاء علیہم السلام کی بشریت بے شمار فضائل و کمالات کی حامل ہوتی ہے اور چونکہ کتاب و سنت سے نبی علیہ السلام کی نورانیت بھی ثابت ہے اس لئے ہمارے نزدیک نبی علیہ السلام بشریت اور نورانیت دونوں کے علی وجہ اکمال جامع ہیں اور اس اجتماع میں کوئی منافقانہ نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں البتہ نبی علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر کہنا صحیح نہیں ہے اور یہی صدر الافاضل کا مطلب ہے جس کی انہوں نے خود اپنی تفسیر میں جگہ جگہ تصریح فرمائی ہے۔

مثلاً سورہ کہف میں اَنَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ میں لکھا ہے۔ بہر حال آپ کی ذات و کمالات میں آپ کا کوئی بھی مثل نہیں الی قولہ بَشَرٌ مِثْلُكُمْ کو جائز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل بشر کہے۔

اور سورہ احکم مجملہ میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں فَانْصَرَفَ سَيِّدُ الْعَالَمِ صَلَّي اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمُ کَالْجَلِیظِ الْفَظَّ اَنَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ فرماتا حکمت ہدایت و ارشاد کے لئے بطریق تواضع ہے الی قولہ تو کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ حضور علیہ السلام سے مماثلت ہونے کا دعویٰ کرے۔ الخ اس کے بعد مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ صدر الافاضل کے کلام سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے (۱) بشریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں متحقق ہے (۲) کمالات کے اعتبار سے آپ کی بشریت میں کوئی آپ کا مثل نہیں (۳) کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ حضور کو اپنی مثل بشر کہے (۴) انبیاء کو اپنی مثل بشر کہنا ہمیشہ سے کفار کا طریقہ رہا ہے پس ثابت ہوا کہ دَعْوِ النَّاسِ الْآيَةِ کی عبارت سے بھی یہی مراد ہے

یہاں اختصار کے پیش نظر اجمالی کلام کیا گیا ہے اور جس جگہ اس موضوع پر بحث ہے وہاں تفصیل کو پیش کر دیا ہے اور اس عبارت میں بھی بشریت کے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو انبیاء و کرام کو اپنی مثل بشریت میں تیسری جگہ خدا تعالیٰ لکھتے ہیں کہ اس امت میں بہت سے بد نصیب سید الانبیاء کو بشریت میں اور تیسری کا خیال فاسد رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں گمراہی سے بچائے اس سے بھی معلوم ہوا کہ صدر الافاضل نفس بشر کی تحقیق کو جائز رکھتے ہیں البتہ ہم مثلی کے عقیدہ کو فاسد قرار دیتے ہیں اصل تفسیر میں جو مراد آباؤ کے قدیم طبقہ نسخہ میں موجود ہے یوں ہی فقہا جب تاج کینی میں یہ شائع ہوا تو بعض بد دیانت سرقرانوں نے اس میں اس طرح حریف کر دی اس امت میں بھی بہت بد نصیب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرتے ہیں اور قرآن و حدیث کے منکر ہیں تاج کینی کا مغذرت نامہ بھی چھپ چکا ہے بہر حال صدر الافاضل کا مقصد یہ ہے جو نقص ناطق ہے کہ بد نصیب اور گمراہی بشریت کا اور تیسری کا خیال فاسد رکھنا ہے لیکن سرقران صاحب ہم مثلی کے خیال کو شیردار سمجھ کر حضم کر گئے ہیں حالانکہ مرکزی نقطہ یہی ہے (محصلاً توضیح البیان ۱۲۷ تا ۱۳۷)

الجواب۔ اس تمام مضمون سے ذیل کے امور وضاحت سے ثابت ہو گئے ہیں جن میں کوئی شک نہیں ہے (۱) مؤلف مذکور اور بقول ان کے ان کی جماعت حضرات انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جس بشر اور نوع بشر سے تسلیم کرتی ہے اور اس کا ان میں کوئی منکر نہیں ہے۔ بلا شک اکثر بریلوی صاحبان جملہ حضرات انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو جس اور نوع کے لحاظ سے بشر آدمی اور انسان ہی تسلیم کرتے ہیں لیکن ان میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے ذاتی نور سے مخلوق مانتے ہیں (معاذ اللہ) چنانچہ بریلوی حضرات کے ماہنامہ رسالہ حنفی لاہور بات ماہ اپریل ۱۹۵۷ء کے ابتدائی نمائش پر مختصر عقائد اہل سنت والجماعت کے عنوان سے چند عقائد درج ہیں بعض یہ ہیں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے ذاتی نور پاک سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کو پیدا کیا پھر اس نور سے تمام کائنات کا ظہور فرمایا و حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جارہ بشریت میں اللہ تعالیٰ کے بے مثل نور ہیں۔ آپ دافع البلاء والوباء والقطط والمرض والام ہیں منہ حضور سید الانبیاء و حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعلطائے الہی عالم الغیب ہیں اور عالم ماکان و مایکون انہر انصاف اور عقائد آدمی جس کو عبارت سمجھنے کا ذاتی سلیقہ بھی حاصل ہے وہ اس عبارت میں ملا و ملا سے یہی سمجھے گا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اللہ تعالیٰ کے ذاتی اور بے مثل

نور سے جدا ہوا ہے اور آپ کے نور کا مادہ (معاذ اللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ کا ذاتی اور بے مثل نور ہے اور بقول ان کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعلطائے الہی عالم الغیب بھی ہیں اور ان باطل عقائد کو انہوں نے اہل سنت و جماعت (یعنی بریلویوں) کے عقائد قرار دیا ہے جن جن لوگوں کے ہاتھوں میں یہ رسالہ پہنچا ہو گا خدا معلوم ان میں سے کتنے لوگوں نے بزم خویش اہل سنت و جماعت کا مسلک سمجھ کر اس پر یہ عقیدہ اپنایا اور اختیار کیا ہو گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ذاتی اور بے مثل نور سے پیدا ہوئے علاوہ ازیں بریلویوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا بنائے بغیر ہیں نہیں پاتے سہر دست ہم ان کے مشہور و معروف بزرگ خواجہ محمد یار صاحب (المتوفی ۱۳۶۷ھ) کے دیوان محمدی کے چند اشعار نقل کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں۔

خدا کہتے ہیں جس کو مصطفیٰ معلوم ہوتا ہے جسے کہتے ہیں بندہ خود خدا معلوم ہوتا ہے (دیوان محمدی ص ۱۷)

مہ مصطفیٰ محشر میں طلہ بن کے نکلیں گے اشکار مہم کا پردہ مہدیا بن کے نکلیں گے
حقیقت جن کی شکل حق تماشا بن کے نکلیں گے جسے کہتے ہیں بندہ قل ہوا اللہ بن کے نکلیں گے
بجائے تھے جو انی عبودہ کی بنسری بر دم خدا کے عرش پرانی انا اللہ بن کے نکلیں گے (دیوان محمدی ص ۱۷)

احمد احمد میں فرق نہیں اے محمد ا عشاق یار رکھتے ہیں ایمان نئے نئے
محمدیار ۱۴ گر محمد نے محمد کو خدا مان لیا (دیوان محمدی ص ۱۷)

مہ محمد وہی صورت ہے صورت خدا دی میرے دل توں نقشہ شا کوئی نہیں سگدا (ص ۱۷)
مہ احمد نال احمد لایوں نہ ڈیکھاں حبیب خدا کوں خدا کیوں نہ ڈیکھاں (ص ۱۷)
مہ محمد محمد یکیندی گذر گئی احمد نال احمد یکیندی گذر گئی
میں اپنی حیاتی توں قربان یقیوں خدا کوں محمد سہیندی گذر گئی (ص ۱۷)
مہ احمد احمد کوں ڈوں نہ کر من گھن چراؤ پھوں نہ کر (ص ۱۷)

غور فرمایا قارئین کرام نے کہ اس غالی نامراد عاشق نے کس طرح اعدا اور احمد کو ایک کر دکھایا ہے۔ اور معاذ اللہ تعالیٰ اکیس طرح خالق و مخلوق کو گڈمڈ کر دیا ہے علماء اور سمجھدار لوگ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور کہتے ہیں یا نور من نور اللہ سے تعبیر کرتے ہیں تو اس سے ان کی ہر ادھی ہوتی اور ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور ہدایت بنا کر بھیجا اور آپ کا بایں معنی نور ہونا اللہ تعالیٰ کے نور کا فیض ہے لیکن عوام کا لانا عام تو کیا بعض غالی خواص بھی اس شاعر مذکور کی طرح خدا اور رسول کو (معاذ اللہ تعالیٰ) گڈمڈ کر دیتے ہیں اور وہ جب آپ کو نور کہتے ہیں تو وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے نور کا ایک حصہ بنا کر اور نور من نور اللہ نور زور سے کہہ کر عوام کو یہ باور کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کا نور ہیں اور اس کے نور سے کشید ہیں اور احواد احمد میں کوئی فرق نہیں ہے ایسے ہی غالی لوگوں کی تردید کے لئے اہل حق کو نور و بشری بحث اور اس کی باحوالہ تفصیل ذکر کرنا پڑتی ہے تاکہ عوام گمراہ نہ ہو جائیں (۲) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشریت اور نورانیت دونوں کے علی وجہ اکمال جامع ہیں اور اس اجتماع میں کوئی منافات نہیں کتاب وسنت سے آپ کی نورانیت بھی ثابت ہے (۱) (۲) (۳) مؤلف مذکور کی یہ بات بھی درست اور صحیح ہے کسی مسلمان کو اس میں تردد نہیں ہو سکتا ہم نے اپنی کتاب تنقید تین ص ۱۱۱ میں یہ تصریح کی ہے کہ ہمارا ایمان اور تحقیق یہ ہے کہ امام الرسل خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر بھی ہیں اور نور بھی جنس اور ذات کے لحاظ سے تو آپ بشر ہیں اور صفت و ہدایت کے اعتبار سے آپ نور ہیں آپ کی بدولت دنیا نے ظلمت کو روشنی نصیب ہوئی الی قولہ کوئی مسلمان اس حقیقت کا منکر نہیں ہے ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بایں معنی نور سمجھا اور کہا جائے کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپ کی بشریت۔ آدمیت اور انسانیت ہی کا سرے سے انکار کر دیا جائے تو نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہم اس کے قطعاً منکر ہیں (۱)۔

ہمارے اس واضح بیان کے ہوتے ہوئے مؤلف مذکور کا ص ۱۱۱ میں نبی علیہ السلام کی نورانیت کا عنوان قائم کر کے قَدْ جَاءَ كَحْمَرٍ مِنَ اللَّهِ نُورٌ الایۃ پیش کرنا اور پھر ص ۱۱۲ اور ص ۱۱۳ میں حضرت امام رازی اور حضرت ملا علی القاری اور علامہ آلوسی سے یہ نقل کرنا کہ نور سے آپ کی ذات بھی مراد ہو سکتی ہے بلکہ بقول علامہ آلوسی آپ نور الانوار ہیں اور ص ۱۱۴ میں اس تفسیر کو قنادہ اور زجاج سے نقل کرنا اور اس کا مختار قرار دینا اور ص ۱۱۵ میں تفسیر جلالین اور صاوی اور البوسعدی سے یہ نقل کرنا کہ نور سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کی ذات مراد ہے اور اسی طرح ص ۱۱۶ میں تفسیر میضائی۔ خازن اور نسفی سے اور ص ۱۱۷ میں صریح البیان کے حوالہ سے یہ نقل کرنا کہ نور سے مراد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور ص ۱۱۸ میں امداد السلوک ص ۸۶ کے حوالہ سے اور مولانا خفانوئی کے رسالہ النور ص ۳ کے حوالہ سے اور مولانا عثمانی کے تفسیر کے حوالہ سے یہ نقل کرنا کہ شاید نور سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب میں سے قرآن کریم مراد ہے اور پھر ص ۱۱۹ میں رسالہ التوسل ص ۵۳ سے اور قاضی عیاض کی شفا ص ۵۵ سے اور ص ۱۲۰ میں حضرت ملا علی القاری کی شرح شفا ج ۱ ص ۱۱ سے اور پھر تفسیر خازن سے اور ص ۱۲۱ میں تفسیر کبیر کے حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نور اور سرانج منیر ہونے کے حوالے نقل کرنا اور عوام کو یہ باور کرنا کہ معاذ اللہ تعالیٰ گویا ہم اس کے منکر ہیں قطعاً غلط ہے یہ حوالے سب برحق ہیں اور ان میں کوئی ایک حوالہ بھی ہمارے خلاف نہیں ہے بلکہ سب ہمارے مؤید ہیں۔ مؤلف مذکور نے اپنے ناخواندہ حواریوں پر محض اپنا علمی رعب ڈالنے کے لئے یہ غیر متعلق حوالے نقل کر کے کتاب کا حجم خواہ مخواہ بڑھایا ہے اس کا کون مسلمان منکر ہے؟ ہم نے خود قَدْ جَاءَ كَحْمَرٍ مِنَ اللَّهِ نُورٌ الایۃ کی تفسیر نقل کرنے کے بعد کہ ان دلائل اور قرائن کے تحت نور سے قرآن کریم مراد ہے اور عطف تفسیری ہے مگر دوسری تفسیر کو بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ تنقید تین ص ۱۲۱ میں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر مفسرین کرام نے نور و کتاب تین ہیں نور سے قرآن مراد ہے ہاں بعض نے نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدس ہستی بھی مراد لی ہے لیکن وہی مفسرین کرام اپنی تفسیروں میں دوسرے مقامات پر آپ کی بشریت اور انسانیت کا کھلے لفظوں اقرار کرتے ہیں تو اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ بشر آدمی اور انسان ہوتے ہوئے نور تھے جیسا کہ ہم نے ابتداء میں عرض کیا ہے (۱) قارئین کرام! ہماری طرف سے اتنی اور ایسی واضح تصریح کے بعد مؤلف مذکور کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور ہونے کے حوالے پیش کرنے سے ان کو فائدہ کیا ہے اور ہمیں نقصان کیا ہے؟ اکثر مفسرین کرام نے اس مقام پر نور سے قرآن کریم ہی مراد لی ہے اگر اس بارے میں مؤلف مذکور کو شبہ ہو تو کتب تفسیر بھی موجود ہیں اور انشاء اللہ العزیز قلم بھی موجود ہے اور یہ اکثر اور بیشتر مفسرین کرام اہل سنت والجماعت ہی سے متعلق ہیں گو اصول عربیت کے تحت اس تفسیر میں ان کے ساتھ بعض معتزلہ بھی شریک ہیں لہذا مؤلف مذکور کا ص ۱۱۵ میں یہ عنوان قائم کر کے کہ قَدْ جَاءَ كَحْمَرٍ مِنَ اللَّهِ نُورٌ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کی نفی کرنے والے کون تھے؟ آگے ص ۱۱۶

کایہ حوالہ نقل کرنا کہ ابوعلی الجبائی اور علامہ زرخشیری نے اس مقام میں نور سے کتاب ہی مراد لی ہے اور پھر ص ۵۶ میں یہ لکھنا کہ صاحب کشف اپنے آپ کو ابوالمعتز کہتے تھے اور ابوعلی جبائی بصرہ کے معتزلی میں سے تھے اور آخر میں مؤلف مذکور نے یہ یوقیانہ بولی بول کر دل کی بھڑاس بول نکالی ہے کہ پس اب غور فرمائیے کہ مولوی سرفراز صاحب گنگوڑی نے نورانیت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے کن لوگوں کے براہ میں اپنے عقیدہ کو شائع کر لیا ہے بلفظ - لاجل ولا قوۃ الا باللہ تعالیٰ داد دیجیے مؤلف مذکور کی اس سوقیانہ بولی کی اور سفید جھوٹ اور خالص افتراء کی سرفراز نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا کب انکار کیا ہے؟ متفقہ متین میں تو آپ کے نور ہونے کا صاف اقرار موجود ہے جیسا کہ حوالے اوپر گذر چکے ہیں مؤلف مذکور کے بارے اس سے زیادہ ہم اس جہان میں کیا کہہ سکتے ہیں کہ لعنتہ اللہ علیہ انکا زمین اپنے ہر امر میں شر کا نہ اور بقصد غارتگری کی حفاظت اور حمایت میں اس قدر جمل اور تلبیس؟ تو یہ تو یہ - مؤلف مذکور کا فریضہ تھا کہ ہمارے تمام حوالے بقیہ حروف نقل کرتے یا ان کا باحوالہ خلاصہ لکھتے پھر ان کی تردید کرتے تاکہ عوام کے سامنے دونوں کے دلائل پیش نظر آتے مگر ایسا کرنا مؤلف اور ان کے استادوں کے مزاج کے بالکل خلاف ہے وہ تو اوروں سے حوالے ہی نقل کر کے عوام کو اہل حق سے بطن کرنے کے فکر میں رہتے ہیں مگر اس سے کیا حاصل ہوتا ہے حق حق ہے اور باطل باطل ہے۔

آدمی فرض آشنا ہی نہیں آدمی حق طلب بھی ہوتا ہے

(۳) کمالات کے اعتبار سے آپ کی بشریت میں کوئی آپ کا مثل نہیں الخ یہ بات بھی محل نزاع سے بالکل خارج ہے کسی مسلمان کو اس میں رتی بھر شک و شبہ نہیں اور نہ ہو سکتا ہے اور خود مؤلف مذکور نے ص ۱۳۶ میں برائین قاطعہ کا یہ حوالہ نقل کیا ہے - پس کوئی ادنیٰ مسلمان بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقدر و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا البتہ نفس بشریت میں مماثل آپ کے جلد بنی آدم میں بلفظ برائین قاطعہ ص ۱۳۷ کے اصل الفاظ یہ ہیں - پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا البتہ نفس بشریت میں مماثل آپ کے جلد بنی آدم میں کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اور بعد اس کے یوحٰی اِلٰی کی قید سے پھر وہی شرف تقرب کو بعد اثبات ممانکت بشریت کے ثابت فرما دیا الخ بحمد اللہ تعالیٰ ہمارا اور ہمارے انکار کا یہی عقیدہ ہے جو اس عبارت میں بیان ہوا ہے اس کی موجودگی میں ہم پر یہ الزام و بہتان باندھنا کہ معاذ اللہ تعالیٰ ہم

کمالات کے لحاظ سے آپ کی بشریت میں آپ کا کسی کو مثل کہتے یا مانتے ہیں خاص جھوٹ اور محض کذب ہے (۴) کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی مثل بشر کے اپنے اس سے کیا مراد ہے اگر مراد یہ ہے جس اور نوع کے لحاظ سے کسی کو جائز نہیں تو یہ نظریہ نص قطعی قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے ملر خلاف ہونے کے ساتھ مؤلف مذکور کے (اور ان کی اکثر جماعت کے خیال) نظریہ کے بھی خلاف ہے خود مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ علماء اہل سنت نے انبیاء علیہم السلام کے جس بشر اور نوع انسان سے مبعوث ہونے کا کب انکار کیا ہے الخ (ص ۱۳۷) اور نیز اپنے صدر الافاضل کی عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں بشریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں متحقق ہے (ص ۱۳۸) اور اگر مراد یہ ہے کہ تقرب اور شرف کمالات کے اعتبار سے کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل بشر کے تو بجا ہے اور گذر چکا ہے کہ اس میں کسی ادنیٰ مسلمان کو بھی ذرہ بھر شک نہیں ہے اور نہ کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہے۔

(۵) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنی مثل بشر کہنا ہمیشہ سے کفار کا طریقہ قرار ہے الخ اس سے کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ کفار حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جس بشر اور نوع انسان میں سے ہونے میں اپنے جیسا مانتے تھے تو معاف رکھنا پھر تو یہ آپ کا اور بقول آپ کے علماء اہل سنت کا مذہب بھی ہے اس لحاظ سے جو طریقہ کفار کا تھا سو وہ آپ کا بھی ہے دونوں میں فرق کیا رہا؟ جس کے لئے دہائی پر دھائی دی جا رہی ہے۔ اور اگر مراد یہ ہو کہ کفار اور مشرکین حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وصف نبوت اور رسالت سے خالی مان کر اور ان کے خدا و کمالات اور فضائل سے انہیں معاذ اللہ تعالیٰ متبرک تسلیم کر کے اپنے جیسا بشر کہتے تھے اور حقیقت بھی یہی ہے جیسا کہ نصوص قطعیہ اور دلائل واضحہ سے ثابت ہے تو اس میں کون مسلمان کفار کے ساتھ شریک ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نبوت و رسالت اور کمالات و فضائل سے الگ کر کے ان کو اپنے جیسا بشر کہتا ہو؟ الغرض کفار جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہتے تھے تو وہ ان کی نبوت اور رسالت کا انکار کر کے ایسا کہتے تھے جس کے ثبوت قطعی دلائل موجود ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

وَالْفَقِیْ عَلَیْہِ الذِّکْرُ مِمَّنْ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ (چک - القمر ۲) کیا ہم سب میں سے اس پر نہ کرنا لایا

یہاں ذکر سے مراد وحی ہے جیسا کہ اسی ترجمہ کی تشریح میں آپ کے صدر الافاضل لکھتے ہیں وحی نازل کی گئی (ص ۶۶) یہ تو حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کا بیان ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے کفار نے کہا اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْكِتَابَ الْمُنِيرَ (ص ۶۷) کیا ان پر قرآن اتارا گیا ہم میں سے۔ چونکہ وحی نبی پر اترتی رہی ہے اس لئے اس مضمون میں کفار نے ان پر نزول وحی کا انکار کیا ہے اور وحی و رسالت کا انکار کر کے ان کو اپنے جیسا بشر کہنا یہ کفار کا دستور تھا اور ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نفس بشریت اور نوع انسانیت میں سے ہونے کا اقرار یہ کفار کا دستور نہیں اس کے تو خود مؤلف مذکور بھی قائل ہیں کہ ائمہ اربعہ کا ص ۱۳۲ و ۱۳۳ میں قرآن کریم کی سورہ ہود و سورہ مؤمنوں اور سورہ یونس وغیرہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کفار کے یہ قول نقل کرنا (الْبَشَرُ مَثَلًا - الْبَشَرُ مَثَلًا - الْبَشَرُ مَثَلًا) بشر مثلاً۔ بشر مثلاً۔ بشر مثلاً وغیرہ بالکل غیر متعلق بات ہے کیونکہ کفار نے جس معنی میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہا وہ ان کو نبوت اور رسالت سے الگ کر کے کہا اور مسلمان جب ان کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جنس بشر اور نوع انسان ہونے میں بغیر ہمارے جیسے بشر ہیں یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے ان کو نبوت و رسالت اور کمالات علمیہ و عملیہ سے نواز تا ہے اور ان کمالات میں ان کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہوتا اور دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے

فخر انسانیت خاتم المرسلین جن کا ہم سر زمانے میں کوئی نہیں

خود مؤلف مذکور نے ص ۱۳۶ میں یہ عنوان قائم کیا ہے۔ بشریت محضہ اور بشریت بحیثیت نبوت کافر کا فرق اور اس کے تحت انہوں نے طویل کام میں یہ بھی لکھا ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت اور برتری کا سبب محض بشریت نہ تھی بلکہ وہ ان کی حلات علمی اور خلافت و نبوت تھی جس نے فرشتوں کی گردنوں کو سجدہ ریز کر دیا الی قولہ ابلیس کی نظر بشریت پر پڑی اور اس نے سجدہ سے انکار کر دیا قال لیس الاذن لیس (ص ۱۳۷) محصلہ اور ص ۱۳۸ میں تفسیر کبیرہ ص ۲۷۱ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ فرشتوں کو آدم کے سجدہ کا اس لئے حکم دیا گیا تھا کہ نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آدم کی پیشانی میں تھا۔ جس کی نظر نبی کے نور پر تھی وہ سجدہ میں گر گئے۔

تصور کر سکتا ہے؟ آپ کے ہی صدر الافاضل لکھتے ہیں۔ اور خواص بشر یعنی انبیاء علیہم السلام کو اس ملائکہ سے افضل میں الخ (ص ۱۹) واثنا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور مبارک کے وجود کا قصہ سند کے لحاظ سے محدثین کرام کے ہاں خاصا بحث طلب ہے قطع نظر اس سے ابلیس لعین کی نظر صرف بشریت پر نہ تھی بلکہ بشریت بعنوان خلافت و نبوت پر بھی تھی کما تر اور منطقی لحاظ سے کسی نوع کا تحقق بغیر جنس کے نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے اس لئے ابلیس لعین کو حکم خداوندی سے انکار اور ابا کی صورت میں بشر اور مخلقت یعنی طین کا سہارا لینا پڑا اور جس کا ذکر کیا گیا اس کو بشریت محض تصور کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے سمجھ رکھا ہے کم فہمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ۔ اور جس کی نظر نبی کی بشریت پر تھی اس نے تکبر کر کے لعنت کا طوق پہن لیا (مصلحہ) اسی کم فہمی کا نتیجہ ہے مگر شرک و بدعت میں مبتلا ہو کر دینی امور میں معاملہ فہمی رہتی کہاں ہے؟

آپ کے صدر الافاضل پر ہمارا تنقید بدستور باقی ہے | آپ کے صدر الافاضل کے الفاظ یہ ہیں۔ مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے اس لئے قرآن پاک میں جابجا انبیاء علیہم السلام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا اور حقیقت انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے بلفظ اس پر جو تنقید ہم نے تنقید متین میں کی ہے وہ بدستور باقی ہے اس کا کوئی معقول جواب آپ کی طرف سے نہیں دیا گیا اس عبارت میں اپنی مثل بشر کا کوئی لفظ نہیں صرف لفظ بشر ہے اور اسی پر ہمارا تنقید تھی اور اب بھی ہے اور انشاء اللہ العزیز ہے گی اور اسی طرح آگے بھی لفظ بالکل صاف ہیں قرآن پاک میں جابجا انبیاء علیہم السلام کو بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا یہاں بھی لفظ مثل وغیرہ نہیں ہے سوال یہ ہے کہ فتویٰ دیتے وقت اور تکفیر کرتے وقت ایسے مقام پر ایسے اہم اور بنیادی لفظ کو نظر انداز کر دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ لہذا اس صریح عبارت کی تاویل میں سورہ کہف اور سورہ حم سجدہ کی تفسیر پیش کرنا بالکل مردود ہے جیسا کہ مؤلف مذکور نے ص ۱۳۱ میں ان عبارت کی آڑے کر لگو خلاصی چاہی ہے فتویٰ اور خصوصاً کسی کی تکفیر کے موقع پر اختصار اور اجمال سے بالکل گامی نہیں چلتی مفتی کا فریضہ ہے کہ احتیاط کو ملحوظ رکھ کر فتویٰ کی تمام حدود و قیود اور اوصاف و شرائط کو ملحوظ رکھے آپ کو شاید اپنے اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد معلوم نہ ہو وہ لکھتے ہیں

ضروری تنقید احتمال وہ معتبر ہے جس کی گنجائش ہو صریح بات میں تاویل نہیں لی جاتی ورنہ کوئی بات بھی کفر نہ رہے الخ (ص ۱۹) واثنا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور مبارک کے وجود کا قصہ سند کے لحاظ سے محدثین کرام کے ہاں خاصا بحث طلب ہے قطع نظر اس سے ابلیس لعین کی نظر صرف بشریت پر نہ تھی بلکہ بشریت بعنوان خلافت و نبوت پر بھی تھی کما تر اور منطقی لحاظ سے کسی نوع کا تحقق بغیر جنس کے نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے اس لئے ابلیس لعین کو حکم خداوندی سے انکار اور ابا کی صورت میں بشر اور مخلقت یعنی طین کا سہارا لینا پڑا اور جس کا ذکر کیا گیا اس کو بشریت محض تصور کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے سمجھ رکھا ہے کم فہمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ۔ اور جس کی نظر نبی کی بشریت پر تھی اس نے تکبر کر کے لعنت کا طوق پہن لیا (مصلحہ) اسی کم فہمی کا نتیجہ ہے مگر شرک و بدعت میں مبتلا ہو کر دینی امور میں معاملہ فہمی رہتی کہاں ہے؟

آپ کے صدر الافاضل پر ہمارا تنقید بدستور باقی ہے | آپ کے صدر الافاضل کے الفاظ یہ ہیں۔ مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے اس لئے قرآن پاک میں جابجا انبیاء علیہم السلام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا اور حقیقت انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے بلفظ اس پر جو تنقید ہم نے تنقید متین میں کی ہے وہ بدستور باقی ہے اس کا کوئی معقول جواب آپ کی طرف سے نہیں دیا گیا اس عبارت میں اپنی مثل بشر کا کوئی لفظ نہیں صرف لفظ بشر ہے اور اسی پر ہمارا تنقید تھی اور اب بھی ہے اور انشاء اللہ العزیز ہے گی اور اسی طرح آگے بھی لفظ بالکل صاف ہیں قرآن پاک میں جابجا انبیاء علیہم السلام کو بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا یہاں بھی لفظ مثل وغیرہ نہیں ہے سوال یہ ہے کہ فتویٰ دیتے وقت اور تکفیر کرتے وقت ایسے مقام پر ایسے اہم اور بنیادی لفظ کو نظر انداز کر دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ لہذا اس صریح عبارت کی تاویل میں سورہ کہف اور سورہ حم سجدہ کی تفسیر پیش کرنا بالکل مردود ہے جیسا کہ مؤلف مذکور نے ص ۱۳۱ میں ان عبارت کی آڑے کر لگو خلاصی چاہی ہے فتویٰ اور خصوصاً کسی کی تکفیر کے موقع پر اختصار اور اجمال سے بالکل گامی نہیں چلتی مفتی کا فریضہ ہے کہ احتیاط کو ملحوظ رکھ کر فتویٰ کی تمام حدود و قیود اور اوصاف و شرائط کو ملحوظ رکھے آپ کو شاید اپنے اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد معلوم نہ ہو وہ لکھتے ہیں

ضروری تنقید احتمال وہ معتبر ہے جس کی گنجائش ہو صریح بات میں تاویل نہیں لی جاتی ورنہ کوئی بات بھی کفر نہ رہے الخ (ص ۱۹) واثنا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور مبارک کے وجود کا قصہ سند کے لحاظ سے محدثین کرام کے ہاں خاصا بحث طلب ہے قطع نظر اس سے ابلیس لعین کی نظر صرف بشریت پر نہ تھی بلکہ بشریت بعنوان خلافت و نبوت پر بھی تھی کما تر اور منطقی لحاظ سے کسی نوع کا تحقق بغیر جنس کے نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے اس لئے ابلیس لعین کو حکم خداوندی سے انکار اور ابا کی صورت میں بشر اور مخلقت یعنی طین کا سہارا لینا پڑا اور جس کا ذکر کیا گیا اس کو بشریت محض تصور کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے سمجھ رکھا ہے کم فہمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ۔ اور جس کی نظر نبی کی بشریت پر تھی اس نے تکبر کر کے لعنت کا طوق پہن لیا (مصلحہ) اسی کم فہمی کا نتیجہ ہے مگر شرک و بدعت میں مبتلا ہو کر دینی امور میں معاملہ فہمی رہتی کہاں ہے؟

آپ کے صدر الافاضل پر ہمارا تنقید بدستور باقی ہے | آپ کے صدر الافاضل کے الفاظ یہ ہیں۔ مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے اس لئے قرآن پاک میں جابجا انبیاء علیہم السلام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا اور حقیقت انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے بلفظ اس پر جو تنقید ہم نے تنقید متین میں کی ہے وہ بدستور باقی ہے اس کا کوئی معقول جواب آپ کی طرف سے نہیں دیا گیا اس عبارت میں اپنی مثل بشر کا کوئی لفظ نہیں صرف لفظ بشر ہے اور اسی پر ہمارا تنقید تھی اور اب بھی ہے اور انشاء اللہ العزیز ہے گی اور اسی طرح آگے بھی لفظ بالکل صاف ہیں قرآن پاک میں جابجا انبیاء علیہم السلام کو بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا یہاں بھی لفظ مثل وغیرہ نہیں ہے سوال یہ ہے کہ فتویٰ دیتے وقت اور تکفیر کرتے وقت ایسے مقام پر ایسے اہم اور بنیادی لفظ کو نظر انداز کر دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ لہذا اس صریح عبارت کی تاویل میں سورہ کہف اور سورہ حم سجدہ کی تفسیر پیش کرنا بالکل مردود ہے جیسا کہ مؤلف مذکور نے ص ۱۳۱ میں ان عبارت کی آڑے کر لگو خلاصی چاہی ہے فتویٰ اور خصوصاً کسی کی تکفیر کے موقع پر اختصار اور اجمال سے بالکل گامی نہیں چلتی مفتی کا فریضہ ہے کہ احتیاط کو ملحوظ رکھ کر فتویٰ کی تمام حدود و قیود اور اوصاف و شرائط کو ملحوظ رکھے آپ کو شاید اپنے اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد معلوم نہ ہو وہ لکھتے ہیں

تو وہ اشارت چشم بزر خوب پورا ہو گیا اگر مقصد صدر الافاضل کا رد کرنا تھا تو معاف کیجئے آپ کو حاصل نہ ہو سکا کیونکہ صدر الافاضل نے نفس بشریت کا انکار نہیں کیا بلکہ وہ آپ کی ہمسری کا انکار کرتے ہیں اور محض بشر کہنے کو نہیں بلکہ اپنا ہمیشہ بشر کہنے کو کفار کا دستور قرار دیتے ہیں اگر آپ میں جرات تھی تو اس امر کی تردید کے لئے قدم اٹھاتے مگر یہ آپ سے نہ ہو سکا (توضیح البیان ص ۱۲)

الجواب - یہ بات تو مؤلف مذکور کو مستم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کے اثبات کے لئے تنقید متین میں علماء اسلام کی عبارتوں کی بھر مار ہے اور بقول ان کے اس مقصد کے اثبات میں راقم شہم خوب کامیاب ہے ع والفضل ما شهدت بہ الاعداء۔ ہاں البتہ ان کا یہ زعم باطل ہے کہ راقم شہم ان کے صدر الافاضل پر تنقید کرنے میں کامیاب نہیں رہا لیکن مؤلف مذکور بجا ہے رسم المفتی کی ابتدائی اصطلاحات ہی سے ناواقف ہیں چھٹی تو وہ ایک غلط بات پر مصر ہیں اور تعصب و تحجب میں مبتلا ہو کر اپنے صدر الافاضل کو بلا دلیل جرم سے بری قرار دینے کا اوصار کھائے بیٹھے ہیں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ آپ کے صدر الافاضل اپنی جماعت کے ذمہ دار عالم اور مفتی ہو کر مسئلہ کے عنوان سے ایک شرعی مسئلہ اور فتویٰ بیان کرتے ہیں اور ان کی اس عبارت میں کوئی اونٹ سا اشارہ بھی ایسا موجود نہیں جس سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہو کہ اس کی بحث آگے بھی آئے گی پھر کیا وجہ ہے کہ ذمہ داری سے ایک مسئلہ بیان کرتے وقت اور فتویٰ صادر کرتے ہوئے ایک اہم چیز لفظ مثل اور ہمسری کو وہ مطلقاً نظر انداز کر گئے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ کسی بھی مکتب فکر کے لائق اور قابل مفتی سے دریافت کر لیں کہ رسم المفتی کے قواعد کے مطابق کیا اس کی گنجائش ہے کہ جس چیز پر فتویٰ کی مدار ہو اس کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے اور فتویٰ صادر کر دیا جائے؟ ہمارا لائحہ تر دیدہ دعویٰ ہے اور اس میں ہم بغض اللہ تعالیٰ سو فیصد کامیاب ہیں کہ آپ کے صدر الافاضل کی اس عبارت کے پیش نظر ہمارے وہ تمام اعتراضات اور تنقیدات جو ہم نے ان پر کی ہیں بجا لاتی ہیں اور آپ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے باقی سو ذہن اور سورہ فہم سجدہ میں ان کی بیان کردہ تفسیر الگ اور جدا ہے اور باوجودیکہ وہ ہمارے پیش نظر بھی ہے اور حق بھی مگر ہم نے اس پر کوئی گرفت نہیں کی کیونکہ وصی الناس الایۃ کی تفسیر میں ان کا بیان کردہ مسئلہ اپنی جگہ پر بالکل مکمل ہے اور ہمارا تنقید اس پر مستور بر حال ہے اور بنیترے پر بنیترہ لے کے باوجود بھی مؤلف مذکور اس کے جواب میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

مرے کہنے کو شاید مان جائے بحث ہے جان فشا فی جان جائے
لا یعنی مطالبہ | مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے ہم نے مجد اللہ یہ امر واضح کر دیا ہے کہ انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا یا کفار ہی کا دستور ہے مولوی سرفراز صاحب میں اگر ہمت ہے تو وہ قرآن کریم کی کسی ایک ہی آیت سے ثابت کر دیں کہ انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا مومنوں کا دستور ہے مگر شرط یہ ہے کہ آیت بالکل صاف اور صریح ہو کوئی ہمیر پھیر اور صیہونی حکمران ہوا (ص ۱۳۵ و ۱۳۶)

الجواب - ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اپنے جیسے سے اگر مراد نفس بشر اور نوع انسانیت کے لحاظ سے بشریت مراد ہے تو قولی اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کا حق قطعی اس مماثلت کو مومنوں اور کافروں سب کے لئے ثابت کرتی ہے کیونکہ قرآن کریم تمام مکلف مخلوق کی ہدایت کا ذریعہ ہے اور اس کے احکام مومنوں اور کافروں سب کے لئے ہیں اور علماء اصول کا یہ قاعدہ اپنی جگہ ہے کہ العبرة لعوم اللفظ لا لخصوص المورد اور تنقید متین منہ میں ہم نے حدیث کا یہ حوالہ بھی دیا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام سے اپنا منصب بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ الحدیث (بخاری ج ۱ ص ۵۵ و مسند احمد ص ۱۱۱) کہ میں تمہاری طرح کا بشر ہوں البتہ توجب آپ حضرات صحابہ کرام جیسے مومنوں کی طرح بشر ہیں تو یقیناً وہ بھی آپ کی طرح ہی بشر ہیں اس میں شک و شبہ کی کیا مجال اور کیا گنجائش ہے؟ اور اگر اپنے جیسے سے مراد درجہ شان اور کمال ہے تو خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق میں آپ کی کوئی نظیر اور مثل نہیں اور اسی معنی میں وَاَیُّکُمْ مِثْلٰی اِنِّیْ اَبِیْتُ لَطِیْعِیْنِ دِیْنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ وارد ہوا ہے (بخاری ج ۱ ص ۲۶ وغیرہ) یعنی تم میں سے اس صفت میں میرے جیسا کون ہے بلاشبہ میں رات گزارتا ہوں مجھے برابر رب (روحانی غذا اور پانی) کھلاتا اور پلاتا ہے۔ غرضیکہ ایسے لایعنی مطالبہ سے ممکن ہے کہ آپ کے بعض جاہل حواری تو خوش ہوں گے کہ ہمارے محقق نے کیا مطالبہ کر دیا؟ لیکن علم و تحقیق کے میدان اور مقام میں اس کی پرکھ کی حیثیت بھی نہیں ہے اور لفظ صنیون کی رسم الخطی اور لفظ کے بارے قاموس کے حوالے سے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ یہ لفظ وزن بردون ہے حرف ہا پہلے ہے اور یا بعد کو ہے مؤلف مذکور کو اس کی بھی کچھ خبر نہیں اخبارات میں جو لکھا دیکھا پلٹے باندھ لیا وہ جگہ جگہ یہ لفظ صیہون ہی لکھتے ہیں جو لغوی غلطی ہے

تقویۃ الایمان کی عبارت پر گرفت | مؤلف مذکور تقویۃ الایمان کے حوالے سے لکھتے ہیں: یعنی جو خوبیاں اور کمالات اللہ نے مجھ کو دیئے ہیں سو بیان کرو وہ سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں کیونکہ بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں ہے اس پر گرفت کرتے ہوئے مؤلف مذکور لکھتے ہیں یہ ٹھیک ہے رسالت سے بڑھ کر بشر کا کوئی مرتبہ نہیں مگر حضور کو صرف رسول کہہ دینے سے آپ کے تمام کمالات کس طرح آجاتے ہیں رسول تو مبین سویرہ ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَىٰ قَلِيلٍ** و **دفع بعضهم درجات** (ص ۱۴۰ محصلہ)

الجواب - مؤلف مذکور اپنے بڑوں کی طرح دن رات یہ گیتیں گاتے رہتے ہیں کہ ہمارے مخالفین حضرات اہل کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بچائے خوبیوں اور کمالات کے معاذ اللہ تعالیٰ ان کی خوبیاں کا پہلو ملحوظ رکھتے ہیں مگر خود دوسروں کی ضد اور مخالفت میں اگر صریح خوبیوں سے بھی کیونکر کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور نے یہاں کیا ہے تقویۃ الایمان کی عبارت میں یہ تصریح موجود ہے کہ یعنی جو خوبیاں اور کمالات اللہ نے مجھ کو دیئے ہیں سو بیان کرو وہ سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں اس عبارت میں صراحت موجود ہے کہ مطلق رسول کی بحث نہیں ہو رہی تا کہ مبین سویرہ کی گنتی کی ضرورت پیش آئے بلکہ اس میں واضح عبارت ہے کہ جو خوبیاں اور کمالات اللہ نے مجھ کو دیئے ہیں سو وہ بیان کرو اور وہ سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں یہاں ہر رسول کی بات نہیں بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہو رہی ہے اور آپ کو رسول کہنے میں آپ کی وہ تمام خوبیاں اور کمالات آجاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائے ہیں کیونکہ دلائل قطعیہ و اجماع امت سے یہ عقیدہ ثابت ہے کہ آپ کی خوبیاں اور کمالات اور کسی رسول میں نہیں پائے جاتے اور یہ بالکل ایک خالص حقیقت ہے کہ۔

ع انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آخری تیسر | مؤلف مذکور تقویۃ الایمان کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں ف یعنی کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر یوں اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو سو اس میں بھی اختصار ہی کرو۔ اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ نبی علیہ السلام کے بارے میں تو ان کا یہ فتویٰ ہے کہ بشر کی سی تعریف میں بھی کی کرو اور اپنے مولویوں کی شان میں اس طرح رطب اللسان ہیں۔

تیری تربت کو دے کر طور سے تشبیہ کہوں ہوں بار بار انی میری دیکھیں میری ادائیگی (مرتبہ شکر و سپاس)

لطیفہ نظریہ | ہمارے ایک لطیف الطبع اور ظرافت پسند مولانا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی مولوی صاحب نے کوئی مضمون نہ دیکھا ہو یا اشارت تفسیر میں نہ دیکھا ہو یا مضمون ختم ہو جائے تو مولوی صاحب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام وغیرہ کا کوئی نہ کوئی قصہ چھیڑ کر وقت پاس کرتے اور مجمع کوڑ خادیا کرتے ہیں کہ ان کی علمی کا بھرم بھی نہ کھٹے اور خوب واہ واہ بھی ہو جائے کم و بیش یہی حال بریلوی حضرت کا ہے کہ جب ان کے پاس دلائل کی کائنات ختم ہو جاتی ہے اور برہین قائم کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو وہ تقویۃ الایمان وغیرہ کی عبارت کو بیان اور نقل کر کے دل کی خوب بھڑاس بھی نکال لیتے ہیں اور جاہل عوام میں اہل حق سے منفرد بھی پیدا کرتے ہیں یہی مذموم طریقہ مؤلف مذکور نے ص ۱۳۱ تا ص ۱۳۲ میں اختیار کیا ہے کہ تقویۃ الایمان کی بعض عبارات مثلاً یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں اور یعنی میں بھی ایک دن مرکز میں ملنے والا ہوں اور جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں اور ہر مخلوق بڑا ہوا چھوٹا اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چار سے بھی ذیل ہے نقل کر کے علمی اور دلائل کے لحاظ سے اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کی لا حاصل سعی کی ہے ہم نے ان عبارات کی تشریح اپنی کتاب عبارات اکابر حصہ اولیٰ میں کر دی ہے اور بعض کا جواب دل کا سرور میں دیدیا ہے اس لئے ہم اس پر یہاں کچھ عرض نہیں کرنا چاہتے جب ان کا جواب آئے گا تو پھر بشر طریقت و صحت ہم کچھ عرض کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ تقویۃ الایمان کی ایک عبارت میں ہے کہ جیسے قوم کا چودھری اور گاؤں کا سردار ہوتا ہے سو ان معنوں میں ہر پیغمبر اپنی قوم کا سردار ہوتا ہے۔ اس پر مؤلف مذکور نے گرفت کرتے ہوئے لکھا ہے کیا چودھری کی اطاعت گاؤں والوں پر فرض ہوتی ہے؟ کیا چودھری کو نہ ماننے سے گاؤں کے لوگ کافر ہو جاتے ہیں؟ پھر اس لغو تشبیہ سے کیا حاصل؟ و محصلہ

الجواب (۱۳۰ و ۱۳۱) اس میں تشبیہ دینی منصب کے لحاظ سے تو بزرگ نہیں تاکہ کفر و اسلام کا سوال چل سکے؟ اور تشبیہ میں تشبیہ کی مشابہت کے ساتھ من کل الوجہ مماثلت ضروری ہوتی ہے کہ اگر اس میں تشبیہ صرف اس امر میں ہے کہ جیسے گاؤں کا چودھری اسی قوم کا ایک فرد ہوتے ہوئے بڑا اور قابل احترام سمجھا جاتا ہے اسی طرح ہر پیغمبر اپنی قوم کا سردار ہوتا ہے حالانکہ وہ اسی قوم کا ایک معزز و محترم فرد ہوتا ہے اس میں کیا شک ہے؟

جن کی آمد سے ہمارے اندھیرے چھٹے کفر و الحاد کی آندھیاں ختم گئیں

الجواب ایسا لکنا ہے کہ مؤلف مذکور صحیح حدیث لا تطرف فی کہا اطراف التصادی عیسیٰ بن مریم فانما ناعبدہ ولكن قولوا عبد الله ورسوله (بخاری ج ۱ ص ۴۹) سے بالکل بے خبر ہیں اور اسی طرح حدیث لا توفعونی فوق ہدوی الہیہ (مشکوٰۃ ص ۴۹) سے بھی ناواقف ہیں ورنہ اس عبارت پر گرفت نہ کرتے کیونکہ حضرت امیاءؓ علیہم السلام کے بارے میں جہاں تفریط کی گئی ہے وہاں افراط کرنے والوں نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی آپ ہی کے جماعت کے خواجہ محمد یار صاحب کے چند اشعار پہلے گذر چکے ہیں اس لئے اس عبارت میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ بزرگوں کی تعریف میں زبان تنہال کر لو جو حیرت ہے کہ مؤلف مذکور کو اختصاص اور کسی میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا کیونکہ تقویۃ الایمان کی عبارت میں اختصار کا لفظ ہے جس کو مؤلف مذکور نے جہالت یا شرارۃ کی رو سے تعبیر کیا ہے راثریہ گنگوہیؒ کے شعر پر اعتراض تو کاثر کہ مؤلف مذکور نے کھل کر اس میں شرعی اور عقلی خیالی بیان کی ہو تو ہم بھی ان کے بیان کردہ عقائد کے بارے میں کچھ عرض کر سکتے باقی تشبیہ کے بارے میں پہلے عرض ہو چکی ہے بار بار عادیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

توحید الضمیر کا قصہ ہم نے تنقید متین ص ۱۲۲ اور ص ۱۲۳ میں نوادرات فی تفسیر کی تشریح میں یہ بات ہی عرض کی تھی کہ نور سے خود و فرائز کریم مراد ہے اور عطف محض تفسیری ہے اگر نور سے آپ کی ذات گرامی اور کتاب شہین سے الگ چیز مراد ہو تو تثنیہ کی ضمیر بہا مناسب تھی نہ کہ مفرد کی ضمیر بہ (محصلاً) اس پر مؤلف مذکور نے اعتراض کرتے ہوئے ص ۱۲۶ اور ص ۱۲۸ میں ایک بات تو یہ کہی ہے کہ قرآن کریم میں ایسی بے شمار نظیریں موجود ہیں جن میں امور متعدّدہ کی طرف ضمیر واحد کا علی سبیل البدیۃ (الصیح لبدیۃ لکنا لا یخفی علی التدرّب۔ صقد) ارجاع کیا گیا ہے لیکن بغض رسالت کی وجہ سے سرفراز صاحب کو پورے قرآن میں یہی ایک مقام کھٹکا ہے۔ دوسری بات یہ کہی ہے کہ علامہ ابوسعودؒ اہمیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں ضمیر مجرور کو واحد یا تو اس لئے لایا گیا ہے کہ ان کا مرجع متحد بالذات ہے دیکھو کہ احکام قرآنی کی جامع انسانی صورت اگر تصور ہو سکتی ہے تو وہ آپ کی ذات مقدسہ ہے اور آپ کی ذات و صفات کی اگر کوئی جامع عبارت حامل ہو سکتی ہے تو وہ قرآن کریم ہے، یا اس لئے کہ دونوں کا حکم ایک ہے دیکھو کہ دونوں واجب الاطاعت ہیں اور یا ضمیر دونوں کی طرف مذکور کی تاویل سے راجع ہے اور اسی قسم کے جوابات قاضی میضادؒ اور اسماعیل حقّیؒ وغیرہ تفسیرین نے دیئے ہیں اور تیسری بات یہ کہی ہے کہ چلو اگر اسی پر اصرار ہے کہ جب ضمیر واحد ہے تو مرجع بھی واحد ہونا چاہیئے تو کیوں نہیں ہو سکتا کہ دونوں

سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہو اور یہی جواب حضرت علامہ القاریؒ نے شرح شفا میں اور علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں دیا ہے جسے ہم ابھی نقل کر چکے ہیں (محصلاً توضیح البیان)۔

الجواب مؤلف مذکور کا یہ سبب بیان فضول ہے اولاً اس لئے کہ ہم نے اس کا انکار تو نہیں کیا کہ متعدد امور کی طرف مفرد کی ضمیر راجع نہیں ہو سکتی اور نہ اس کا انکار کیا ہے کہ قرآن کریم میں اور مقامات نہیں صرف یہی ایک مقام ہے جس میں متعدد امور کی طرف مفرد ضمیر راجع ہے چونکہ بحث نور و کتاب شہین کی چل رہی ہے اس لئے اس مقام کا ذکر ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی محبت اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیان کردہ شریعت کی پیروی میں ہم نے یہ بیان عرض کیا ہے یہ الگ بات ہے کہ کھینکے کو محبت بھی بغض کی صورت میں نظر آئے اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے؟ وثانیاً اس لئے کہ مؤلف مذکور نے علامہ ابوسعودؒ کی پوری عبارت ہی نقل نہیں کی کیونکہ اس سے ان کی مختار تفسیر کا پتہ چلتا ہے جو مؤلف مذکور کو ضرر ہے ان کی پوری عبارت یہ ہے۔

والعطف لتنزیل المغایرة بالعنوان
منزلة المغایرة بالذات وقیل المراد
بالاول هو الرسول علیہ الصلوٰۃ
والسلام و بالثانی القرآن یمہدی بہ
توحید الضمیر المجرور لا اتحاد المرجع
بالذات اول کو نہیما فی حکم الواحد
او اید یمہدی بما ذکرنا
(تفسیر ابوسعود ج ۲ ص ۱۲۱)

یعنی باوجودیکہ نور اور کتاب سے ایک ہی چیز مراد ہے پھر عطف اس لئے ہوا کہ عنوان کی مغایرت کو بمنزلہ مغایرت ذات کے قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کتاب شہین سے قرآن کریم مراد ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے یہ کی ضمیر مجرور کو اس لئے مفرد لایا گیا ہے کہ مرجع متحد بالذات ہے (یعنی قرآن کریم جو روشنی کا ذریعہ بھی ہے اور کتاب شہین بھی ہے) یا اس لئے کہ دونوں

یعنی کتاب نبوی واحد کے حکم میں ہیں یعنی دونوں ہدایت و روشنی کا ذریعہ ہیں) یا مذکور کی تاویل سے یہ صغر ہے۔

اس تفسیر میں علامہ ابوسعودؒ نے جو بڑے نکتہ رس مفسرین پہلے نمبر پر یہ تفسیر بیان کی ہے کہ نور اور کتاب شہین سے ایک ہی چیز مراد ہے اور پھر باوجود ذات کے ایک ہونے کے عطف اس لئے ہے۔ کہ عنوان الگ الگ ہے (اسی کو ہم نے تنقید متین ص ۱۲۳ میں یوں تعبیر کیا ہے اس میں لفظ نور سے

خود قرآن کریم مراد ہے اور عطف محض تفسیری ہے جس میں معطوف و معطوف علیہ میں داتا تغایر نہیں بلکہ محض صفت کے لحاظ سے تغایر ہے (۱) اور پھر لفظ قیل سے جو عموماً کمزور اور ضعیف قول پر بولا جاتا ہے یہ تفسیر کی ہے کہ نور سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اور کتاب میں سے قرآن کریم مراد ہے اور پھر ضمیر کو مفرد لانے کی وجہ اول یہ بیان کی ہے کہ چونکہ نور اور کتاب میں سے ایک ہی چیز مراد ہے جو قرآن کریم ہے اس لئے ذات کے متحد ہونے کی وجہ سے ضمیر مفرد ہے اور یا اس لئے ضمیر مفرد ہے کہ دونوں یعنی کتاب اور نبی ہوتا اور رفتی کا ذکر یعنی اعتبار مذکور کے ضمیر مفرد آئی ہے اور اکثر مفسرین کرام نے یہی مطلب لیا ہے جو علامہ ابوالسعود نے بیان فرمایا ہے مؤلف مذکور کو غور کرنا چاہیے کہ کیا ابوالسعود کی تفسیر سے ان کو کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اور اس سے ہمیں کیا نقصان ہوا؟ کیا علامہ ابوالسعود نے وہی کچھ نہیں فرمایا جو ہم نے کہا ہے؟ مؤلف مذکور نے ص ۱۳۲ میں امام رازی کی تفسیر کبیر سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تین اقوال نقل کئے ہیں۔ تیسری یہ کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم ہوا اور یہ کمزور بات ہے کیونکہ عطف تغایر کو چاہتا ہے پھر آگے موج میں آکر لکھتے ہیں اب غالباً مولوی سر فواز صاحب کو پتہ چل گیا ہوگا کہ جس قول پر انہوں نے اپنے عقیدہ کی عمارت کھڑی کی ہے وہ دوسرے درجہ کا قول ہے جس کو امام رازی نہایت کمزور قرار دیتے ہیں الخ سو گزارش ہے کہ اگرچہ امام رازی نے اس کو صرف کمزور کہا ہے (نہایت کمزور نہیں فرمایا) لیکن دیگر جمہور مفسرین کرام اسی کو قوی اور مختار قرار دیتے ہیں جن میں علامہ ابوالسعود بھی ہیں جن کی عبارت عرض کی جا چکی ہے اور امام رازی نور سے اسلام بھی لے رہے ہیں۔

۱) ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ص ۱۳۲، آپ اُنکی قوی تفسیر کو کیوں نظر انداز کرتے ہیں؟ و ثانیاً اس لئے کہ حضرت ملا علی القاری نے وفد حائل بعض المفسرین الخ کے الفاظ سے یہ تفسیر نقل کی ہے کہ کتاب میں سے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہو جیسا کہ نور سے بھی مراد آپ کی ذات متفرد ہے اور چونکہ ذات ایک ہے اور تغایر لفظی ہے لہذا ضمیر مفرد لانی گئی ہے سو عرض یہ ہے کہ مؤلف مذکور کو شاید کسی لائق اور فنی استاد نے یہ بتایا ہو کہ لفظ بعض کی جب جمع کی طرف اضافت ہوتی ہے تو اس سے اکیلا دو کیلا ہی مراد ہوتی ہے نہ کہ اکثریت سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کے سیاق و سباق اور دیگر دلائل متواترہ اور براہین قطعیہ اور جمہور مفسرین کرام کی رائے کو ترک کر کے اکیلے دو کیلے مفسرین کے قول پر عقیدہ کی عمارت کیسے کھڑی کی جاسکتی ہے؟ یہی ہوگا کہ بعض کے طور پر ایک تفسیر بعض سے یہ بھی منقول ہے اور یہ اللہ علی الجماعہ کے زیرین اصول اور ضابط

کو چھوڑ کر شاذہ اور فاوہ کے پیچھے پڑنا دین کی کوئی خدمت ہے؟ اسی طرح علامہ آلوسی نے صرف ایک احتمال کے درجہ میں یہ تفسیر نقل کی ہے ولا یبغدان ان یراد بالنور والکتاب المبین النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الخ آپ خود ہی انصاف سے فرمائیں کہ کیا محض ایسے احتمالات سے دین کا کوئی بنیادی مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے؟ یا اس طرح کے احتمالات پر عقائد کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے؟ ایسے احتمالات کا اگر دین کے اصول و ضوابط سے ٹکراؤ نہ ہو تو قبول کئے جاسکتے ہیں بصورت دیگر خود خود قابل تاویل ہوتے ہیں یہی نہ ہو تو مردود ہونے میں بقول قلندر لاہوری ع الخ اکثر مفسرینک دو باہر گلی میں!

حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ | منقیدین ۱۲۵ تا ۱۳۳ میں حضرت جابر کی روایت پر ہوا روایت کی گئی ہے جس میں یہ آتا ہے کہ اسے جابر نے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور (کے سبب) سے پیدا کیا الخ اس حدیث کے بارے جو باتیں ہم نے عرض کی ہیں ان میں سے صرف دو تین باتوں کی طرف محض اشارہ کئے بغیر اور کسی حوالہ کا ذکر مؤلف مذکور نے نہیں کیا حالانکہ ان کا اختلاقی فلیفہ تھا کہ ہماری پوری باتیں نقل کرتے یا ان کا خلاصہ ہی بیان کر دیتے اور پھر بن پڑتا تو ان کا معقول جواب دیتے مگر ان کا یہ طریقہ ہے کہ ہمارے اکثر محسوس حوالوں سے نظر بچا کر وہ نکل جاتے ہیں اور ایک آدھ بات کو لے کر بزم غم و خوش اس کا تسلی بخش جواب دے کر اور غیر متعلق اور اکثر غیر مستند حوالے بیان کر کے اور اپنی راگنی جھانکا کر صفحات کے صفحات سیاہ کر کے آگے نکل جاتے ہیں مگر یہ عقلمند آدمی سمجھتا ہے کہ کسی کتاب کی تردید کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ کتاب کے ایک آدھ حوالے کو لے کر اس پر کچھ لکھ کر باقی حوالوں سے کہو کہ اس طرح آنکھیں بند کر کے آدمی آگے چلے اور نادانی سے یہ سمجھ بیٹھے اور عوام کو یہ سمجھانے کے دپے ہو کہ وہ لوگوں کتاب کا جواب ہو گیا ہے اس مقام پر ہم نے جو باتیں بیان کی ہیں وہ قارئین کرام خود منقیدین میں ملاحظہ فرمائیں ہم یہاں ان کو نقل کر کے خواہ مخواہ معاملہ کو طول نہیں دیتے ہاں البتہ جو باتیں مؤلف مذکور نے بیان کی ہیں ان کا خلاصہ عرض کر کے ان کا رد کرنا اپنا علمی فریضہ سمجھتے ہیں سو گزارش ہے کہ آپ غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی سر فواز صاحب نے اپنی کتاب مسئلہ میں نورانیت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دوسری دلیل حدیث جابر سے دی ہے۔ اور کہا کہ یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ امام عبدالرزاق شیعہ تھے اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے مجروح ہے وغیرہ وغیرہ اس جرح کا جواب دینے سے پیشتر ہم

آپ کے سامنے اہل سنت کے اکابر علماء کی عبادت پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے امام احمد کے اسناد اور امام بخاری و مسلم کے اسناد الا ستاذ امام عبد الرزاق اپنی تصنیف میں اور امام بیہقی و لائل النبوة میں حضرت جابر سے مرفوعاً قد خلق قبل الاشياء نود نبیك من نودك الحدیث روایت کرتے ہیں اور امام قسطلانی مواہب لدنیہ مقصد اول میں ارقام فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کا ارادہ مخلوق کو پیدا کرنے کا اور اس کے رزق مقرر کرنے کے ساتھ متعلق ہوا تو اس نے حقیقت محمدیہ کو حمدی انوار سے بارگاہ احدیت میں ظاہر فرمایا الخ اور اس کی شرح میں امام زرقانی مشرح مواہب میں ارقام فرماتے ہیں کہ اور جزا این نیست کہ حقیقت محمدیہ ہی تمام حقائق کی حقیقت ہے کیونکہ حقیقت محمدی کا ثبوت خلق وسطیہ میں ہے جو کہ عین نور احمدی ہے جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا۔ امیر عبدالقادر الجوزی اثری الحسنی اپنی کتاب مواقف کے موقف ۵۹ میں فرماتے ہیں کہ بلا ریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت وہ رحمت غفلت ہے جس نے ہر شے کو احاطہ کر لیا ہے الی قولہ اور بالتحقیق حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اے جابر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ اور سیدی عبدالکریم جیل ناموس اعظم کی کتاب النور باب اول میں فرماتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سعادت کبریٰ اور تمام لوگوں کے لئے ظاہری اور باطنی نمونہ بنا کر پیدا فرمایا اور وجود میں آپ کا مرتبہ اللہ نے سب سے پہلے رکھا جس کے اوپر اور کوئی مرتبہ نہیں ہے۔

اور شیخ عبداللہ البوسنی مطالع النور السنی کے مطلع اول میں فرماتے ہیں یاور کھو کہ جب حق تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ اسماء الہیہ کے آثار کے ظہور سے بارگاہ الوہیت کی تجلیات کی معرفت کرائے تو اس نے سب سے پہلے روح محمدی کو جامع صورت میں پیدا کیا الی قولہ جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا تو آپ نے فرمایا اے جابر وہ تیرے نبی کا نور ہے جس کو اللہ نے اپنے نور کے سبب سے پیدا فرمایا الخ۔

مدارج النبوة میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔ بہر کیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود میں اول ہونا پس وہ اس لئے ہے کہ پہلی وہ چیز جس کو اللہ نے پیدا کیا وہ میرا نور ہے اور نبوت میں اول ہونا اس لئے ہے

کہ میں اس وقت بھی نبی تعجب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی زمین پر افتادہ تھے۔

ان اکابرین کے علاوہ امام ابن حجر مکیؒ علامہ فاسیؒ علامہ دیاربکریؒ سیدی عبدالغنی نابلسیؒ امام ابوالحسن اشعریؒ وغیرہم نے بھی اس مضمون جلیل کو اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے اور اس پر اظہار اعتماد فرمایا ہے (محصلا از ص ۱۵ تا ص ۱۷)

الجواب مؤلف مذکور کی یہ ساری کاوش بے سود ہے اولاً اس لئے کہ اس روایت کا مدار امام عبد الرزاقؒ کی سند پر ہے اس کے بعد مؤلف مذکور اس روایت کے بارے امام بیہقیؒ کی لائل النبوة کا حوالہ دیتے ہیں یہ ان کا فرض تھا کہ امام عبد الرزاقؒ اور امام بیہقیؒ کی سند اور اس کے روات کتب اسماء الرجال سے باحوال نقل کر کے توثیق نقل کرتے تاکہ ہمارے اس اعتراض کا جواب ہو جاتا کہ۔ اس کی سند کا علم نہیں کہ کیسی ہے اور امام عبد الرزاقؒ شیعہ تھے گو غالی نہ تھے مگر بعض چیزوں میں وہ منفرد ہیں ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا اور امام ابن عدیؒ کے حوالہ سے ہم نے لکھا ہے کہ عبد الرزاقؒ نے فضائل کے باب میں ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن میں ان کی کسی نے موافقت نہیں کی اور ان کے بھانجے احمد بن عبد اللہ نے ان کی کتابوں میں باطل روایتیں بھی داخل کر دی تھیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے امام عبد الرزاقؒ کی مصنف کو طبقہ ثنائی میں شمار کیا ہے اور اول ماخلق اللہ القلم کی صحیح روایت اس کے خلاف ہے (محصلا تنقید متین ص ۱۲۵ تا ۱۲۸) آپ ہی کے اعلیٰ حضرت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لئے ثبوت چاہیئے بے ثبوت نسبت جابر نہیں الخ (عرقان شریعت حصہ سوم ص ۱۷) اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ بغیر سند کے اور اس کے روات کی توثیق کے حدیث کا ثبوت نہیں ہو سکتا ہ ہم نے جو حدیث اول ماخلق اللہ القلم پیش کی ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی کا حوالہ دے کر جو صحاح ستہ کی مرکزی کتابیں ہیں ساتھ تصحیح بھی نقل کی ہے لہذا اس کے مقابلہ میں یہ روایت جس کی سند ہی معلوم نہیں کیا حیثیت رکھتی ہے ہ خالصاً بریلوی ہی تحریر کرتے ہیں کہ بعض مجتہد بدست یا نیم تلامذہ ثبوت پرست یا جھوٹے صوفی یا بدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابلہ میں بعض ضعیف قصص یا محتمل واقعہ یا متشابہ پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصد ابے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف متعین کے آگے محتمل محکم کے حضور متشابہ واجب الترتیب ہے الخ احکام شریعت حصہ اول ص ۲۷)

و ثانیاً پیشتر حوالے مؤلف مذکور نے اپنے اعلیٰ حضرت کی کتابوں مثلاً نفی الفی اور صلات الصفا وغیرہ سے نقل کئے ہیں اور خانصاحب صلات الصفا میں اس روایت کو امام عبدالرزاق کے مصنف کی طرف منسوب کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں امام مجمل سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاستاذ حافظ الحدیث احمد الاعلام عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام نے اپنی مصنف میں حضرت سیدنا و ابن سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی اہل کتاب مصنف عبدالرزاق طبع ہو چکی ہے ہم مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے نہایت ہی مشکور ہوں گے کہ وہ یہ روایت مصنف سے ہمیں بتا دیں اور ان کے علاوہ ہی صلات الصفا میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث امام بیہقی نے بھی دلائل النبوة میں بخود روایت کی اہل اس سے معلوم ہوا کہ امام بیہقی کی نقل کردہ روایت کے الفاظ بعینہا وہ نہیں جو امام عبدالرزاق کی روایت کے ہیں ورنہ ان کے اعلیٰ حضرت بخود نہ کہتے مثلاً کہتے دیکھو کہ محدثین کرام کے نزدیک جب روایت بالمعنی ہو تو اس موقع پر وہ اوکا قال اوخوہ اور شبہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں ملاحظہ ہو تدرب الراوی ص ۳۱۸ وغیرہ اور چونکہ اس روایت میں مرکزی الفاظ نور کے ہیں اس لئے خانصاحب کے بخود کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دلائل النبوة للبیہقی کی روایت میں شاید یہ لفظ نہیں ہیں یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خانصاحب نے اس کے الفاظ نقل نہیں کئے ورنہ وہ ایسے موقع پر ان کو بھی نظر انداز نہ کرتے بہر حال اصل حقیقت تو دلائل النبوة کی روایت کے الفاظ اور اس کی سند سامنے آنے ہی سے واضح ہو سکتی ہے ویسے نہیں۔

و ثانیاً مؤلف مذکور نے بعض بزرگوں سے اس مضمون کی اجمالاً و تفصیلاً کچھ عبارت نقل کی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور سب سے پہلے پیدا ہوا اور اس لحاظ سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے کہ ان بزرگوں نے اس سے استدلال کیا ہے۔ اور علامہ بوسنوی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ سب سے پہلے روح محمدی کی خلقت ہوئی لیکن ان تمام حوالوں سے ان کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حدیث کی صحت اتصال سند اور اس کے روات کے ثقہ ہونے سے ثابت ہوتی ہے محض اس کو نقل کرنے سے اس کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی کما یخفی اور نہ صرف نقل کرنے سے اظہار اعتماد ہوتا ہے خصوصاً ان حضرات کی نقل جو محض صوفی اور بزرگ ہیں اور فن حدیث کی پرکھ اور نقد و جرح کی جہات ان کو نہیں علاوہ انہیں ہم نے تنقید

۱۲۹۰-۱۳۱۰ھ میں باحوالہ یہ بات تحریر کی ہے کہ نور محمدی سے روح محمدی مراد ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ نور محمدی کا مطلب روح محمدی ہے الا قول اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ عبدالحق صاحب نے مدارج النبوة ج ۱ ص ۱۷۱ میں دعویٰ کیا ہے تو اس معنی کے لحاظ سے اس کی کسی نص سے کوئی تضاد نہیں لہذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں ہاں اس سے نصوص قطعیہ صریحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت، آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا کہ بعض اہل بدعت کا دیرہ ہے قطعاً غلط اور سراسر بے بنیاد ہے الخ تنقید متین ص ۱۳۱ افسوس ہے کہ مؤلف مذکور نے نہ تو ہماری یہ عبارت نقل کی ہے اور نہ اس کا حوالہ دیا ہے جواب دینا تو درکنار ہر حال کمالہ علمی طور پر ان پر لازم تھا کہ ہماری اس عبارت کا حوالہ دیتے مگر ان کو دیانت و انصاف سے کیا واسطہ؟ ان کو تو اپنے حواریوں کے سستی شہرت کی داد حاصل کرنا ہے اور اہل حق کے خلاف اپنے دل کا وبال نکالنا ہے واپس الغرض ہمارا یہ اعتراض کہ اس حدیث کی سند اور روات کی توثیق معلوم نہیں بدستور باقی ہے اس کا بھی تک کوئی جواب نہیں دیا جاسکا اودھ اودھ کی باتیں کر کے اور غیر معصوم اقوال و عبارات اور غیر متعلق حوالے نقل کر کے ان کا جواب تصور کر لینا طفل نسل کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اس حدیث کی باحوالہ سند اور روات کی کتب اسماء الرجال سے توثیق مطلوب ہے و دودنہ خطہ انقشاد۔

اولیت اضافی کا جواب یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے ص ۱۶ تا ص ۱۸ تک جو کچھ لکھا ہے اس کا نہایت اختصار سے خلاصہ اور تجزیہ یہ ہے۔

(۱) سر قزاق صاحب نے حدیث جابر کو رد کرنے کے لئے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ حضور اقول خلق نہیں موضوعات کبیر میں ہے کہ قائم اول خلق ہے تنقید ص ۱۱۱ میں ہے کہ اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے قلم تقدیر پیدا کیا گیا تو بلا وجہ قلم کے اول حقیقی ہونے کے بجائے اول اضافی پر محمول کرنا قابل ماعت نہیں۔

(۲) مولوی صاحب نے دبی زبان سے اعتراف کیا ہے کہ مرقات ج ۱ ص ۱۴۹ اور جمع الوسائل میں اول مخلوقات میں آپ کے نور کا ذکر ہے اور خود ان کتابوں میں تصریح ہے کہ نور سے روح مراد ہے مولوی صاحب کو معلوم تھا کہ اگر مرقات کی ایمان افروز عبارت نقل کر دی تو قصہ دیوبند منہدم ہو جائے گا اس لئے اس کو دیوالی کی پوریاں سمجھ کر صاف مبہم کر گئے ہیں جس کو نقل کرنے سے وہ خوف کھاتے ہیں عبارت (کا ترجمہ یہ

ہوئی کہ قلم کو اول مخلوق کہا گیا آپ کے مذہب غیر مذہب میں فرمان نبوی بھی قابل سماعت نہیں؟ تو یکبارہ
ابھی بند نہیں ہوا ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ فکر آخرت کرو اور توبہ کرو ورنہ تنقیص رسالت میں بیڑوں
کے حساب سے لکھی ہوئی کتابیں آپ کی لٹیاؤں بننے کے لئے کافی ہیں اور ان کی فروخت سے جو دنیاوی
سکے حاصل کئے ہیں وہ اس دن کام نہ آسکیں گے۔

(۵) سرفراز صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ نور سے مراد روح ہے جیسا کہ ملا علی القاری نے لکھا ہے یہیں
مصر نہیں اولا اس لئے کہ نور ہوا روح ہو مقصد تو یہ ہے کہ آپ اول خلق ہیں و ثانیاً اس سے آپ کو
کوئی نفع نہیں نفع تب ہوتا کہ نور اور روح میں تباہی ہو تا حالانکہ ملا علی القاری فرماتے ہیں۔ آپ کا فرمان
کہ سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے کہ میری روح کو پیدا کیا دونوں کا معنی
ایک ہے کیونکہ ارواح نورانی ہوتی ہیں۔

(۶) سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ محققین شرح حدیث اور ارباب تاریخ نے جہاں اول المخلوقات
کی تحقیق اور بحث کی ہے وہاں قلم عرش اور عقل وغیرہ کا ذکر تو کیا ہے مگر نور کا ذکر نہیں کرتے (تفہیم)
جو اب اعرض ہے کہ ہم مابقی میں امام عبدالرزاق، امام بیہقی، امام احمد قسطلانی، امام زرقانی،
عبد القادر الجرجانی، ملا علی القاری، محض شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کا کلام نقل کر چکے ہیں
اس میں غور فرمائیے کہ یہ اکابر ائمہ اولیت خلق میں نور محمدی کا ذکر کرتے ہیں یا نہیں؟ یہ اور بات ہے کہ جن
کی آنکھوں پر المیہ نے بغض رسالت کی چٹی باندھ دی ہو انہیں عبارت میں نور محمدی نظر نہیں آئیگا۔

(۷) سرفراز صاحب حدیث جابر پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی سند کا علم نہیں کیسی ہے اور امام
عبدالرزاق شیعہ تھے گو کوفی نہ تھے اور بعض چیزوں میں وہ منفرد بھی ہے خصوصاً فضائل کے بارے میں اور
ان کا ساتھ بھی کسی نے نہیں دیا (مصلحت تنقید) محض تشیع کی طرف نسبت سے امام عبدالرزاق کی روایت
کو ناقابل اعتبار قرار دینا صحیح نہیں ہے اہل بدعت کی روایات کے بارے میں شیخ محقق مقدمہ شرح مشکوٰۃ
میں ارقام فرماتے ہیں کہ مختار یہ ہے کہ اہل بدعت کی روایت اگر اس کے مسلک کی تہذیب اور ترویج میں
ہو تو مقبول نہ ہوگی اور اگر ایسی نہ ہو تو مقبول ہوگی اور جامع الاصول کے حوالے سے لکھا ہے کہ ائمہ حدیث
نے حواجج۔ قدریر۔ روافض اور دیگر اہل بدعت سے بھی روایت لی ہیں چلو اگر امام عبدالرزاق شیعہ
تھے تو اہل بدعت تو شیعہ تھے جنہوں نے دلائل نبوت میں یہ روایت نقل کی ہے علاوہ انہیں امام عبدالرزاق

ہے ابن حجر نے کہا کہ اول مخلوق کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور خلاصہ یہ ہے جیسا کہ میں نے شرح شمائل
ترمذی میں بیان کیا ہے کہ بالیقین اول مخلوقات وہ نور ہے جس سے نبی علیہ السلام کو پیدا کیا گیا پھر پانی کو
پھر عرش کو۔ ملا علی القاری کے اس کلام سے ظاہر ہو گیا کہ حضور کی اولیت کو حقیقی قرار دینے میں وہ تنہا
نہیں ہیں بلکہ ابن حجر بھی اس کی تصریح کرتے ہیں اور صاحب الزکریا بھی ایسا ہی کہتے ہیں اور بے شمار دیگر
علماء اسلام نے نور محمدی کی اولیت حقیقی پر نص صریح قائم کی ہے جیسا کہ مابقی میں حوالے گذر چکے ہیں۔

(۸) انصار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی مقادیر کو آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے پچاس ہزار
سال پہلے لکھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا یعنی قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو
چکا تھا اور وہ پانی پر تھا اس کو سلم نے روایت کیا اور ابن عباس سے وہ ان عرش علی الباقی کے بارے میں
استفسار کیا گیا کہ عرش تو پانی پر تھا پانی کس چیز پر تھا تو فرمایا کہ ہوا کی میچ پر اسے بیٹھنے کے لئے روایت کیا۔
دیس ثابت ہوا کہ قلم کی پیدائش ہوا پانی اور عرش کے بعد ہے اور جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ نور
محمدی ہے جیسا کہ میں نے المور والمولد میں بیان کیا ہے۔

(۹) شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوة ج ۲ ص ۱۱۱ میں ارقام فرماتے ہیں۔ جان لو کہ اول
مخلوقات اور واسطہ خلق عالم و آدم نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ
تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا پھر آگے اول خلق میں عقل کا ذکر بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ
محققین اور محدثین کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں اور پھر آگے قلم کا ذکر کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے
پس معلوم ہوا کہ قلم کی پیدائش سے پہلے کچھ ہو چکا تھا اور وہ عرش و کرسی اور ارواح تھیں اور نور محمدی
ان سب سے پہلے پیدا ہوا پس اس تقدیر پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ماکان سے مراد اس نور کے صفات
اور احوال ہیں اور مایکون سے مراد وہ امور ہیں جو بعد میں دنیا میں ظاہر ہوں گے۔

مولف مذکور لکھتے ہیں کہ ملا علی القاری صاحب الزہار اور شیخ محقق کے اس محققانہ کلام کو دیکھنے
اور مولوی سرفراز صاحب کے کثرت مطالعہ پر تحسین و آفرین کیجئے وہ تو عدوت رسول میں روایت صحیح
مسلم دیوانہ وار یہ ثابت کر چکے تھے کہ قلم سب سے پہلے پیدا ہوا اور ثابت یہ ہوا کہ قلم جو تھے نمبر پر ہے جب
خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا اور آپ کے فرمان
صریح سے اس کی اولیت اضافی ثابت ہو گئی تو اب جناب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید کی جرات کیونکر

اس میں منفرد نہیں بلکہ عام اور محمدی کے اول خلق ہونے میں امام کے ساتھ ہیں جن کی عبارتیں گذر چکی ہیں لہذا سرفراز صاحب کا یہ کہنا کفضائل میں انہوں نے ایسی روایات بھی ذکر کی ہیں جن میں ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ بالکل غیر متعلق ہے۔

(۸) نور محمدی کے اول خلق ہونے کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی سرفراز صاحب نے کہا کہ ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر مسلمانوں کو کیا پڑی ہے کہ وہ قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح و متواتر حدیث کی تاویل بے جا کریں اور معاذ اللہ تعالیٰ ان کو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوں اور آتش و دوزخ کا ایندھن بنیں معاذ اللہ تعالیٰ (تنفید ص ۱۱۱)

اب آئیے درامولوی سرفراز صاحب کے حکمی خاندان پر نظر ڈالیں کہ ان میں سے کتنے صاحب جہہ و دستار جنم کا ایندھن بن چکے ہیں۔ سرخیل دیوبند مولوی قاسم نانوتوی محدثات عشرہ میں محدود اول کے جواب میں لکھتے ہیں۔ اب سنیہ کہ روح پر فتنہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جو اصل موصوف نبوت ہے اور ارواح انبیاء باقیہ کے لئے موقوف علیہ ہے اور اسی وجہ سے آپ کو تقدم بالخلق لازم ہوا مگر مخلوقیت روحانی کو تولد جسمانی لازم نہیں اور آپ کے نزدیک لازم ہو تو ثابت کیجئے۔ اور اول ماخلق اللہ نوری وغیرہ مضامین کی تغلیظ فرمائیے (الی ان قال) اور اگر یہ سزا اس جرم کی ہے کہ میں نے موقوف علیہ کیوں کہا اول ماخلق اللہ نوری کیوں نہ کہا تو اب سہی،

معیار دیوبند کے اس مضمون سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے (۱) نور محمدی اول مخلوق ہے (۲) نبی علیہ السلام تمام انبیاء کے لئے موقوف علیہ ہیں (۳) آپ کی نبوت بالذات اور باقی انبیاء کی نبوت بالعرض ہے (۴) اول ماخلق اللہ نوری نہ صرف لائق احتجاج ہے بلکہ دیوبند کے پیر مغال نے اس سے استدلال کر کے بے شمار نصوص قرآنیہ کو رد کیا مگر اس کی انشاء اللہ تعالیٰ تحذیر الناس ص ۱۱۱ پر دلائل کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے مولوی قاسم صاحب نے کہا۔

باقی رہا آپ کا وصف نبوت میں واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہونا اور انبیاء و ماتحت علیہ علیہم السلام کا آپ کے فیض کا مروض اور موصوف بالعرض ہونا وہ تحقیق معنی خاتمیت پر موقوف ہے جس کی شرح و بسط کا مینہی اوپر کر چکا ہوں۔

اس کے بعد مولف مذکور لکھتے ہیں کہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ جو موصوف بالعرض بواسطہ فی العروض ہو

ان کے ساتھ وصف کا قیام نہیں ہوتا بلکہ وصف کا قیام موصوف بالذات کے ساتھ ہوتا ہے اور موصوف بالعرض کو مجازاً موصوف بالذات کی مجاورت کی وجہ سے موصوف کہتے ہیں مثلاً جالس فی السفینۃ کے ساتھ حرکت کا قیام نہیں ہوتا لیکن اس کو مجازاً متحرک کہتے ہیں کیونکہ وہ متحرک بالذات یعنی سفینہ کا مجاور ہے جو کہ واسطہ فی العروض ہے پس اس تقریر سے لازم آتا کہ باقی تمام انبیاء کے ساتھ وصف نبوت قائم نہ ہو اور نبی علیہ السلام سے مقارنت کی بنا پر انہیں مجازاً نبی کہا گیا ہو۔ مولوی قاسم صاحب نے اپنے کلام میں حضور کے سوا تمام انبیاء کی نبوت کا انکار کر کے قرآن کی صمدی نصوص کو رد کر دیا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَنفَرِقْ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رَّسُولِهِ علماء ابوالسعود فرماتے ہیں اس لئے کہ معتبر یہ ہے کہ رسولوں کے درمیان نفس رسالت میں فرق نہ کیا جائے نہ کہ باقی اوصاف مخصوصہ میں۔ مولف مذکور لکھتے ہیں اور ابغیر دیوبند کی منطق فرمائیے شاید ملاحظہ فرمائیے ہو۔ صفدر جنہوں نے نبی علیہ السلام اور انبیاء علیہم السلام میں نفس رسالت میں فرق کیا اور آپ کے لئے وصف نبوت کو واسطہ فی العروض کے مرتبہ میں مان کر باقی انبیاء سے نبوت کی نفی کر دی اور اس کی بنیاد وہی مقدمہ ہے جس کو وہ کہیں موقوف علیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور کہیں اول ماخلق اللہ نوری سے فی الجملہ اب سرفراز صاحب سے پوچھنے دیجئے کہ اگر یہ روایت باطل اور موضوع ہے تو اس کو ماننے والوں میں آپ کے پیر مغال بھی شامل ہیں ان کے بارے کیا ارشاد ہوگا؟

اور اس باطل روایت کے چکر میں پڑ کر نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کا انکار کون کر رہا ہے اور اس موضوع روایت کو اساس بنا کر ایک نئے عقیدہ کی طرح کس نے رکھی۔

ع وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا اگر اجازت ہو تو اب ہم بھی کہہ دیں کہ مولوی قاسم نانوتوی نے اس ایسی چکر میں پڑ کر قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح متواتر احادیث کی تاویل بے جا کی ہے اور معاذ اللہ ان کو رد کر کے خداوندی کا شکار ہوئے اور اپنے آپ کو آتش و دوزخ کا ایندھن بنا لیا ہے اور سچ پوچھنے تو قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں جس غلطی اور بروزی نبوت کا راستہ دکھایا ہے اس راہ پر چل کر مرزا ملعون نے دعویٰ نبوت کیا اور امت دیوبند آج تک مرزا ایدہ کے اس استدلال سے جان نہیں چھڑاسکی اگر اب بھی آپ کی طبیعت صاف نہ ہوئی تو لیجئے حکیم الامت حاضر ہیں وہ بقول آپ کے باطل روایت

کے چکر میں پڑ کر جنم کے کس طبقہ میں جانے پہنچے ہیں حضرت جابرؓ کی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد مولوی اشرف علی تھانوی نے ف سے فائدہ کا عنوان قائم کیا کہتے ہیں۔

ف اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا اس حدیث میں مخصوص ہے انتہی (نشر الطیب ص ۱۱) لیکن ان حکیم صاحب نے تو آپ کے سارے کئے دھڑے پر پانی پھیر دیا آپ کسی طور پر اولیت حقیقیہ نہیں مانتے اور فقہانہ جھوٹ کے حکیم الامت اولیت حقیقی کو مخصوص قرار دیتے ہیں اب یا تو اپنی جہالت کا اعتراف کر کے حکیم الامت کے پیر پکڑ لیجئے یا انہیں جاہل اور غالی قرار دے کر جہنم میں جھونکیئے یہ آپ کا اور آپ کے آبا کا معاملہ ہے ہم نے صلح صفائی کی غرض سے ایک معاملہ بھی کی بات عرض کی ہے محصلہ (ص ۱۶ تا ۱۷)

الجواب۔ مؤلف مذکور نے اس ساری گرفت میں اسی جہل مرکب کا ثبوت دیا ہے جس کے بھنور میں وہ ساری کتاب میں غوطے کھا رہے ہیں اور کسی طرف نکلنے کی راہ نہیں پاتے اور اپنے بڑوں کی سنت اس مقام پر بھی انہوں نے پوری کی ہے کہ اصل اور مکمل عبارات سے کیونکر کی طرح آنکھیں بند کر کے کوئی اٹھوڑی عبارت لے لی اور اس پر کج بحثی شروع کر دی اور اپنی طرف سے عبارات کے معانی اور مطالب تیار کر کے ملغوبہ بنا کر دل کی بھڑاس نکالنا شروع کر دی صدا فوس ہے اس علم و دیانت پر اور ہزار ترف ہے ایسی تحقیق پر آپ ترتیب وار جوابات سنئے۔

(۱) جس طرح ہم نے کتب حدیث کے حوالہ سے اول ماخلق اللہ القلم کی حدیث نقل کی ہے اور سابقہ ہی اس کی تصحیح میں باحوالہ عرض کر دی ہے مؤلف مذکور کا یہ اخلاقی اور علمی فریضہ تھا (اور ہے) کہ وہ اول ماخلق اللہ نورؓ کی حدیث کسی بھی حدیث کی معتبر کتاب سے باسند نقل کرتے اور پھر اس کی سند کی تصحیح بھی ساتھ نقل کرتے مگر وہ ایسا نہیں کر سکے اور انشاء اللہ العزیزہ نہیں کر سکیں گے تو جو روایت داؤل ماخلق اللہ القلم کتب حدیث میں موجود ہے اور محمدؐ میں کلام کی تصریح کے ساتھ وہ صحیح بھی ہے تو اس کو کیوں نہ اول حقیقی پر محمول کیا جائے اور اس کے مقابلہ میں غیر ثابت روایت کو کیوں اول حقیقی پر محمول کیا جائے کیونکہ بقول آپ کے اعلیٰ حضرت کے حدیث ماننے کے لئے ثبوت درکار ہے اور اسی سے آپ اور آپ کی جماعت عاجز ہے آپ کو وہ سند سامنے لانی چاہیے جس سے یہ روایت مروی ہے تاکہ سند

کے لحاظ سے اس بحث کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے (دیدہ یا دید)

(۲) ہم نے تنقید متین ص ۱۲۹ و ص ۱۳۱ میں شرح الشفا لما علی القاری مرقات اور نسیم الریاض للخطابی اور نشر الطیب ص ۵ کے حوالہ سے یہ عرض کیا ہے کہ نور محمدی سے مراد روح محمدی ہے۔ اور اس کے بعد یہ عرض کیا ہے۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ عبدالحق صاحب نے مدارج النبوة ج ۱ ص ۱۱ میں دعویٰ کیا ہے تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں لہذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں ہاں اس سے نصوص قطعیہ صریحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت۔ آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا بعض اہل بدعت کا وتیرہ ہے قطعاً غلط اور سرسری بنیاد ہے الخ (تنقید متین ص ۱۳۱)

غور فرمائیے کہ ہماری اس تصریح کے بعد مرقات کے حوالہ سے قصردیوب بند پر کیا زد آتی ہے؟ اور کیا اس سے اس کی کوئی اینٹ یا روڑ یا پلستر ہی اپنی جگہ سے ہلتا ہے؟ بلکہ ان حوالوں سے تو قصردیوب بند اور مضبوط ہوتا ہے کہ جو معنی مرقات میں حضرت ملا علی القاریؒ نے بیان کیا ہے وہی معنی حضرت تھانویؒ نشر الطیب میں بیان کرتے ہیں اور ہماری عبارت میں تضاد سے مراد جیسا کہ تنقید متین کی عبارت سے بالکل ظاہر ہے ایسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس طرح تو تسلیم کیا جائے جس سے آپ کی بشریت کا رد لازم آتا ہو جو قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اس میں تضاد ہے مگر مؤلف مذکور اپنی کم فہمی اور جہالت کی وجہ سے اول ماخلق اللہ القلم کی حدیث کا اول ماخلق اللہ نورؓ سے تضاد سمجھ رہے ہیں اور ان میں سے ایک کو بعض حضرات اول حقیقی پر اور دوسرے کو اول اضافی پر حمل کرتے ہیں گو ہمارے نزدیک اول ماخلق اللہ نورؓ کی حدیث سند کے لحاظ سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے اور تو اس میں نور سے مراد روح ہے جس کی ہم نے تصریح کی ہے اور لکھا ہے کہ اس سے کسی نص کے ساتھ تضاد لازم نہیں آتا اور اس کے تسلیم کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں کیونکہ اس بیان کے مطابق آپ کی ذات بشر اور آپ کی صفت نور ثابت ہوتی ہے۔ اور تنقید متین میں ہم نے اس کی تصریح کی ہے بلاشبہ حضرت ملا علی القاریؒ اول المخلوقات میں آپ کے نور کا ذکر کرتے ہیں اور اسی کو راجح قرار دیتے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ اول خلق کے بارے اختلاف تو نقل کرتے ہیں لیکن ترجیح حدیث قائم کو دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہی حدیث صحیح ہے جیسا کہ موضوعات کبیر

کے حوالہ سے یہ بات تنقید متین میں عرض کر دی گئی ہے لہذا مؤلف مذکور کا حافظ ابن حجر کو حضرت علامہ القاری کا اس میں ہمنوا قرار دینا محض سینہ زوری ہے حافظ ابن حجر مکی کا اس کی تردید کرتے ہیں کہ اول مخلوقات میں نور کی حدیث ہونہ یہ کہ اس کی تائید کی تصریح کرتے ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور نے کم فہمی سے یہ سمجھ لیا ہے۔ اسی طرح علامہ اسلام اور انہار کی عبارت میں آپ کے نور کے اول مخلوقات ہونے کا ذکر ہے اور دیگر بہت سے علماء نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن نزاع اس میں ہے کہ صحیح حدیث کی رو سے اول مخلوقات کیا ہیں ثابت ہے نزاع علماء کی عبارت اور اقوال کے بارے تو نہیں خدا کرے کہ مؤلف مذکور بات کو سمجھ سکیں۔

(۳) انصار کی عبارت میں سلم کی جن روایت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ۔
کتب اللہ مقادیر الخلاق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسين الف سنة قال وعرضه على السماء۔
اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔
(مسلم ج ۲ ص ۳۳۵)

اس صحیح اور مرفوع روایت سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ مخلوقات کی تقدیر آسمان اور زمینوں کی خلقت سے پچاس ہزار سال قبل لکھی گئی اس میں قلم کی خلقت کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ کب ہوئی ممکن ہے کہ قلم تقدیر کی خلقت اس سے بھی بہت قبل ہو لیکن اس کے ساتھ لکھنے کا معاملہ آسمانوں اور زمین کی خلقت سے پچاس ہزار سال قبل ہوا جیسا کہ زمین کا مادہ آسمانوں کی خلقت سے پہلے بنایا گیا اور دوزخ میں کیا گیا، بعد کو ہوا وغیرہ جیسا کہ روایت سے قلم کی پیدائش کے بارے قطعیت سے کچھ ثابت نہیں ہوتا ہاں اس سے بظاہر عرش اور پانی کی خلقت آسمانوں اور زمینوں کی خلقت سے پہلے ثابت ہوتی ہے جیسا کہ امام نووی الشافعی راتونی ص ۶۷ لکھتے ہیں کہ۔

وعرضه على الماء اى قبل خلق السموات والارض والله اعلم وشرح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ پہلے پانی پر تھا۔

صاحب انہار کی یہ تفریع یعنی قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو چکا تھا اور وہ پانی پر تھا اس کو مسلم نے روایت کیا ہے یہ ان کا اپنا ذاتی نظریہ اور خانہ زاد تفریع ہے اور یہ تفریع اور بہت سے علماء سے منقول ہے بلکہ بعض نے اس کو الاصح اور بعض نے قول الجمهور سے تعبیر کیا ہے۔ مگر مسلم کی روایت میں

اس کا کوئی ذکر نہیں اسی طرح حضرت ابن عباس کے موقف قول اور اثر سے صرف اتنا ثابت ہے کہ پانی ہوا کی پیش پر تھا نہ تو اس قول سے قلم کی خلقت کی اولیت کی نفی ہوتی ہے اور نہ ان مذکورہ اشیاء سے اس کی خلقت کی تاخیر ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ کسی بھی صاحب فہم سے مخفی نہیں اسی طرح مؤلف مذکور کا یہی عقیدہ یہ جملہ لکھنا پس ثابت ہوا کہ قلم کی پیدائش ہوا پانی اور عرش کے بعد ہے، یہ ان کی اہواں سے پیشہ و علماء کی غلط تفریع ہے اس حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں عبارت کے آخر میں صاحب ازحار کا یہ دعویٰ کہ اور جو چیز سے پہلے پیدا ہوئی وہ نور محمدی ہے جیسا کہ میں نے المورد لاسولہ میں بیان کیا ہے نہ را دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ ہمیں تو ثبوت ایسی صحیح حدیث سے درکار ہے جو اسناد ہو اور محدثین کرام سے اس کی باحوالہ تصحیح منقول ہو کہ اول مخلوقات نور محمدی ہے صاحب انہار کے غیر معصوم قول سے یہ مسئلہ تو ثابت نہیں ہوتا اور نہ ثابت ہو سکتا ہے مگر افسوس ہے کہ مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے علماء میں بات سمجھنے کا سرے سے سلیقہ ہی نہیں اور نہ دعویٰ اور دلیل کی تقریب نام کا وہ خیال کرتے ہیں۔

(۴) بلاشبہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اول مخلوقات میں نور محمدی کی حدیث کے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن ہمارا اور اہل بدعت کا نزاع اسی بات میں ہے کہ اول ماخلق اللہ نور کی حدیث۔ حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ اس کی سند کیا؟ اور کیسی ہے؟ محض حضرت شیخ عبدالحق صاحب کے صحیح کہنے سے بے ثبوت روایت صحیح تو نہیں ہو جاتی حدیث کی صحت کے لئے ثبوت اور سند درکار ہے اور وہی کوہ کندہ اور کاہ برآورون کا مصداق ہے۔

آگے ان کی جنہی تفریعات ہیں وہ اسی پر متفرع ہیں کہ یہ مذکور حدیث صحیح ہے حالانکہ اس کی صحت کسی طرح بھی اصول کے لحاظ سے ثابت نہیں اول مخلوقات میں عقل کی حدیث کی انہوں محققین کے حوالے سے تضعیف کر دی ہے لیکن حدیث اول ماخلق اللہ القلم بھی انہوں نے نقل کی ہے اور اس کے بارے یہ تحریر فرمایا ہے کہ روایت اول ماخلق اللہ القلم نیز گفتہ اند کہ بعد العرش والماء است و واقع شدہ است و کان عرش علی الماء۔ (مدارج النبوة ج ۲ ص ۱۷۱) اور یہ ایک تاویل ہے۔ اس حدیث سے قبل اور بعد علی التبعین کچھ ثابت نہیں کیا۔

یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں کسی کا کلام بھی محققانہ نہیں ہو سکتا جب اول ماخلق اللہ القلم کی حدیث صحیح ہے تو سزاوار کیا ہر مسلمان کو محبت رسول کے جذبہ سے اس پر دیوانہ وار تفریق

ہونا چاہیے اور صحیح حدیث کے پیش نظر قلم کو اول خلق سمجھنا چاہیے اور اس کے مقابلہ میں جملہ اقوال کہنا سب تو جبر اور تاویل کی جائے نہ ہو سکے تو رد کر دے جائیں کیونکہ ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے اگر فیصلہ تعالیٰ راقمِ آئیم کا مطالعہ قوی اور وسیع نہ ہوتا تو بے ثبوت حدیث کو آنکھیں بند کر کے پتلے باندھ لیتا اور صحیح حدیث تک رسائی ہی نہ ہوتی مگر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی سے صحیح حدیث تک رسائی ہو گئی وذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء۔

مؤلف مذکور کا حقائق سے چشم پوشی کر کے اور جبلِ مرکب کے گھوڑے پر سوار ہو کر یہ لکھنا جب تو جبراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا الی قولہ تو آنجناب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید کی جرات کیونکر ہوئی الی ان کے خبث باطن کا نتیجہ اور خالص جبل و ملیس ہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز مصاحفہ کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا ہے۔ یہ سمجھنے والے حضرات کی خود اپنی ذاتی تفریع ہے وہ کون مسلمان ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ اس کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ثابت شدہ قول کی تردید کی جرات ہو؟ اور وہ تردید کر کے مسلمان بھی رہ سکتا ہو؟ حاشا وکاشا وکلا ع۔ اس خیال است و محال است وجنوں!

قارئین کرام! کیا ہم مؤلف مذکور کی بولی میں یہ کہنے میں حق بجانب نہیں کہ وہ معاذ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغض میں آکر آپ کی صحیح حدیث اول ماخلق اللہ القلم کو رد کر رہے ہیں یہ جرات ان میں کیونکر آئی؟ کیا ان کے مذہب ناہنذب نے ان کو یہ طریق سکھایا ہے؟ یا غیر معصوم اقوال و آراء کے تحت وہ نبی معصوم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کو رد کر رہے پرتلے ہوئے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) ابھی تو یہ کا دروازہ کھلا ہے تو یہ ورنہ سوئم چہلم اور عرسوں کے لہذا کھانے اور گیارہویں شریف کی مٹھائیاں اور حلیمیاں آپ کو ہرگز عذاب خداوندی سے نہیں چھڑا سکیں گی۔ اور آپ کو یقیناً وقت آنے پر کف افسوس ملتا پڑے گا مگر اس وقت کہ جب۔

ع اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ راقمِ آئیم کو کتابوں سے ذہنی مفاد اور سکے تو چنداں حاصل نہیں ہوئے اور لکھنے کا مقصد بھی یہ نہ تھا جیسا کہ مؤلف مذکور کی بدگمانی ہے البتہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقمِ آئیم کی مدلل اور باحوال کتابوں سے ہزاروں لوگ شریک و بدعت سے تاب ہو گئے ہیں۔

(۵) ہمارے دعویٰ کا مرکز یہ نقطہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بایں معنی نور تسلیم کرنا جس سے

آپ کی بشریت کا انکار لازم آئے یہ عقیدہ غلط ہے اور اس سے نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ کا رد لازم آتا ہے جو بجائے خود کفر ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) اگر اول ماخلق اللہ نور ہی کی حدیث صحیح بھی ثابت ہو جائے اور نور سے روح مراد ہو تو چونکہ اس سے نصوص کا رد لازم نہیں آتا اس لئے یہ درست ہے ہم نے تقید نہیں میں اس کی تصریح کی ہے جس کو مؤلف مذکور شریعت صمدل سمجھ کر پی گئے ہیں ہمارے دعویٰ کا بنیادی نقطہ یہ نہیں ہے کہ اول خلق قلم ہے یا نور محمدی ہے ان میں سے جو سنا بھی اول حقیقی ثابت ہو گیا دوسرا اضافی ہو جائے گا۔ مگر چونکہ ہماری دانست اور تحقیق کے مطابق اول ماخلق اللہ القلم کی حدیث صحیح اور ثابت ہے اس لئے اس کو محض غیر معصوم اقوال و آراء کی خاطر ترک کر دینا مستحسن بات نہیں ہے حضرت علامہ اعجاز نے جو یہ فرمایا کہ ارواح نورانی ہوتی ہیں تو بجائے کیونکہ روح کی تعریف عند البعض یہ ہے جسم لطیف سار فی بدن الانسان اور دوسرے الفاظ میں بھی جسم لطیف نورانی کہلاتا ہے لیکن اس سے مؤلف مذکور کو کوئی فائدہ نہیں اور میں کوئی نقصان نہیں۔ کمالاً مخفی۔

(۶) امام عبدالرزاق اور امام بیہقی نے تو تشریح حدیث میں ہیں اور نہ انہوں نے اول المخلوقات کا اختلاف چھیڑا اور اس پر بحث و تحقیق کی ہے انہوں نے تو بقول آپ کے اعلیٰ حضرت وغیرہ کے صرف اول ماخلق اللہ نور کی حدیث نقل کی ہے جس کی صحت ہی محل نزاع ہے امام قسطلانی اور علامہ زرقانی بلاشبہ اول ماخلق اللہ نور کی نقل کرتے اور بظاہر اس کو ترجیح دیتے ہیں لیکن یہ دونوں بزرگ سیرت نگار ہیں اور سیرت کی کتابوں میں رطب و یابس سب کچھ ہوتا ہے تحقیق بہت کم ہوتی ہے چنانچہ آپ کے اعلیٰ حضرت ہی ایک مقام پر معارج النبوت کے بارے لکھتے ہیں کہ کتاب میں رطب و یابس سب کچھ ہے احکام شریعت پر صحت اسلئے ہم نے تحقیق تشریح حدیث اور ارباب تاریخ کی قید لگائی ہے بایں ہمہ بزرگ حتمی طور پر نور کی اولیت ہی کا ذکر نہیں کرتے بلکہ وہ اولیت اضافیہ کو بھی نظر انداز نہیں کرتے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔

ودوی السدی باسانید متعددہ ان اللہ لم یخلق
اور سدی نے متعددہ اسانید سے روایت کیا ہے کہ اللہ
شیخا ماخلق ای من جمیع المخلوقات تعالیٰ نے جو اشیا پیدا کی ہیں یعنی تمام مخلوقات میں
قبل الماء فیجمع بینہ و بین ما قبلہ سے پانی سے پہلے کوئی چیز نہیں پیدا کی اس روایت
من حدیثی جائزہ والی ذریعہ بان اولیۃ میں اور اس سے پہلی روایت میں جو حضرت جابر

خلقه القلم بالنسبة الى ما عدا النور
المحمدى والماء والعرش انتهى وقيل
في الجمع ايضا الاولية في كل من المذكورين
بالإضافة الى جنسهما اول ما خلق
الله من الانوار نورى الضمير لله صلى
الله عليه وسلم وكذا يقال في باقيها
اى اول ما خلق مما يكتب القلم الذى
كتب المقادير اول ما خلق مما يصدق
عليه العرش عرش الله اذ العرش
يطلق على معان كما في القاموس اه
(المواهب مع شرحه للزرقانى ج ۳ ص ۴۰)

اور حضرت ابو زریں کی روایتیں میں تطبیق یہ
ہے کہ قلم کی اولیت خلقت کے لحاظ سے نور محمدی
اور پانی اور عرش کی خلقت کے سوا ہے ان کی بات
پوری ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے تطبیق کے سلسلہ
میں کہ اولیت ہر ایک کی ان مذکورہ چیزوں میں
سے اپنی مجلس کی طرف اضافت کے اعتبار سے ہے
یعنی انوار میں سے سب سے پہلے میر انور پیدا کیا گیا
اور ضمیر متکلم (آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف
راجع ہے اور اسی طرح باقی امور کے متعلق کہا گیا
ہے یعنی قلموں میں سب سے پہلے قلم تقدیر اور مخلوق
میں سب سے پہلے عرش پیدا کیا گیا کیونکہ عرش کا
اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے جیسا کہ قاموس میں ہے۔

اس عبارت میں تصریح ہے کہ امام احمد قسطلانی جو ماتن ہیں اور امام عبد الباقی زرقانی جو شارح ہیں
اولیت اضافیہ کو بھی برابر بیان کرتے اور اس کو عملی طور پر ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور حضرت ملا علی القاری شارح
حدیث میں ہیں اور محقق بھی ہیں مگر ان کا حوالہ ہم نے تنقید میں ۱۲۹ میں دیا ہے شیخ عبد القادر الجبر الہری
صوفی قسم کے بزرگ ہیں محققین شارح حدیث میں ان کا مقام اور نمبر نہیں ہے اور شیخ عبد الحق دہلوی
کا حوالہ خود ہم نے تنقید میں ۱۳۱ میں دیا ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں اور صرف یہی دونوں بزرگ
ہیں شارح حدیث نہیں بلکہ شرح حدیث کی اور بھی بے شمار اور اعداد کتابیں موجود ہیں جن کے شارح
محقق بھی ہیں لیکن ان کے شروع اس کے ذکر سے خالی ہیں ان فرض ہمارے الفاظ محققین شارح حدیث
اور اباب تاریخ کی الفاظ بالکل واضح ہیں۔ اور مؤلف مذکور محققین شارح حدیث سے بجز ہمارے بیان
کردہ حوالوں کے اور کوئی حوالہ نہیں پیش کر سکے مگر شیطان مردود ہی اگر کسی کی آنکھوں پر ضل اور تعصب
کی پی بن دھو دے کہ اسے یہ الفاظ نظر ہی نہ آئیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔

۶ گرنہ بیند برو ز شبرہ چشم چشم آفتاب را چہ گناہ۔

(۷) حدیث کی صحت کے لئے سند کی ضرورت ہوتی ہے امام عبد اللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ
الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء (مسلسلہ ص ۳۱)
جی جو چاہے گا وہ کہے گا۔

اس نے جب تک سند اور اس کے روایت کی ثقاہت معلوم نہ ہو حدیث کا کوئی اعتبار نہیں یہ ٹھیک ہے کہ
تشیع اور بدعت کی وجہ سے روایت رو نہیں ہوتی لیکن اگر اہل بدعت کی ایسی روایت ہو جو داعی الی البیت
ہو تو پھر اس کی روایت قابل قبول نہیں (ملاحظہ ہو شرح نخبہ الفکر ص ۳۱۵) قد ریب الراوی مثلاً وغیرہ)
اور ایسا راوی جو داعی الی البیت ہو جبکہ متفرد ہو تو اس کی روایت میں مزید شک پڑ جاتا ہے اور
اس روایت میں امام عبد الرزاق متفرد ہیں امام بیہقی ان سے بہت متاخر ہیں ان کے اس روایت کو
نقل کرنے سے امام عبد الرزاق کا تفرد رفع نہیں ہوتا جب تک کہ امام بیہقی کی روایت میں امام عبد الرزاق
کی بجائے کوئی اور تفرد راوی نہ ہو اور اس حدیث کے الفاظ بھی یعنہا وہی ہوں جو امام عبد الرزاق کی روایت
کے ہیں اور اسی طرح علامہ اکرم کا اپنی عبارت میں اس روایت کو یا اس کے مضمون کو نقل کرنا تفرد کو رفع نہیں
کرتا جیسا کہ کتب اصول حدیث جانے والوں پر یہ بالکل واضح ہے روایت میں راوی کا تفرد تب ہی رفع
ہو سکتا ہے کہ اس راوی کا کوئی اور متابع ہو ورنہ تفرد برقرار رہے گا لہذا بیہقی امام ابن خلدون کا متونی مستحکم
فرماتے ہیں کہ عبد الرزاق بن ہمام مشہور شیعہ تھے اور آخر عمر میں نابینا اور مختلط بھی ہو گئے تھے امام ابن عدی
فرماتے ہیں کہ انہوں نے فضائل میں ایسی روایات بیان کی ہیں جن میں ان کی کوئی بھی موافقت نہیں کرتا اور
ان کو تشیع کی طرف منسوب کیا گیا ہے (مقدمہ ص ۳۲ طبع مصر) اور ہم نے تنقید میں ۱۳۱ میں شیعہ کی مشہور
و معروف کتاب اصول کافی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت علی کے نور
ہونے کا عقیدہ شیعہ کا ہے لہذا جب شیعہ راوی ایسی روایت نقل کرے جس میں اس کا عقیدہ مضمر ہو تو
ہو بھی وہ متفرد تو اصول حدیث کے لحاظ سے اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اور اسی سے ملتا جلتا مضمون
آپ کے اعلیٰ حضرت بھی لکھتے ہیں۔

۵ تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا تو ہے عین نور تیرا سب گھرا نور کا
(حدائق بخشش حصہ دوم ص ۱۱)

(۸) کاش کہ مؤلف مذکور تنقید میں ۱۳۲ و ۱۳۳ میں درج کردہ روایات کا حوالہ دیتے اور پھر ساتھ

ہی وہ حوالے بھی نقل کر دیتے کہ یہ روایات باطل اور موضوع ہیں اور ان میں کذاب راوی موجود ہیں تاکہ عوام کو بھی کچھ پہل چل سکتا کہ تنقید متین میں کونسی روایات کو باحوالہ موضوع اور باطل کہا گیا ہے اور ان کے باطل و موضوع ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ مگر مؤلف مذکور نے اپنے بڑوں کی طرح یہاں بھی دلیل سے کام لیا ہے اور یہ مجمل جملہ لکھ کر عوام کو مغالطہ میں مبتلا کر رہے ہیں کہ نور محمدی کے اول خلق ہونے کی روایات ہر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی سرفراز نے کہا ہے کہ ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر الجھجھت اور افسوس ہے اس جمل و ملیس پر قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ تنقید متین کا مطالعہ کریں تاکہ حقیقت بالکل نمایاں ہو جائے۔

مؤلف مذکور کی حیثیات اور کٹھن مغزی ملاحظہ فرمائیے کہ ہم نے تنقید متین ص ۱۳۱ میں لکھا ہے کہ اگر نور محمدی کا مطلب روح محمدی ہو تو اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ عبدالحق صاحب نے مدارج میں بھی لکھا ہے تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں لہذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں ہاں اس سے نصوص قطعیہ صریحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت آدمیت اور انسانیہ کا انکار کرنا جیسا کہ بعض اہل بدعت کا وقیرہ ہے قطعاً غلط اور سراسر بے بنیاد ہے اھ آپ اس واضح عبارت کو بھی دیکھیں اور مؤلف مذکور کے حضرت نانوتوی کی غیر متعلق عبارت کو نقل کر کے راقم اشیہم پر اعتراض کو بھی دیکھیں کہ ان میں کیا ربط اور جوڑ ہے؟ حضرت نانوتوی نے کہاں آپ کی بشریت کا انکار کیا ہے۔ اور کس مقام پر آپ کی آدمیت اور انسانیت کا رد کر کے قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور صریحہ کو ترک کیا ہے؟ انہوں نے تو اول مخلوق میں نور محمدی تسلیم کیا ہے اور آپ کی ذات کو تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے لئے موقوف علیہا قرار دیا ہے اور وہ نور کو روح کے معنی میں لیتے ہیں چنانچہ مناظرہ عجیبہ ص ۱۶ کی اسی عبارت میں جس کا کچھ حصہ مؤلف مذکور نے بھی نقل کیا ہے روح پر فوج محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اول ماخلق اللہ نور ہی کو ہم معنی ثابت کر رہے ہیں اور ہم نے بھی تصریح کر دی ہے کہ نور کو روح کے معنی میں لینے سے چونکہ بشریت کا انکار لازم نہیں اور نہ نصوص قطعیہ کا رد لازم آتا ہے اس لئے اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں فیصلہ اللہ تعالیٰ نہ تو سرخیل دیوبند نے نصوص قطعیہ کا انکار کیا ہے اور نہ وہ جہنم کا ایندھن بنے ہیں ہاں البتہ آپ کے صدر الافاضل ان الفاظ سے کہ قرآن پاک میں جا بجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا اور درحقیقت انبیاء کی شان میں ایسا

لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے بلفظ نصوص قطعیہ کا انکار کر کے ضرور دوزخ کا ایندھن بنے ہیں حضرت مولانا نانوتوی کا ذکر کر کے آپ نے بلاوجہ اپنے مآوے دل کی بھڑاس نکالنے کی لا حاصل سعی کی ہے۔ مؤلف مذکور نے حضرت نانوتوی کی عبارت سے جو امور اخذ کئے ہیں اور ان کے چار نمبر قائم کئے ہیں، ان میں ایک امر کے ساتھ کسی نص کا رد نہیں ہوتا نصوص دہلکے نصوص کا رد صرف اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ آپ کی بشریت، آدمیت اور انسانیت کا معاذ اللہ تعالیٰ رد ہو اور حضرت نانوتوی کی کسی عبارت سے نصوص کے رد کا ادنیٰ سا اشارہ بھی ثابت نہیں ہوتا ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ نصوص کا رد نور محمدی (یعنی روح محمدی) کے تسلیم کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ بشریت کے رد کرنے سے ہوتا ہے یہ مؤلف مذکور کی خالص حیثیات اور نادانی ہے کہ وہ اول ماخلق اللہ نور ہی کے تسلیم کرنے سے نصوص کا رد سمجھتے ہیں جب کہ اس کا معنی روح خود ان کی عبارت سے ثابت ہے۔

دل میں واضح آئے کیا اپنا خیال جاسکے کب یار کے مسکن میں ہم واسطہ فی العروض کی بحث مؤلف مذکور نے تحذیر الناس ص ۱۳۳ کی ایک مختصر سی عبارت نقل کر کے اور حضرت مولانا نانوتوی کی مراد کو نہ پاتے ہوئے اپنی کم فہمی اور تعصب کی وجہ سے مولانا نانوتوی کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا معاذ اللہ تعالیٰ منکر قرار دے کر خوب اپنے مریض دل کی بھڑاس نکالی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اس میں قدرے تفصیل سے کلام کریں۔ حضرت نانوتوی یہ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور رسالت حق ہے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درجہ کا اور کوئی نبی نہیں آپ کی نبوت بالذات (یعنی اولاً اور بالذات) ہے اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت آپ کے طفیل اور آپ کے فیض کا نتیجہ ہے اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے لئے آپ واسطہ فی العروض ہیں خود حضرت مولانا کی چند عبارت ہم عرض کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) اور مہیوں کی نبوت پر ایمان ہے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برابر کسی کو نہیں سمجھتا اھ (مناظرہ عجیبہ ص ۱۶)

(۲) یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت

بالعرض اور ول کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں آپ پر سلسلہ نبوت مختتم ہو جاتا ہے (تخذیر الناس ص ۱۷)

(۳) موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا مثال درکار ہے تو لیجئے زمین و کہسار اور درو دیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی اور (مخلوق - مفسد) کا فیض نہیں اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے سے اتنی ہی تھی یاں ہم یہ وصف اگر آفتاب کا ذاتی نہیں تو جس کا کہو وہی موصوف بالذات ہوگا اور اس کا نور ذاتی ہوگا کسی اور سے مکتسب اور کسی اور کا فیض نہ ہوگا اھ (تخذیر الناس ص ۱۷)

(۴) مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرد اکل وہ واسطی العروض ہوگا جو اپنے معروضات کے حق میں موصوف بالذات ہوتا ہے۔ اگرچہ کسی اور کی نسبت وہ بھی معروض ہو جیسے آئینہ وقت نور افشانی درو دیوار اگر درو دیوار کی نسبت واسطی العروض اور موصوف بالذات ہے تو آفتاب کی نسبت خود معروض ہے (تخذیر الناس ص ۱۷)

(۵) وجود ممکنات بالذات اور ذاتی نہیں بالعرض ہے اور وہ بالذات جو بہر بالعرض کے لئے چاہیئے یہاں وہ وجود ہے جو ذات بحت سے صادر ہوا ہے اور اس وجہ سے اس کو لازم ذات خداوندی کہنا ضرور ہے اور اسی کو محققین صوفیہ اکرام صادر اول اور وجود غلبہ اور نفس رحمانی کہتے ہیں اس وجود کو تو عین ذات کوئی نہیں کہتا اھ (مناظرہ عجیبہ ص ۱۷)

(۶) بہر حال موصوف بالذات تو تمام موصوفین بالعرض سے موجود فی الخارج ہوں یا مقدر الوجود افضل ہوتا ہے اور سوا اس کے اور کسی کی افضلیت ایسی عام اور شامل اور مطلق نہیں ہوتی اھ (مناظرہ عجیبہ ص ۱۷)

(۷) اور انبیاء کی نبوت تو آپ کی نبوت کا پرتو ہے پر آپ کی نبوت پر قصہ ختم ہو جاتا ہے اور اس بات کو آپ کے دین کا ناسخ الا دیان ہونا اسی طرح لازم ہے جیسے آفتاب کے نور کا اور انوار کو چھو کر دنیا الوجود (تصفیۃ العقائد ص ۱۷)

(۸) اور نیز بھی ہر کوئی سمجھ گیا ہوگا کہ واسطی العروض حقیقی دربارہ وجود کہنے یا کسی اور صفت وجود کی نسبت کہنے سوا موجود مطلق خداوند برحق کے اور کوئی نہیں آخر اپنے وجود کا حال کون نہیں جانتا کہ عرضی ہے ذاتی نہیں ورنہ ہمیشہ سے ہوتا اور ہمیشہ رہتا یہ عجیب حادثہ اور داغ احتیاج ہی کیوں ہمارا نام لگتا اور جب وجود عرضی ہے تو صفات وجودیہ تمام پہلے عرضی ہوں گی اور اس تقریر سے کیفیت ارتباط عالم بھی اپنے خالق کے ساتھ کسی قدر محقق ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سوا اس کے اور کسی کو اگر واسطی فی العروض کہتے ہیں تو بایں معنی کہتے ہیں کہ صفت متوسط فیہا خالق سے اول وہی لیتا ہے اور سوا اس کے اور ول کو اس کے واسطے سے پہنچتی ہے بایں ہمہ ایک وصف اعنی ایک حصہ اس کا شل واسطی فی العروض حقیقی دونوں میں مشترک ہوتا ہے اھ (آب حیات ص ۱۷)

(۹) بالجملة آیت النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم جس تفسیر سے لیجئے مثل آفتاب نیم روز اہل نظر کے لئے اس بات پر شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منشا وجود و روح مؤمنین ہیں اور مابین روح نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ارواح مؤمنین وہ رابطہ اور ارتباط ہے کہ منشا انتزاع اور انتزاعات میں ہوا کرتا ہے اور چونکہ بشہادت تقریرات گذشتہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انتزاع میں بین الشیئین ہوا کرتا ہے چنانچہ لفظ انتزاع ہی خود اس بات پر شاہد ہے کہ شے ثانی کے لئے دربارہ انصاف روحانیت روح نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واسطی فی العروض ہوگی کیونکہ منشا انتزاع موصوف بالذات ہوا کرتا ہے اور موصوف بالذات ہی واسطی فی العروض ہوا کرتا ہے مگر کیا اس بات کو سمجھنا کہ موصوف بالذات ان دونوں میں سے کونسا ہے ہر کسی کا کام نہیں اہل افہام متوسطہ بسا اوقات موصوف بالعرض کو موصوف بالذات اور موصوف بالذات کو موصوف بالعرض سمجھ لیتے ہیں چنانچہ انتزاع فوقیت و تحتیت میں اکثر یہی ہوتا ہے اھ (آب حیات ص ۱۷)

(۱۰) سو واسطی فی العروض ہونے کی پوری پوری صفت تو خداوند کریم ہی میں ہے چنانچہ او پر قوم ہو چکا اور اس وجہ سے اُس کو مالک حقیقی سمجھنا چاہیئے دوسرے مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مالکیت سمجھئے کیونکہ اول تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محققین کے نزدیک وسیلہ تمام فیوض اور واسطی فی العروض تمام عالم کے لئے ہیں چنانچہ آپ کے لئے مقام وسیلہ کا ملنا بھی عقل کے نزدیک اسی طرح مشیر ہے والعافل تکفیدہ الاشارة اور یہاں سے سمجھ میں آتا ہے کہ عجب نہیں

جو روایت لولاٹ لہا خلقت الافلاک صحیح ہو کیونکہ اس کا مضمون صحیح ہی معلوم ہوتا ہے اور
رآب حیات ص ۱۸۷، بَلَاکَ عَشْرَةَ کَامِلَةً

حضرت نانوتوی کی ان عبارات اور اقتباسات سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضرات انبیاء و کرام علیہم
الصلوٰۃ والسلام اور ارواح مؤمنین بلکہ تمام عالم کے لئے آپ وسیلہ فیض اور واسطہ فی العروض ہیں اور
یہ وہی چیز ہے جس کو مؤلف مذکور نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالہ سے یوں نقل کیا ہے۔

بدانکہ اول مخلوقات و واسطہ صدور کائنات جان لو کہ اول مخلوقات اور واسطہ خلق عالم و آدم
و واسطہ خلق عالم و آدم نور محمد است صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم چنانچہ در حدیث صحیح وارد شدہ
کہ اول ما خلق اللہ نوری و سائر کونات علوی
و سفلی ازاں نور و ازاں جوہر پاک پیدا شدہ اھ
(مدارج النبوت ج ۲ ص ۲)
(توضیح البیان ص ۱۶۲)
جابل سمجھتے ہیں۔ صفحہ ۶

غرض کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیگر
حضرات انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام (بلکہ تمام جہان) کے لئے جو واسطہ فی العروض کہا ہے
تو اس میں انہوں نے کسی نص یا حضرات سلف صالحین میں سے کسی محقق کے قول کی قطعاً کوئی خلاف
ورزی نہیں کی اور اسی طرح آپ کی ذات کو تمام انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے موقوف
علیہا کہنا اور نیز آپ کی نبوت کا بالذات اور باقی حضرات انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت
کا بالعرض کہنا اس تفصیل کے ساتھ جو خود ان کی اپنی عبارات میں گذر چکی ہے بالکل صحیح ہے اور اسی
طرح ہمارے بھی کسی میان کا حضرت نانوتوی کی کسی عبارت سے ہرگز کوئی تضاد و تصادم نہیں جیسا کہ
کسی بھی عقلمند اور بالانصاف پر یہ بات ہماری عبارات کے پیش نظر مخفی نہیں ہے باقی صدی اور
متعصب کے لئے اس جہان میں کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے

صدتف کروہ سلجھی ہوئی تقریر سمجھا کرتا ہوں میں سوئے غم پنہاں کی شکایت

دیگر حضرات انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا انکار (معاذ اللہ تعالیٰ) سے لاعلمی کی بنا پر اپنے ثبوت کی تقلید کرتے ہوئے یہ سبھی شوشہ
بھی چھوڑا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت بالذات ہے اور دوسرے انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ
والسلام کی نبوت بالعرض ہے اور آپ ان کی نبوت کے لئے واسطہ فی العروض ہیں تو دوسرے حضرات
انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نبوت کی نفی بھی درست ہے جیسا کہ کشتی میں سفر کرنے والا حقیقہً
متحرک نہیں متحرک تو صرف کشتی ہے مسافر تو مجازی طور پر متحرک ہے اور اس سے حرکت کی نفی درست
ہے تو اس لحاظ سے اور انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نبوت کی نفی صحیح ہوگی حالانکہ ان کی نبوت
کا انکار کفر ہے جس سے قرآن کریم کی صد آیات کا انکار لازم آتا ہے اور اس کی بنیاد آپ کو موقوف
علیہ اور واسطہ فی العروض کہنا ہے (محصلہ توضیح البیان ص ۱۶۱ و ص ۱۶۲)

سو جواباً گذارش ہے کہ مؤلف مذکور خود خط کا شکار ہیں واسطہ فی العروض میں وصف کی نفی
بالذات کی ہوتی ہے نہ کہ وصف بالعرض کی جالس فی السفینہ سے حرکت کی نفی نہیں بلکہ بالذات حرکت
کی نفی ہے اور جالس فی السفینہ متحرک بالعرض ہوتا ہے اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی لہذا دوسرے
انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بالعرض نبوت کی نفی ہرگز درست نہیں ہے بل بالذات کی نفی
ضرور ہے لیکن بالذات نبوت ان کے لئے ثابت ہی کب ہے کہ نفی سے کوئی محدور لازم آئے؟ ان کی
نبوت تو آپ کے فیض کا ثمرہ ہے مؤلف مذکور کا یہ شوشہ بھی ان کے بے خبر دماغ کی پیداوار نہیں بلکہ یہ
شوشہ مولانا عبد العزیز صاحب امر و ہوائی کا ہے۔ جو جوابات مخدورات عشرہ الموسومہ بمناظرہ عجیبہ
میں مخدورات ثالث میں مع جواب کے مذکور ہے۔ چنانچہ اعتراض کا ایک حصہ یہ ہے۔ اگرچہ نسبت
وصف کی طرف ذمی واسطہ کے ایجاباً مجازاً کرتے ہیں مگر حقیقت سلب کرتے ہیں پس لازم آیا
کہ انبیاء و موصوفین بالعرض عاری عن النبوت مثل ممکنات عاری عن الوجود کے ہوں اور سلب
نبوت کا حقیقہً ان سے درست ہوا ہے (مناظرہ عجیبہ ص ۹)

اس سوال اور شوشہ کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا نانوتوی ارقام فرماتے ہیں کہ خلاصہ
اعتراض اول تو یہ ہے کہ انبیاء و باقی سے سلب نبوت ذاتی معنی بالذات لازم آئے گا اس کا جواب تو
فقط اتنا ہے کہ یہ اعتراض تو اور انبیاء کے نبی بالذات ہونے پر موقوف ہے اگر اعتراض کہنا تھا تو پہلے

اس مقدسہ کو ذکر اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت بالذات ہے آپ کے طفیل فیض اور واسطہ سے نہیں بصدقہ ثابت کرنا تھا سو یہ تقدیر آپ سے ثابت ہوا انشاء اللہ تعالیٰ اور مناسطہ علیہ السلام اب مؤلف مذکور اور ان کے برعمرغ خویش الائق قابل اور محقق استاد ہی یہ تقدیر ثابت کر دکھائیں کہ باقی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت بالذات ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیض اور واسطہ فی الغرض ہونا اس میں نہیں ہے۔ اگر ایسا ثابت کر دیں تو پھر اعتراض بجا ہوگا ورنہ مردود ہے اور انشاء اللہ العزیز یہ ثابت نہیں کر سکتے۔

باقی قرآن کریم کی آیت کریمہ لَا تَقْفُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ دُئْلِهِ اور علامہ ابوالسعود کی تفسیر کے حضرت مولانا نانوتوی بہرگز مخالف نہیں کیونکہ حضرت نانوتوی قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر کی روشنی میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نفس نبوت میں قطعاً کوئی فرق نہیں کرتے سب کو نبی تسلیم کرتے ہیں ہاں اوصاف مخصوصہ کے فرق کو ضرور ملحوظ رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصف نبوت سے بالذات متصف ہیں اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وصف نبوت سے بالعرض متصف ہیں جیسا کہ علامہ ابوالسعود کی تفسیر میں ہے لہذا عوام الناس کو لا تفرق الآية اور علامہ ابوالسعود سے اس کی تفسیر نقل کر کے مغالطہ دینا جیسا کہ مؤلف مذکور نے کیا ہے اہل علم کی شان سے کوسوں دور ہے مگر اہل بدعت کو اس سے کیا انہیں تو علماء دیوبند کثرت اللہ تعالیٰ جماعتہم سے عوام کا الانعام کو عنقریب کرنے کے لئے کوئی بھی حربہ اور شوشہ درکار ہے۔

نئی کچھ نہیں ان کی جان بازیاں یہی کھیل ان کا اور کہیں سے ہے اغرض حضرت مولانا نانوتویؒ نے تو کسی ایسی جگہ میں مبتلا ہوئے ہیں اور نہ کسی نفس قطعی اور خیر متواتر کی کوئی تاویل انہوں نے کی ہے یہ عمدہ جلیلہ آپ کے صدقہ الافاضل کو ہی حاصل ہے کہ وہ آپ کی بشریت کا اس عبارت میں انکار کر کے صدقہ انصوص اور احادیث متواترہ اور اجماع امت کے منکر ہو کر دوزخ کا ایندھن بنے ہیں اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو آتش دوزخ سے بچائے آمین رہا مؤلف مذکور کا یہ شوشہ کہ مولانا نانوتویؒ نے تحذیر الناس میں ظلی اور بروزی نبوت کا راستہ دکھا کر مرزا غلام احمد کو دعویٰ نبوت پر آمادہ کیا ہے اور امت دیوبند آج تک مرزا لیبہ کے اس استدلال سے جان نہیں چھڑا سکی

محصلہ) لویہ حض ان کی لاعلمی اور جہالت کا پلندہ ہے اس مسئلہ پر دیگر علماء کرام نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی جگہ پر ہے راقم اثیم نے بھی بانی دارالعلوم دیوبند اور عبارات اکابر حصہ اول میں بقدر ضرورت اس کی بحث کر دی ہے جب اس کا فریق مخالف کی طرف سے کوئی معقول جواب آئے گا تو بشرط ریست پھر دیکھا جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ ورنہ کوئی اور اٹھ کھڑا ہوگا کیونکہ مکمل فرعون موسیٰ مشہور مقولہ ہے

جسے آپ گیتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا میں یہی ہوں مومن مبتلا نہیں یاد ہو کہ زیادہ ہو حضرت تھانویؒ اور حدیث نور | مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ آپ کے حکیم الامت بقول آپ کے باطل روایت کے چکر میں پڑ کر جہنم کے کس طبقہ میں جا پڑے حدیث جابرؓ کے فائدہ میں وہ لکھتے ہیں کہ اس سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا یا ولایت حقیقیہ ثابت ہوا اور یہ اس حدیث میں منصوص ہے اور آپ کسی طور اول حقیقی نہیں ہاتے اب یا تو آپ اپنی جہالت کا اقرار کریں یا ان کو جاہل اور خالی کہہ کر جہنم میں جھونکیئے (محصلہ)

جو اباعرض ہے کہ مؤلف مذکور یہاں بھی جہل مرکب کا شکار ہیں اور لاعلمی میں کچھ نہ کچھ مانگ کر حضرت تھانویؒ پر دل کی بھڑاس نکال رہے ہیں مگر اس وجہ میں بھی وہ کامیاب نہیں ہو سکتے اولہ اس لئے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث کے بارے میں صرف اصولی طور پر اس کی صحت پر باحوالہ کام کیا ہے کہ اس کی سند معلوم نہیں اور اس کا ظاہری مضمون صحیح احادیث کے خلاف ہے اس کو ہم نے قطعی طور پر باطل اور موضوع تو نہیں کہا جیسا کہ مؤلف مذکور جہل کا ثبوت دے رہے ہیں بقول آپ کے حکیم الامت باطل روایت کے چکر میں پڑ کر (محصلہ) ملاحظہ کیجئے کہ علمی طور پر یہ کتنا بڑا جہل ہے حضرت علامہ علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ ولایزم من عدم الصحة وجود الوضع کما لا یجفی (موضوعات کبیرہ ص ۱۱۱) اور مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں لا یصح لایلزم من عدم الیون باطلہ الم لا یتار المرفوعہ مولانا عبدالحیؒ ص ۳۳۳) عدم صحت سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ حنفی نہیں عدم صحت سے اس کا باطل ہونا لازم نہیں آتا۔ وثانیاً اس حدیث جابرؓ پر بحث کرنے کے بعد ہم نے تنقید ص ۱۳۲ و ۱۳۳ میں فائدہ کے عنوان سے لکھا ہے کہ اور بھی متعدد الفاظ آپ کے نور ہونے کے مضمون کے مروی ہیں آگے ہم نے اس مضمون کی بعض حدیثوں کا حوالہ دیا ہے اور باحوالہ ان کا باطل اور

نورِ نازندہ عوام کو مطمئن کرنے کی لاسااصل کاوش کی ہے۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں۔ حکمت چہام چونکہ آپ بھی بشریت میں مادیت میں عنصرت میں امت کے ساتھ شریک ہیں اور بعض امور زائدہ مثل کثرت مال وغیرہ میں اوروں کے ساتھ مساوی بھی نہیں البتہ انشاء اللہ طبع جمید برقی پرئیں دہلی الحاصل حضرت تھانویؒ نے ز تو آپ کی بشریت کا معاذ اللہ تعالیٰ انکار کیا ہے اور نہ کسی باطل حدیث کے چکر میں پڑے ہیں البتہ ایک نامعلوم سند سے روایت کا حوالہ دے کر اس کا ایسا معنی بیان کرتے ہیں جو علامہ خفاجی اور حضرت ملا علی القاریؒ وغیرہ بزرگ بیان کرتے ہیں جو نصوص قطعیہ کے عین مطابق ہے اور فضیلہ تعالیٰ وہ جنت کے وارث ہیں آپ اپنی اور اپنے صدرا لافاضل کی فکر کیجئے جن کی خاطر تعصب اور ضد میں آکر آپ بے جا تاویلیں بھی کرتے ہیں اور دوسروں پر خالص جھوٹ بھی بولتے ہیں اور اہل علم کی عبادت سمجھنے سے بھی یکسر قاصر ہیں اور جہل مرکب کا خالص مجسمہ ہیں مگر پنی جہالت سے دانتیں چال کھینچنے نہیں سالتے اور حقوق اور مدق کے القاب مل کر رہے ہیں فواسفاد یا لعجب حضرت تھانویؒ اور حضرت تھانویؒ وغیرہ بزرگ تو بقول علامہ اقبالؒ اس کا مصداق ہیں۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا سمٹ کر بیڑا ان کی ہیبت سے رائی (دربِ کیم)
نورانیت محمدیؐ کی تابناک شعائیں یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ جواب ہر لحد
ج ۳۲ پر ہے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں کہ ایک اندھیری رات کو وہ حضور کے ہمراہ بسترِ یقیں
ابانک ان کے ہاتھ سے سوئی زمین پر گر گئی پس وہ حضور کے چہرہ انور کے ظاہر ہوئی اور ام المؤمنین
نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے نور سے اس سوئی کو پایا اور اٹھالیا۔

جمع الوسائل ص ۲۲ ملا علی القاریؒ تحریر فرماتے ہیں۔
بعض محققین نے بیان فرمایا کہ ہمارے نبی علیہ السلام کا جمال غایت کمال میں تھا و اہل کمال سے ثابت
ہے کہ آپ کی صورت کا نور دیوار پر منعکس ہوتا تھا اور وہ دیوار آئینہ کی طرح آپ کی صورت نور کی حکایت
کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے جمال کو صحابہ کی نگاہوں سے بھی مستور رکھا کیونکہ اگر ان پر مکمل جمال
ظاہر ہو جاتا تو وہ آپ کو دیکھنے کی تاب نہ لاسکتے۔

انفاس العارفين ص ۲۲ پر شاہ ولی اللہ شاہ عبدالرحیم سے حکایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے

موضوع ہونا ثابت کیا ہے اس ساری بحث کو مؤلف مذکور شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر گئے ہیں اور
اس بحث کے آخر میں ہم نے لکھا ہے کہ ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر مسلمانوں
کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح اور متواتر احادیث کی تاویل سے بجا
کریں البتہ اور حضرت تھانویؒ نے ان موضوع اور باطل روایات میں ایک سے بھی استدلال نہیں کیا
اور نہ ان کے چکر میں پڑے ہیں مگر مؤلف مذکور نے اپنے بڑوں کی سنت اس میں بھی خوب پوری کی ہے
اور حضرت تھانویؒ پر باوجود برس پڑے ہیں وثالثاً حضرت جابرؓ کی مذکور حدیث کے بارے باوجود علمی
اور اصولی بحث کے راقم نے تنقید میں لکھا ہے کہ اگر نور سے روح مادہ ہو تو اس معنی کے لحاظ سے
اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں لہذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں البتہ اور اسی صغیر میں ہم نے حضرت
تھانویؒ کا حوالہ دیا ہے کہ وہ اسی معنی میں اس کو تسلیم کرتے ہیں تو راقم کا حضرت تھانویؒ کی کسی عبارت سے
اختلاف نہیں نہ ان کا کوئی قول راقم کے کسی قول سے متعارض ہے ہم نے اس معنی میں نور کو اول حقیقی تسلیم
کیا ہے کیونکہ اس سے کسی نص کی مخالفت لازم نہیں آتی ہماری اس تصریح کے ہوتے ہوئے مؤلف مذکور کا یہ
لکھنا کہ آپ کسی طور اول حقیقی نہیں مانتے سفید جھوٹ اور خالص افتراء ہے اور فضیلہ تعالیٰ جب راقم
اور حضرت تھانویؒ کی بات ایک ہی ہے اور خالص علمی ہے تو ہم میں سے کسی کی جہالت کا کیا سوال؟ حضرت
تھانویؒ اپنی جگہ علم و معرفت کے پہاڑ اور راقم شیم ان کی پیروی اور خوشہ چینی کرنے والا ایک ادنیٰ طالب علم
ہے جب دونوں کی بات میں کوئی تضاد اور تخالف نہیں تو آپ بیچ میں صلح صفائی کرنے والے بتدریج
کا نمونہ کون ہیں؟

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں در عالم ارواح اول کسہ کہ پیدا شد ایشان بودند
تفسیر عزیزی پارہ ص ۲۱۹ یعنی عالم ارواح میں سب سے پہلے جو پیدا ہوئے وہ آپ ہی تھے صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و رابعاً ہم نے تنقید میں لکھا ہے اس کی تصریح کی ہے کہ آپ کو اگر اس طرح نور تسلیم
کیا جائے جس سے آپ کی بشریت آدمیت اور انسانیت کا انکار ہو تا ہو تو اس سے نصوص قطعیہ اور
صریحہ کار لازم آتا ہے اور حضرت تھانویؒ نے اپنی لاتعداد کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی بشریت کا واضح الفاظ میں اثبات کیا ہے ہم یہاں صرف نشر الطیب ہی کا حوالہ عرض کرتے ہیں جس
کے ایک حوالہ سے مؤلف مذکور نے حضرت تھانویؒ کے خلاف دل کی بھڑاس نکالی ہے اور اپنے کیا جھوٹ

ولم تجد فضحك النبي صلى الله عليه وسلم وخرجت لمعة اسنانه فاضأت الحجره وراأت عائشه بذالك الضوء ابره وهذا وان كان مذکوراً فی معارج النبوة وغیره من کتب السیور الجماعه للطرب والیاس فلا یستند بكل ما فیها الا النائم والناعس لکنه لم یثبت دلیله ودراية انتهی الاثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة (ص ۲۵۵)

اور وہ گم ہو گئی اور انہوں نے اس کو تلاش کیا مگر نہ ملے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑے اور آپ کے ہاتھوں سے نور کی ایک شعاع نکلی جس کے ذریعہ حجرہ روشن ہو گیا اور اس روشنی کی وجہ سے حضرت عائشہ نے سوئی دیکھ لی اور یہ گم معارج النبوة وغیرہ سیرت کی کتابوں میں جن میں طب وایس سب کچھ ہوتا ہے مذکور ہے لیکن ان میں درج شدہ ہر چیز سے صرف وہی استناد کر لیا ہو سوتا ہوا ہوا اور گھبراہو مگر یہ روایت روایت اور درایت ثابت نہیں۔

ایسی جعلی اور من گھڑت روایت سے جو روایت ثبات ہے اور درایت مولف مذکور کو کیا فائدہ ہے مولانا سید سلیمان ندوی اس روایت کے بارے لکھتے ہیں یہ بالکل جھوٹ ہے (سیرت النبی ص ۱۶۷) و ثانیاً یہ روایت بخاری اور مسلم وغیرہ کی صحیح روایت کے خلاف ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ۔

كنت انام بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجلای فی قبيلته فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی واذا قام بسطهما قالت والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح (بخاری ج ۵ و مسلم ج ۱۹)

میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے سوا کرتی تھی اور میرے دونوں پاؤں آپ کے قبلہ کی طرف ہوتے تھے جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے دباتے تو میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپ کھڑے ہوتے تو میں پاؤں پھیل لیتی اور گھروں میں اس زمانہ میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

امام نووی لیس فیہا مصابیح کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

ارادت به الا عند ارتقوله لو كان فيها مصابيح لقبضت رجلی عند الاداة السجود ولما احوجتہ الى غمزتي انتهی (شرح مسلم ج ۱۹)

حضرت عائشہ لیس فیہا مصابیح کے جملہ سے غدر پیش کرتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ اگر گھروں میں چراغ ہوتے تو آپ کے سجدہ کے وقت میں پاؤں خود سمیٹ لیتی اور

ہیں شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ ایک تہذیب میں حضور کی زیارت سے مشرف ہوا اور آپ سے سوال کیا کہ جمال یوسف سے زنان مہر نے انگلیاں کاٹ لیں آپ کے جمال سے کسی نے انگلیاں نہ کاٹیں آپ نے فرمایا کہ اللہ نے غیرت کی وجہ سے میرے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے مستور رکھا۔ موضوعات کیرتہ میں ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ بہر کیف نبی علیہ السلام کا نور شرفا وغیرہ باغایت ظہور میں ہے اور جس کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ آپ کا نور ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کتاب میں نور سے موصوف فرمایا: **وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا** کی تفسیر کرتے ہوئے سرفراز صاحب کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی (النور ص ۳۱) پر لکھتے ہیں کہ ہم انزلنا سے بھی رسول مرادے سکتے ہیں چنانچہ ایک اور تفسیر ہے قد انزلنا ایکم ذکرنا رسولاً۔ رسولاً بدل بطور تفسیر ہے ذکرنا سے یہاں بھی انزلنا کا مفعول رسول واقع ہوا ہے پس اس سے بھی تفسیر مختار پر کوئی غبار نہیں رہا۔

حضرت ملا علی القاری جمع الوسائل ج ۱ ص ۱۸۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔

نبی علیہ السلام چاند سے زیادہ حسین ہیں کیونکہ آپ کا نور آفاق اور انفس دونوں میں ظاہر ہے اور آپ صوری اور معنوی دونوں قسم کے کمالات کے جامع ہیں بلکہ حقیقت میں ہر چیز آپ کے نور سے پیدا ہوئی اسی طرح اللہ نور السموات والارض مثل نورہ میں مثل نورہ کی تفسیر نور محمد کے ساتھ کی گئی ہے نبی علیہ السلام کا نور ذاتی ہے جس کا دن رات میں کسی وقت بھی انشکاک نہیں ہوتا اور چاند کا نور منسوب اور مستعار ہے کبھی کم ہو جاتا ہے اور کبھی گمن گمن سے سلب ہو جاتا ہے اور دن کے ابالوں میں ماند پڑ جاتا ہے (سعدی) (توضیح البیان ص ۱۷۱ و ص ۱۷۲)

الجواب۔ مؤلف مذکور نے یہ جتنی کاوش کی ہے بالکل بے سود ہے اولاً اس لئے کہ حضرت عائشہ کی جس روایت میں سوئی ملنے کا ذکر ہے وہ باطل اور موضوع ہے حضرت مولانا عبدالرحمن لکھنوی اپنی کتاب الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة میں گھڑی ہوئی اور جعلی روایات (مختلفہ موضوعہ ص ۱۷۲) کی مدد میں لکھتے ہیں۔

ومنها ما يذكروه الوعاظ عند ذكر الحسن والحسين انه في ليلة من الليالي سقطت عن يد عائشة ابره ففقدت فالتفتها

اور ان جعلی روایتوں میں وہ روایت بھی ہے جس کو واعظ ابن محمد می کے ذکر میں بیان کرتے ہیں کہ ایک رات حضرت عائشہ کے ہاتھ سے سوئی گر گئی

آپ کو مجھے دبانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

اور علامہ ابنی الحنفی لکھتے ہیں۔

والمعنی لو كانت المصاحبة لقبض رجلي
عند الاداء السجود ولما احو جنته
الى غمزي (عمدة القاري ج ۱۱)
مطلب یہ ہے کہ اگر چراغ ہوتے تو آپ کے سجود
کے وقت میں پاؤں خود سمیٹ لیتی اور آپ کو
میرے بدن کے دبانے کی حاجت نہ پڑتی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی یہ صحیح روایت اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی حجرہ میں اندھیرا رہتا تھا اور جب آپ رات کو نماز پڑھتے اور
چراغ نہ ہوتا تو آپ اپنے ہاتھ مبارک سے حضرت عائشہؓ کا بدن دباتے تاکہ وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیں اور آپ سجود
کر سکیں اور بقول امام نوویؒ اور علامہ ابنیؒ یہ اس لئے ہوتا تھا کہ گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے اور اندھیرے
کی وجہ سے آپ کو دبانے کی یہ رحمت گوارا کرنا پڑتی تھی ورنہ حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کو یہ تکلیف دیتی
اگر آپ کے نور کی روشنی ہوتی تو اس روشنی کی وجہ سے خود بخود اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں۔ اور کسی بھی صاحب
بصیرت پر محقق نہیں کہ آپ کے گھر میں احیاناً چراغ جلتا تھا اگر گھر میں آپ کے نور کی روشنی ہوتی تو چراغ
جلانے کی کیا ضرورت تھی؟ و ثانیاً حضرت ملا علی القاریؒ کی جمع الوسائل کے حوالہ سے جو استدلال مؤلف
مذکور نے کیا ہے وہ غلط ہے اس لئے کہ ملا علی القاریؒ اس روایت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں علی
ماروی ان صورۃ الخ جیسا کہ روایت کیا گیا ہے یہ روایت کس کتاب میں ہے اس کی سند کیا اور کیسی ہے؟
اس کا کچھ پتہ نہیں تو ایسی مجہول سند اور بے ثبوت روایت سے استدلال کا کیا معنی؟ مؤلف مذکور کا یہ
دلیلی اور دلیل ملاحظہ کیجئے کہ وہ علی ماروی کا معنی کرتے ہیں روایات سے ثابت ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ
اور یہ ایک غلط حقیقت ہے کہ عقائد باطلہ اور اعمال بدعہ و جل اور ملیس کے سوا ثابت بھی نہیں ہوتے
اور نہ ہو سکتے ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت ملا علی القاریؒ نے مرقات میں پہلے یہ تحریر فرمایا ہے۔

قال ابن حجر اختلف الروایات في اول
المخلوقات وحاصلها كما بينت في شرح
شماثل الترمذی ان اولها النور الذي خلق
معه عليه الصلوة والسلام ثم الماء
ابن حجر فرماتے ہیں کہ اول مخلوقات کے بارے میں
روایات مختلف ہیں اور ان کا حاصل جیسا کہ میں نے
شرح شماثل الترمذی میں بیان کیا ہے یہ ہے کہ
اول وہ نور سے جس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

ثم العرش الخ (مرقات ج ۱۱)

علیہ وسلم پیدا ہوئے پھر پانی اور پھر عرش ہے۔

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک بات تو یہ کہ اس مقام میں وہ وثوق سے اول المخلوقات

نور محمدیؐ لکھتے ہیں اور دوسری یہ کہ جمع الوسائل شرح شماثل الترمذی انہوں نے مرقات سے پہلے
تصنیف فرمائی ہے جس کا حوالہ وہ مرقات کی اس عبارت میں دے رہے ہیں اس کے بعد وہ ان قابل کلمتہ

ثم ادایت فی الدر المنثور نقلاً عن ابن عباس
ان اول شیء خلقه الله القلم فقال له اكتب
فقال يارب وما اكتب قال اكتب القدر
يجري من ذلك بسا هو كائن الى ان تقوم
الساعة ثم طوى الكتاب ورفع القلم رواه
البیهقی وغیرہ والحاکم وصححه وفع
الدر ایضاً عن ابی ہریرۃ قال سمعت
رسول الله صلی الله علیہ وسلم یقول
ان اول شیء خلق الله القلم ثم النون و
ھی الدواة الى ان قال وروی ان اول ما
خلق الله العقل وان اول ما خلق الله نوری

پھر ابن عباسؓ سے منقول یہ
روایت دیکھی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو چیز
پیدا کی وہ قلم ہے اور اس سے فرمایا اللہ اس نے کہا

اسے میرے رب میں کیا لکھوں؟ فرمایا کہ آج سے لے کر
قیامت قائم ہونے تک جو تقدیر جاری ہے لکھ پھر

صحیفہ لپیٹ دیا اور قلم اٹھالی اس کو امام بیہقیؒ
وغیرہ نے روایت کیا اور امام حاکم نے بھی اور اس کو
صحیح کہا ہے اور درمشور میں حضرت ابو ہریرہؓ سے

ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ
نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پھر دوات

پیدا کی پھر فرمایا، اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ سب
سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل پیدا کی ہے اور یہ بھی سب

سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نور پیدا کیا ہے اور یہ بھی
سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نیری روح پیدا کی اور

یہ بھی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عرش پیدا کیا اور
اوہیت اضافی امور میں سے ہے تو اس کی یہ تاویل

کی جائے گی کہ اوہیت ہر چیز کی جنس کے لحاظ سے
ہوگی مثلاً افعال کی جنس میں قلم تقدیر اور انوار کی جنس

میں آپ کا نور پہلے پیدا ہوا اور نہ ثابت ہو چکا ہے

من جنسہ فالقلم خلق قبل جنس الاقلام
ونوره قبل الانوار والافقد ثبت ان العرش
قبل خلق السموات والارض فتطلق الاولیۃ
على کل واحد بشرط التقیید فیقال اول
العانی کذا واول الانوار کذا ومنہ

من جنسہ فالقلم خلق قبل جنس الاقلام
ونوره قبل الانوار والافقد ثبت ان العرش
قبل خلق السموات والارض فتطلق الاولیۃ
على کل واحد بشرط التقیید فیقال اول
العانی کذا واول الانوار کذا ومنہ

من جنسہ فالقلم خلق قبل جنس الاقلام
ونوره قبل الانوار والافقد ثبت ان العرش
قبل خلق السموات والارض فتطلق الاولیۃ
على کل واحد بشرط التقیید فیقال اول
العانی کذا واول الانوار کذا ومنہ

من جنسہ فالقلم خلق قبل جنس الاقلام
ونوره قبل الانوار والافقد ثبت ان العرش
قبل خلق السموات والارض فتطلق الاولیۃ
على کل واحد بشرط التقیید فیقال اول
العانی کذا واول الانوار کذا ومنہ

من جنسہ فالقلم خلق قبل جنس الاقلام
ونوره قبل الانوار والافقد ثبت ان العرش
قبل خلق السموات والارض فتطلق الاولیۃ
على کل واحد بشرط التقیید فیقال اول
العانی کذا واول الانوار کذا ومنہ

من جنسہ فالقلم خلق قبل جنس الاقلام
ونوره قبل الانوار والافقد ثبت ان العرش
قبل خلق السموات والارض فتطلق الاولیۃ
على کل واحد بشرط التقیید فیقال اول
العانی کذا واول الانوار کذا ومنہ

قوله اول ما خلق الله نوری و فی روایة
روحی ومعناها واحد فان الادواح نوراً
ای اول ما خلق الله من الادواح روحی
اھ (مرقات ج ۱ ص ۱۶)

کہ عرش آسمان اور زمین سے پہلے یہاں ہوا ہے۔ تو
اولیت ہر ایک پر بشرط قید ہونی جائے گی مثلاً اول
معانی میں فلان چیز اور اول انوار میں فلان ہے اور
اسی سے آپ کا یہ ارشاد کہ اول ما خلق اللہ نوری
اور ایک روایت میں روحی ہے اور دونوں کا مطلب
ایک ہے کیونکہ ادواح نورانی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے
ادواح میں سب سے پہلے میری روح پیدا کی۔

اس عبارت سے یہ امر بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت ملا علی القاریؒ کے سامنے پہلے حضرت ابن
عباسؒ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ مرفوع روایت ان اول ما خلق اللہ القلم نہ تھی اس صحیح روایت کے
اور اسی طرح اولیت کی دیگر بعض روایات کے سامنے آ جانے سے وہ اولیت کو اضافیہ پر حمل کرنے
پر مجبور ہوئے ہیں اگر نور ہی ان کی تحقیق میں اول الخلق ہوتا تو اپنی پہلی تحقیق پر جے رہتے اور ان کو اول
اضائی کی تاویل کی ضرورت پیش نہ آتی اور ثم روایت فی الدر المنثور کے الفاظ اس بات کا واضح قرینہ
ہے کہ تفصیل پہلے ان کے سامنے نہ تھی ورنہ وہ پہلے ہی اولیت کو اضافی پر حمل کرتے۔ ورنہ انھیں
العارفین کی عبارت سے موافق نہ ہو کہ نور کو کیا فائدہ ہے؟ آپ کے حسن و جمال کا کون سلمان منکر ہے لیکن
اس جمال کی وجہ سے اُس نورانیت اور روشنی کا کیا ثبوت ہے کہ اندھیرے میں گری پڑی سوئی مل جائے
یا درو یا نور ہو جائے بلکہ خود یہ عبارت ان کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ آپ
کے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے ستور رکھا گیا ہے ظاہر ہے کہ حتیٰ نور تو لوگوں کی نگاہوں سے
اوجھل اور ستور نہیں ہوا کرتا وہ تو ہر کوئی عیاناً نظر آتا ہے اور آسکتا ہے و خاشا حضرت ملا علی القاریؒ
کی موضوعات کبیر میں جس نور کا ذکر ہے وہ حتیٰ نہیں بلکہ معنوی نور ہے جس کو نور نبوت نور رسالت اور نور
ہدایت سے تعبیر کیا جاتا ہے جو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا ہے اور خود ان کی
عبارت میں شرقاً و غرباً کے الفاظ اس کا واضح قرینہ ہے اور اس نور سے حتیٰ نور قطعاً مراد نہیں جو ہر
ایک کو ظاہراً نظر آئے کیونکہ موضوعات کبیر میں اسی عبارت کے آگے یہ الفاظ بھی ہیں۔

لکن هذا النور ليس له الظهور اھ
لیکن یہ نور ظاہر نہیں ہے۔

اگر حتیٰ نور ہوتا تو یقیناً اس کا ظہور ہوتا اور وہ کسی پر مخفی نہ رہتا کہ لا یخفیٰ چونکہ یہ الفاظ موصوف
نہیں بلکہ اسرار خلاف ہیں جو اگر بالکل عیاں ہے اس لئے وہ ان کو ہی لکھے ہیں مفید طلب عبارت
تو نقل کر دی ہے اور ان الفاظ کا حوالہ ہی نہیں دیا کہ قلمی نہ کھل جائے و سادہ حضرت مقلدوں کے
نزدیک نوراً تبييناً سے مختار تفسیر میں قرآن کریم مراد ہے جیسا کہ ان کی منقول عبارت میں اس کی تصریح
ہے اور بیان القرآن ج ۲ ص ۱۷۷ میں وانزلنا اليكم نوراً تبييناً کے ترجمہ اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اور
ہم نے تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے اور وہ قرآن مجید ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور
آنان کے ذریعے سے جو کچھ تم کو بتلایا جاوے وہ سب حق ہے اھ اور نور و کتاب میں اس کے عربی کھاشیہ
میں لکھتے ہیں کہ۔

اشارۃ الی کون عطف الكتاب للتفسير
فهما متغايران بالصفة متحدان بالذات
ولذا احسن افراد الضمیر فی بہ وبهذا
التفسير حسن اسناد الهدایۃ ہہنا
الی اللہ تعالیٰ وجعل الكتاب والنور سبباً
واسناد التبیین فیما قبل الی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم واما اذا قسرت النور
بالرسول لا یحصل هذا الحسن ومؤید
تفسیر هذا قوله تعالیٰ وانزلنا اليكم نوراً
صیناً۔ وازید بہ الكتاب قطعاً انتہی
وج ۱ ص ۱۷۷ حاشیہ طبع مجتبائی دہلی

اس میں اشارہ ہے کہ عطف کتاب کا عطف تفسیر
کے لئے ہے اور یہ دونوں لفظ صفت کے لحاظ سے
متغایر ہیں اور ذات کے اعتبار سے متحد ہیں اور اگر
لئے یہ میں مفر و ضمیر کا لانا اچھا ہے اور اسی تفسیر کے
لحاظ سے ہدایت کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف اچھی
ہے کہ اس نے کتاب اور نور کو ہدایت کا سبب
بنایا ہے اور اسی لئے اس سے قبل بیان کرنے کی
نسبت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف
اچھی ہے اور اگر لفظ نور کی تفسیر رسول کے ساتھ
کی جائے تو یہ اچھا ہی حاصل نہیں ہوتا اور میری اگر
تفسیر کا مؤید اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وانزلنا اليكم
نوراً تبييناً اور اس سے قطعی طور پر کتاب مراد ہے

اس سے معلوم ہوا کہ بقول حضرت مقلدوں نوراً تبييناً سے مراد قطعی طور پر تو صرف کتاب ہے جس کا نزول
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے ہاں صرف احتمال کے درجہ میں وہ تفسیر بھی نقل کرتے ہیں کہ نور سے
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہو اور آپ کی بنسبت کا وہ واضح طور پر اقرار

اثبات کرتے ہیں کہ توبہ آپ کی ذات کو بشر تسلیم کر کے آپ کو نور ماننے کا مطلب یہی ہے کہ آپ نور ہدایت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور نبوت دے کر کل جہان کو نور توحید اور نور ایمان واسلام سے منور کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پورا ہو گیا ہے کہ۔

وَاللّٰهُ مُتِمِّمٌ نُّوْرٍہٗ وَّلَوْ كُوْرَةُ الْمَشْرِیْ كُوْنٌہٗ
اور اللہ تعالیٰ اپنے نور واسلام کو مکمل کرے گا اور اگرچہ مشرک اس کو ناپسند کریں۔

وسالبا حضرت ملا علی القاریؒ کی جمع الوسائل میں جس نور کا ذکر ہے وہ معنوی نور ہے نہ کہ حسی جو مؤلف مذکور کا مطلب ہے کیونکہ آفاق اور انفس میں جس نور کا فیض پہنچا ہے اور پہنچتا ہے وہ معنوی نور ہے جو نور نبوت اور نور ہدایت ہے اور یہ جملہ بھی اس کا مؤید ہے کہ آپ صوری اور معنوی دونوں قسم کے کمالات کے جامع ہیں اسی طرح مثل نورہ میں آپ کے جس نور کا ذکر ہے وہ نور نبوت اور نور ہدایت ہے اس میں کیا شک ہے؟ اور آپ کے نور کے ذاتی ہونے کا وہی مطلب ہے جو حضرت نانوئیؒ کی عبارت کی روشنی میں گذر چکا ہے کہ اولاد بالذات وہ آپ کو مرحمت ہوا اور آپ کے فیض سے بالعرض سب انبیاء کو پہنچا آپ کا نور مخلوق میں سے کسی سے ملکتب نہیں صرف اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور چاند کا نور سورج سے ملکتب ہونے کے باوجود کہیں میں آجاتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور نبوت اور نور ہدایت کبھی کفر و شرک کے گہن میں نہیں آیا اور نہ کبھی دلائل و براہین کی مدین مغلوب ہوا ہے اور اس دور میں بھی لوگ مسلمان ہوئے جب کہ دنیا میں کفر و شرک کا ہر طرف دور دورہ تھا اور ظاہری طور پر دین کے کسی ملک میں مسلمانوں کا لا بجز چند ایک کے کوئی اقتدار نہ تھا جو کسی کی کشش کا باعث ہوتا اور اس ایمانی اور اسلامی نور کو دنیا نے کفر نے مٹانے کی از حد کوشش کی ہے مگر بفضلہ تعالیٰ۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن پھونکنوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا۔

نفسی خلل | یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ جمہور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آپ نور تھے آپ کا سایہ نہ تھا نورانیت کا ثبوت یا سایہ کی نفی بشریت کی نفی کو مستلزم نہیں سایہ مطلقاً بشریت کے لوازم سے نہیں بلکہ بشریت کثیف کے لوازم سے ہے اور آپ میں لطافت تھی نہ کہ کثافت نیز یہ عقیدہ ظنی ہے اور ظنیات کے باب میں دلائل ظنیہ کفایت کرتے ہیں۔

محدث ابن الجوزیؒ الوفاہ باحوال المصطفیٰ ص ۴۴ میں ملا علی القاریؒ جمع الوسائل ص ۶۶ میں اور

علامہ مناویؒ شرح الشامل علی ہامش الوسائل ص ۱۱۱ ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کا سایہ نہ تھا اور آپ کبھی سورج کی روشنی میں کھڑے نہ ہوتے مگر آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب آجاتا اور نہ کبھی آپ چاند کی روشنی میں آئے مگر آپ کا نور چاند کی روشنی پر غالب رہا۔ علامہ نجفانیؒ وسائل الوصول ص ۱۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے پس دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہ ظاہر ہوتا۔ فوائد جلیلیہ شرح الشامل ص ۱۱۱ ج ۱ میں سیدی محمد بن قاسم حبیبیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ۔ ابن مبارکؒ اور ابن الجوزیؒ نے ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دھوپ میں نہ کھڑے ہوئے مگر آپ کا نور سورج پر غالب رہا اور نہ کبھی چاندنی میں کھڑے ہوئے مگر چاند پر آپ کا نور غالب رہا اسی لئے نبی علیہ السلام کا سایہ نہ تھا اور ابن سبعؒ نے شفا میں ذکر کیا اور اس کو قاضی عیاضؒ نے شفا میں نقل کیا کہ آپ کے شخص کریم کا سایہ نہ تھا چاندنی میں نہ دھوپ میں اور سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا سایہ (جو حقیقت میں آپ کی مثال کے مترادف ہے) زمین پر گرنے سے محفوظ رکھا جائے یا گندمی جگہوں اور قدروں کے نیچے واقع ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے یا اس لئے کہ سایہ تاریکی کو مستلزم ہے اور نور کے لئے حجاب ہوتا ہے اور نبی علیہ السلام تو نور منیر ہیں پس آپ کا سایہ کس طرح متصور ہو گا یا اس لئے کہ شمس و قمر تو آپ کے نور سے مخلوق ہوئے اور آپ کے سبب سے ظہور میں آئے پس آپ کے سبب سے ان کی روشنی کس طرح چھپ سکتی ہے حتیٰ کہ آپ کا سایہ ہو کیونکہ جو کسی چیز کا مظہر ہو وہ اس کے لئے سائر نہیں ہو سکتا اگر یہ کہا جائے کہ حضور تو بشر ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے پھر آپ کے لئے سایہ کیونکر ہو گا تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ آپ کی بشریت عام بشریت کی طرح نہیں ہے جیسے یاقوت پتھر ہے مگر عام پتھر کی طرح نہیں ہے بقول ابوالحسن شاذلیؒ آپ باوجود بشریت کے نور ہیں اس لئے آپ نور سے موصوم ہوئے شیخ محقق نے شرح ہمنیہ میں کہا کہ حدیث عمرؓ میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے عمرؓ جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں وہ ہوں کہ جس کو اللہ عز و جل نے سب سے پہلے پیدا کیا وہ میرا نور تھا پس میرے نور نے اللہ کو سجدہ کیا اور سات سو سال سجدہ میں رہا پس پہلا ساجد میرا نور تھا اور مجھے اسی پر فخر نہیں اے عمرؓ جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں وہ ہوں کہ اللہ نے عرش کو میرے نور سے پیدا کیا اور کرسی و لوح و قلم کو میرے نور سے پیدا کیا اور آسمانوں کے نور کو میرے نور سے پیدا کیا اور عقل جو لوگوں کے سردار ہیں وہ بھی میرے نور سے پیدا کی اور معرفت جو قلوب لوہیہ میں ہے وہ بھی

میرے نور سے پیدا کی اور مجھے اس پر فخر نہیں الخ پس تمام انوار و اضواء کو حضور کے نور سے پیدا کیا گیا
لہذا سب حضور علیہ السلام کے نور کی فرع ہیں اور آپ کا نور سب کے لئے اصل بعد افرع کا اصل کے ساتھ
کیا مقابلہ ہو سکتا ہے؟ دیکھو وہ کیسے شقی العقل میں جو فرع کے لئے کمال نفی نقل مانتے ہیں اور اصل کے
لئے اس کا انکار کرتے ہیں یہ عیسیٰ (مصلح توضیح البیان ص ۱۷۱ تا ۱۷۲)

الجواب مولف مذکور کا یہ دعویٰ کہ آپ کا سایہ نہ ہونا جمہور مسلمانوں کا عقیدہ ہے بالکل بے بنیاد
دعویٰ ہے اس لئے کہ جب صحیح احادیث سے آپ کا سایہ ثابت ہے تو ان صحیح احادیث کو چھوڑ کر جمہور
مسلمان کب جعلی اور بے ثبوت روایات پر عقیدہ رکھ سکتے ہیں ہم نے تنقید تین میں مستدرک حاکم کی سند
سے آپ کے سایہ کے ثبوت کی روایت نقل کر کے امام حاکم اور ناقدین رجال علامہ ذہبی کی تصحیح بھی نقل
کر دی ہے اور اسی طرح طبقات ابن سعد، مسند احمد اور مجمع الزوائد سے بھی روایت نقل کر کے اس کی
سند کے رجال اور ان کی توثیق بھی ساتھ ہی بیان کر دی ہے۔

مجمع الزوائد کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

فراوت ظلمة فقاتل ان هذا الظل رجل وما
يدخل على النبي صلى الله عليه وسلم فدخل
النبي صلى الله عليه وسلم الحديث
رمعجم الزوائد ج ۴ ص ۳۲۱

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ

رواہ احمد وفيه سمیة روی لها
ابوداؤد وغيره ولم يضعفها احد
وبقیة رجالہ ثقات درجہ ۴ ص ۳۲۱

اور دوسری روایت کے مرکزی الفاظ یہ ہیں۔

اچانک انہوں نے آپ کے سایہ کو آتے ہوئے
افلائت ظلمة قد اقبل الحديث
رمعجم الزوائد ج ۴ ص ۳۲۳

اور علامہ بیہقی اس کے بارے فرماتے ہیں کہ

رواہ الطبرانی فی الاوسط وفيه سمیة
روی لها ابوداؤد وغيره ولم يضعفها
احد وبقیة رجالہ ثقات درجہ ۴ ص ۳۲۱

اس کو طبرانی نے (معجم) اوسط میں روایت کیا ہے
اور اس میں سمیہ ہے امام ابوداؤد وغیرہ نے ان سے روایت
کی ہے اور کسی نے ان پر جرح نہیں کی باقی سب
راوی نقد ہیں۔

جمہور مسلمین ان صحیح روایات کو کیسے ترک کر سکتے ہیں جب کہ ان کے مقابلہ میں کوئی صحیح حدیث
ہی موجود نہیں ہے اور ان صحیح روایات کی تائید مجمع الزوائد کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو احادیث
صلوات کے باب میں آئینی جبرائیل کے عنوان سے حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے جس میں
یہ الفاظ بھی ہیں۔

ثم جاءني فصلي في العصر حين كان في مثلي
الى قوله ثم جاءني من الغد فصلي الظهر حين
كان الفتي مثلي ثم جاءني في العصر فصلي في
حين كان في مثلي الحديث رواه البزار
وفيه عمر بن عبد الرحمن بن أسيد بن
عبد الرحمن بن زيد بن الخطاب ذكره
ابن أبي حاتم وقال سمع منه ابو نعيم و
وعبد الله بن ماقه سمعت ابي يقول ذلك
وشبه البزار ابراهيم بن نصر لم اجد من
ترجمه وبقية رجاله موثقون
رمعجم الزوائد ج ۴ ص ۳۲۱

پھر میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور اس
وقت مجھے عصر کی نماز پڑھانی جب کہ میرا سایہ میرے
قد کے برابر ہو گیا (آگے فرمایا) پھر دوسرے دن میرے
پاس آئے تو مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھانی جب
سایہ میرے برابر ہو گیا پھر میرے پاس عصر کے وقت
آئے اور مجھے اس وقت نماز پڑھانی جب کہ میرا سایہ
میری ویشل ہو گیا الحديث اس کو محدث بزار
نے روایت کیا ہے اس کی سند میں عمر بن عبد الرحمن
بن اسید بن عبد الرحمن بن زید بن الخطاب ہے امام
ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے
سنا کہ ان سے ابو نعیم اور عبد اللہ بن ماقہ نے حدیث
کی ہے اور امام بزار کے استاد ابراہیم بن نصر کا
ترجمہ مجھے نہیں مل سکا اور باقی راوی نقد ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ پہلے دن حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو عصر کی نماز اس وقت پڑھانی

جب کہ آپ کا سایہ آپ کی قامت کے برابر تھا اور دوسرے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ آپ کا سایہ آپ کی قامت کے برابر تھا اور فرمایا کہ پھر حضرت جبریل علیہ السلام (دوسرے دن) آئے اور مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب کہ میرا سایہ دو گنا ہو گیا مقدار اس صورت میں جب کہ کان فی ریشی پڑھیں جو اس سے قبل کی روایت کے مطابق ہے وصلى العصر والفنى قامتان الحديث مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۳۳۵ عن ابی سعید الخدری مرفوعا رواه احمد والطبرانی فی الكبير وفيه ابن لهيعة وفيه ضعف اور اگر یہ لفظ مشبہ ہو تو سایہ قد مبارک کے برابر ہو گا کچھ بھی ہو اس سے سایہ تو بہر حال ثابت ہے، ہم اس طویل علمی بحث میں یہاں نہیں پڑتے کہ آیا ظہر اور عصر کا وقت مشترک ہے جیسا کہ حضرت امام الکلی حضرت امام شافعی وغیرہ کا مسلک ہے (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۵) اور انہوں نے اس مذکور اور اس مضمون کی دیگر احادیث سے استدلال کیا ہے یا ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے جیسا کہ بقیہ حضرات ائمہ کرام کا مسلک ہے اور وہ مسلم ج ۲ ص ۲۲۲ کی روایت و وقت صلوٰۃ الظہر الم تحض العصر سے استدلال کرتے ہیں اور پہلی روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں وقت کی تعیین و تحدید مراد نہیں بلکہ تقریب مراد ہے یعنی پہلے دن کی عصر کا وقت دوسرے دن کی ظہر کے وقت کے قریب تھا کہ بعینہ وہی تھا اور مسلم ج ۲ ص ۲۲۲ کی روایت ثم اخذ الظہر حتی کان قریبا من وقت العصر بالاس کی دلیل ہے غرضیکہ فریق مخالف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ کی نفی پر جس قسم کی روایت سے استدلال کرتا ہے اس سے بڑھ کر ثبوت سایہ کے لئے یہ روایت موجود ہے جسے ہم نے صرف تائید کے لئے پیش کیا ہے اور پہلے گذشتہ روایات اس کے علاوہ ہیں۔

جب قرآن کریم اور حدیث شریف سے آپ کی بشریت واضح الفاظ سے ثابت ہے اور صحیح احادیث سے آپ کا سایہ بھی ثابت ہے تو مولف مذکور کا یہ غلط فہمی کہ سایہ بشریت کشف کا ہوتا ہے نہ کہ بشریت لطیفہ کا محض ایک دھکوسلہ ہے کیونکہ آپ کی بشریت کا باوجود لطیفہ ہونے کے اور کایا قوت فی الجہر ہونے کے صحیح حدیث کے موافق سایہ مقابلہ انفس کے مقابلہ میں قیاس کی مطلقاً کوئی گنجائش اور سماعت نہیں ہو سکتی اور بے شک ظنیات کے باب میں دلائل ظنیہ کافی ہوتے ہیں لیکن عقیدہ نہ تو ظنی ہوتا ہے اور نہ اس کے لئے دلیل ظنی کفایت کرتی ہے اور مولف مذکور اس کو عقیدہ کہتے ہیں ہاں اگر کوئی مسئلہ اور نظریہ ظنی ہو تو اس کے لئے ظنی دلیل بھی کافی ہو سکتی ہے۔ علاوہ بریں یہ بھی عجیب ستم طریقہ ہے کہ ثابت شدہ

ظنی خبر و احادیث صحیح کی تو کوئی پرواہ نہ کی جائے اور بے ثبوت ظنی کو پہلے باندھ لیا جائے یہ کونسا انصاف ہے؟ غرضیکہ صحیح حدیث کی روشنی میں آپ کا سایہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے یہ دوسری بات ہے کہ کوئی ضدی اپنے تعصب اور ضد کو نہ چھوڑے اور میں نہ انوں اور اناسلم کی رٹ ہی لگاتا ہے جیسا کہ مولف مذکور اور ان کی جماعت کا یہ محبوب و لذیذ تو یہ ہے تو اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے؟ رہی وہ روایت جو مولف مذکور نے نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو سورج میں دکھائی دیتا تھا اور نہ چاند میں تو تنقید میں اس پر باحوال بحث ہو چکی ہے کہ اس کی سند میں عبد الرحمن بن قیس زعفرانی راوی ہے جو کذاب اور ضاع ہے ایسی روایت پر مدار رکھ کر شریعت کے کسی حکم کو کیسے رد کیا جاسکتا ہے؟ حیرت ہے کہ مولف مذکور حضرت ابن عباس کی روایت کا جان چھڑانے کے لئے بار بار نام لیتے ہیں لیکن اس کی سند اور رجال اور ان کی کتب اسماء الرجال سے توثیق نقل کرنے سے قطعاً قاصر اور سراسر عاجز ہیں ان کا علمی اور اخلاقی خلیفہ ہے کہ اپنے علمی تفصیل اور پٹاری سے اس روایت کی سند نکالیں اور روایت کی توثیق کریں ورنہ اس سے انہیں قطعاً کوئی فائدہ نہیں اسی طرح ان کا بار بار علماء کی عبارات نقل کرنا کہ فلاں فرماتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا اور فلاں فرماتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا تو یہ بالکل بے سود ہے کیونکہ مثلاً انہوں نے اگر دس بزرگوں نے نام کے کران کی عبارت اس مضمون پر نقل کی ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ بجائے دس کے دس ہزار بزرگوں کی عبارت بھی پیش کر دیں تو اس سے کچھ نہیں بنتا کیونکہ سند مرفوع اور صحیح حدیث کے مقابلہ میں دس ہزار تو کیا دس لاکھ بلکہ دس ارب و کھرب حضرات کی بات بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ علمی قاعدہ تو یہ ہے کہ لحد یؤخذ عنہ ویرک الا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ باقی یہ دلائل کہ آپ کا سایہ اس لئے نہ تھا کہ آپ ٹوٹتے اور شمس و قمر تو آپ کے نور سے مخلوق ہوتے ہیں پھر آپ کے سبب سے ان کی روشنی کیونکہ چھپ سکتی ہے اور اس لئے آپ کا سایہ نہ تھا کہ قدموں کے نیچے اور گندی جگہوں کے نیچے واقع ہونے سے محفوظ رہے اور یہ کہ سایہ تاریکی کو مستلزم ہے اور آپ تو نور منیر ہیں وغیرہ وغیرہ تو یہ سب بے وزن اور بے جان باتیں ہیں اولاً اس لئے کہ جب صحیح احادیث سے آپ کا سایہ ثابت ہے تو نفس کے مقابلہ میں ایسی صوفیانہ یا عارفانہ خود ساختہ باتیں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ وثانیاً آپ جس معنی میں نور ہیں وہ معنوی نور ہے جسکی نہیں تو معنوی نور پر جسکی نور کے آثار تب کرنا زرا مجنونانہ فعل ہے وثالثاً فرع کا وہ مرتبہ نہیں ہوتا جو

اصل کا ہوتا ہے آپ کا سایہ آپ کے نفس اطہر اور بدن مبارک کی فرع ہے اور یہ بین امر ہے کہ مکہ مکرمہ وغیرہ کی سر زمین پر جگہوں اور راستوں میں جہاں آپ کے قدم مبارک پڑتے تھے وہاں کسی نہ کسی کافر و مشرک کا قدم بھی پڑتا رہا اور ظاہر ہے کہ ان راستوں پر عام انسان تو کیا حیوانات بھی چلتے تھے پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کے سایہ کو جو آپ کی ذات بابرکات کی فرع ہے تو قدیموں سے محفوظ رکھا گیا اور آپ کے بنفس نفیس قدم مبارک جہاں پڑتے رہے ان جگہوں کو کافروں و مشرکوں اور حیوانات کے قدموں سے محفوظ رکھا گیا؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس خود ساختہ منطق کے گرد سے مناسب تو یہ تھا کہ آپ کا قدم مبارک ہی زمین پر نہ پڑتا تا کہ کسی کافر و مشرک کا ناپاک قدم اس پر نہ پڑتا کیونکہ مشرک ناپاک ہیں انما المشرکون نجس اور اس معنوی نجاست سے بھی آپ کے قدم مبارک کو محفوظ رکھنا چاہیے تھا اس لحاظ سے آپ کو چاہیے تھا کہ زمین پر قدم مبارک ہی نہ رکھتے یا مینہ سوار کی پر اور بالکی میں سفر کیا کرتے والی نظر خلافت اور یہ امر بھی ثابت ہے کہ آپ کی گردن مبارک پر مشرکوں نے ٹوٹ کی ناپاک جھلی بھی ڈالی جب کہ آپ المسجد الحرام میں کعبۃ اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے بخاری ۲۷۱۲ میں سلا جز و ربی فلال کے الفاظ ہیں اور اس کے معنی جھلی کے ہوتے ہیں (الظاہر البہا نجدہ ما من بخاری) اور یہ بھی ثابت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تہی سمیت نماز پڑھا رہے تھے آپ کو آکر یہ خبر دی کہ آپ کی جوتیوں کے نیچے غلاظت لگی ہوئی ہے (اتانی جبرائیل فاتبرنی ان فیہا قدر یہ روایت ابو داؤد ج ۱ ص ۱۷۹ مسند دارمی ص ۱۷۱ مترجم موارد الظمان ص ۱۷۱ اور مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۶۱ میں موجود ہے قال الحاکم والذہبی صحیح علی شرط مسلم اور مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۱ میں بھی یہ روایت موجود ہے) ظاہر بات ہے کہ جوتیوں کے نیچے غلاظت تب ہی لگی تھی کہ آپ نے بخش جگر پر دگو بامر مجبوری یا لاعلمی ہی تھی یاوں مبارک رکھے تھے عجیب بات ہے کہ پاؤں اور نعلین پید جگر پر پڑ جائیں تو کچھ حرج نہ ہو لیکن سایہ ایسی جگہ پر پڑے تو قابل انکار امر ہو۔ اسی طرح آپ کی بشریت کے اعلیٰ والطف ہونے سے نیز آپ کے نور یعنی روح کے پہلے پیدا ہونے اور اس کے پروردگار کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے اور آپ کے نور کے اصل اور باقی مخلوق کے فرع ہونے سے بھی مولف مذکور کو قطعاً کوئی فائدہ نہیں کیونکہ صحیح احادیث سے آپ کا سایہ ثابت ہے اور ان کے مقابلہ میں کوئی روایت مندرجہ انابت ہی نہیں پھر ایسی بے سند روایات کا کیا اعتبار؟ اور اگر ان کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اس سے مولف مذکور کو کچھ

فائدہ نہیں کیونکہ آپ کا نور یعنی روح مبارک اول خلق ہونے کی وجہ سے اصل ہے مگر یہ معنوی نور ہے جس سے قلوب مؤمنین میں معرفت پیدا ہوتی ہے نہ کہ حسی نور کہنے بدبخت اور شقی القلب ہیں وہ لوگ جو آپ کی صحیح احادیث کا انکار اور تاویلات کر کے آپ کے سایہ کی نفی کرتے ہیں اور غیر معصوم اقوال کو ترجیح دیتے ہیں حضرت ذکوان کی روایت کا جواب **تفہیم میں** حضرت ذکوان کی یہ روایت نقل کر کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو صورت میں نظر آتا تھا اور نہ چاند میں ہم نے اس کی تزیید کی تھی اس کے جواب میں مولف مذکور لکھتے ہیں کہ حدیث نقل کرنے کے بعد مولوی سرفراز صاحب اپنی طرف سے اہل سنت کا استدلال وضع کرتے ہیں لکھتے ہیں۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور جب سایہ نہ تھا تو (معاذ اللہ تعالیٰ) آپ بشر بھی نہ تھے اتنی کلام ص ۱۱۵۔

جہاں تک سایہ نہ ہونے کا مسئلہ ہے اہل سنت کے نزدیک مختار یہ ہے کہ آپ کا سایہ ثابت نہیں اور یہ ایک ظنی عقیدہ ہے جس کے اثبات کے لئے دلائل ظنیہ کافی ہیں لیکن مولوی سرفراز صاحب نے اس پر اہل سنت کی طرف سے جو یہ تفریع بھائی ہے کہ جب سایہ نہ تھا تو آپ بشر بھی نہ تھے یہ محض افتراء اور کذب خالص کی بدترین مثال ہے اہل سنت کی کتاب میں نبی علیہ السلام کی بشریت کے ثبوت و تحقیق کے ذکر سے بھری پڑی ہیں ہم کچھ صفحات میں صدر الافاضل کا کلام نقل کر چکے ہیں البتہ دیوبندیوں کی طرح نبی علیہ السلام کو عام بشریت کے مائل ماننا اہل سنت کا عقیدہ نہیں ہم آپ کی بشریت کو بے مثل اور اوصاف و کمالات کے اعتبار سے متمتع النظیر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں باقی رہا یہ امر کہ جب بشریت مان لی تو سلیم بھی یا شاہو کا عباد اور جبل کے سوا کچھ نہیں کیونکہ آپ کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اولاً تو اس لئے کہ آپ کی ذات مقرر بشریت کے ساتھ ساتھ نورانیت بھی کامل ترین جامع ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا ثانیاً اس لئے کہ سایہ اس جگہ کی تائید کی کو کہتے ہیں جو کسی جسم کثیف کے نور کی راہ میں حائل ہونے کی وجہ سے واقع ہوا اور نبی علیہ السلام کی بشریت کثافت سے منزہ ہے اور اس وجہ لطافت میں ہے کہ نور کے لئے حاجب نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ تاریک سایہ کی موجب ہو سرفراز صاحب نے ذکوان کی روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ قابل احتجاج نہیں۔ الجواب اولاً کسی ضعیف روایت کو عقیدہ قطعہ کے اثبات میں تو بے شک پیش نہیں کیا جاسکتا لیکن ظنی عقیدہ میں ظنی دلائل کافی ہوتے ہیں لہذا اس باب میں یقیناً اس روایت کا اعتبار کیا جائیگا۔ ثانیاً عقیدہ کا اثبات اور شے ہے اور اس کی

تا بید امر آخر ہے نبی علیہ السلام کی نورانیت قرآن سے ثابت ہے اور نور کو سایہ نہ ہونا لازم ہے پس تا بید کے درجہ میں اس روایت کا اعتبار کسی حدیث کا حامل نہیں۔ ثالثاً آپ کا سایہ نہ ہونا تمام امت کا تقریباً اتفاق مسئلہ ہے اور تلقی بالقبول کو بھی ناقدین فن نے وجوہ صحیحہ سے شمار کیا ہے۔ رابعاً امام سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں اس حدیث کو ذکر کر کے اس کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے کہ ان کے نزدیک حدیث قابل تسلیم و احتجاج ہے۔ اور فن حدیث میں امام سیوطی کا جو مقام ہے وہ اپنے پرانے سب تسلیم کرتے ہیں۔ خامشاً اگر آپ کو اس حدیث سے خدائی بغض ہے تو چلیے یہ بھی الوفا سے جو روایت ہم ابن عباس کی متصل پیش کر چکے ہیں اسے مان لیجئے اور اگر اس پر بھی تامل ہو تو تقسیم مدارک علی الشیخ الخازن ج ۳ پر حضرت عثمان کی حدیث ہے انہوں نے فرمایا کہ بلا رب اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر واقع نہیں کیا تا کہ میں کوئی شخص آپ کے سایہ پر اپنا قدم نہ رکھ دے۔ یہ کوئی ذکوان کا قول نہیں ہے کہ آپ کہہ دیں اس کی براہ راست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت نہیں اور حدیث مرسل دیوبند کے خفیوں میں مقبول نہیں یہ حضرت عثمان کا قول ہے جو سرفروغ حضرت میں رسول اللہ کے جلیس تھے جن کے سر پر انا علیہ واصحابی کا تاج ہے ہاتھ میں اصحابی کا انجوم کا پرچم ہے ہاتھ پر علیکم لبتی کی چٹون ہے ایسے عظیم الشان صحابی کا قول جن کا قول بھی حدیث ہے اور پھر وہ بھی باگاہ نبوی میں پیش ہو کر تقریر سے حکماً فروغ ہو چکا ہے۔ اور اگر حضرت عثمان کو بھی آپ کے ہاں پذیرائی حاصل نہ ہو تو مولوی رشید احمد گنگوہی سیفند دیوبند کے ناخدا امداد السلوک ص ۸۶ میں لکھتے ہیں تو اتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام جسم کا سایہ ہوتا ہے۔ حضرت عثمان آپ کے ہاں مقبول نہ سہی مکالم دیوبند کا سکہ تو بہر حال آپ کے ہاں چلتا ہے اب فرمائیے کیا خیال ہے تو اتر سے جو مسئلہ ثابت ہو وہ قطعی ہوتا ہے یا ظنی؟ یہ کیسا صریح ظلم ہے کہ ہم اس مسئلہ کو اگر ظن کے درجہ میں مان لیں کافر شرک اور بدعتی سے کم نہیں اور آپ کے پیروں میں اسے تو اتر سے ثابت اور یقین کے درجہ میں مانیں پھر شیخ کے شیخ جو چیز شرک و بدعت ہو گنگوہی مہر اسے کیسے توحید و سنت بنا دیتی ہے وہ کونسا منتر ہے جس کے عمل سے آپ اپنے مولویوں کو شرک اور بدعت کے فتوؤں سے بچا لیتے ہیں یہود اپنے احبار اور یہان کی عبادت چھوڑ چکے آپ کے ہاں یہ پوجا کب بند ہوگی؟ المواہب اللدیہ شرح شمائل محمدیہ ص ۳۳ پر ہے ابن المبارک اور

ابن جوزی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔ زرقانی ج ۲ پر ہے۔ ابن المبارک اور ابن جوزی نے ابن عباس سے روایت کیا کہ نبی علیہ السلام کا سایہ نہ تھا اور آپ کبھی دھوپ میں نہ کھڑے ہوئے مگر سورج کی روشنی پر آپ کا نور غالب رہا۔ یہ ذکوان کی طرح مرسل روایت نہیں بلکہ ابن عباس کی پیش کردہ حدیث متصل ہے اور روایت کرنے والے ہیں ابن جوزی جیسے ناقد حدیث جو اچھی جلی حدیث کو موضوع بنا دیتے ہیں پس ایسے کی روایت میں تردد کرنا خدا کے سوا کچھ نہیں مولوی سرفراز صاحب کی خیانت اور گمراہ کن ذہنیت کا اندازہ اسی امر سے بآسانی کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اہل سنت کے مسلک کی دلیل حدیث ذکوان کو قرار دیا تا کہ رسول اللہ کے کمال نفی ظل پر اچھی طرح دل کا بخار نکال سکیں غفلت رسول کریم کو کم کرنے کا انہوں نے اپنے زعم میں خوب بہا تراش مگر اس سے غافل تھے کہ یہ رسوائی خود ان کا مقدر بن چکی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مداحوں کے دامن پر گندگی کا جو ہاتھ انہوں نے بڑھایا تھا وہ اپنی تمام تر بجا ستوں سمیت ان کی لبتی ذات کی طرف لوٹ آیا۔ قاضی عیاض مالکی شفا شریف ج ۲ ص ۲۰ پر فرماتے ہیں اور وہ جو مذکور ہے کہ آپ کا چاند سورج میں سایہ نہ پڑتا تھا پس وہ اس لئے ہے کہ آپ نور ہیں۔ شہاب الدین حفا ج ۱ تسلیم الریاض ج ۲ ص ۳۱۹ میں اس کی شرح میں لکھتے ہیں یعنی آپ کے جسد شریف لطیف کا سایہ نہ تھا اور لطیف کے لفظ میں لطیف اشارہ موجود ہے کہ آپ کی بشریت کثافت سے منزہ ہو کر لطافت کے اس درجہ میں تھی کہ روشنی کے لئے حاجت نہ ہوتی تھی حتیٰ کہ تاریک سایہ کا موجب ہوتی اسی بحث میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔ اس کو (ابن جوزی) صاحب کتاب الوفا نے ابن عباس سے روایت کیا کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔ ان تمام اکابر علما نے نفی ظل کی بنا حدیث ابن عباس پر کی ہے لیکن مولوی سرفراز صاحب نے اس متصل حدیث کو چھوڑ کر اس مسئلہ کو حدیث ذکوان پر مبنی قرار دیا تا کہ اسی روایت کے ضعف ارسال سے اصل مسئلہ میں ضعف ثابت کر سکیں انا للہ اللہ قاضی عیاض کے قول لانا کان نوراً کی شرح میں ملا علی نقاری شرح شفا ج ۲ ص ۵۳ میں تحریر فرماتے ہیں بعض حضور نور بندا تہ ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا کیونکہ اس میں کثافت نہیں ہے اور جو مضمون نوادر میں وارد ہے اس سے بھی یہی مراد ہے اور اس کے لفظیہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا نہ چاندنی میں اس کو طبعی نے بھی ابن سبغ سے نقل کیا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوة ج ۱ ص ۱۱ میں فرماتے ہیں۔ اور نور نبی علیہ السلام کے اسما میں سے ہے اور نور کا سایہ

نہیں ہوتا۔ نیز یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوة ج ۱ ص ۱۲۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا کہیں جس زمین پر پڑے شاہ عبدالغفور تفسیر عزیزی ص ۲۱۹ میں فرماتے ہیں اور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا انتہی باختصار یہ سیر۔
(توضیح البیان از ص ۱۲۱ تا ص ۱۸۲) یہ یاد رہے کہ مولف مذکور نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی حود لیں اور حوالے ذکر کئے ہیں یہ سب خانصاحب کی کتاب نفی الغی وغیرہ سے مانوڑ ہیں۔
الجواب۔ ہم بقدر امکان ترتیب سے جوابات عرض کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) جب دلائل قطعیہ اور برابرین سا طعہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت ثابت ہے اور احادیث صحیحہ صحیحہ سے آپ کا سایہ بھی ثابت ہے تو اہل سنت والجماعت ان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کیونکر یہ عقیدہ رکھ سکتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا اور یہ اہل سنت کا مختار کیسے ہو سکتا ہے؟ البتہ اہل بدعت کا عقیدہ یہ ضرور ہے اور انہی کے لئے یہ مناسب بھی ہے کیونکہ حق اور صحیح دلائل کے ساتھ ان کی کا خدا واسطے کا بیروا کرتا ہے اور وہی ایسا عقیدہ رکھ سکتے ہیں۔

(۲) عقائد تمام قطعی ہوتے ہیں اور ان کے لئے دلائل بھی قطعی درکار ہوتے ہیں کسی مسئلہ یا نظریہ یا کسی جزیئہ کو عقیدہ سے تعبیر کرنا معروف اصطلاح کے خلاف ہے اس لئے ایسی خانہ ساز اصطلاحات سے حقیقت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

(۳) بے شک اہل بدعت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر ماننے والے بھی موجود ہیں مگر ان میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے مخلوق تسلیم کرنے والے بھی ہیں اور اسی کو وہ نام نہاد اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بتاتے ہیں جیسا کہ پہلے بحوالہ یہ بات عرض کی جا چکی ہے تو پھر اس کو محض افتراء اور کذب خالص کی بذریعہ مثال قرار دینا اپنی خالص جہالت کا یا اپنی ہٹ دھرمی کا ثبوت دینا ہے۔ البتہ مولف مذکور کا کہنا کہ دیوبندی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کو عام بشریت کے مماثل مانتے ہیں اور ہم آپ کی بشریت کو بے مثل اور اوصاف و کمالات کے لحاظ سے متمتع النظر مانتے ہیں یہ نزدیک و غلطی ہے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ فضائل و مزایا اور اوصاف و کمالات وغیرہ میں آپ کی ذات سب سے افضل ہے اور آپ افضل البشر ہیں ان خوبیوں میں آپ کا کوئی ثقیل اور نظیر نہیں لیکن نفس بشریت اور لوازم بشریت جن میں سایہ ہونا بھی دلائل سے ثابت ہے اس میں آپ قرآن کریم کی قطعی آیات کے حکم سے اس آنا بشر و بشکلم

اقبال نے فرمایا ہے کہ
رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کرب ایسا دور از آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں
اور اگر مراد یہ ہے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثل اور نظیر پیدا کرنا چاہے تو اس کو اس پر قدرت ہی حاصل نہ ہو یہ اہل بدعت کا عقیدہ تو ہے لیکن اہل سنت کا نہیں کیونکہ اس پر کمال یقین رکھتے ہیں کہ اللہ علیٰ علیٰ صلیٰ علیہ وسلم قد فیہ اور اس کی با دلائل بحث تنقید میں اور خود اس کتاب میں اپنی جگہ موجود ہے۔

(۴) جب آپ کی بشریت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ ذات اور نفس آپ کی بشریت سے اور خود مولف مذکور بھی جنس کے لحاظ سے آپ کو بشر تسلیم کر چکے ہیں اور کرتے ہیں اور نور آپ کی صفت ہے تو سایہ کا آپ کے لئے ہونا نقلاً و عقلاً ثابت ہے کیونکہ بشریت کے لوازم میں سے ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے اس کا انکار عناد و جہل کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۵) آپ کا جسم مبارک اپنی ظاہری اور باطنی جسمانی اور روحانی خوبی اور کمال کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ لطیف ہی تھا بلکہ اطف بھی تھا لیکن آپ کا جسم اطہر میں مہر ایسا تھا جو کسی کو نظر نہ آتا جیسا کہ فرشتوں اور جنات کے وجود کو مگر نما نظر نہیں آتے جب آپ کا جسم مبارک مری تھا اور ہر ایک کو ہر وقت نظر آسکتا تھا اور آنا تھا تو ایسے جسم کے لئے سایہ کا ہونا کونسی بعید بات ہے۔

(۶) عقیدہ قطعی ہوتا ہے ظنی نہیں ہوتا اور قطعیات میں ظنیات کا قطعاً کوئی دخل نہیں شرح عقائد ص ۱۱ میں ہے ولا عبرۃ بالظن فی باب الاعتقادات یعنی اعتقادی امور میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں۔ ذکوان کی روایت سے سایہ کی نفی کر کے بالواسطہ آپ کی قطعی طور پر ثابت شدہ بشریت کا انکار ہو رہا ہے اور اس میں وضاع قسم کے راوی بھی موجود ہیں لہذا اس کا کیا اعتبار ہے؟ اس لئے یہ روایت قطعاً اور یقیناً مردود ہے دلائل کی مد میں اس کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں یہ بات اہل بدعت ہی کو زریا ہے کہ وہ ایسی موضوع روایات کا اعتبار کر کے اپنے دل ماؤف کو بدلائیں اور وہ اکثر ایسا ہی کیا کرتے ہیں ان گنہگار و مبلغ علم ہی یہ سب ع دل کے پہلانے کو غائب یہ خیال اچھا ہے۔

والخطیب البغدادی وابن عساکر والحکیم
الترمذی و ذکر جماعۃ غیرہم قہو
ضعیف فیستغنی بالعزو الیہا راوی
الی کتبہم) عن بیان ضعفہ انتہی
بلفظہ۔ (ہامش المراح فی المراح ۵۱۰
للعلاۃ بعد الدین الی البرکان الغزوی
المتوفی ۸۴۲ھ)

اور ذکوان کی یہ روایت بطریق عبدالرحمن بن قیس الزعفرانی انہوں نے خصائص الکبریٰ ج ۱
ص ۱۸ میں حکیم ترمذی کی طرف نسبت کی ہے اخرج الحکیم الترمذی الذکوان کے نزدیک اس کے ضعیف
ہونے میں کیا شک ہے؟

علامہ سیلیمان ندوی (المتوفی ۱۳۷۲ھ) لکھتے ہیں کہ علامہ سیوطی کی خصائص کبریٰ جو حیدر آباد
دکن میں چھپ گئی ہے معجزات کے موضوع پر سب سے زیادہ مسبوط ہے اور جامع تالیف ہے۔ علامہ
ممدوح نے الی قولہ قوی و ضعیف اور صحیح و غلط ہر قسم کے واقعات کا انبار لگا دیا اور (سیرت
النبی ج ۳ ص ۲۳۵ طبع لاہور)

(۱۰) مؤلف مذکور نے الوفا کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے اور جسے وہ
متصل قرار دے کر بحیر منوار اچاٹتے ہیں سوال یہ ہے کہ اس حدیث کی سند کیا ہے؟ اس کے راوی کون ہیں؟
ان کی توثیق کتب اسامہ الرجال سے درکار ہے سیز زوری سے کسی روایت کو بلا کسی ثبوت کے متصل
قرار دے کر منوانا اعلیٰ نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح مدارک کے حوالے سے حضرت عثمانؓ سے جو روایت نقل کی
ہے اس کی سند کیا ہے اور کیس ہے؟ بلاشبہ حضرت عثمانؓ کا قول بھی غلط و راہدہ ہونے کی وجہ سے بڑا زنی ہے
جب کہ اس کی صحت ثابت ہو اور اس روایت کے روات اور سند کا کچھ پتہ نہیں اور کتب تفاسیر میں ہر
قسم کی طب و ایس روایات نقل موقی علی آری ہیں لہذا کسی تفسیر میں ایسی بے سرو پار روایات کا موجود ہونا
ان کی صحت کی ہرگز دلیل نہیں ہے غرضیکہ نہ تو یہ روایت سنداً صحیح ہے اور نہ اس کا اعتبار ہے حکماً تو یہ
تب مرفوع قرار پاتی جب سنداً صحیح ہوتی جب اس کی سند بھی صحیح نہیں بلکہ پتہ ہی نہیں کہ اس کی سند کیا ہے

(۷) آپ کا یہ عقیدہ کہ آپؐ کا سایہ نہیں کسی قطعی دلیل سے ثابت ہے جس کی تائید کے لئے آپ اس موضوع
اور بالکل بے بنیاد روایت کا سہارا لے رہے ہیں پہلے تو آپ وہ قطعی دلیل علمی قیضے سے نکالیں پھر اس
موضوع روایت کو اس کی تائید میں پیش کریں قرآن کریم سے اور وہ بھی صرف ایک تفسیر اور احتمال کے لحاظ
سے نہ کہ قطعیت سے آپ کی جو نورانیت ثابت ہے وہ صرف وصف کے لحاظ سے ہے نہ کہ ذات اور
جنس کے لحاظ سے اور بشریت آپ کی قطعی طور پر ثابت ہے جس کے لئے سایہ ہونا لازم ہے اور لہذا وہ
صحیح سے ثابت بھی ہے لہذا ایسی موبہوم و مفروض دلیل کی تائید میں جعلی روایت ہے تائید تلاش کرنا
جہالت کا پلندہ ہے۔

(۸) تمام امت کا تقریباً اتفاق آپ کے سایہ ہونے پر ہے نہ کہ نہ ہونے پر (چند بزرگوں کا نام تمام
امت نہیں ہے) کیونکہ تمام امت آپ کو بشر تسلیم کرتی ہے اور بشر کے لئے سایہ لازم ذات ہے اور تمام
امت صحیح احادیث کو بھی تسلیم کرتی ہے اور صحیح احادیث سے بھی آپ کا سایہ ثابت ہے کیا مؤلف مذکور
کے نزدیک قرآن و حدیث سے ثابت شدہ کسی فیصلہ کے خلاف بھی کبھی اجماع ہو سکتا ہے؟
بلانک تلقی! بقول بھی حضرات محدثین کرامؓ کے اُن قابل اعتبار ہے لیکن صرف ضعیف حدیثوں میں نہ کہ
زری جعلی اور موضوع حدیثوں میں اور یہاں تو تلقی بھی نہیں بلکہ اس روایت کی پرزور تردید کی گئی ہے۔

(۹) بلاشبہ حضرت امام سیوطیؒ وسیع النظر اور بڑے عالم گذرے ہیں لیکن نہ تو وہ المرحوم و تعدیل میں
شمار ہیں اور نہ انہوں نے کتاب خصائص الکبریٰ (روغیرہ) میں صحت کا التزام کیا ہے خصائص الکبریٰ
میں موضوع اور جعلی روایات کی بھر مار ہے لہذا ان کا اپنی کتاب میں کسی روایت کا ذکر کر دینا کسی طرح حدیث
کی صحت اور ثبوت کو مستلزم نہیں ہے اپنے پرانے ان کا مقام صرف وسعت نظر میں تسلیم کرتے ہیں نہ
کہ حدیث کی تصحیح اور تحسین میں کیونکہ یہ ان کا مقام ہی نہیں ہے اُن اگر کسی روایت کی باقاعدہ سند موجود
ہو اور اس کے جملہ روات ثقہ ہوں اور وہ اس کی تصحیح و تحسین کریں اور دوسرے حضرات محدثین کرامؓ
بھی اس حدیث کو صحیح یا حسن کہتے ہوں تو پھر معاملہ بدلے۔

امام سیوطیؒ نے خود اپنی کتاب الجامع الکبیر میں حدیث کی صحت و ضعف کا ایک ضابطہ بیان فرمایا
ہے مؤلف مذکور اور ان کے حواریوں کو وہ پیش نظر رکھنا چاہیے وہ فرماتے ہیں۔

کل ما عزی الی العقبی وابن عدی کہ جو حدیث عقبی! ابن عدی خطیب بغدادی ابن

تو اس کو دھینکا مشتق مرفوع قرار دیکر منوانے کا کیا مطلب ۹ اور اس طرح مانتا کون ہے ۹۔

لوٹت مذکور کا یہ کہنا کہ حدیث مسل دیوبند کے حنفیوں میں مقبول نہیں ہوتی ایک خاص جاہلانہ دعویٰ ہے علماء دیوبند کے نزدیک مسل حدیث حجت ہے بشرطیکہ اس کی سند صحیح ہو اور اس کے مقابلہ میں کوئی صحیح اور حسن متصل حدیث موجود نہ ہو اور اس حدیث کی یہ پوزیشن نہیں کیونکہ ایک تو اس روایت میں جو دو کوان کے طریق سے مروی ہے کذاب اور وضاع راوی موجود ہے جس کی حیثیت پر کاہ کی بھی نہیں ہے۔ اور دوسرے اس کے مقابلہ میں آپ کے سایہ کے ثبوت کی صحیح احادیث موجود ہیں پھر اس کا کیا اعتبار ہے ۹

(۱۱) چونکہ مسند احمد مستدرک جامع الزوائد اور طبقات ابن سعد وغیرہ کتابیں حضرت گنگوہی کے زمانہ میں کیاب تھیں اور ان میں درج شدہ سایہ کی روایات ان کے پیش نظر تفصیل و درجہ تفصیل میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ ہونے کا ذکر موجود ہے اور مروی وغیرہ کے الفاظ سے اس کا تذکرہ ہوا ہے اس لئے بنا بر شہرت کے اس کو امداد السلوک میں متواتر احادیث سے تعبیر کیا گیا ہے اور پھر وہ جس معنی میں آپ کو نور کہتے اور تسلیم کرتے ہیں وہ اس معنی میں آپ کے پیر و کاروں کو بھی نور تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی بشریت کا صاف طور پر اقرار کرتے ہیں اور آپ کو انسان مانتے ہیں ہاں تزکیہ نفس کی وجہ سے الائنش اور کدورت کے سایہ سے آپ کو منزہ مانتے ہیں چنانچہ وہ فتاویٰ رشیدیہ درجہ صلیط جید برقی پر پس دہلی میں اس سوال کے کمرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے کس بات میں مثل ہیں الہ جواب میں لکھتے ہیں۔

الجواب نفس بشر ہونے میں مساوات ہے اگرچہ آپ کی بشریت ان کی د ا طیب ہے الہ اور امداد السلوک میں فرماتے ہیں چنانچہ حق تعالیٰ صریحاً فرماتے ہیں کہ تحقیق سے وہ کامیاب ہو گیا جس نے تزکیہ نفس کر لیا یعنی اس نے مجاہدہ کی تلوار اور ہوائے نفسانی کی مخالفت سے الائنش اور کدورت کو ختم کر دیا اسی لئے حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں کہ تحقیق آئے ہیں تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور کتاب میں نور سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہیں شاہد - مبشر - ندیر - داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے منیر روشن کرنے والے اور روشنی دینے والے کو کہتے ہیں اگر انسانوں سے کسی کو روشن کرنا محال ہوتا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات میسر نہ ہو سکتی کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں مگر آپ نے اپنی ذات پاک کو ایسا پاکیزہ کیا کہ خالص ہو گئے

اور حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور فرمایا اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سائیں نہیں رکھتے تھے اور یہ واضح ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سائے رکھتے ہیں اسی طرح آپ نے اپنے پیر و کاروں کا ایسا تصفیہ فرمایا کہ وہ سمجھی نور ہو گئے جیسے کہ ان کی حکایات اور خرق عادات سے کتابیں بھری پڑی ہیں اور ایسی مشہور ہیں کہ انہیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے نبی پر ایمان لاتے ہیں ان کا نور ان کے آگے تجھے بھاگتا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اس دن کو یاد کرو جب کمال ایمان کا نور ان کے دائیں بائیں آگے تجھے ہو گا اور منافق کہیں گے کہ ہمیں بھی اس نور سے کچھ دوان ڈونوں آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اتباع شریعت سے ایمان اور نور و نول حاصل ہو جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور بخون کو میرے نور سے۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے اللہ میرے سمع - بصر - قلب میں نور کر دے بلکہ فرمایا کہ مجھے سراپا نور کر دے پس اگر انسان کا نفس مصطفیٰ ہوا محال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز یہ دعا نہ فرماتے اس لئے کہ محال چیزوں کے لئے دعا کرنا بالاتفاق ممنوع ہے نیز حضرت ابوالحسن نوروری رحمۃ اللہ علیہ کو نور ہی اسی لئے کہتے ہیں کہ آپ سے کئی بار نور دیکھا گیا اور بہت سے خواص و عوام نے صلوات اور شہداء کے مقابلے سے نور بلند ہوتا دیکھا ہے یہ نور ان کے تزکیہ نفس کا ہے جب نفس کا کام بلند ہو جاتا ہے تو اس کا نور بدن میں سرایت کر جاتا ہے اور وہ ہوتے ہوتے بدن کی طبیعت اور مزاج ہی بن جاتا ہے اس کے بعد اگر نفس بدن سے جدا ہو جائے پھر بھی وہ جسم انوار کا منبع اور منفذ بن جاتا ہے جس طرح زندگی کی حالت میں تھا۔ انتہی امداد السلوک ص ۱۵۶ و ص ۱۵۷ طبع کتب خانہ شرف الرشید شاہ کوٹ، یہ طویل اقتباس ہم نے صرف اس لئے نقل کیا ہے کہ اس سے یہ بات بالکل واضح سے واضح تر ہو جائے کہ جس معنی میں حضرت گنگوہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیر و کاروں کو نور فرماتے ہیں وہ حسی نور نہیں بلکہ معنوی نور ہے جو تزکیہ نفس - تصفیہ - نفس کی پاکیزگی اور اتباع شریعت سے حاصل ہوتا ہے اور اس معنی میں سراپا نور ہو کر بھی انسان - بشر - اور اولاد آدم علیہ السلام ہی میں رہتا ہے اس عبارت کے پیش نظر اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیر و کاروں کا سایہ تھا اور یقیناً تھا تو آپ کا سایہ بھی ہونا چاہیے کیونکہ آپ کے پیر و کار بھی بقول حضرت گنگوہی سمجھی نور ہو گئے تھے اور اس لحاظ سے سایہ سے مراد نفوس کی الائنش اور کدورت کا سایہ ہو سکتا ہے جو اتباع شریعت اور تزکیہ نفس اور

ذات کی پاکیزگی کی وجہ سے سب نوریوں پر چسپاں ہوتا ہے ورنہ جن بیروکاروں کو وہ نور فرماتے ہیں ان کے سایہ کی نفی کرنا پڑے گی حالانکہ ایسا شاید مؤلف مذکور اور ان کے حواری بھی نہ کریں۔ ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ کی نفی کرنے والوں کو نہ کافر و شرک قرار دیا ہے اور نہ بدعتی کہا ہے مؤلف مذکور کے خبیث باطن کا نتیجہ ہے کہ عوام الناس کو ہم سے متنفر کرنے کے لئے بے بنیاد اور غلط باتیں ہماری طرف منسوب کرتے ہیں الحمد للہ تعالیٰ کہ ہم لوگ نہ تو پہلے اپنے اجمار و رہبان کی پوجا کرتے تھے اور نہ اب کرتے ہیں یہ کمال صرف آپ لوگوں کا ہے کہ اَتَّخَذُوا اَحْبَادَهُمْ وَرُحَبَاءَهُمْ اَدْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ الْآیۃ کا کوئی پہلو کاغذ نہیں جانے دیتے اور یہی آپ کا قیمتی سرمایہ ہے۔

(۱۲) مواہب لدنیہ۔ زرقانی۔ کتاب الوفاء۔ شفا۔ نسیم الریاض۔ شرح شفا علی القاری۔ مدارج النبوة اور تفسیر عزیزی وغیرہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے جتنے حوالے نقل کئے گئے ہیں ان کا جواب ہماری طرف سے یہی ہے کہ سایہ نہ ہونے کی روایت کچھ حضرات نے نقل کی اور اس کو معجزہ تصور کیا گیا اور دوسری طرف کی صحیح روایات پیش نظر نہ تھیں لہذا جس روایت میں آپ کا سایہ نہ ہونے کا ذکر ہے اُسی پر بنیاد رکھتے ہوئے ان بزرگوں نے ایسا لکھا ہے حالانکہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں بلکہ اس کے خلاف صحیح و صریح روایات موجود ہیں کثرت۔

ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ ہونے کی صحیح احادیث باحوال عرض کی ہیں اور مؤلف مذکور نے چند بزرگوں کے حوالے نقل کئے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا بجائے اس کے کہ ہم اس کے جواب میں متعدد حوالے نقل کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مؤلف مذکور ہی کا جواب خود ان کی عبارات میں عرض کر دیں ہم نے حکم الذکر بالجہر میں حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا ذکر نازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا اور تکبیر کہنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں مقابلہ جواب حضرت امام شافعیؒ سے یہ نقل کیا تھا کہ یہ حدیث منسوخ ہے ان کا ارشاد روایات پر مبنی ہے اور دیگر حضرات ائمہ کرامؒ کی ان کو تائید بھی حاصل ہے اور خود بھی مجتہد مطلق ہیں) اس کا جواب مؤلف مذکور نے یہ دیا ہے۔

امام شافعیؒ تو بہت دور کی چیز ہیں اگر حدیث رسول کے خلاف صحابہؓ بھی کوئی بات محض اپنی رائے سے کہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کے مقابلہ میں ان کی رائے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوگا الی قولہ ممکن ہے آپ کے لئے امام شافعیؒ کی رائے کافی ہو لیکن ہم دامن رسالت کو چھوڑ

کر کہاں جائیں؟ اور جا بھی کہاں سکتے ہیں؟ احد (ذکر بالجہر طبع دوم ۱۲۵) نیز لکھتے ہیں امام شافعیؒ کی شخصیت۔ ان کی علمی وسعت اور زہد و تقویٰ اپنی جگہ پر یہ تمام امور مسلم ہیں لیکن جب وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث صحیح کے مخالف کوئی بات محض اپنی رائے سے پیش کریں گے تو شکیانی نہیں ہوگی احد بلفظہ (مثلاً)۔

نیز تحریر کرتے ہیں کہ۔ یاد رکھیے جب کوئی مسئلہ حدیث سے ثابت ہوا اور اس کے معارض اور مخالف کتاب و سنت میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو تو ایسی صورت میں اس حدیث پر عمل کرنا ہی صحیح دین ہے اور کوئی شخص اپنی جگہ پر کتنا ہی بڑا بزرگ اور عالم دین کیوں نہ ہو لیکن جب وہ حدیث صریح کے خلاف کوئی بات محض اپنی رائے سے بلا دلیل کہتا ہو تو صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں اس کی ذاتی رائے کو چھوڑ دینا ہی ہدایت اور راہ استقامت ہے بعد کا کوئی شخص علم و فضل میں کتنا ہی فائق کیوں نہ ہو صحابہؓ سے نہیں بڑھ سکتا اور جب یہ اصول ہے کہ قول صحابی بھی اگر حدیث رسول کے معارض ہو تو حدیث کے مقابلہ میں اس قول کو چھوڑ دیا جاتا ہے تو سوچئے جس حدیث کے خلاف صحابہؓ کی بات نہ سنی جاتی ہو تو ان کے خلاف بعد میں کسی بزرگ یا ماوشما کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ بلفظہ (مثلاً)۔

قارئین کرام! ان بزرگوں کے حوالوں کا جو صحیح اور صریح احادیث کے مقابلہ میں ہیں اس سے بہتر اور کیا جواب دیا جاسکتا ہے جو مؤلف مذکور نے خود دیا ہے و کفٰیٰ بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسْبُنَاہُ بلاشبہ علامہ ابن الجوزیؒ بڑے عالم اور محدث ہیں اور وہ بعض اوقات صحیح اور حسن قسم کی روایات کو موضوع قرار دینے کی غلطی کرتے ہیں مگر ان کی کتابوں میں بے سند اور بے اصل روایات پر سکوت کی کمی بھی نہیں لہذا ان کا کسی روایت کو نقل کر دینا فن حدیث کے دوسے کوئی دلیل اور حجت نہیں ہے۔

مسئلہ سایہ اور شیعہ | مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ اصل میں آپ کا سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے۔ کیا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت ابن عباسؓ۔ امام سیوطیؒ قاضی عیاضؒ علامہ نسفیؒ ملا علی القاریؒ شیخ عبدالحقؒ۔ علامہ بیجوریؒ۔ علامہ خفاجیؒ ابن مبارکؒ ابن جوزیؒ یہ تمام صحابہؓ اور اکابر ائمہ دین حضرات شیعہ لکھتے؟ جب عہد رسالت سے لے کر شاہ عبدالعزیزؒ تک تمام اکابر مسلمین حضور کے سایہ نہ ہونے کے قائل تھے تو آپ کے انکار پر کون کان دھے گا اور ان تمام مسلمانوں کو آپ نے بیک جنبش قدم شیعہ بنا دیا ہے اگر واقعی سایہ نہ ہوتا شیعہ کا مسئلہ ہے تو گستاخی معاف سب

سے بڑے شیعہ گنگوہی ہیں جو کہتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ ہوا تو اتر سے ثابت ہے پھر مولوی اشرف علی تھانوی میں جو شکر النعمہ ص ۲۰ پر لکھتے ہیں یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ پھر عزیز الرحمن مفتی دیوبند شیخہ میں جو فتاویٰ ج ۲ ص ۲۲ میں لکھتے ہیں امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں لکھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل کی ہے اخرج الحکیم الترمذی البیہرہ نو کا کہ مولوی سرفراز صاحب خدا سے توبہ کر کے لوٹ آئیں ورنہ تنہا رہ گئے ہیں علامہ دیوبند بھی ایک ایک کر کے ان کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں (محصلا ص ۱۸۳ و ۱۸۴)

الجواب۔ ان حضرات کے سامنے یقیناً وہ احادیث نہیں جو سایہ کے وجود کی باحوالہ ذکر کی گئی ہیں اگر یہ احادیث ان حضرات کے سامنے ہوتیں تو وہ ہرگز ان کے خلاف کچھ نہ فرماتے ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا ضرور ذکر کیا ہے اور ان کا مأخذ آجاکر کے حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب۔ مگر یہ سند اور بے اصل روایت اور حضرت ذکوانؓ کی موضوع اور جعلی روایت ہے یا پھر ذکر دُوی وغیرہ الفاظ سے بغیر کسی سند کے اس کا ذکر ہے پھر کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ سایہ کی سند صحیح روایات سامنے آنے کے بعد ان بے سرفرازیات پر اس مسئلہ کی بنیاد رکھے جو کہ سایہ نہ ہونے کی روایات بالکل بے اصل ہیں یہی وجہ ہے کہ مولانا تھانویؒ (وغیرہ) محتاطا علماء اس حدیث کی صحت کی ذمہ داری نہیں اٹھاتے اور فرماتے ہیں کہ یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ اور حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب نے سایہ ہونے والی روایت کی خوب تردید بھی کی ہے مگر مولف کو شہیر باد سمجھ کر اس کو بالکل پی گئے ہیں اور اصول کافی پر بقول شیعہ حضرات کے امام مہدیؑ نے بخط اور تصدیق ثبت فرمائی اور فرمایا ہذا کاف الشیعۃ کہ یہ کتاب ہمارے شیعہ کے لئے کافی ہے اور اسی کتاب سے تنقید متین میں باحوالہ یہ عرض کیا گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا تنقید متین میں یہ کہا ہے کہ اصل میں سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے اگر سایہ ہونے کی صحیح روایات موجود ہوتیں اور پھر ہم ان اکابر کی نقول کی مخالفت کرتے تو ہم قصور وار ہوتے لیکن سایہ ہونے کی صحیح روایات کی موجودگی میں ہم پر لازم کیسا؟ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ان اکابر کو وہ صحیح احادیث نہیں پہنچیں ورنہ صحیح حدیث کی مخالفت کون سلمان گوارا کرتا ہے؟ اور چونکہ ہمارا استدلال لفظ بشر سے ہے جو قرآن کریم میں جایا مذکور ہے اور سایہ ہونے کی صریح اور صحیح احادیث سے ہے اس لئے ہم یہی کہتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ یہی

ہونا چاہیے کہ آپ کا سایہ تھا اور جن حضرات صحیح روایات نہیں بخیرہ معذوریں مگر جن کو علم ہو چکا وہ کس طرح معذور ہو سکتے ہیں؟ جن روایات سے سایہ ثابت ہے ان کا جواب

مولف مذکور تنقید متین میں مستدرک کے حوالے سے

پیش کردہ صحیح حدیث جس میں یہ الفاظ بھی ہیں حتیٰ رأیت ظلی و ظلک فیہما کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں مولوی سرفراز صاحب نے حدیث کا ترجمہ اپنے فاسد عقیدہ کی وجہ سے غلط کیا ہے کہ میں نے اس آگ کی روشنی میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ یہاں تک کہ میں نے آگ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا (حاشیہ محصلہ) اور حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث مبارک سبعة یظلہم اللہ بظلمہ اور یوم لا ظل الا ظلہ کیا اللہ تعالیٰ کا بھی سایہ ہے العیاذ باللہ ہذا نفل ابنی حقیقت پر محمول نہیں کیونکہ دفن کی آگ دنیاوی آگ کی طرح روشن نہیں ہوتی جیسا کہ آپ نے کثرت مطالعہ سے سمجھا ہے مشکوٰۃ شریف باب صفۃ النار فصل ثانی کی پہلی حدیث میں ہے فی سوداء مظلمۃ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے ہذا حدیث کے ترجمہ میں اپنی طرف سے آگ کی روشنی بڑھانا مولوی سرفراز صاحب کی علمی بے مائیگی کے سوا کچھ نہیں کیونکہ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے وہاں روشنی کا کیا کام؟ یہاں نفل کا لفظ اپنی اصل پر محمول نہیں ایک تو اس لئے کہ آپ نور میں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا دوسرا اس لئے کہ جہنم میں سایہ دکھائی دینا معقول نہیں ہے او ظلم مجازی طور پر شخص کے معنی میں آتا ہے۔ معالم التنزیل میں ہے وقیل ظلمہم امی اتھا صہم پس معنی حدیث یہ ہے کہ میں نے جہنم کو دیکھا اور اس میں اپنے اور تمہارے اشخاص کو دیکھا یعنی آپ کے وصال کے بعد امت قسنوں میں مبتلا ہو گئی اور جہنم میں دیکھنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ خود کو یا صحابہ کو جہنم کے قریب یا اس کے کنارے دیکھا اور اگر خود جہنم میں دیکھا بھی وارد ہو وہ منقہص شان کا موجب نہیں کیونکہ جہنم میں ہونا صرف کفار کے لئے موجب عذاب و اہانت ہے ہر ایک کے لئے نہیں ورنہ خنزیر جہنم بھی تو جہنم میں موجود ہیں و صامن کھالا و ادھادوان مشکھالا و ادھابے۔ صفدر کے تحت مفسرین کہتے ہیں کہ تمام مومنین کا جہنم سے گذر ہو گا مگر ان کے لئے یہ باعث نشاط و سرور ہو گا۔ (محصلا ص ۱۸۳ تا ۱۸۴ توضیح البیان)۔

الجواب۔ مولف مذکور نے یہ جو کچھ کہا ہے مردود ہے اولاً اس لئے کہ نبی و ان محمد اللہ تعالیٰ بکثرت موجود ہیں کسی لائق عربی و ان ثالث سے دریافت کر لیں کہ وعوضت علی الناد فیما بینی و بینکم

حتیٰ دایت غلی وظلکم فیہا کتر جمہ اور مطلب کیا ہے؟ انشاء اللہ العزیز کوئی منصف مزاج عربی دان اس عبارتہ کا مطلب اپنے ترجمہ اس کے بغیر اور کچھ نہیں بیان کر لگا کہ اور مجھ پر دوزخ بھی پیش کی گئی جو میرے اور تمہارے سامنے تھی یہاں تک کہ اس کی آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ اور اگر مولف مذکور کا بیان کردہ معنی ہی ہم لے لیں کہ میں نے آگ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا تو پھر بھی ہمارا مدعی واضح ہے اور اس ترجمہ سے مولف مذکور کو کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ کسی بھی ذی علم اور صاحب بصیرت سے یہ بات قطعی نہیں ہے۔ وثانیاً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم نہیں گو لطیف ہی ہیں اس لئے اس کا سایہ عقلاً بھی نہیں ہو سکتا بخلاف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہ آپ کا جسم مبارک تھا گو لطیف ہی چنانچہ خالص صاحب بریل لکھتے ہیں کہ وہ بشر ہیں مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف اور جسم انسانی رکھتے ہیں مگر ارواح و ملائکہ سے ہزار جگہ لطف اہل (نفسی الفیضا) اور جسم بشر آدمی اور انسان کا سایہ ہونا عقل کے عین مطابق ہے اور صحیح حدیث سے ثابت بھی ہے کہ ان کے لئے بظلمہ اور الاظلمہ سے حقیقت مراد نہیں بلکہ مجاز مراد ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ مراد ہے کیونکہ عرش بھی جسم ہے اور اس کا سایہ ہے اور الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۱ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں سبعة یظلہم اللہ تحت ظلہ عرشہ یوم لا ظل الا ظلہ الحدیث وقال حسن اور السراج المنیر ج ۲ ص ۳۳۵ میں ہے۔ باسناد حسن۔ اس مرفوع مرفوع اور حسن حدیث سے واضح ہو گیا کہ ظل اللہ سے (بخلاف مضاف) ظل عرش مراد ہے اور ایک اور حدیث میں ویظل علیہم انعام الحدیث کے الفاظ آتے ہیں موارد النظائر ص ۶۱ یعنی کچھ مومن قیامت کے دن بادل کے سایہ کے نیچے ہوں گے وثانیاً بلاشبہ جزر جہنم یا ایک تفسیر کے دوسرے مومنین کا دوزخ میں سے ہو کر گذرنا حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوزخ میں سیرو بیاحت کے طور پر داخل ہونا کسی تنقیص کا موجب نہیں کیونکہ یہ داخلہ بطور سزا و عذاب کے نہیں بلکہ بطور تشریفات یا عبور اور انتظامی امور کے تحت ہے اور اس میں شرعاً اور عقلاً کوئی خرابی نہیں مگر تو اس توجیہ کی یہاں ضرورت ہے اور نہ گنجائش کیونکہ اسی حدیث میں تصریح موجود ہے کہ آپ دوزخ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ دوزخ آپ کے سامنے پیش کی گئی اور آپ نے اس کو اپنے اور اپنے حضرات صحابہ کرام کے سامنے دیکھا اور اس کی روشنی میں اپنا سایہ بھی دیکھا اور حضرات صحابہ کرام کا سایہ بھی دیکھا اور آپ نے ان پر شفقت کرتے ہوئے ان کو پیچھے ہٹنے کا حکم بھی دیا الخ نتیجہ تمام مضمون اس کو واضح کرتا ہے کہ آپ دوزخ کے اندر داخل

نہیں ہوئے اور ایک اور روایت اس کی مزید تائید کرتی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کتاب الکسوف کی ایک روایت میں آتا ہے راو اس موقع پر بھی آپ پر جنت اور دوزخ پیش کی گئی تھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

لقد جئی بالنار وذلکم حین رأیتونی بر تحقیق دوزخ لالی گئی اور یہ اس وقت جب تاخرت مخافة ان یصیبنی من لفظہا الحدیث تم نے مجھے دیکھا کہ میں تجھے ہٹا اس ڈر کے مارے کہ کہیں آگ کے شعلے مجھے تکلیف نہ دیں۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۹۵)

الحدیث یفسر بعضہ بعضاً کے قاعدہ کے مطابق اس صحیح حدیث سے بالکل واضح ہو گیا کہ آپ دوزخ میں داخل نہیں ہوئے لہذا مولف مذکور کا اس توجیہ کے لئے چکر کاٹنا بالکل لا حاصل ہے وثالثاً اگرچہ لفظ ظل مجازی طور پر ذات اور شخص کے معنی کے لئے آتا ہے لیکن مجازی و ہاں ضرورت پیش آتی ہے جہاں حقیقت ناممکن یا مستحذر ہو اور یہاں ایسا نہیں پھر بلا دلیل مجاز مراد لینے کی کیا حاجت ہے؟

یہی یاد رہے کہ نحوی طور پر ضمائر ذوات پر وال ہیں یہاں ظلی میں حرف یا ضمیر متکلم ہے جو ذات اور شخص پر دلالت کرتی ہے اس طرح وظلکم میں لفظ کم ضمیر مخاطب ہے جو ذات پر دلالت ہے اور اگر یہاں ظل سے مراد بھی ذات اور شخص ہو تو اضافۃ الشئ الی انفسہ لازم آتی ہے جو درست نہیں ہے وجہ ہے کہ عالم النازل وغیرہ میں اس تفسیر اور توجیہ کو لفظ قیل سے تعبیر کیا ہے جو عموماً ضعیف اور کمزوری پر دلالت کرتا ہے کیونکہ وہاں بھی وظلکم میں ضمیر ہم مضاف الیہ موجود ہے تو اس لحاظ سے اضافۃ الشئ الی انفسہ لازم آتی ہے اور یہ ضعیف و کمزور توجیہ ہے وراثتاً مولف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی سرفراز صاحب نے اپنے کمزور مطالعہ اور علمی بے مائیگی کے تحت مشکوٰۃ شریف باب صفۃ النار باب ثانی کی پہلی حدیث نہیں دیکھی جس میں آتا ہے فی سواد مظلمۃ کہ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے لہذا اپنی طرف سے آگ کی روشنی کا لفظ بڑھانا علمی بے مائیگی ہے کیونکہ جہنم کی آگ سیاہ ہے وہاں روشنی کا کیا کام؟ لیکن یہ سب کچھ مولف مذکور کی نری جہالت ہے ایک تو اس لئے کہ حدیث ترمذی میں مذکور ہے اس کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وحدیث ابی ہریرۃ ہذا موقوف اصح ولا کہ صحیح تر بات یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت اعلم احد ارفعہ غیر بھی ابن ابی بکیر موقوف ہے مجھے معلوم نہیں کہ کبھی ابن ابی بکیر کے علاوہ

ما یسد خل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ سایہ تو مر کا ہے؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
فمن هذا؟ قد خل النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو میرے پاس آتے نہیں تو یہ کون ہے اتنے میں آنحضرت
رمسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳ و مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲۱ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہو گئے۔

اگر سایہ سے مراد آپ کی ذات اور شخص ہے جیسا کہ مؤلف مذکور کا بیجا دعویٰ ہے تو کیا حضرت
زینب نے آپ کی ذات اور شخص کو دیکھ کر بھی نہ پہچانا اور حیرت کا اظہار کرنے لگیں کہ کون ہے؟ سایہ میں
تو اشتباہ ہو سکتا ہے لیکن نفس شخصیت میں کیا اشتباہ تھا جس پر ان کو حیرت ہوئی؟ اور حدیث کے آخر
کے الفاظ مزید وضاحت کرتے ہیں فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ سایہ پہلے نظر آیا اور آپ بعد کو داخل
ہوئے اور مؤلف مذکور کی تحریف کے پیش نظر یہ مطلب ہو گا کہ آپ کا شخص اور وجود پہلے نظر آیا اور
داخل ہوا اس کے بعد آپ داخل ہوئے کیا ایسے ہل اور بے سرو پا معانی سے شریعت اور حدیث کا مذاق
نہیں اڑا جا رہا؟ معاذ اللہ تعالیٰ وثائقنا نصوص قطعیہ احادیث متواترہ اور اجلاس سے ثابت ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر تھے اور بشر کا سایہ ایک لازم امر ہے بخلاف آپ کے نور ہونے کے
کہ کسی قطعی الثبوت اور قطعی الدلائل دلیل سے آپ کا نور ہونا ثابت نہیں ہے اگر ایک تفسیر کے رو سے نور
ہے آپ کا نور ہونا ثابت ہے تو وہ صرف ایک احتمال کے درجہ میں ہے اس کو قطعیت ہرگز حاصل
نہیں پھر یہ نور آپ کی صفت ہے نہ کہ ذات کیونکہ ذات آپ کی بہر حال بشر ہے اور آپ کا سایہ یقیناً تھا۔
بادل کا سایہ تنقید متین میں شیعہ کی مشہور کتاب الکافی کے حوالہ سے یہ بات نقل کی گئی
تھی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور اس کی تشریح میں شیعی عالم خلیل قرظونی کی
الصافی سے یہ تاویل نقل کی گئی تھی کہ آپ کا سایہ نہ تھا یعنی ہمیشہ بادل آپ کے درمیان اور سورج
کی تمکین کے درمیان حائل رہتا تھا۔ اس کے رد میں تنقید متین میں یہ لکھا گیا تھا کہ سایہ نہ ہونے کی نفی
سے خلیل قرظونی بھی مطمئن نہیں ہیں اور وہ اس کی تاویل کرنے پر مجبور ہیں کہ سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ
بادل سایہ فلن ہوتا تھا اس کی تردید میں ہم نے یہ لکھا تھا کہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ ہمیشہ آپ
کے سر مبارک پر بادل کا سایہ رہتا تھا اور پھر بخاری کے حوالہ سے ہم نے صحیح حدیث نقل کی کہ جب آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کر کے قبا پہنچے اور سورج کی گرمی آپ کو بتانے لگی تو حضرت ابو بکر نے اٹھ
کر چادر کا سایہ آپ پر کیا اگر بادل کا سایہ ہمیشہ رہتا تو چادر کے سایہ کی کیا ضرورت تھی والفاظ یہ ہیں اس

عن شریک (ترمذی ج ۳ ص ۳۳۳) کسی نور نے اس کو شریک سے نزع بیان کیا ہو۔

اور اس میں جو راوی شریک ہیں وہ باوجود تقدم ہونے حدیث میں غلطی کر جاتے تھے امام ابراہیم بن سعید الجوزی
فرماتے ہیں کہ انہوں نے چار سو حدیث میں غلطی کی ہے۔ اور امام ازدی فرماتے ہیں کہ وہ سنی الحفظ کثیر العوالم اور
مضطرب الحدیث تھے و محصلہ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۳۳ و ۳۳۴ غرضیکہ یہ روایت نہ تو مر نزع ہے اور نہ
اصول حدیث کے لحاظ سے صحیح ہے لہذا اس پر جواب کی بنیاد رکھنا درست نہیں ہے اور دوسرے اس لئے کہ
جہنم کے مختلف طبقات ہیں وہاں آگ بھی ہے اور زہر بھی ہے اور اسی طرح طبقہ اور طبقہ اور آگ اور
آگ کا فرق اور تفاوت ہے اور حدیث قالت النار ب اکل بعضی بعضا الحدیث مسلم ج ۳ ص ۲۲۲ اس
کی واضح دلیل ہے اگر کسی طبقہ کی آگ سودا منطلعت ہو اور کسی طبقہ کی روشن ہو تو اس میں کیا انکال ہے؟
جب کہ قرآن کریم میں نار ذات لب کہ ذکر ہے کہ آگ شعلوں والی۔ خالصا صاحب نار حیات کا معنی کرتے
ہیں آگ شعلے مارتی۔ اور نار ذات لب کا ترجمہ کرتے ہیں پٹ مارتی آگ اور ابھی صحیح مسلم کی روایت
وضوح کا لفظ جس کے معنی شعلہ کے ہوتے ہیں بیان ہو چکا ہے اندر حالات جہنم کی آگ کے شعلوں کا اور اس
کی روشنی کا انکار کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ صرح ص ۳۳۳ میں لکھا ہے کہ زبانا آتش یعنی آگ شعلہ کیا ہے۔

سایہ کی دوسری حدیث ہم نے تنقید متین میں حضرت زینب کی حدیث نقل کی تھی جس میں آپ
کے سایہ کی تصریح موجود ہے اصل عبارت وہاں ہی ملاحظہ کریں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے مؤلف
مذکور لکھتے ہیں۔ اس حدیث میں بھی ظل سے مراد شخص ہے کیونکہ ہم پہلے دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا اس لئے ہمارے نزدیک اس حدیث میں بھی ظل شخص کے
معنی پر محمول ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے (ص ۱۹۵ و ۱۹۶)

الجواب مؤلف مذکور کا یہ جواب بھی سراسر باطل ہے اولاً اس لئے کہ اس میں بھی اضافہ اشی
الی انفسہ لازم آتی ہے وثانیاً اس لئے کہ مسند احمد اور مجمع الزوائد کی حدیث کے الفاظ اس باطل تاویل
بلکہ تحریف کی بیخ کنی کرتے ہیں۔
حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فلما کان شہر ذیقع الاول دخل علیہا یعنی جب ربیع الاول کا مہینہ آیا تو آپ انجے پاس گئے
فراأت ظلہ فقال ان هذا الظل رجل انھوں نے آپ کا سایہ دیکھا، تو فرمانے لگیں

صحیح اور صریح روایت سے معلوم ہوا کہ آپ کے اور سوسج کے درمیان ہمیشہ ابرحائل نہیں ہوتا تھا (محصل)
اس کے جواب میں مولف مذکور لکھتے ہیں کہ ذریت دیوبند کے معنوی جد امجد شاہ ولی اللہ انفاس العارفین
سلم میں اپنے والد شاہ عبد الرحیم کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ان کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
دو بال مبارک دیئے تین شخصوں نے اس کا انکار کیا کہ آپ کے بال مبارک ہوں۔ چنانچہ جب مناظرہ طوالت
کو پہنچا ان بالوں کو دھوپ میں لے گئے اسی وقت بادل کا ٹکڑا اظہار ہوا حالانکہ سورج خوب گرم تھا ایک نے
تو یہ کر لی دلوہے یہ اتفاقی امر ہے دوسری مرتبہ پھر دھوپ میں لے گئے پھر بادل آگیا دوسرا بھی تار ب
ہو گیا یہ سرالوایہ اتفاقی امر ہے پھر تیسری مرتبہ پھر اظہار ہوا اور تیسرا منکر بھی تار ب ہو گیا (محصل)
تفسیر عزیزی ص ۲۱۵۱۲ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ہمیشہ ابرور وقت تمازت گرامر ایشان سایہ شبت
پھر مولف مذکور لکھتے ہیں کہ کیا یہ دونوں بزرگ جن کی عبارتوں سے آپ نے انصاف و صداقتی کتابوں میں
استشہاد کیا ہے بادل کا سایہ مان کر شیعہ ہو گئے ہیں؟ اگر وہ سنی رہے تو کیا آپ اپنے قول سے رجوع کر گئے کہ
بادل کا سایہ کرنا شیعہ کا مسئلہ ہے (محصل توضیح البیان ص ۱۶۲ و ۱۶۳)

الجواب مصیبت یہ ہے کہ مولف مذکور کو صحیح بات سمجھنے کا سلیقہ ہی حاصل نہیں ہے ہم نے یہ
نہیں کہا کہ بادل کا سایہ ماننے سے یا ہمیشہ بادل کا سایہ ماننے سے آدمی شیعہ ہو جاتا ہے ہم نے یہ کہا ہے کہ
ہمیشہ بادل کے سایہ ہونے کا ثبوت نہیں بلکہ بخاری شریف کی روایت ہمیشگی کی نفی کرتی ہے اور یہی وجہ ہے
کہ آپ کے سایہ نہ ہونے کی روایت جو الکافی میں ہے اس سے شیعہ عالم علامہ قزوینی بھی مطمئن نہیں اور وہ
ناویل کرنے پر مجبور ہیں احیانا بطور معجزہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بادل کے سایہ کے ہم منکر نہیں
ہیں بلکہ اس کے قائل ہیں چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے۔

فوفعت رأسی فاذا انما سبحانه قد اظلقی
فقطرت فاذا فیما جبرائیل الحدیث
(بخاری ج ۱ ص ۲۵۵)
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں
نے سر اٹھایا تو میں نے بادل دیکھا جس نے مجھ پر
سایہ کیا ہوا تھا میں نے دیکھا تو اس میں حضرت
جبرائیل علیہ السلام تھے۔

مولف مذکور کا اخلاقی اور علمی فرض تھا کہ وہ ہماری طرف سے صحیح بخاری کی پیش کردہ حدیث کا
صحیح جواب دیتے یا اس کا معقول محمل بیان کرتے مگر وہ ایسا نہ کر سکے جس سے ان کی درماندگی بالکل

عیال سے ضرورت تو نہیں مگر ہم چند صحیح احادیث اور پیش کرتے ہیں جن سے یہ بات واضح سے واضح
تر ہو جاتی ہے کہ آپ پر ہمیشہ بادل سایہ نہیں کرتا تھا۔

(۱) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ نجد میں شریک تھے
دو پہر کے وقت قیلو کہ کا وقت آگیا اور میدان میں بکثرت جھاریاں نہیں فنزل تحت شجرة واستظل
بہا الحدیث (بخاری ج ۵ ص ۵۹۳) آپ ایک دخت کے نیچے اس کے سایہ میں آرام کے لئے اترے
(۲) ہجرت کی طویل حدیث میں حضرت ابو بکر نے یہ بھی بیان فرمایا کہ راستہ میں ہمیں ایک چٹان نظر آئی جب
ہم اس کے پاس پہنچے۔

ولہاشی من ظل قال نعرشت لوسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فروۃ الحدیث
تو اس کا کچھ سایہ تھا میں نے (اس کے سایہ میں)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پوسٹین بچھالی
(بخاری ج ۵ ص ۵۵)

ظاہر ہے کہ اگر ہمیشہ بادل آپ پر سایہ کرتا تو چٹان کا سایہ تلاش کرنے کی اور اس کے سایہ میں
آرام کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

۱) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جعزانہ کے مقام میں تھے آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی و علیہ
توب قد اظلل بہ الحدیث (بخاری ج ۵ ص ۵۳ و ۵۴) اور آپ پر کپڑے کا سایہ کیا ہوا تھا۔
یہ حدیث بھی اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ غرضیکہ صحیح بخاری کی یہ صریح روایات اس
امر کو بالکل آشکارا کرتی ہیں کہ ہمیشہ آپ پر بادل سایہ نہیں کرتا تھا اگر ہمیشہ آپ کے نوئے مبارک
کے لئے بادل اٹھا کر آتے تھے اور آسکتے ہیں تو جہاں آپ بنفس نفیس خود تشریف فرما تھے وہاں
بادل ہمیشہ کیوں نہ آئے اور حضرت ابو بکر اور دیگر حضرات کو چادر اور کپڑا تان کر سورج کی تمازت
اور حرارت سے آپ کو محفوظ رکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اور کہوں آئی؟ صحیح احادیث کو ترک
کرنا اور غیر معصوم حضرات کی بے سند باتوں اور اقوال و عبارات پر دین کے مسائل کی بنیاد رکھنا دین
کی کوئی خدمت ہے؟ بے شک ہم ان حضرات کی عبارت کو پیش کرتے ہیں لیکن صرف وہاں جہاں
کسی مسلم پر قرآن و حدیث سے روشنی نہ پڑتی ہو یا ان کی عبارت سے قرآن و حدیث کی مزید تفسیر اور
تشریح ہوتی ہو ہم نے قصداً و ارادۃً ان کی عبارت کو قرآن و حدیث کے مقابلہ میں ہرگز نہیں پیش کیا۔

اور نہ اس کو جائز سمجھتے ہیں۔

علاوہ ازیں اگر بطور معجزہ خرق عادت کے طور پر آپ کے مولے مبارک پر بادل کسی موقع پر آگیا تھا تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ یہ سایہ ہمیشہ رہتا تھا جب کہ مطلوب یہ ہے۔

بادل اور فرشتوں کے سایہ کی روایات | مؤلف مذکور کا جواب تو باحوالہ ہو چکا ہے اب ہم قارئین کرام کے سامنے بعض ایسی روایات عرض کرتے ہیں جن سے بادل اور فرشتوں کے سایہ کا ثبوت ملتا ہے اور پھر ان پر کچھ ضرورتی تنقید بھی عرض کرتے ہیں تاکہ خواہم الناس بھی بخوبی اصل حقیقت سے آگاہ ہو سکیں (۱) مستدرک ج ۲ ص ۶۱۶ اور سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۸۱ میں ایک طویل حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر میں تھے اور اونٹ چاہیے تھے وعلیہ غمامۃ تظلہ الحدیث تو آپ پر بادل سایہ کئے ہوئے تھا۔

امام ساکم بن یونس کی طرف مائل تھے (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۳۲) اس حدیث کو علی شرط الصحیحین صحیح کہتے ہیں لیکن نقادوں حدیث امام اہل السنۃ والجماعت علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔ قلت اظنہ موضوعاً فبعضہ باطل۔ میں کہتا ہوں کہ میں اس کو موضوع خیال کرتا ہوں (الخصیص المستدرک ج ۲ ص ۲۱۵) اور اس کا بعض حصہ تو بالکل باطل ہے۔

اور ابن ہشام ج ۲ روایت محمد بن اسحاق کے حوالہ سے نقل کر رہے ہیں اور محمد بن اسحاق کذاب اور دجال راوی تھا لہذا ایسی روایت پر ان صحیح اور صریح احادیث کے مقابلہ میں کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ الصبیح البخاری میں موجود ہیں جن میں بعض کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ علامہ قسطلانی نے اور ان کی تائید میں علامہ زرقانی نے بادل اور فرشتہ کے سایہ کرنے کی روایت اور جادو وغیرہ سے سایہ کرنے کی روایت میں یوں تطبیق دی ہے چنانچہ پہلے علامہ قسطلانی نے وہ روایت نقل کی ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ کے ہجرت کے سفر میں آپؐ پر سایہ کرنے کا ہم بخاری کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں پھر ارشاد فرماتے ہیں۔

وظاہر ہذا انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کانت تصیبہ الشمس وما تقدم من تظلیل الغمام والملک کان قبل بعثتہ کہ اس روایت سے بالکل عیاں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سورج لگتا تھا اور جو روایتیں پہلے مذکور کی ہیں آپؐ پر بادل اور فرشتہ سایہ کرتا تھا تو

کہا ہو صریح فی موضع فلا یثانی ما هنا وہ بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے جیسا کہ اپنی جگہ وہ صریح ہے سو وہ اس کے منافی نہیں ہے۔

رمواہب اللدنیہ مع شرح الزرقانی ج ۱ ص ۲۲۲ لیکن اس کاوش کی یہاں بالکل ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ تطبیق کی حاجت وہاں پیش آتی ہے جہاں سند کے لحاظ سے دونوں حدیثیں صحیح ہوں اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ بخاری شریف کی روایات بالکل صحیح ہیں اور دوسری مدکی روایات میں ایک کو علامہ ذہبی موضوع کہتے ہیں اور دوسری میں واقفی جیسا کہ کذاب راوی موجود ہے اور میسر ی میں محمد بن اسحاق جیسا کہ کذاب اور دجال راوی موجود ہے تو اندر میں حالات تطبیق کی قطعاً کوئی حاجت نہیں ہے اور بخاری شریف کی جس روایت سے بادل کا سایہ کرنا ثابت ہے وہ بطور معجزہ صرف ایک ہی مرتبہ ہے نہ کہ ہمیشہ جب کہ نزاع اور اختلاف ہمیشہ کے سایہ میں ہے۔

(۲) جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے پاس تھے تو اُس وقت آپؐ کی رضاعی بہن نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بادل سایہ کئے تھے جادو کو آپؐ جانتے بادل بھی ساتھ چلتے جہاں آپؐ رکتے بادل بھی رک جاتے (محصلہ طبقات ابن سعد ج ۱) لیکن اس کی سند میں واقفی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ امام احمد امام ابن المبارک امام ابن نمیر اور امام اسمعیل بن زکریا سب نے اس سے روایت ترک کر دی تھی اور امام احمد نے اس کو کذاب بھی کہا (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۶۶)۔ امام شافعی فرماتے ہیں کتب الواقفی کلہا کذب (ایضاً ص ۳۶۶) کہ واقفی کی کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ امام بندار فرماتے کہ میں نے ان سے بڑا جھوٹا کوئی اور نہیں دیکھا اور امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ وہ میرے نزدیک جعلی حاشیوں بنایا کرتا ہے۔ (ایضاً ص ۳۶۶) اور امام سانی فرماتے ہیں کہ جو لوگ کذاب ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جھوٹ حدیثیں بنانے میں مشہور ہیں ان میں ایک واقفی بھی ہے (ایضاً ص ۳۶۶)۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ کے غلام مسیرہ کے ساتھ شام کے سفر پر نکلے تو مسیرہ نے دیکھا کہ دو پہر کی سخت گرمی میں دو فرشتے آپؐ پر سایہ کئے ہوئے ہیں جب کہ آپؐ اپنے اونٹ پر سوار تھے (محصلہ دلائل النبوة لابی نعیم اصبہانی ص ۱۳) لیکن اس کی سند میں بھی وہی محمد بن عمر الواقفی ہے (دیکھئے دلائل النبوة ص ۱۳) جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

قرآن کریم کے لفظی تراجم میں دنیا بھر میں

غلط ترجمہ کفر الایمان ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ تَحْمَدُهُ ۝ وَتُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اما بعد :

الحمد للہ تعالیٰ کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی لفظی معنوی، لب و لہجہ و رسم الخط وغیرہ کی ہر طرح سے حفاظت کی ہے اور دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قطعاً عاجز اور سراسر قاصر ہے مگر صدافسوس کہ پہلے ہندوستان میں اور اب پاکستان میں ایک غلط ترجمہ اور تفسیر شائع ہوئی تھی جس کے سلسلہ میں راقم اشیم نے انفرادی طور پر قرآن کریم کو تحریف سے بچانے کے لیے دیانتہ کو شش شروع کی تھی اور مسلمانان پاکستان کی طرف سے یہ فرض کفایہ ادا کیا کہ بریلوی حضرات کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کے ترجمہ میں بنیادی غلطیاں ہیں جو اسلام کی تعلیم اور اسلام کی روح کے سراسر خلاف ہیں خان صاحب نے محض اپنی ذہانت کے بل بوتے پر لفظی ترجمہ میں اپنے مشرکانہ اور مبتدعانہ عقیدے بکھر گھسیڑنے ہیں تاکہ عام اردو خوان جو عربی سے بالکل ناواقف ہیں یہ باور کر لیں کہ بریلوی عقائد تو قرآن کریم کے تحت اللفظ ترجمہ سے ثابت ہیں تو پھر ان کے حق اور صحیح ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے اور آنے والی نسلیں بھی اس غلط ترجمہ کو صحیح کھ کر بریلوی مسلک اختیار کریں اور اس کی مختصری تفسیر ان کے لائق شاگرد اور فریق مخالف کے مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے لکھی اور اپنے استاد اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کو اپنی لیاقت کے زور سے صحیح ثابت کیا اور شرک و بدعت کی مردہ کوئی شق ایسی نہیں جس پر انسانوں نے بزم خویش سیر حاصل بحث نہ کی ہو یا اس کے زور اشبات میں کوئی ادنیٰ سی سرسبھی جھوٹی ہو راقم اشیم نے بعض بزرگوں کے توجہ دلانے سے باوجود انتہائی عدم الفرصت ہونے کے چند اغلاط کی بمع ضروری تشریح کے تنقید متین پوزینیم لایم میں نشاندہی کی جس کے محور سے ہی عرصہ میں دو ایڈیشن نکل گئے اور علامہ اہل حق نے اس کی

(۴) مواہب اللدنیہ مع شرح الزرقانی ج ۱ ص ۱۹۵ وخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۹۱ لیسیدوطی وغیرہ میں ہے کہ حضرت خدیجہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اونٹ پر سوار دیکھا اور نیز دیکھا کہ آپ پر دو فرشتے سایہ کئے ہوئے ہیں (محصلاً) امام سیوطی اس کو ابو نعیم وغیرہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں اور دلائل النبوة ابو نعیم کی سند میں الواقدی ہے اور علامہ زرقانی اس واقعہ کے شروع میں فرماتے ہیں کہ راویہ الواقدی الخ وشرح المواہب للزرقانی ج ۱ ص ۱۹۵، تو اس لحاظ سے اس سند کا مدار بھی واقدی پر ہے۔

یہ روایت طبقات ابن سعد اور ابن عساکر (وغیرہ) میں بھی ہے لیکن ان تمام کی سندیں واقدی سے (سیرت النبی ج ۲ ص ۲۵۵ از سید سلیمان ندوی) الغرض ہمیشہ بادل یا فرشتوں کے سایہ کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ صحیح روایت صرف وہی ہے جو بخاری شریف کے حوالہ سے پہلے عرض کی جا چکی ہے جس کا وقوع صرف ایک ہی دفعہ ہوا تھا اور وہ بھی آپ کے معجزہ کے طور پر اب فیصلہ خود قوانین کرام کریم کے کیا ان صحیح احادیث پر اعتماد کرنا جن سے صراحت کے ساتھ آپ کا سایہ ثابت ہے مذہب اسلام کی روح کے مطابق ہے ہاں کذاب اور وضاع راوی کی روایت اور اسی طرح کی دیگر بے سند روایات کو جبکہ واضح طور پر ان کی اسناد بھی سامنے آجائیں لینا دین کی خدمت اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے؟ اور نیز یہ کہ کیا بخاری شریف کی صحیح روایات جن سے آپ پر چنان درخت اور کپڑے کا سایہ کرنا صراحتاً ثابت ہے قابل اعتبار ہیں؟ یا فرشتوں یا بادل کے آپ پر ہمیشہ سایہ کرنے کی بے اصل اور واقدی جیسے کذاب اور وضاع کی بے حقیقت روایات قابل اخذ ہیں؟ کیا ان کو لہذا اس کا مصداق نہیں کہ۔

حقیقت خلافات میں کھو گئی یہ امت روایات میں کھو گئی اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت سمجھ اور راہ سنت پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین ثم آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَآلِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ ۝

احقر الناس ابو الزاهد محمد رفیع خطیب جامع مسجد گکھڑ و صدر مدرس مدرسہ نصرة العلوم گوجرانوالہ

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ - ۱۱ فروری ۱۹۸۲ء

بہت قدر کی اس پر لاہور کے ایک مولوی صاحب نے تنقید کی اور توضیح البیان نامی کتاب لکھ دی اور پٹنہ دونوں پیشرویندگوں کی خالص مشرکانہ اور مبتدعانہ باتوں کے اثبات کے لیے کمر باندھ لی اور معصوب الغضب ہو کر بے شعوری میں کچھ کا کچھ لکھ مارا ہے باوجود عظیم الفرستی کے اس کا رد بھی راقم اشیم نے بفضلہ تعالیٰ شروع کر دیا اور اتمام البرہان کا پہلا حصہ طبع ہو گیا ہے دوسرا اور تیسرا اب انشاء اللہ العزیز طبع ہو رہا ہے بقیہ حصے زیر ترتیب ہیں۔ ہم نے تو انفرادی طور پر یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنا فریضہ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

الابطحہ عالم اسلامی اور متحدہ عرب امارات
کاجرات مندانہ اجتماعی فیصلہ
کی چنانچہ مدینہ یونیورسٹی کے پرنسپل الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نے اپنے بیان میں فرمایا۔

ہذہ الترجمة الاردیة لمعانی القرآن
الکریم ملیئة بالکاذیب والبدع
والشوک مکة المکرمة کان
سماحة الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ
بن باز الرئیس العام لادارات البحوث
العلمیة والاقتلار والدعوة والارشاد
حذر من ترجمة معانی القرآن الکریم
باللغة الاردیة لاحمد رضا خان
وبها مشها تفسير محمد نعيم الدين
مراد آبادی لما شتمت عليه من
مخالفات جوهرية مليئة بالكاذيب
لنص القرآن الکریم مثل الانکار ان
يكون الانبياء من البشر كما ان الترجمة

مدیئة بالشرك والبدع والآراء
الباطلة كالاستعانة بالانبياء والاولياء
والتوسل بهم وكذلك الدعوة الى اقامة
الموالد للانبياء والصالحين ولقد يدع
الاطعمة الى قبورهم هذا وقد قامت
الامانة العامة لابطحہ العالم
الاسلامی باصدار تعميم لفتت فيه
نظر المسلمين في العالم الى خطورة هذه
الترجمة وما تشمله من اكاذيب
وخرافات وبدع وطلبت الى المعاهد
والمراكز الاسلامیة والعربیة
وكافة المسؤولين ملاحظة ما يوجد
في هذه النسخ واحراقها حفاظاً على
كلام الله عز وجل من التحريف
والترجمة المحرفة قامت بطبعها شركة
تاج الحدود (تاج کتب لتیڈ) لاہور۔

دولة الامارات العربیة المتحدة
وزارة العدل والشئون الاسلامیة
والاوقاف تلفون ۸۲۷۲۰۰

ب۔ ۲۲۷۲ (الخطیبی)

اس عبارت میں اس ترجمہ اور تفسیر کے متعلق جو رائے اور خیال ظاہر کیا گیا ہے وہ نفس اللہ
کے عین مطابق ہے تفصیل کا یہ موقع نہیں وہ آپ تنقید میں اور اتمام البرہان میں ملاحظہ فرمائیں۔

واولیا علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مدد مانگنا
اور ان سے توسل وغیرہ مشروع مرتب کرنا اور
حضرات انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے
ایام میلاد منانے کی دعوت دینا اور ان کی قبور
تک کھانے کے جائز وغیرہ) رابطہ عالم اسلامی
کے سیکرٹریٹ کی طرف سے تمام جہاں کے
مسلمانوں کی بالعموم نظر اس ترجمہ کی ممانعت
کی طرف مبذول کرانے کے لیے یہ فریضہ ادا
کیا گیا ہے کہ چونکہ یہ ترجمہ جھوٹ غرافات اور
بدعات پر مشتمل ہے اور تمام مجالس مذہبی
مدارس اور مساجد وغیرہ عام اور مرکز اسلامیہ
اور عربیہ اور تمام داخل اسلام اسے درخواست
ہے کہ جہاں بھی اس ترجمہ کے نسخے ہیں انہیں تباہ
کے کلام کو تحریف سے بچانے کے لیے ان کو جلادیا
جائے اور یہ محرق ترجمہ تاج کتب لاہور سے
طبع ہوا ہے۔

دولة الامارات العربیة المتحدة وزارة
العدل والشئون الاسلامیة والاوقاف
تليفون ۸۲۷۲۰۰ - صنفق کس ۲۲۷۲

ب۔ ۲۲۷۲ (الخطیبی)

اس عبارت میں اس ترجمہ اور تفسیر کے متعلق جو رائے اور خیال ظاہر کیا گیا ہے وہ نفس اللہ
کے عین مطابق ہے تفصیل کا یہ موقع نہیں وہ آپ تنقید میں اور اتمام البرہان میں ملاحظہ فرمائیں۔

البتہ توسل کے متعلق مختصر سی گزارش ہے کہ توسل کی ایک قسم توسل بصلح الاعمال ہے اس کا امت میں سے کوئی بھی متکبر نہیں ہے سنی کہ حافظ ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) جو عمومی توسل کے متکبر ہیں اور ان کی کتاب القاعدۃ الجلیلیہ اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ وہ بھی یہ لکھتے ہیں کہ

استلہل بنیدیل محمد ای اسالک
بایمانی بہہ وبہجتہ لا القاعدۃ الجلیلیہ

میں تجھ سے تیرے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ میرا آپ پر ایمان ہے اور آپ سے محبت ہے لہذا ان کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں۔

اور تقریباً تمام صحیح العقیدہ لوگ توسل سے یہی مراد لیتے ہیں نہ وہ قسم جو شرک میں داخل ہے کیونکہ توسل کی بعض قسمیں خالص شرک ہیں اس کی مزید تحقیق تکیین الصدور میں دیکھیں یہ سن بریلوی حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب اور ان کے اتباع توسل سے اکثر شرک کی قسم ہی مراد لیتے ہیں مثلاً وصف علم غیب ثابت کر کے اور حاضر و ناظر سمجھ کر ان سے مرادیں لگنا اور یہ خالص شرک ہے اور شیخ عبد العزیز کی عبارت میں جس توسل کا ذکر ہے وہ ایسا ہی ہے چنانچہ ثناء صاحب شیخ عبدالوہاب شعرائی کا حوالہ دیکھ لکھتے ہیں۔ جو کوئی کسی نبی یا رسول یا ولی کا توسل ہوگا ضرور ہے کہ وہ نبی و ولی اس کی مشکلوں کے وقت تشریف لائیں گے اور اس کی دیکھری فرمائیں گے (ملاحظہ فرمادی فریقہ ص ۱۲) ہماری طرف سے اس کا اتنا ہی جواب کافی ہے کہ یہ نظریہ قصور قطعیہ احادیث صحیحہ صریحہ اور فقہاء امت کے صریح فتوؤں کے خلاف ہے لہذا غیر معصوم اور غیر مجتہد کا یہ قول قطعاً باطل اور سرسرمہ دود ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری کا بیان :- رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری جناب محمد علی الحارکان فرماتے ہیں :-

مشنون القرآن الکریم

حضرت صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

جلہ نامن ادارة البحوث العلمیۃ والافتاء
والدعوة والارشاد بالریاض المملکۃ
العربیۃ السعودیۃ ان ترجمۃ لمعانی
القرآن الکریم باللغۃ الأردیۃ
ترجمہما احمد رضا خان وعلی ہاشمہا
تفسیر باللغۃ الأردیۃ لمحمد نعیم الدین
مراد آبادی طبع شرکتہ تلح المحدثہ
(تلح کتب لمتید) لاہور (پاکستان)
وعدد صفحہ ۶۲۳ صفحہ بدون
دعاء الخاتمة وفہرہ سور القرآن
الکریم فقد وجد ان هذه الترجمة
تستعمل علی مخالقات جہریۃ ملیۃ
بالکاذب لنص القرآن الکریم مثل
انکار ان یکون الانبیاء من البشر
کما ان الترجمة ملیۃ بالشرک
والبدع والآراء الباطلہ کالاستعانة
بالانبياء والاولیاء والتوسل بهم
واذہم یعلمون الغیب کذلک الدعوة
الی اقامۃ الموالد للانبياء والصلحین
وتقدیم الطہمت الی قبورہم الخ
وقد جادہ فی الصفحات ۳-۵-۱۶-۲۳-۵۰-۱۵۵-۱۶۰-۲۶۰-۲۶۲

۴۸۸-۶۱۲-۶۰۳-۸۶۸-

والامانة العامة لرابط العالم الاسلامي
تود لفت نظر المسلمين في العالم الخ
خطوة هذه الترجمة وما تشمله
من اكاذيب وخرافات وبدع وترجوه
كافة المسؤولين ملاحظة ما يوجد
من هذه النسخ واحرقها حفاظا
على كلام الله عز وجل من التحريف
ونرفق لكم بطبعة صورة فتوغرافية
للمصفحات التي ورد بها التحريف
المذكور ونشال الله ان يوفق الجميع
الى ما يحب ويرضى والله يحفظكم
ويرحاكم -

(الامين العام محمد علي الحرکان)

اور رابطہ عالم اسلامی کی سیکرٹریٹ اس بات
کو پسند کرتی ہے کہ تمام جہان کے مسلمانوں کی
توجہ اس ترجمہ کے ممانعت کی طرف مبذول
کرائے کیونکہ یہ جھوٹ، خرافات اور بدعات،
پر مشتمل ہے اور یہ ادارہ تمام اہل کلمہ کے ہوتے ہوئے
سے یہ امید رکھتا ہے کہ جہاں بھی اس غلط ترجمہ
کے نسخے دستیاب ہوں ان کو جلادیا جائے تاکہ
اللہ تعالیٰ کا کلام تحریف سے بچایا جاسکے اور
ہم آپ کو یہ سہولت فراہم کریں گے کہ جن صفحات
میں یہ تحریفات ہوئی ہیں انہی کی فوٹو سٹیک لیا
جائے گی اور ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں
کہ وہ سب کو ان چیزوں کی توفیق دے جن کو وہ
پسند کرتا ہے اور جن پر وہ راضی ہے اور اللہ
تعالیٰ تمہاری حفاظت و ننگی کرے۔

(جنرل سیکرٹری محمد علی حرکان)

چنانچہ متحدہ عرب امارت کے تمام علماء خطباء اور ائمہ حضرات کو سرکاری طور پر اس ترجمہ کی
ترویج کے خطوط بھیجے گئے اور قرآن کریم کو تحریف سے بچانے کے لیے ان تمام نسخوں کو انہوں نے
جلانے کا حکم دیا تاکہ قرآن کریم ہر قسم کی تحریف سے پاک رہے اور ان کا یہ ایک جرأت مندانہ فیصلہ
اور اسلامی فریضہ ہے۔

ملکی اخبارات :- ہمارے ملکی اخبارات نے بھی اپنا دینی فریضہ ادا کیا ہے چنانچہ روزنامہ
جنگ لاہور میں مورخہ ۸ مارچ ۱۹۸۳ء کو یہ خبر شائع ہوئی۔

متحدہ عرب امارت کی وزارت نے مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر پر پابندی عائد

کردی البظمی ۱۶ مارچ (پپ) متحدہ عرب امارت کی اسلامی امور اور اوقاف کی وزارت نے اس
اطلاع کی تصدیق کر دی ہے کہ اس نے قرآن پاک کے ایک اُردو ترجمہ پر پابندی لگا دی ہے۔
کیونکہ اس میں متعدد اغلاط تھیں اور بنیادی نوعیت کی غلط باتیں تھیں قرآن پاک کی تفسیر
مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے کی ہے اور تاج مبینی ملٹیڈ لاہور (پاکستان) نے شائع کیا ہے۔
وزارت کے مطابق یہ کاروائی اس ضمن میں کہ منظر میں قائم رابطہ عالم اسلامی کی سفارش پر کی گئی
ہے رابطہ سے وصول ہونے والے مجوزہ نام میں جس میں رابطہ کے سیکرٹری جنرل الشیخ محمد علی حرکان
کے دستخط ہیں ۹۶۴ صفحات پر مشتمل تفسیر میں غلطیوں کی فہرست پندرہ صفحات پر مشتمل بھیجی گئی ہے
اور یہ خبر اخبار نوائے وقت راولپنڈی ۸ مارچ ۱۹۸۳ء میں بھی اس عنوان سے شائع
ہوئی اغلاط والے قرآن پاک کے تمام نسخے جلادیے جائیں۔

البظمی ۱۶ مارچ (پپ) متحدہ عرب امارت کی وزارت اوقاف اسلامی امور اور اوقاف
نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ اس نے قرآن پاک کی ایک اُردو تفسیر پر پابندی عائد کی ہے کیونکہ
اس میں بے شمار اغلاط اور بنیادی نوعیت کی غلطیاں تھیں یہ تفسیر محمد نعیم مراد آبادی نے لکھی ہے۔
اور تاج مبینی لاہور (پاکستان) نے شائع کی ہے وزارت نے کہا ہے کہ اس نے یہ اقدام کہ منظر
میں قائم تنظیم رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے اس سلسلہ میں کی جانے والی سفارش پر کیا ہے
جو رابطہ کے سیکرٹری جنرل محمد علی حرکان کے دستخطوں سے بھیجی گئی ایک یادداشت تمام اسلامی
ممالک اور اداروں کو بھیجی گئی ہے اور مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ اس کتاب کے تمام نسخے جلادیے
جائیں یہ بات جریدہ خلیج ٹائمز میں شائع ایک خبر میں بتائی گئی ہے۔

اب پاک و ہند میں بسنے والے حضرات کو ٹھنڈے دل سے اس پر غور فرمائیے کہ ریوی حضرات کے اغلاط
مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ترجمہ اور ان کے شاگرد مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی
کی تفسیری بنیادی غلطیوں کی نشاندہی کرتے والا صرف سرفراز گھٹو دی اور اسی طرح چند دیگر
اجاب ہی نہیں بلکہ عرب ممالک کے جید علماء کرام اور رابطہ عالم اسلامی کے جید عالم بھی ان
غلطیوں کی باقاعدہ باحوالہ نشاندہی کرتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ ترجمہ اور تفسیر

امداد البرہن

فے رد

توضیح البیان

حصہ چہارم

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر



مکتبہ صفدریہ مدرسۃ العلوم گوہرانوالہ

قرآن کریم کی خالص تحریف، جھوٹ کا پندرہ اور شرک و بدعات کا مغربہ ہے اور حتیٰ کہ اس کو محض اس لیے جلانے کا حکم دیتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تحریف سے محفوظ رہے اب بھی اگر بریلوی حضرات اپنی ضد کو نہیں چھوڑتے اور جھوٹی آنا پر مصر ہیں تو ان کی مرضی بفضلہ تعالیٰ اہل حق کی طرف اتمام حجت ہو چکی ہے اب قیامت کے دن یہی حقیقت ان پر بالکل عیاں ہوگی اور وہاں ندامت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

بوقت صبح ستو و پچھو روز معلومت کہ ہاکہ ہاختہ عشق در شیب دیچور

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی

اللہ واصحابہ واذولجہ ومتبعہ الی یوم الدین وسلم

احقر

ابوالزاہد محمد سرفراز

۱۹ ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

۴ اکتوبر ۱۹۸۲ء

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۳	سابقہ حدیث سے حاصل فوائد	۱۵	عرض حال
۲۴	آپ کو علم غیب تدریجاً حاصل ہوتا رہا	۱۵	قرآن کریم کی حفاظت اور اس کی فہم
"	الجواب		فریق مخالفت کے اعلیٰ حضرت کے ہاں سب سے
"	حاضر و ناظر کے بارے فریق ثانی کے متضاد نظریات پر رد	۱۶	بڑی عبادت دیوبندیوں کی ہانت ہے
۲۵	حاضر و ناظر کی مفصل بحث تبرید النواظر	۱۸	اسلامی ممالک میں خانصاحب کے ترجمہ اور
"	اور تفریح الخواطر میں ملاحظہ فرمائیں		ان کے شاگرد کی تفسیر پر پابندی
۲۶	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو	۱۹	بحث حاضر و ناظر
"	حاضر و ناظر تسلیم کرنا کفر ہے	۱۹	خانصاحب اور ان کی روحانی ذریت کا نظریہ
"	شاہد کے لیے حاضر و ناظر ہونا شرط نہیں	۱۹	شاہد اور شہید سے حاضر و ناظر پر استدلال
"	کتب فقہ میں الشاہدہ بالتسامع	۲۰	تفسیر روح البیان کا حوالہ
"	کا باقاعدہ عنوان موجود ہے	۲۱	تفسیر بیضاوی مدارک اور ابوالسعود کا حوالہ
"	آیت مذکورہ میں شہادت سے دنیوی شہادت	"	حاضر و ناظر کے عقیدہ سے عظمت رسول ظاہر ہوتی ہے
"	مراد نہیں بلکہ قیامت میں تزکیہ مراد ہے	"	تفسیر غزالی کا حوالہ
۲۶، ۲۷	بخاری شریف، ترمذی شریف اور ابن کثیر کا حوالہ	۲۲	روح البیان کی ایک عبارت
"	روح البیان - بیضاوی - مدارک اور ابوالسعود		آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل کو
۲۷	کے حوالے مولف مذکور کو مفید نہیں - مدارک	۲۲	(معاذ اللہ تعالیٰ) مشرقِ مسموم بنانے کی چند مثالیں
۲۸، ۲۹	ابوالسعود اور روح المعانی کا حوالہ	۲۳	علم رسالت پر طعن منافقین کا طریقہ ہے
۲۸	مدارک، ابوالسعود اور روح المعانی کا حوالہ	۲۳	تفسیر خازن سے ایک حدیث کا حوالہ
"	کان الرقیب سے قبل بیضاوی کی عبارت	"	مَا كَانَ اللَّهُ لِيُذْهِبَ الْمُؤْمِنِينَ الْآیۃ کا شانِ نزول
"	فاضل سیاح کوئی حد کا حوالہ	"	

۵۴	حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب اور حاضر و ناظر کی صفت ثابت کرنا کفر ہے۔ قاضی خاں	۲۴	ثابت کرنا منافقوں کا کام ہے کہ اسکی نفی مکلف نہ کرے گا معصومانہ انداز	۲۹	دنیا میں ساری امت کے تمام ظاہری اور باطنی اعمال کا علم آپ کے لیے ثابت کرنا
۵۵	حضرت نازکی کی عبارت میں کشتی اور کشتی سوار کی مثال سے موت کی نفی سمجھنا جالت ہے	۲۵	سندی دو ہیں دونوں کذاب ہیں (تہذیب التہذیب) توجہ ہٹنے کا شوشہ	۳۰	نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے
۵۶	لطائف قاسمیر کا حوالہ	۲۶	اس کا بخاری کی صحیح حدیث سے رد انتہائی خفگی بات	۳۱	تفسیر عزیزی کی مجمل عبارت کا مطلب خود تفسیر عزیزی اور فتاویٰ عزیزی
۵۷	ایک ہی حرکت کشتی کی طرف اڑنا اور سوار کی طرف ٹپنا منسوب ہے۔ ہاشم صاحب	۲۷	سورۃ توبہ آخری سورتوں میں سے ہے بخاری و مستدرک	۳۲	کی مفصل عبارات سے روح البیان کے مولف محقق نہیں
۵۸	تعمید تین کی عبارت سے حیات کا انکار سمجھنا زری جالت ہے۔	۲۸	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پرستان والے واقعہ کے جواب سے مولف مذکور کی عاجزی اور داویلا	۳۳	بجوالہ اکیر
۵۹	لوازم حیات	۲۹	حاضر و ناظر کا ثبوت آپ کا جسم اقدس بوضہ منورہ میں ہے	۳۴	حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ثابت شدہ فضائل کا کوئی مسلمان منکر نہیں ہے
۶۰	صادی کے حوالہ سے حدیث کہ تمام دنیا میرے سامنے ہے میں اس کو مثل کف دست دیکھتا ہوں	۳۰	تمام کائنات آپ کے سامنے ہے حیات	۳۵	جو شخص نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کا رد کرتا ہے وہ پرے درجے کا کافر ایمان ہے
۶۱	جملہ اسمیہ کی غیر فعل مضارع ہوتی دوئم تجدیدی کا افادہ کرتا ہے	۳۱	لطائف قاسمیر کا حوالہ	۳۶	سندی کذاب و وضاع ہے پھر اس کی سند بھی ثابت نہیں بوالہ تفسیر ظہری
۶۲	قرآن کریم سے اس کی مثال	۳۲	تکلیف اور ان کے متعدد ہونے سے منکر علم غیب اور حاضر و ناظر ہونے کا قطعاً کوئی تعلق نہیں	۳۷	ضعیف الامیان لوگوں کا یہ نظریہ تھا کہ نبی تمام غیوب پر مطلع ہوتے ہیں۔ قسطلانی
۶۳	جب دنیا میں وسعت نظری حاصل ہے آخرت میں کیوں سلب ہوگئی ہے؟	۳۳	مکتوبات حضرت مجدد صاحب کا حوالہ	۳۸	آپ کی ناراضگی آپ کے علم میں طعن کی وجہ سے نہ تھی بلکہ دوران کار رسالت کی وجہ سے تھی
۶۴	میت کو کفن پسنانے والے اور جنازہ پڑھانے والے کا علم ہوتا ہے (مرقات)	۳۴	فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت کے حاضر و ناظر ہونا جسم کی صفت ہے غفلت حصر اول کا حوالہ	۳۹	بخاری و مسلم
۶۵	وقت موت حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بھی شدید ہو جاتی ہے۔ لطائف قاسمیر	۳۵	تنویر المناظر کا حوالہ	۴۰	اور حضرت عبدالعزیز وغیرہ کو جواب دینا وحی کی وجہ سے تھا۔ نووی شرح مسلم
۶۶	الجواب	۳۶	تکلیف الصدور وسع الموثی جیسی کتابوں کی موجودگی میں ہم پر حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نفی کا الزام سرسبزستان ہے	۴۱	الغرض آپ کے لیے علم غیب کی صفت

۴۱	جو صورت الیہ پر وال ہے	۶۵	امکنہ متعددہ پر موجود ہونے کا استدلال	۵۹	حدیث مذکور کی پوری تشریح تفہیم کے لحاظ سے دیکھیں
۴۱	حضرت ابو بکرؓ کو جنت کے ہر دروازے سے بلانے والے کی حدیث بخاری سے	۶۶	صورث الیہ کے تعدد سے علم غیب اور حضورؐ کا ہونے کا قطعاً کوئی تعلق نہیں کیا مگر	۶۰	اجمالاً جواب یہ ہے کہ اس کی سندیں صحیحین جاد
۴۲	اور یہ صرف اعزاز و اکرام ہو گا نہ یہ کہ وہ سب دروازوں سے داخل ہوں گے۔	۶۷	توالت مذکور کے بزرگوں کے نزدیک بذات خود	۶۱	مکمل فیہ راوی ہے (تذیب التذیب)
"	کیونکہ یہ محال ہے۔ (لامش بخاری)	۶۸	جسم کے ساتھ ہر جگہ حضورؐ کا ہونا ممکن ہے	"	دوسرا راوی یقیناً بن الولید ہے۔ اس پر
"	توالت مذکور موت کے بعد جس وصعت نظری کے قائل ہیں یہ شرک کی ایک نوع ہے	"	اس لیے تشریح جزئی کا اشکال ان پر مستور ہے ہوتا ہے	"	بھی خاصی جرح ہے تہذیب التذیب
"	تغیر عزیزی	"	اجساد میں نوع من التقایسے کیا مراد ہے؟	"	یہ حدس بھی تھا اور تیس زمانے بھی بدرجہم ہے
۴۳	مذہب نواز	"	برقی پر مستور اعتراض وار ہے	"	نوی شرح مسلم
"	توالت مذکور کی بدحواسی	۶۹	معراج کی رات ارواح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے عباد کی شکل اختیار کی تھی	"	مجلس ساقط الحدیث ہے۔ تحفۃ الاحوذی
"	فتاویٰ رشیدیہ خصم پر کوئی حجت نہیں	"	فتح الباری وعدۃ القاری	"	مفسر راوی سعید بن سنان الرضاوی ہے
"	الجواب	"	حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا حوالہ	"	یہ بہت زیادہ ضعیف ہے مجمع الزوائد
۴۴	توالت مذکور اہلال کی تشریح میں نقل کردہ ہمارے تقریباً چھ حوالوں سے لاجواب ہو کر	"	حق ہے مگر توالت مذکور کو سمجھ نہ نہیں	"	جملہ امیر کے غیر فعل مضارع ہیچہ دوام تجدیدی کا کلام نہیں دیتی۔ بخاری کی حدیث اسی دلیل ہے
"	ان کو ملی گئے ہیں اور ڈھکاڑا لگائیں یا	"	اشعۃ اللمعات کا حوالہ کہ خواب میں	"	علم غیب الی اور حضورؐ کا ہونا ہی صفت آپ کو
"	توالت مذکور نے اپنے اعلیٰ حضرت کی کتاب میں نہیں	"	مثالی صورت نظر آتی ہے نہ کہ روح و جسم	"	جملی نہ تھی تاکہ شواہد کی زیادت کا سبب نہ
"	حضرت گنگوہی کا سوال اس لیے نقل کیا ہے کہ ان کا فتویٰ صحیح مسلم کا بار کے فتویٰ کے عین مطابق ہے	۶۹	مرقات کی عبارت میں بھی	"	قبر بار کیس آپ کو دنیوی جسم اطہر کے ساتھ حیات
"	اور نیز تاکہ ان کے علم پر کاروں کی تسلی ہو جائے	"	صورث الیہ ہی مراد ہیں	"	جمل ہے لیکن سب دنیوی لازم اس کیسے لازم نہیں
"	بقول توالت مذکور سرفراز حسب کا پتہ نشہ کر اہلال کے معنی ذبح کے گھسے صدر الائی نقل نے غلطی کی ہے	۷۰	فیصلہ ہفت مسئلہ کی عبارت بھی	"	میت کا غسل دینے والے کفن پہناتے
۴۵		۷۱	پوری عبارت یوں ہے جو ان کے خلاف ہے	۶۱	والے وغیرہ کو جاننا برحق ہے
		۷۲	مرقات کے حوالہ میں اجاب و مکتبہ کا جملہ ہے	"	شرح الصدور سے اس کا حوالہ
		۷۳		"	لیکن اس جاننے سے وہ وصعت نظری ثابت نہیں جو توالت مذکور کا مدعی ہے
		۷۴		"	انصاف اور ایسے کیل دیکھنے کا یہ دنیا و دنیوی
		۷۵		"	
		۷۶		"	
		۷۷		"	
		۷۸		"	
		۷۹		"	
		۸۰		"	
		۸۱		"	
		۸۲		"	
		۸۳		"	
		۸۴		"	
		۸۵		"	
		۸۶		"	
		۸۷		"	
		۸۸		"	
		۸۹		"	
		۹۰		"	
		۹۱		"	
		۹۲		"	
		۹۳		"	
		۹۴		"	
		۹۵		"	
		۹۶		"	
		۹۷		"	
		۹۸		"	
		۹۹		"	
		۱۰۰		"	

اس سے صدر الافاضل کے کلام میں تحریف کی ہے
اور کلام میں تعارض ہے

الجواب

نہ تو ہم نے تحریف کی نہ عادت ہے

خود آپ کے صدر الافاضل نے اہل کے معنی
ذبح کے کیلئے ہیں۔ مضافاً العرفان کا حوالہ

اور حوالہ

الہل کو ذبح کے معنی میں لینا اور بغیر اللہ کو
بغیر اللہ کے معنی میں لینا کلام الہی کے
تحریف کے قریب ہے

تفسیر عزیزی

ذبح کے حرام ہونے کی صورتیں

ایک یہ ہے کہ ذبح عبادت

کے طور پر تقرب کی نیت کرے

بحوالہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب

الجواب

صدر الافاضل غیر اللہ کے تقرب کے
لیے جانور کو نامزد کرنا جائز کہتے ہیں

مذکورہ صورتوں کے علاوہ ذبح کے

حرام ہونے اور صورتیں بھی ہیں۔ فتاویٰ عزیزی

تقرب علی وجہ العبادۃ کو حرام اور محض تقرب بغیر اللہ
کو حلال کہنا مؤلف مذکور کی غلطی ہے

۴۵ حضرت شاہ صاحب نے حضرت

۴۶ اہم فتویٰ کا حوالہ دیا ہے

۴۷ اہم فتویٰ کی اصل عبارت یہ ہے

۴۸ حضرت شاہ صاحب کی اپنی عبارت
اکرام ضیعت اور تعظیم غیر اللہ کا فرق

۴۹ فتاویٰ عزیزی کا مفصل حوالہ

۵۰ قدم امیر کیلئے ذبح کرنا حرام ہے۔ درمختار

۵۱ حالانکہ اس کی عبادت کوئی بھی نہیں کرتا

۵۲ جانور کی حرمت کے لیے تقرب علی وجہ العبادۃ

۵۳ شرط نہیں علی وجہ التقرب ہی کافی ہے۔

۵۴ فتاویٰ عزیزی اور تفسیر عزیزی کا حوالہ

۵۵ صا اہل کے معنی تقرب کے طور پر بغیر اللہ

۵۶ کے لیے نامزد کرنا ہے۔ بت۔ روح حیثیت

۵۷ جن پیر اور پیغمبر وغیرہ کوئی بھی ہو

۵۸ فتاویٰ عزیزی و تفسیر عزیزی

۵۹ ایسا نامزد کیا ہوا جانور بسم اللہ پڑھ کر

۶۰ ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہوتا

۶۱ فتاویٰ عزیزی و تفسیر عزیزی

۶۲ ہاں اگر تقرب کی نیت سے کھلے طور پر

۶۳ تو بکرے تو پھر نام خدا ذبح کرنا جائز ہے

۶۴ فتاویٰ عزیزی۔ و تفسیر عزیزی

۶۵ بارخار خان

۸۹ عبادت کا معنی تفسیر عزیزی سے

۹۰ عبادت کس مقصد کے لیے کی جاتی ہے تفسیر عزیزی

۹۱ تقرب بغیر اللہ شرک ہے۔ قرآن کریم

۹۲ شاہ عبدالعزیز صاحب اور نیاز کے جانور

۹۳ ایصال ثواب کے لیے جو جانور نامزد کیے

۹۴ جاتے ہیں اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب

۹۵ کی عبادت کا جواب ہم بار بار لکھے ہیں

الجواب

۹۶ حضرت شاہ صاحب کی مفصل عبارات کے

۹۷ بزرگمخلص فریق ثالث نے جو جوابات دیے ہیں

۹۸ وہ دفع الوقتی اور جان چھڑانے کا نام بہانہ ہے

غلط بیانی

۹۹ صدر الافاضل نے صا اہل کا معنی ذبح نہیں کیا

۱۰۰ تفسیر عزیزی کا حوالہ

۱۰۱ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک اس فیجہ

۱۰۲ کے حرام نہیں ہیں جس میں ذابا تقرب غیر خدا

۱۰۳ (۱) جانور غیر غنای کی طرف منسوب کرنا

۱۰۴ مطلق تقرب الی غیر شرک نہیں

۱۰۵ ورنہ لازم آئے گا کہ ذوی القربیٰ اور اہل

۱۰۶ التودۃ فی القربیٰ میں شرک کی تعلیم کی ہے

۱۰۷ یہ ذبیحہ اس لیے حرام ہے کہ مرتہ کا ذبیحہ ہے

تفسیر عزیزی کا حوالہ

الجواب

۱۰۸ اہل کے معنی خود ان کے صدر الافاضل

۱۰۹ نے ذبح کے کیے ہیں

۱۱۰ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک تقرب

۱۱۱ بغیر اللہ ہی وجہ حرمت ہے۔

۱۱۲ مؤلف مذکور نے تقرب کی ایک قسم

۱۱۳ کو جائز اور دوسری کو شرک قرار دیا ہے

۱۱۴ یہ ان کی جہالت ہے

۱۱۵ لغوی تقرب اور فحقی تقرب کا فرق ہے

۱۱۶ شامی اور تفسیر عزیزی کی عبارت کا

۱۱۷ مطلب پہلے بیان ہو چکا ہے

۱۱۸ مؤلف مذکور نے تفسیر عزیزی

۱۱۹ کی عبادت کا معنی غلط کیا ہے

۱۲۰ بغیر اللہ کے لیے تقرب کے طور پر

۱۲۱ جانور کو نامزد کرنا عین شرک ہے

۱۲۲ تفسیر عزیزی و فتاویٰ عزیزی

۱۲۳ سوانح وغیرہا

۱۲۴ تفسیر ابوالسعود اور حضرت ملا جوہر کا حوالہ

۱۲۵ مشرکین بتوں کے نام پر مع قصد العبادۃ

۱۲۶ جانوروں کو نامزد کرتے تھے جب مسلمان انھیں

۱۲۷ کریں تو حلال ہیں تفسیر عزیزی میں کہتے اور شریک کے

۱۲۸ ساتھ جو تشریح ہے۔ وہ وہ جانور ہے جو مرتہ ذبح کئے

الجواب

مَا أَهْلُ بِهِ لَخَيْرٌ لِلَّهِ أَوْ يَحْرَهُ وَغَيْرَهَا
اسمی فرق ہے جو فرق مخالف نظر انداز کرتے ہیں

تفسیر ابن کثیر کا حوالہ

تفسیر السعد اور حضرت تاجیون کے حوالے
ہمائے مؤید ہیں نہ کہ مخالفت

گئے اور حضرت کے ساتھ تفسیر کی وجہ
خفاست اور صحت ہے نہ کہ ذبح کفر

تفسیر عزیزی کی مفصل عبارت

وَمَا أَهْلُ بِهِ لَخَيْرٌ لِلَّهِ كَابَحْرَةٍ أَوْ سَائِرٍ
قیاس قطعا باطل ہے نص ایک کی حرمت اور دوسرے
کی حلیت ثابت ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی اپنی عبارت میں روح العبادۃ
کی قید موجود نہیں ہے فتاویٰ عزیزی سے انہی اپنی عبارت

یہ قید حضرت امام نووی لاشعری وغیرہ کی عبارتوں میں ہے
سائبر وغیرہ کا کلام نہ سمجھنے والے قابل مذمت نہیں

کہ کوئی اللہ تعالیٰ نے انکو حرام نہیں کیا بخلاف مَا أَهْلُ بِهِ
دوسری وجہ

گوشت مقصود نہ ہو بلکہ غیر اللہ کو جان دینا
مقصود ہو جیسے کافر جھٹ چڑھاتے ہیں

فتاویٰ عزیزی سے استدلال

ایصال ثواب جائز ہے فتاویٰ عزیزی

الجواب

ایصال ثواب نذاری مسکن نہیں ہے
مَا أَهْلُ بِهِ لَخَيْرٌ لِلَّهِ بَلْ أَوْزَنُ رَجُلٍ آخِرٍ

ایصال ثواب کی مدین نامزدگی کا کوئی ذکر نہیں
فتاویٰ عزیزی۔ اور تفسیر عزیزی کے حوالے

نذر اور ایصال ثواب مجاہد ہیں
مگر اولیہ کلام کے لیے نذر مانا ایصال ثواب کے مترادف ہے

حضرت امام صفحہ کی حدیث سے استدلال
نذر منسے والا اگر ولی کو حلال مشکلات

بالاستقلال یا شفیع غالب عقائد کے تو شرک ہے
فتاویٰ عزیزی

الجواب
مخالف مذکور نے نذر اور ایصال ثواب کو

الگ الگ چیزیں تسلیم کر لیا ہے
فتاویٰ عزیزی کی پوری عبارت

جس کو نذر مذکور پی گئے ہیں
یہاں نذر لغوی معنی میں ہے یعنی نذر نذر ایصال ثواب

فتاویٰ عزیزی
بالاستقلال اور غیر استقلال کا معنی

تفسیر عزیزی سے
نذر طبل اور غنیمت کی مفصل بحث فتاویٰ عزیزی سے
حضرت اولیہ کلام کے لیے نذر بالاجماع طبل اور غنیمت

فتاویٰ عزیزی

اتقرب للعبید للہ لاجل التعظیم حرام ہے
اور لاجل الاکل والاشباع حلال ہے

فتاویٰ عزیزی

نذر میں ایصال ثواب مکلفیہ
روح المعانی کا مفصل حوالہ

تحقیقات

حضرت اولیہ کلام کے نام پر نامزدگی کی حرمت
کی تین وجہیں ہیں (۱) تعظیم مع قصد لعبادۃ (۲)

بھینٹ چڑھانا (۳) اولیہ کو مستقل بالذات بھینٹنا
الجواب حضرت شاہ صاحب کی اپنی عبارت سے

نوٹ

نزع خوشی البحر الرائق۔ شامی اور
عالمگیری کے حوالہ کا جواب

الجواب

نذر حضرت فقہاء کرام کی صریح عبارت
اس جواب کا انکار کرتی ہیں اس کی تشریح

کثیرہ نذر مذکور نے من ذلک اللہ کے
معنی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کہے ہیں لکن

البحر الرائق۔ شامی۔ اور عالمگیری میں
حرمت کی جتنی وجہیں درج ہیں عوام کی
نذر میں وہ سب پائی جاتی ہیں

وقت ذبح کی قید

مولوی سرفراز کرتے ہیں کہ اصل کا معنی ذبح نہیں
حالانکہ تفسیر روح المعانی۔ ابوالسعود۔ بیضاوی

جمل۔ تفسیرات احمدیہ۔ روح البیان۔ مدارک
اشعریہ اور احکام القرآن میں ذبح کیے ہیں

الجواب

فتاویٰ عزیزی سے ان تفسیر کا محل
حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے جو ان تفسیر میں نہیں

مگر حرمت اس میں مختص نہیں بلکہ
اتقرب للتعظیم بھی ایک وجہ ہے

سرفراز صاحب کا دوسرا شبہ
کہ فرق مخالف کے نزدیک بغیر اللہ

صرف ثبت مراد ہیں
یہ ہم پر اور صدر الافاضل پر افتراء ہے

الجواب

صدر الافاضل کی عبارت میں بتوں کا
لفظ اور صر کا لفظ موجود ہے

صدر الافاضل کے مزید حوالے
مفتی احمد رضا صاحب کے حوالے

تفسیر اللہ اور بغیر اللہ کا فرق اور سرفراز صاحب کا
تیسرا شبہ کہ ان کے کلام میں تضاد و تعارض ہے
اصل مقصد غیر اللہ کو مالی ادا کا متعلق ہے

۱۴۸	حالات صدر الافاضل نے سب امور ذکرہ ملو	۱۴۳	اور حضرت مریم کا بھی مذکور	۱۲	الجواب
"	نہیں یہے تاکہ مراد و منتزیر کو بھی لاحق ہو	"	مشکین ان کو تقرب الہی کا ذریعہ اور غارتی	۱۳۳	ہا اھل لغیر اللہ میں اس کو مالی عبادت کا
"	اگر ما اھل کو عاذیج پر محمول کیا جائے تو اھل	۱۴۴	مانتے تھے اور یہی حال لکھ کر مٹانوں کا ہے	"	مستحق سمجھنا قطعاً غلط اور ایجاد بندہ ہے
"	ذیکشتہ کی استثناء سے تحصیل حاصل لازم آتا ہے	"	دلچسپ گپ	"	کسی ملک کے سربراہ کی آمد پر توہین طعن یا جانور
"	علامہ کی عبارت میں منہم مخالف معتبر ہوتا ہے	"	حضرت غوث الاعظم کو ایصال ثواب کرنے	"	بھینٹ چڑھانے کو کوئی عبادت نہیں سمجھتا
"	حضرت ملا جوں کا حوالہ کر لیا ہا ذیکشتہ ما اھل	۱۴۵	دائے طرح طرح کے کھانے پکا کر علماء و فقہاء	"	یاں تعظیم ضرور سمجھتے ہیں
"	کو لاحق نہیں کیونکہ اھل ذبیح کے معنی میں ہے	"	کو کھانے والا ہندو بھی بننا گیا۔	"	سابق شاہ ایران کے لیے بھی جانور
۱۴۹	علامہ آئینی کا حوالہ کر استثناء ما اھل کو بھی	"	ضیاء رحم کا حوالہ	"	بھینٹ چڑھائے گئے تھے
"	شامل ہے جیسا کہ حضرت علیؑ اور حضرت	"	تو پھر لکھ کر گوشت بخشش میں کیا رکاوٹ ہے؟	"	اھل کونج پر عمل کرنا اور بغیر اللہ کو
"	ابن عباسؓ سے منقول ہے۔	"	انفاس العارفين کے حوالہ سے مولف	"	بہم غیر اللہ کو دینا کلام الہی میں تحریف و تزیین
"	اس آیت کریمہ میں نو نعمات ہیں	"	مذکور کا مطلب ثابت نہیں ہوتا۔	"	فادویٰ عزیز و تفسیر عزیز
۱۵۰	الجواب	"	حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ بزرگ	"	پہلے زمانہ کے مشرک شرک میں مخلص تھے
۱۵۱	بقول صدر الافاضل اور مفتی احمد یار خان صاحب	"	ہمارے مرنے والے کا برائیاں بلکہ بالیقین کا ہیں	۳۵	اب کے چالاک پوشیدہ اور منافق ہیں
"	گیارہ محرمات ہیں۔	"	غیر نادر کے خیال میں جبب منفعت	"	معصومانہ انداز
"	مولف مذکور کے کلام میں تضاد ہے	"	اور دفع حضرت کا سبب ہوتی ہے	"	حلال و حرام کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور
"	اھل کونج پر مخلص مشرکوں کے حق میں	"	جب کہ حقیقت میں نذر سے کچھ نہیں	"	دونوں میں دلیل درکار ہوتی ہے
"	عمل کیا گیا ہے	"	بنا۔ بخاری شریف	"	مگر مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ حلال
۱۵۲	مفتی محمد حنفی کے کج بحث ہوا رد ہونے میں اختلاف	۱۴۷	نذر ولی کے لیے نہیں مانی گئی تھی بلکہ ان	"	ہونے کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں
"	ہے خبر اس	"	کے دربار میں جو بیٹے ہوتے تھے وہ لڑتے تھے	"	ان کے چند حوالے
"	حضرت ملا جوں نے اھل کے معنی	"	سرفراز صاحب کا پانچواں شبہ	"	حقت و حرمت دونوں محقق دلیل ہیں
"	نامزد کرنے کے بھی یکے ہیں	"	کہ اگر ما اھل کو وقت نذر کے ساتھ تقدیر کریں	"	قرآن کریم
"	تفسیر احمدیہ کے حوالے	"	تو لاء ما ذیکشتہ کی استثناء رجب لائق ہوگی	"	سرفراز صاحب کا چوتھا شبہ
"		"	جو خلاف واقع ہے	۱۳۹	بخاوی

عرض حال

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ - آمَنَّا بِعَدَدِ

تمام آسمانی کتابوں میں مرتبہ درجہ اور شان قرآن مجید کی ہے وہ اور کسی کتاب کی نہیں ہے۔ جو ہزار ہا انقلابات کے باوجود اب بھی اصلی شکل میں محفوظ و موجود ہے اور انشاء اللہ العزیز تا قیامت محفوظ رہے گا اس لیے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔
 إِنَّا نَحْنُ نَحْفَظُ الْقُرْآنَ لَنَذْكُرَكَ بِهِ وَأَنْتَ الْغَافِلُ
 ہم ہی البتہ اس کے محافظ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن کریم کے الفاظ، رسم الخط، لب و لہجہ، ترجمہ، تفسیر، شان نزول اور اس کے ربط و خیرہ کی تمام فیادی باتوں کی علمائے حق نے خوب خوب حفاظت کی ہے عیاں را چہ بیان تمام اسلامی ممالک میں قرآن کریم کے کچھنے اس پر عقیدہ رکھنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش ہوئی، ہوتی ہے اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک ہوتی رہے گی۔ جن ممالک میں قرآن کریم کو بہتر طریقہ سے کچھنے کی انتھاک سی کی گئی اور بحمد اللہ تعالیٰ کامیابی بھی حاصل ہوئی ان میں مشترک ہندوستان سرفہرست ہے حتیٰ کہ عربی کا یہ مکتولہ بجا معلوم ہوتا ہے کہ
 نَزَلَ الْقُرْآنُ فِي الْعَرَبِ وَفِيهِ فِيهِمْ
 قرآن کریم عرب میں نازل ہوا مصر میں (مصری حروف) کھائی اور ہندوستان میں کچھائی۔

۱۵۸	ہم نے ما اھل لَعْنِیْہِ اللہ پرہ کی بحث میں کیا ہے کہ اگر اس سے ایصالِ ثواب مراد ہے تو جانوروں کی مانند کی اور قربانیاں پکے لیے کو نہیں کیا جاتا اور یہ کرم کی تخصیص کیوں کی جاتی ہے	۱۵۳	حضرت ملا جوئی کی عبارت میں استشار کے لاحق نہ ہونے کی علت ان اشیا کی حرمت ذاتیہ بھی ہے
۱۵۹	مطلق ایصالِ ثواب کی بات محل نزاع نہیں ہے بزمِ غریب ایصالِ ثواب اور نذر و نصرت کی اصل وجہ بہادر شریعت کا حوالہ	۱۵۴	علامہ آروزی کی نقل کردہ عبارت کا مطلب ؟ روح المعانی کے حوالے
۱۶۰	اصلی بستی زبور کا اعلان ہم پر حضرت اویار کرم کی عداوت کا الزام سفید جھوٹ اور غاصص افترا ہے	۱۵۵	مزاہت مذکور نے لفظ تزکیہ پر غور نہیں کیا دین کی کمی اور عقل کی غامی
۱۶۱	ہم حضرت اویار کرم کی دشمنی کو اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنے کے مترادف سمجھتے ہیں	۱۵۶	فریقِ حفاظت کے صدر الافاضل پر صرف ما اھل کی تفسیر کے سلسلہ میں ہماری تنقید اور گرفت دشن وجوہ کی بنا پر مستور قائم ہے
۱۶۲	حدیث بخاری ہم اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے تذکرہ کو نزولِ رحمت خداوندی کا سبب سمجھتے ہیں	۱۵۷	سرفراز صاحب کا چٹا شہر کہ ایصالِ ثواب چن چن کر بزرگوں کو کیوں کیا جاتا ہے ماں باپ وغیرہ کو کیوں نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ ہم سب کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں
۱۶۳	بغض اللہ تعالیٰ ہم نے بھی ویتناؤ ز قنہم کی تفسیر تمام اہل عرب میں مفصل کر دی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے	۱۵۸	مولوی سرفراز صاحب کو بزرگوں سے عداوت ہم
۱۶۴		۱۵۹	وَمَا وَفَّقْنَاهُمْ یَنْفِقُونَ کی بحث میں ایصالِ ثواب ذکر کر چکے ہیں
۱۶۵		۱۶۰	مولوی سرفراز صاحب علی مارکھلے کے شاگرد ہیں
۱۶۶		۱۶۱	الجزایر

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے خود بھی اور ان کے نامی گرامی فرزند ان کریم اور ان کے تلامذہ اور متوسلین نے اس سلسلہ میں جو کوشش و کوشش کی ہے وہ کسی بھی ذی علم سے مخفی نہیں اور دور حاضر میں علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے قرآن کریم کے جو صحیح تراجم اور تفاسیر کی ہیں وہ بھی ایک واضح حقیقت ہے ان حضرات کے تراجم اور تفاسیر سے بے پروا ہو کر قرآن کریم کا اردو زبان میں سمجھنا خاص مشکل ہے۔ اور دوسرے مکاتیب فخر سے تعلق رکھنے والے منصف نزل حضرت کھلے نظروں میں اس کا اقرار کرتے ہیں اور یہ بالکل ایک حقیقت ہے کہ مشرک ہندوستان میں حضرات علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے تدریسا، تقریراً، تحریراً اور خطابہ میں جس طرح قرآن کریم حدیث شریف فقہ حنفی اور دیگر علوم دینیہ کی خدمت کی ہے وہ صرف انہی حضرات کا حصہ ہے تاریخی طور پر اس کا انکار آفتاب نیرود کا انکار ہے لیکن سہ

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے اس میں مجھلا تصور کیا ہے آفتاب کا فریق مخالفت کے علحضرت کے ہاں سب کے بڑی عبادت دیوبندیوں کی اہانت ہے تمام مسلمان کو جی اس امر کو جانتے ہیں کہ سب سے بڑی عبادت اصلاح عبادت پھر نماز روزہ وغیرہ عبادت کا شرعی طریقہ پر بروقت ادا کرنا اور یہی طرح درجہ بدرجہ احکام اسلام کی بجا آوری ہے لیکن بریلوی حضرات کے علحضرت کے ہاں سب کے بڑی عبادت میں سے دیوبندیوں کی اہانت و مخالفت بھی ہے جس پر ان کی روحانی ذریت شدت اور جدت کے ساتھ کاربند ہے۔

ان کے علحضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے اپنے شاگرد رشید مولانا ابوالیوسف محمد شریف صاحب کو ٹیلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کو جو نداد اہانت تحریر کروا کے دی اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

ووصیتی لك التمسك التام اور میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اہل السنۃ کے بمذہب اہل السنۃ و مذہب کو مضبوطی سے پکڑنا اور اہل بدعت و فتنہ سے الگ رہنا اور اپنی عمر کو سنتوں کی حمایت

والفتنة وصوت العمر في حياية السنن واعانة اربابها ونكاية الفتن واهانة اصحابها لانيما الديانة فانهم الفراعنة واكثر على المسلمين من ابليس اللعين اعاذنا الله واياكم من شرهم اجمعين فذلك اعظم القرب وارضى مرضاة النبي والرب الا

اور اہل سنت کی اعانت میں صرف کرنا اور فتنوں کی سرکوبی اور اصحاب فتن کی اہانت میں گزارنا خاص طور پر دیوبندیوں کی اہانت کرنا کیونکہ وہ قرآن میں اور علماء کے سب سے ابلیس عین سے بھی زیادہ منحرف ہیں کیونکہ ہماری راہ مارتے ہیں اور ہمارے پیٹ کے دھندے بند کرتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان سب کی شر سے بچائے یہ کاروائی بڑی عبادتوں میں سے ہے اور نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور رب (جل جلالہ) کو زیادہ راضی کرنے والی ہے۔

اور آخر میں ہے قالہ بقلمہ وامر ببرقہ عبدالمصطفیٰ احمد رضا قادری البرکاتی نے اپنی زبان سے یہ بات کہی اور اس کے لکھنے کا حکم دیا۔ (السند والاجازۃ الملحق بکتاب الصلوة ص ۲۹۷ و ۲۹۸)

نماز حقیقی مدلل مولفہ فقیہ اعظم حضرت مولانا ابوالیوسف محمد شریف صاحب محدث فریادیک سال ۴۰ اردو بازار لاہور

قارئین کرام خود اندازہ کر لیں کہ جو شخص اپنے شاگردوں کو فرغت کی مندی دیتے ہوئے اس میں بھی دیوبندیوں کے خلاف اپنے دل کا ابل اور بھڑاس نکالتے سے باز نہ آئے تو وہ اور کہاں پا نہ آتا ہوگا مگر مشہور ہے کہ آفتاب پر تھو کا منہ پر آتا ہے نہ تو اہل دیوبند کا آج تک کچھ بگڑا ہے اور نہ انشاء اللہ العزیز آئندہ بگڑے گا اس لیے کہ صحیح حدیث کی روشنی میں طائفہ منصورہ کا نام قیامت رہنا ثابت ہے اور بقول مولانا ظفر علی خان مرحوم عچھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

کیونکہ ان کے عقائد و نظریات قرآن کریم، حدیث شریف اور فقہ حنفی کے عین مطابق ہیں اور ساری دنیا میں پھیلے ہوئے اور خوب روشن ہیں۔

اسلامی ممالک میں خان صاحب کے ترجمہ
اور ان کے شاگرد کی تفسیر پر پابندی

مُراد آبادی کی تفسیر کا نام خزانۃ العرفان ہے ان میں ان کے اپنے اختراعی عقائد اور خود تراشیدہ بدعات کا دفر وغیرہ موجود ہے جن جن مسلمان ملکوں کو ان کے غلط ترجمہ اور تفسیر کی اطلاع ہوئی ہے، ان تمام میں ان پر پابندی عائد کر دی گئی ہے جن ممالک میں سعودی عرب، بحرین، متحدہ عرب امارات (دکویت، دوبئی، ابوظہبی، دوباء، شارجہ، مسقط اور سلطہ وغیرہ ہیں) ایران اور آزاد قبائلی علاقے شامل ہیں اور انشاء اللہ العزیز جلد یا بدیر دیگر ممالک کو بھی جب اطلاع ہوگی تو وہاں بھی ان پر ضرور پابندی لگے گی۔ کیونکہ ان میں شرک و بدعت کا بڑا ذخیرہ اور مواد ہے اور کوئی بھی مسلمان شرک و بدعت کو اسلام اور سنت کئے کو تیار نہیں نہ ہو گا اور نہ ہو سکتا ہے مگر ان کی حکومتی سطح پر بین الاقوامی سالانہ کے تحت کچھ مجبوریاں ہیں اور نیز اردو زبان سے ناواقف ہے اور اکثر ممالک کے علوم کی عموماً دین سے نفرت بھی ہے ورنہ اسلام ایک فطری مذہب ہے اس میں شرک و بدعت اور بدروم کی سرسے گنجائش نہیں ہے جسے فریق مخالفت خالص اسلام کا نام دینے پر اُدھار کھائے بیٹھا ہے مگر دہسروں کا بیس پرے دھن تھکے تاک میں کاروان لٹنے سے پہلے راز افش ہو گیا

بحث حاضر ناظر

خان صاحب بریلوی اور ان کی روحانی ذریت کا یہ خالص مشرک اور تحفیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھ کر تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام چنانچہ ان کے مولانا، امجد علی صاحب لکھے ہیں کہ دین و آسمان کا ہر ذرہ ہر نبی کے پیش نظر ہے۔ بفظہ بار شریعت میں ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور ساری امت کے تمام اقوال و احوال سے باخبر ہیں اور اس گندے اور قطعاً غیر اسلامی عقیدہ کو بزم خویش وہ قرآن کریم سے ثابت کرنے کے درپے ہیں بلکہ اس کے اثبات کا اُدھار کھائے بیٹھے ہیں چنانچہ وہ اِنَّا ارْسَلْنَاكَ شَاهِدًا لِّاٰلِهٖ (پ ۲۲۔ سورۃ الاحزاب رکوع ۲) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر۔ (۱) اور اس کی تشریح میں مولوی نعیم الدین صاحب کہتے ہیں شاہ کا ترجمہ حاضر و ناظر بہت بہترین ترجمہ ہے کیونکہ اس سے متبدعین کے تپاک عقیدہ کا اثبات ہوتا ہے۔ صفحہ مفردات راعب میں ہے الشہود والشہادۃ الحضور مع مع المشاہدۃ اصحاب البصو او بالبصیۃ یعنی شہود اور شہادت کے معنی میں حاضر ہونا جمع ناظر ہونے کے بصر کے ساتھ ہوا بصیرت کے ساتھ اور گواہ کو بھی اسی لیے شاہ کہتے ہیں کہ وہ شاہدہ کے ساتھ جو علم رکھتا ہے اس کو بیان کرتے ہیں میرے عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام عالم کی طرف مبعوث ہیں آپ کی رسالت عامہ ہے جیسا کہ سورۃ فرقان کی پہلی آیت میں بیان ہوا تو حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک ہونے والی ساری خلق کے شاہد ہیں اور ان کے اعمال و افعال و احوال تصدیق و تکذیب ہدایت و ضلالت سب کا شاہدہ فرماتے ہیں (ابو السعد و جمل) اور دوسرے مقام پر خان صاحب اِنَّا ارْسَلْنَاكَ شَاهِدًا لِّاٰلِهٖ (پ ۲۲۔ سورۃ الفتح رکوع ۱) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں بیشک ہم نے بھیجا تمہیں حاضر و ناظر (۲) اور اس کی تفسیر میں مولانا صاحب لکھتے ہیں۔ اپنی امت کے اعمال و اقوال کا تاکہ روز قیامت ان کی گواہی دو۔ اور

وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكَ شَهِيدًا الْآيَةُ (پہلے بقدرہ رکوع ۱۱) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں اور یہ رسول تمہارے نگہبان (۱۳) اور مرد آبادی صاحب اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحکم الہی نور نبوت سے ہر شخص کے حال اور اس کی حقیقت ایمان اور اعمال نیک و بد اور اخلاص و نفاق سب پر مطلع ہیں۔ اس پر ہم نے تنقید کرتے ہوئے لکھا تھا کہ خان صاحب نے نگہبان کا لفظ زیادہ کیا تا کہ ان کے مسلک اور اختراعی عقیدہ حاضر نظر پر روشنی پڑے اور ہم نے لکھا کہ یہ عقیدہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے سراسر خلاف ہے چنانچہ ہم نے اس پر چھ حوالے نقل کیے چار قرآن کریم سے اور دو بخاری شریف و بخاری صحیح بخاری سے جن سے صریحت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لوگوں کے ایمان و کفر پر اطلاق پالے اور حاضر و ناظر ہونے کی واضح طور پر تردید ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں مولف مذکور نے ان کٹوس حوالوں سے جان چھڑانے کے لیے جو راو فرار اختیار کی ہے۔ اس کا نہایت مختصر کے ساتھ تجزیہ یوں ہے۔

(۱) تفسیر روح البیان میں ہے کہ شہادت کو جب علی سے متعہی کرتے ہیں تو ضرر کے لیے ہوتی ہے اور جب لام سے متعہی کرتے ہیں تو نفع کے لیے ہوتی ہے تو اس امت کی شہادت تو بلا شک پہلی امتوں کے ضرر کے لیے ہوگی دہاں لفظ علی پر محل ہے لیکن آپ کی شہادت تو اس امت کے نفع کے لیے ہوگی تو لفظ علی کیوں آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شہید کا علی کے ساتھ متعہی ہونا اس امر پر مبنی ہے کہ شہید رقیب (نگہبان) اور مطلع کے معنی کو متضمن ہے اور رقیب چونکہ علی کے ساتھ متعہی ہوتا ہے اس لیے شہید کے ساتھ علی لایا گیا۔ اور اس سے اعلیٰ حضرت کی جلالت اور کمال علمی بھی ثابت ہوئی اور اس کی داد دینی پڑتی ہے کیونکہ اگر اس کو ظاہر پر چھوڑ دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ ہیں رسول تمہارے خلاف گواہ اور یہ معنی بالاجماع مرد نہیں آنحضرت نے گواہ کے ساتھ نگہبان کا لفظ ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا کہ علی یہاں پر شہادت کا صلہ نہیں بلکہ شہید جس رقیب کے معنی کو متضمن ہے یہ اس کا صلہ واقع ہے۔

(۲) قاضی بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔ اور چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام امت کے لیے (کا رقیب الیہم) نگہبان کی طرح ہیں اس لیے (شہید) کو علی سے متعہی کیا گیا۔ اور تفسیر دارک میں ہے ولما کان الشہید کا رقیب جی بکلمۃ الاستعلام اور تفسیر ابی السعد میں ہے وکلمۃ الاستعلام رلما فی الشہید من معنی الرقیب۔ اگر نگہبان کا معنی ملحوظ رکھنا سر فراز صاحب کے نزدیک قرآن کریم کی تحریف ہے۔ تو علامہ بیضاوی، علامہ نسفی اور ابی السعد نے جو رقیب اور ہمیں سے تفسیر کی ہے تو کیا یہ مفسرین آپ کے نزدیک محرف نہیں؟ اور صاحب درج البیان نے جو اشکال قائم کیا کیا آپ اس کا لحاظ کئے بغیر اس اشکال کا جواب دے سکتے ہیں۔ دیدہ باید۔

(۳) خان صاحب اور مرد آبادی صاحب کے ترجمہ اور تفسیر سے چونکہ عظمت رسول ظاہر ہوتی ہے اور یہ معنی اعلیٰ حضرت کی اختراع نہیں بلکہ یہ ذریت دیوبند کے محمّد علیہ اور معنوی جد امجد شاہ عبدالغنی صاحب کی تفسیر سے ماخوذ ہے جن کی انصاف و حسن عباراتیں مولوی گھڑاوی صاحب اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں پھر آگے تفسیر عزیزی کے عبارت یعنی و بائذ رسول شاہ شاہ گواہ الی قولہ تا روز قیامت ادائے شہادت تو اندر نقل کی ہے۔ ہم ان کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

یعنی تمہارے رسول تمہارے اوپر گواہ ہیں کیونکہ وہ نور نبوت سے ہر دین دار کے دین پر مطلع ہیں کہ وہ میرے دین کے کس درجہ پر پہنچا ہوا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور جس حجاب کی وجہ سے وہ دین میں ترقی نہ کر سکا وہ کون سا ہے پس وہ تمہارے گناہوں اور ایمان کے درجات اور تمہارے اچھے اور بُرے اعمال اور اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں اسی لیے امت کے دنیاوی امور میں آپ کی گواہی کئی شرع مقبول اور واجب العمل ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو اپنے زمانے کے حاضرین مثلاً صحابہ و ازواج و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمعین یا غائبین مثلاً اویس قرنی و مدنی اور مہتوں و جال کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں یا اپنے زمانے کے حاضر و غائب لوگوں کے عیوب و قبائح بیان فرمائے ہیں ان پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور اس قبیل سے جو روایات میں آیا ہے کہ ہر نبی کو اپنی امت کے اعمال پر مطلع کیا

جاتا ہے کہ فلاں آج یہ کرنا ہے اور فلاں یہ تاکہ قیامت کے دن ان پر گواہی دے سکیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس نورانی کلام کو ملاحظہ فرمائیے اور صدر الافاضل کی تفسیر کو دیکھئے جو اسی کی تعبیر ہے سرفراز صاحب کو پہلے میگزین دیوبند کی اس تفسیر کے تمام نغول کو دیا بروکنا چاہیئے پھر تفسیر کریں ورنہ ان کے دہل و فریب کی کوئی وقعت نہیں اور ان کی تفسیر اہل حق کی نگاہوں میں ذلت اور رسوائی کا آخری نشان بن کر رہ جائے گی۔

(۴) روح البیان سے اسی مقام کی تفسیر میں ایک عبارت ملاحظہ فرمائیے: "اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گواہی کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر دیندار کے دینی مرتبہ اور اس کے دین کی حقیقت پر مطلع ہیں اور اس حجاب سے بھی واقف ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے کامل دینی سے محجوب ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے گناہوں کی حقیقت ان کی نیکیوں اور برائیوں ان کے اخلاص و نفاق اور اس کے علاوہ باقی تمام امور پر نور ربانی سے واقف ہیں۔" روح البیان کی شہادت ان دلوں پر یقیناً گراں گذرے گی جو تفتیش رسالت کی قیاس پر اپنے کے درجات کا شمار کرتے ہیں اور جن کی نگاہیں فضائل رسالت کی عین روشنی میں پیشتر ناہنجار کی طرح بینائی کھو رہی ہیں۔

(۵) بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل پر جو مشق تم سرفراز صاحب نے کی ہے اور آپ کی وسعت علمی پر جو کھچھڑے تیر پھینکے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے: "انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ کے پہنچنے والے بعض منافقین کے نفاق کا علم نہ تھا حضرت عائشہؓ پر اتمام لگایا گیا آپ کو علم نہ ہو سکا تا آنکہ سورۃ نزل نہ ہوئی۔" انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک پتے صحابی حضرت زید بن ارقم کو چھوٹا اور منافقین کو بچا قرار دیا سورۃ منافقین نازل ہوئی تو پھر حقیقت منکشف ہوئی۔ "حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی ایک کاروائی کا علم آپ کو نہ ہو سکا جب تک کہ سورۃ تحریم نازل نہ ہوئی۔" حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بھی تلاش کیا اور حضرات صحابہ کرام بھی تلاش کرتے رہے۔ مگر نہ ہلاک حاضر و ناظر سے بھی کوئی چیز مخفی رہتی ہے۔ معنی میں خبر کے مقام پر آپ کی

ذہن خورانی کا واقعہ پیش آیا جس سے صاف طور پر یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے کہ آپ کو علم غیب نہ تھا اور نہ آپ حاضر و ناظر و گہبان تھے۔ (تعییدین ص ۱۲۵ تا ۱۲۷)

(۶) علم رسالت پر طعن طریقہ منافقین ہے۔ ان سوالوں کے جوابات سے قبل ہم تفسیر خازن کا حوالہ نقل کرتے ہیں۔ مثنیٰ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت خاکی صورت میں اس طرح پیش کی گئی جس طرح حضرت آدمؑ پر پیش کی گئی تھی اور مجھے بتلادیا کہ مجھ پر کون ایمان لائے گا۔ اور کون نہیں لائے گا۔ جب یہ بات منافقین تک پہنچی تو انہوں نے امتزاد کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یوں گمان کرتے ہیں کہ انہیں جو لوگ ابھی پید نہیں ہوئے ان کے بارے میں بھی علم ہے کہ ان میں سے کون ان پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا حالانکہ ہم ان کے درمیان پہنچے ہیں اور انہیں ہمارے نفاق کا علم نہیں پس جب یہ بات رسول اللہ تک پہنچی تو آپ مہربان پھڑپھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو میرے علم پر طعنہ زنی کرتے ہیں تم لوگ ابھی قیامت تک کسی بات کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھو گے مگر میں تم کو اس کی خبر دوں گا پس عبد اللہ بن عذاف بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے تو حضور نے فرمایا خداوند چہرہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ہم اللہ کی برکت پر راضی ہیں اسلامی دین پر خوش ہیں ہم قرآن کی امامت منستے ہیں آپ کی نبوت پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے آپ ہمیں معاف فرمائیے پس بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکر فرمایا کیا تم رکھنے والے ہو کیا تم رکھنے والے ہو عبد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ صا کان اللہ لیکذرا المؤمنین علیٰ ما انتھو علیہ نازل فرمائی۔ اس حدیث صریح سے ذیل کے امور معلوم ہوئے: ۱۔ بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام امت کے ایمان و کفر پر مطلع ہیں ۲۔ منافق آپ کے اس دعوے پر طعن زن ہوئے کہ اگر آپ سب کے ایمان و کفر پر مطلع ہیں تو ہمارا نفاق کیوں آپ سے مخفی ہے؟ ۳۔ بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکر و دعوے فرمایا کہ ابھی قیامت تک کی جوابات ہو پوچھو۔ ۴۔ بنی علیہ السلام اپنے علم پر طعنہ زنی سے ناراض ہوئے ۵۔ حضرت عمرؓ

اور حضرت عبداللہ بن مہذاب آپ کی وصیت علی پر ایمان لائے ہوئے تھے خازن کی تحریر تفصیل اور اس سے تجزیہ کے بعد اب ناظرین پر مخفی نہ رہا ہو گا کہ اس انگلندہ منافقین سے خوشی جینی کر کے مولوی سرفراز صاحب نے اپنے آپ کو کس صف میں لاکھڑا کیا ہے اور کیا اب یہ صراحت ضروری ہے کہ علم رسالت پر طعن کرنا کس کا انداز نحو ہے اور علم نبوت کی دشمنوں کو ماننا کس کا طریقہ ہے اور وہ جزوی واقعات جو مولوی سرفراز صاحب نے بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاعلمی ثابت کرنے کے لیے پیش کیے ہیں میں کسی طرح مضمر نہیں کیونکہ باوجود علم کے کسی امر کی طرف سے توجہ ہٹ جانا ایک حقیقت ثابت ہے اور علماء دیوبند کو بھی مسلم ہے دیکھئے عقائد علماء دیوبند ص ۱۸۸ سرفراز صاحب نے جس قدر واقعات حضور کی بے علمی ثابت کرنے کے لیے پیش کیے ہیں سب نزول قرآن کے دوران تھے اور تدریجاً ان کا علم حضور کو حاصل ہوتا رہا، اگر سرفراز صاحب واقعی حضور کی بے علمی ثابت کرنے کے لیے سبے قرار ہیں تو ثابت کریں کہ آپ کو فلاں امر کا علم وصال تک حاصل نہیں ہوا۔

و بعد و نہ خروط الفتاد۔ انتہائی افسوس ہے کہ متبصرین دیوبند عموماً اور سرفراز صاحب خصوصاً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے علمی ثابت کرنے کے لیے بیعت ام المومنین حضرت عائشہؓ کا واقعہ برسر عام بازاؤں میں، مساجد کے منبروں پر کتاب کے صفحات پر کہیں اس واقعہ کو بیان کرنے سے نہیں چوکتے کیا اگر ان کی مال پر اس قسم کی تمت لگائی جاتی تو کیا وہ اس بات کو پسند کرتے کہ وہ تمت خواہ غلط ہی ہو اس کو برسر عام بیان کیا جائے کیا اس طرز سے ام المومنین حضرت عائشہؓ اور بنی علیہ السلام کو ایذا نہیں پہنچتی اسی طرح مسک حاضرون ناظر کو مولوی سرفراز صاحب کا بار بار استنزاز ذکر کرنا فضائل نبوت سے انہو لوہے کے مترادف نہیں ہے؟

(محصلہ توضیح البیان از ص ۱۸۸ تا ۱۹۸)

الجواب

فریق مخالفت کے مسک حاضرون ناظر کے بارے عجیب قسم کے متضاد نظریات ہیں اور وہ بجا نہت بجا نہت کی لڑیاں لڑتا ہے مثلاً ان کے صدر الافاضل ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضرون ناظر اور موجود ہونے پر زور دیتے ہیں اور دوسری طرف یہ لکھتے ہیں کہ اور رسولوں کی بعثت کا مقصد رسالت کی تبلیغ اور حجت کا لازم کر دینا ہے

تہ کہ اپنی قوم کے درمیان ہمیشہ موجود رہنا تمہی مفضلہ (خزائن العرفان ص ۱۸) آخری جلد حاضرون ناظر کی صراحت نفی کر رہے ہیں۔ اور ان کے مولانا امجد علی صاحب مجلس میلاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض اکابر کو اس مجلس پاک میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے اگرچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضور اس موقع پر ضرور تشریف لاتے ہیں مگر کسی غلام پر اپنا گرم خاص فرمائیں اور تشریف لائیں تو مستبعد بھی نہیں مفضلہ (ربار شریعت حصہ اول ص ۱۸۸)

اور نیز لکھتے ہیں کہ۔ اللہ عزوجل نے حضور کو اپنی ذات کا مظہر بنایا اور حضور کے ذمے تمام عالم کو منور فرمایا بایں معنی ہر جگہ حضور تشریف فرما ہیں۔

كالشمس في وسط السماء ونورها يغشى البلاد مشارقاً ومغارباً (ربار شریعت حصہ اول ص ۱۸۸) اور ان کے مولانا ارشد قادری صاحب لکھتے ہیں کہ۔ ویسے ہم اس بات کے مدعی بھی نہیں کہ وہ ہر محفل میں تشریف لے جاتے ہیں مفضلہ (زلزلہ ص ۱۸۸)

قطع نظر ان کے متضاد نظریات سے ہم اس مقام پر مسک حاضرون ناظر کے مثبت اور نفی پہلو اور کسی پہلو کے دلائل پر بحث نہیں کرنا چاہتے بجا اللہ تعالیٰ حسن توفیق ہم نے اس مسک کے دونوں پہلوؤں پر اپنی مشور علی کتاب تبرید النواظر میں اور اس پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات پر کتاب تفریح الخواطر میں مدلل اور محقق بحث کر دی ہے انشاء اللہ العزیز اس مسک پر اتنی غلطی اور باحوالہ بجا بحث دنیا کی کسی کتاب میں آپ کو دستیاب نہیں ہوگی یہاں ہم صرف مؤلف ذکر کے دہل و فریب اور کم فہمی کا ذکر کریں گے کہ ہمارے پیش کردہ دلائل کا قطعاً کوئی جواب نہیں ملے سکے اور بالکل محضت میں کامیابی کا یہ مورچہ سر کرنا چاہتے ہیں مگر کھول اللہ تعالیٰ وقتہ ہم ان کو ایسا کب اور کیسا چھوڑ سکے ہیں؟ بے شک ان کے ناخواہ اور مقصود حواریوں نے ان کی سب جیسی تحقیق و تدقیق کی خوب تشویر کی ہے اور ان کو اس پر اپنی جگہ فرمائی ہے مگر تب تک؟

چمن میں جس ڈالیاں ہزاروں محرمہ کا کھیل دیکھو گری اسی شاخ پر ہے بجلی بنا جس پر تھا آتش ز ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ خالص صاحب نے شاہ کا معنی حاضرون ناظر کے نہ صرف یہ کہ اپنی جان پر ظلم کیا ہے بلکہ ایسے گندے عہدے کو ان کے کہے پر ماننے دے تمام

کلمہ گو مشرکوں کے گناہ عظیم کا وبال بھی اپنی گردن پر اٹھایا ہے اور قرآن کریم کی حاصل تحریف کی ہے ہم نے تبریہ النواظر میں کتب فقہ اور فتاویٰ سے بڑے صاف اور واضح حوالے نقل کیے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر لیکم کرنا خالص کفر ہے ظاہر بات ہے کہ جو حجتی علماء اسلام کے محتاط طبقہ حضرات ہمتا کر ام ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفر ہو تو وہ قرآن کریم کے کسی لفظ کا ترجمہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور حیرت بر حیرت تو اس پر ہے کہ مراد بادی جس جاسی کفر یہ ترجمہ کو بہت بے مہربانی سے کرتے ہیں حالانکہ یہ ترجمہ اور تفسیر عصبی علی غضب کا مصداق ہے شاہد کے لیے حاضر و ناظر ہونا علمی اور فتنی طور پر شرط نہیں ہے الشہادۃ بالتسماع کا فقہ کی کتابوں میں ایک وسیع عنوان ہے کہ لفظ اور معتبر آدمی کی خبر پر یقین کر کے شہادت دینا جیسا کہ یہ امت مرحومہ پہلی امتوں پر باد جو دان کے زمانہ میں نہ ہونے اور آنکھوں کے ساتھ ان کے حالات کا مشاہدہ نہ کرنے کے گواہی دینا اور اس کی گواہی نہ صرف یہ کہ مقبول ہوگی بلکہ اس کی گواہی پر پہلی امتوں کی تقدیر کا فیصلہ صادر ہوگا۔ اور ہم نے تبریہ النواظر اور تفسیر الخواطر میں اس پر بحوالہ مبسوط بحث کی ہے انفس اس پر ہے کہ فریق ثانی کے صدر الافاضل ام راعب وغیرہ سے نقل کردہ عبارت کو نہیں سمجھے اس میں تصریح ہے کہ مشاہدہ آنکھ سے بھی ہو سکتا ہے اور بصیرت (دول) سے بھی جس کو دانش اور جاننا کہتے ہیں، بالبصیرۃ کے لفظ ہوتے ہوئے حاضر و ناظر ثابت کرنا فریق ثانی کی شعبہ بازی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے الغرض ام راعب وغیرہ سے جو عبارت انہوں نے نقل کی ہے وہ حاضر و ناظر ہونے پر نص نہیں ہے اور یہ ان کے خلاف جاتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں شہادت سے دنیا میں شہادت مراد نہیں ہے جیسا کہ مراد بادی صاحب لکھتے ہیں کہ حضور پر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک ہونے والی ساری خلق کے شاہد ہیں بلکہ اس سے مراد بخاری شریف ص ۱۹۶ اور ترمذی شریف ص ۱۲۶ کی روایت کے پیش نظر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں امت مرحومہ کی شہادت کا تذکرہ ہے۔ اس صحیح اور صریح حدیث کی موجودگی میں قیامت تک ہونے والی ساری خلق پر شاہد ہونا قابل انتفاع نہیں ہے اور اگر اس شہادت سے دنیا کی شہادت بھی مراد ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امت مرحومہ لوگوں کے ظاہری حال اور اقوال کو نہ دیکھ کر ان کے

نیک اور بد ہونے کو اسی دیتی رہے گی مگر صرف ان کے حق میں جن کے بارے میں ثناء اور دیکھا ہوگا۔ جیسا کہ حدیث انتہم مشہد اللہ فی الامرض (بخاری ص ۱۸۲) سے ثابت ہے کہ آپ نے انکی تصدیق فرمائی ہے اور حافظ ابن کثیر و ام احمد و ام ابن ماجہ و اور امام ابن مرددیر کے حوالہ سے حضرت ابن عباس وغیرہ سے یہ مرفوع روایت نقل کرتے ہیں۔

یوشک ان تعلموا خیار کو و شرار کو قریب ہے کہ تم اپنے نیکوں اور بدوں کو پہچان گے قال الامام یار رسول اللہ قال بائشند الحسن انہوں نے کہ یا رسول اللہ وہ کیسے؟ آپ نے والشائد السخی انتہم مشہد اللہ فی فرمایا کہ اجمعی اور بری توفیق سے تم زمین میں اللہ تعالیٰ الامرض۔ (امام کثیر ص ۱۹۶) کے گواہ ہو۔

روح البیان۔ بیضاوی۔ مزارک اور ابوالسود وغیرہ سے مولف نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ ان کو سووند نہیں کیونکہ اس میں لفظ رقیب اور کار قیب ہرگز نہ مراد نہیں کہ آپ ساری امت پر اور ان کے احوال و افعال اور اقوال پر نگہبان ہیں جیسا کہ مولف نے ذکر اور ان کے بڑوں کلبے بنیاد دعوے ہے بلکہ یہ نگہبان امت کی اس سچی گواہی پر ہوگی جو قیامت کے دن امت مرحومہ پہلی امتوں کے خلاف دینی چنا کہ ام نسفی انا رسن کد مشاہد کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ تشهد علی امتک یوم القیمۃ آپ اپنی امت پر قیامت کے دن گواہی دیں گے (مدک ص ۱۵۶)

اس سے واضح ہو گیا کہ علامہ نسفی کے نزدیک یہ شہادت دنیا کے امور پر نہیں تاکہ حاضر و ناظر کا سلسلہ چل سکے بلکہ یہ شہادت قیامت کے دن ہوگی اور علامہ ابوالسود نے بھی فرماتے ہیں کہ ای علی امتک لفقو لم تعالیٰ و دیکو فی یعنی آپ اپنی امت (کی صفائی) پر گواہی دیں گے الرسول علیک شہیداً کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ہو گا رسول تم پر (ابوالسود ص ۱۶۶) گواہ۔

ان تفسیر سے کسی معنی کی تائید ہوتی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ شاہد کا معنی کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ

شاهد علی امتن و شاهد
علی الانبیاء علیہم السلام
انہم قد بلغوا (روح المعانی ۲۷۲ مش)
اور تفسیر بیضاویؒ ہی میں کان الرقیب سے قبل یہ عبارت موجود ہے۔

فیقول الامم من این عرفتم
فیقولون علمنا ذلك باخبار الله
تعالی فی کتابہ الناطق علی لسان
نبیہ الصادق فیوئی لمحمد
صلی اللہ تعالی علیہ وسلم
فیسل عن حال امتہ فیشهد
بعد التہم (ہر بیضاوی مش)
اور فاضل یاکوٹی مولانا عبدالحکیم صاحب عُدّی بعلی کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

یعنی شہید اضمن معنی الرقیب
فعدی تعدیتہ لان هذه
الشهادة شهادة تزكية ولزکی
لابدان یکون مراقباً علی
احوال المنزکی فاذا شاهد
منہ الرشید والصالح فیشهد
بعد التہم وتزکیتم
(مناہج بیضاوی مش)

اس سے بالکل عیاں ہو گیا کہ آپؐ کی شہادت صفائی کی گواہی ہوگی جو امت مرحومہ کے
راست اور صحیح بیان اور شہادت کے بعد ان کی تعدیل اور تزکیہ کے سلسلہ میں صادر ہوگی۔ اس سے

ایسی شہادت مردونہ جو دنیا میں ساری امت کے تمام ظاہر و باطن اور اس کے سب اقوال و افعال
اور تصدیق و تکذیب اور اخلاص و ففاق کے متعلق ہر سرسراہٹ سے اور ہر خصوص قطعیہ اور احادیث
صحیحہ کے بالکل خلاف ہے قرآن کریم کی آیت کریمہ **وَمَنْ أَهْلُ الْمَكِيدَاتِ** صد دُعا
علی النفاق لا تَقْلَمُہُمْ اور حدیث شریف **اِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا اَحَدُ قَوْمٍ بَعْدَكَ**
اس پر نص صریح ہے جن کا کوئی محمول جواب فریق مخالف کی طرف سے آج تک نہیں ہو سکا۔
اور تا قیامت ہو سکتا ہے اور نہ اس کی توقع کی جا سکتی ہے **وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ فَخْرِيًّا**
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ وغیرہ جن بعض حضرات کی عبارات میں
نیک و بد اعمال اور اخلاص و ففاق وغیرہ کا ذکر ہے قرآن سے ایسے نیک و بد اعمال وغیرہ
مرد ہیں جن پر قرآن و شواہد کے ساتھ جمالی اور ظاہری طور پر آگاہی حاصل ہو اور نور نبوت اور فرست
رسالت سے ان پر اطلاع حاصل ہوئی ہو تفصیلی طور پر تمام اعمال کا علم اور ان پر اطلاع نیز باطنی
امور پر آگاہی اس سے ہرگز ہرگز مراد نہیں ہے کیونکہ یہ صفت اور خوبی صرف ائیں ذات کا
خاصہ ہے جو عظیم بذات الصدور اور عالم الغیب والشفاعہ ہے مخلوق میں سے کوئی فرد بھی
کائنات میں اس میں اس کا شریک نہیں نہ ذاتی طور پر اور نہ عطا کی طور پر بحث **الذالہ الریب**
میں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب عقائد باطلہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

وانبیاء و مرسلین را لوازم انوہیت

ادعیم عیب و شنیہن فرما د ہر کس در

ہر جا انوہ

(تفسیر عزیزی ص ۱۰۰ سورہ بقرہ)

اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ

اول کیک قرآن برو نازل میشد یعنی ذات

مطہر آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہرگز

معانی و لغات اقوام دیگر بلکہ مخارج حروف

حضرات انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے

یہ لوازم انوہیت علم غیب اور ہر جگہ سے

ہر ایک کی فریاد کرشنا (وغیرہ ثابت کرنا)

سب سے پہلے وہ ذات مطہر یعنی آنحضرت صلی اللہ

تعالی علیہ وسلم جن پر قرآن کریم نازل ہوا دوسری

قوموں کی زبانیں اور لغات بلکہ ہر فرقہ کے مخارج

وہجہ کلام پر فرقی و تشدد قادی عزیزی (۳۲) حدوت اور لہجہ رنگین ہرگز نہیں جانتی تھی
حضرت شاہ صاحب کی ایسی واضح تصریحات کی موجودگی میں تمام اُمت کے ظاہری و باطنی
اعمال اور اخلاص وفاق کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا قطعاً باطل اور توہر القول
بصلاً ویرضی بہ قائل کہ کھلا مصداق ہے۔

ایسی صریح اور واضح عبارات کے بعد مزید ضرورت تو نہیں مگر طلبہ علم کے افادہ کے لیے
حضرت شاہ صاحب کے ایک حوالہ اور ہم عرض کرتے ہیں چنانچہ وہ سورہ جن میں قُلْ اِنْ اَدْرٰی اَفْرِجْ
مَّا تَوْعَدُوْنَ الْآیۃ (مے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ میں نہیں جانتا کہ کیا قریب ہے
وہ چیز (عذاب یا اہل باقیامت وغیرہ) جس کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے (یعنی قیامت میں) کہ
وہیر تقدیر بھیجے نیست کہ اگر من مقدار اہل
ہر کس را بزم و موافق کل حکم بقرب و بعد
ظہور و عوہدات و اخروی در حق او بختم یا مقدار
بقائے نزع انسانی را تا زم زرا کہ من عالم
غیب قسم و ادعائی اس علم غیبی چنانچہ باقی
از میں معبودان شما از جہان دیگر و دیگر پر نگاہ
من عالم الغیب است و غیر اور اس علم
حاصل نیست زیرا کہ غیب نام چیز نیست
کہ از ادراک حواس ظاہرہ و باطنہ غائب
باشد نہ حاضر تا مشاہدہ و وجدان دریافت
شود و اسباب و علامات آن نیز در نظر عقل و فکر
آن در دنیا بدیدار است و استدلال دریافتہ شود
والی ان قال و آنچه بنسبت بہ مخلوقات
غائب است غیب مطلق است مثل وقت

آمدن قیامت و احکام کو نیت و شرعیہ باری تعالیٰ
در ہر روز و در ہر شریعت و مثل حقائق ذات و صفات
او تعالیٰ علی سبیل التفصیل و اس قسم را غیب
خاص او تعالیٰ نامند۔ (تفسیر عزیزی پاؤتبارک
۱۶۲ و ۱۶۳ طبع محمدی لاہور)

قارئین کرام! انصاف سے فرمائیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی خود اپنی ایسی مفصل عبارت
اور تصریحات کی موجودگی میں ان کی کسی شبہ اور مجمل عبارت سے یہ ثابت کرنا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے لیے قیامت تک کے ہونے والے تمام امور کا علم ثابت کرتے ہیں کتنا بڑا ظلم ہے اور
اس کی اہل انصاف کے ہاں وقعت بھی کیا ہے؟ فریق مخالف مجمل اور مبہم عبارات سے دھوکہ
دیگر گاڑی چلانے کی کوشش کرتا ہے اور یوں اپنا اور پیروکاروں کے دل بہلا رہا ہے بقول شاعر
تمناؤں میں اُبھایا لگی ہوں کھلنے مئے کے بہلایا گیا ہوں
علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحب کی اُمی عبارت میں جس سے موافق مذکور اور ان کے بزرگ علم
غیب ثابت کرتے ہیں اس کا تذکرہ بھی ہے کہ یہ اطلاع عرض اعمال کے طور پر ہوتی ہے
جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقول فریق مخالف عالم الغیب اور عالم ماکان و مایکون
ہیں تو پھر عرض اعمال کے ذریعہ اطلاع کا کیا مطلب؟ اور عرض اعمال کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب
روایات کا حوالہ دیتے ہیں۔

وازیں جا است کہ در روایات آمدہ کہ
ہر نہی را بر اعمال اقبال خود مطلع میا نہ کہ
فلانے اس روز جنیں میکند و فلانے چنان
تا روز قیامت اورائے شہادت تو اند کہ در پوئل
پوچہر شما را تا بعد از فلان و محترہی شما بیان کند
دیگر شما را از انکار اہم چه باک۔ (تفسیر عزیزی ص ۵۸
سورہ بقرہ)

چونکہ یہ عبارت مولف مذکور کے باطل دعویٰ کے رد کے لیے ضرب کاری تھی اس لیے انہوں نے خیر اسی میں کبھی کہ اس کو شیر مار درجہ کر لی جائیں ہم نے بفضلہ تعالیٰ عرض اعمال کی احادیث کا بحوالہ تذکرہ تسکین الصدور اور سماح المؤمنین میں کر دیا ہے اس لیے اس بحث کو انہی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔ نیز ہم نے ازالۃ الریب میں بحوالہ یہ بحث بھی کر دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اُمت کے جو اعمال پیش کرتے ہیں تو صرف اجمالی ذکر تفصیلی کیونکہ اگر تفصیلی ملاحظہ فرمائیں تو یہ اِنَّكَ لَا تَدْرِى مَا اَحَدٌ ثَوًّا بَعْدَكَ کی صحیح اور مشہور حدیث کے مضمون کے خلاف ہے اور دیگر قطعی آثار اور براین اس پر مستزاد ہیں اور یہ اجمالی عرض اعمال صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ خاص نہیں البتہ تفسیر عریضی کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے کہ ہر نبی پر اعمال پیش کیے جاتے ہیں تفسیر عریضی میں خط کشیدہ الفاظ اُمت مرحومہ کے قیامت کے دن تزکیہ و تعدیل کے سلسلہ میں ہیں اور یہ تعدیل و تزکیہ اُمت کی شہادت اور اس کے بیان سننے کے بعد ہوگی یہ تعدیل و تزکیہ اس دنیا میں ساری اُمت کے تمام نیکو باجمالی اور امور ظاہر و باطن اور اخلاص و فلاح سے متعلق نہیں جیسا کہ مولف مذکور اور ان کے بزرگوں نے کم فہمی سے یہ سمجھا ہے مولف مذکور نے اس مفصل عبارت کا ذکر نہیں کیا مگر بفضلہ تعالیٰ چور کی گھون لگانے والے بھی اس دنیا میں موجود ہیں۔

اور خود حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ہی قیامت کے دن اُمت کی شہادت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ

چوں اہم دیگر در مقام ذکر شہادت ایشان
خواہند گفت کہ شہادہ رو شہادت میدہید
حالانکہ در وقت مانو دید و حاضر واقعہ شدید
ایشان در جواب خواہند گفت کہ بار خیر خدا را
یوں اہم دیگر در مقام ذکر شہادت ایشان
خواہند گفت کہ شہادہ رو شہادت میدہید
حالانکہ در وقت مانو دید و حاضر واقعہ شدید
ایشان در جواب خواہند گفت کہ بار خیر خدا را

بہ مشورہ علیہ میاید ہر طریق کہ محل شود این قصہ را حدیث
بسنید صحیح روایت کردہ اند در بخاری و دیگر
صحاح ستہ روایت کر یعنی نصحت الی قولہ و امام
احمد و نسائی و ابن ماجہ در ترمذیہ این قصہ میں
لفظ ہم آور دہ اند کہ فی الحال ما علیکم فیتقوا ان
ہذا نبینا فاخبرنا ان الرسل قد بلغوا الخ
و تفسیر عریضی ص ۱۵۵ سورہ بقرہ)

اور اس واقعہ کو حضرات محدثین کرام نے صحیح مذکر کے ساتھ روایت کیا ہے بخاری شریف اور دیگر کتب
صحاح ستہ میں مرقی ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام
کو بلا جہتے گا (پھر آگے فرمایا کہ) اور حضرت ام احمدہ
حضرت ام نسیہ اور حضرت ام ابن ماجہ نے اس واقعہ
کے تحت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں جو کہا جائے گا کہ تمہیں
اس کا کیا علم ہے؟ تو یہ اُمت کہے گی کہ ہم نے پاس
ہمارے نبی آئے انہوں نے ہمیں خبر دی کہ حضرات
انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغ کی ہے۔

اس عبارت کی بات بھی بالکل عیاں ہوگئی کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک شاہ کے لیے
دیکھنا اور موقع پر حاضر ہونا شرط نہیں ہے چنانچہ خط کشیدہ الفاظ اس پر دال ہیں مگر خان صاحب
تو شاہ کا معنی ہی حاضر و ناظر کرتے ہیں جو خلاف واقع ہونے کے ساتھ تحریف قرآنی بھی ہے۔
نعموز باللہ تعالیٰ منہ باقی جو حالات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے حضرات کے
بلکہ پہلے زمانوں کے اور آئندہ آنے والے زمانوں کے حتیٰ طور محمدی علیہ السلام اور مقتول مجال
در اقم اٹھیم کے پاس تفسیر عریضی کا جو نسخہ مطبع محمدی لاہور ہے اس میں مقتول دجال کے الفاظ
ہیں مگر مولف مذکور نے مقتول دجال نقل کئے ہیں ممکن ہے ان کے نسخہ میں ایسا ہی ہو
دیگر کے بتائے ہیں سب برحق ہیں اور یہ اور اس قسم کے دیگر بے شمار واقعات انبیا الغیب
اور انبیا الغیب کی مدین ہیں اور کوئی مسلمان ان کا منکر نہیں ہے لیکن یہ واقعات علم غیب
کی مدین نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے چنانچہ خود حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

وآنچه بہ نسبت ہر مخلوقات غائب است غیب مطلق است الی قولہ وایں قسم غیب خاص وواقعات خاصہ
اس عبارت سے بھی یہ بات بالکل عیاں ہوگئی ہے کہ علم غیب مطلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ
مختص ہے جس میں مفصل احکام کو نیر وشرعیہ کے علاوہ قیامت کے آمد کا صحیح وقت بھی شامل
ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے بغیر ان کو بشمولیت امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کوئی نہیں جانتا یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے اور یہی صحیح احادیث
کا واضح سبق ہے اور یہی کچھ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب فرمایا ہے میں مگر فریق مخالف کے
صدر الافاضل اور ان کے ہمزا اور ان کے پس افکندہ سے خوشتر چینی کرنے والے مؤلف مذکور
وغیرہ ظاہر و باطن تمام اقوال و افعال اور ایمان و کفر اور اخلاص و فساد وغیرہ کا علم آپ کے
لیے ثابت کر رہے ہیں اور آڑی لیتے ہیں کہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب نے ایسا فرمایا ہے۔
حالانکہ دونوں نظریات میں آسمان و زمین کا فرق ہے جس کو اہل بعثت اپنی کڑی مغز و ادب فہمی
کی وجہ سے نہیں سمجھتے اور نہ ان سے اس کی توقع ہے ہم نے اس میں قدرے تفصیل اس لیے
کی ہے کہ بفضلہ تعالیٰ جس بزرگ کی بقول مؤلف مذکور اندھا دھند عبارت سے ہم استدلال
کرتے ہیں ان کی کوئی عبارت ہمارے خلاف نہیں اور ان کی جس عبارت کو فریق مخالف
اپنے استدلال میں پیش کرتا ہے اس سے ان کا کوئی مطلب ثابت نہیں ہوتا یہ اس کی نری خوش فہمی
یا تعصب کی وجہ سے کج فہمی ہے اور یہی ان کا علمی میدان میں مترع عزیز ہے جس کی وہ محافظت
کرتے ہیں۔

روح البیان کے مصنف اسماعیل حقّیؒ ان مفسرین کرام کے زمرہ میں ہرگز داخل اور شامل
نہیں ہیں جو محققین کہلاتے ہیں اور جن کی نقل قابل اعتماد ہوتی ہے بلکہ وہ رطب و یابس جمع کرنے
والے بزرگ ہیں چنانچہ اکبر ص ۸۲ میں ہے والی بلاد جیف کثیرۃ لا ینبغی الالتفات
الیہا وقت ذی صعیفۃ لا یتمد علیہا ویس فی الحقیقۃ فی التفسیر
لکتاب العزیز لبشی۔ واجتہد علی کتاب اللہ با دخال مایس منہ من
تفسیرہ الخ یعنی انہوں نے بہت سی جھوٹی باتیں بھی نقل کی ہیں جن کی طرف التفات

مناسب نہیں اور کمزور فتویٰ نقل کیے ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اور حقیقت میں یہ قرآن کریم
کی تفسیر نہیں۔ اور بڑی جرات سے انہوں نے کتاب اللہ کی تفسیر میں ایسی چیزیں داخل کی ہیں جو تفسیر
نہیں۔ لہذا نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ وراجح اُمت کے مقابلہ میں ان کی بات کیسے اور کیونکر
حجت ہو سکتی ہے؟ علاوہ ازیں ان کی عبارت میں جس اطلاق کا ذکر ہے وہ یہی ہے جو انبیا الغیب
عرض اعمال اور قرائن و شواہد اور ثبوت اور نور فرست کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے نہ کہ وہ امور جو
غیب مطلق ہونے کی وجہ سے خاصہ خداوندی ہیں کیونکہ وہ تو عظیم ذات الصدور ہی کے ساتھ
مختص ہیں ہمارے پاس روح البیان ہے نہیں اور نہ اس سے کوئی خاص دلچسپی ہے اور انشاء اللہ
الغزیز ان کی تفسیر سے بھی کچھ ثابت ہوگا جو ہم کہہ رہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب ثابتہ کا کوئی دشمنانِ مکر نہیں اور نہ
ان کو کوئی مشق ستم بناتا ہے اور نہ بنا سکتا ہے؛ لیکن وہ شخص بھی پرلے درجہ کا بے ایمان ہے
جو محض مسلکی تعصب کی وجہ سے نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کا رد کرتا ہے اور اس جیسا بے حیا
بھی دُنیا میں کوئی نہیں ہے ہم نے قرآن کریم اور حدیث صحیح سے جو واقعات نقل کیے ہیں جن
کی احادیث غیر شادی مؤلف مذکور نے بھی کی ہے اس کا کوئی جواب مؤلف مذکور نے نہیں دیا
اور نہ دے سکتے ہیں اور نہ قیامت تک پوری جماعت کی امداد حاصل کر کے بھی دے سکتے ہیں۔
مؤلف مذکور کو واضح طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ یہ واقعات پکار پکار کر اور لٹکار لٹکار کر آپس جواب
طلب کر رہے ہیں کیا ہے آپ یا آپ کی جماعت میں دم خرم جو ان واقعات کے صحیح
جوابات دے سکے؟ یہ ہے وہ حقیقت دیدہ باید کا مقام فہل من ہار یا باقی مؤلف مذکور نے
تفسیر خازن کے حوالہ سے سدی سے جو روایت نقل کی ہے اور اس پر بڑے غم خویش نکات
لٹکال کر نمبر شمار کر کے ہوئے عاشیہ آرائی کی ہے سب کی سب طفل تسلی ہے اور بس
مدی کذاب اور وضع ہے جیسا کہ غفریب آرہا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ پھر اس کی سند
کا بھی کوئی ثبوت نہیں تفسیر مظہری ص ۱۸۵، میں ہے کہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ میں
اس روایت پر مطلع نہیں ہو سکا۔ (لم اقف علی ہذہ الروایۃ)

اور ایسے کذاب اور جعلی ساز کی بے سند روایت استلال کرنا مؤلف مذکور اور ان کی جماعت ہی کا
ظفر لئے امتیاز ہے یقیناً جاننے والی ایسی موضوع اور جعلی اور بے سند روایات سے کوئی بھی مؤلف مخلص
اور متبع سنت مسلمان منافق نہیں قرار پاتا خواہ وہ مؤلف مذکور نے یہ بے اصل روایت نقل کر کے
دل کی جھڑاس نکالی ہے الغرض را تمام امت کے ایمان و کفر پر اطلاع تو درکنار نص قرآنی
کے تحت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل مدینہ کے بعض منافقین کے کفر اور نفاق پر بھی
مطلع نہ تھے لَقَلَّمَهُمْ نَحْنُ فَقَلَّمَهُمْ (۲) منافق اپنی منافقت کی وجہ سے یہ غلط
سمجھے ہوئے تھے کہ نبی کے لیے علم غیب ضروری ہے تو پھر ہمارا نفاق ان پر کیوں نہیں کھلا؟
انہوں نے طعن اس لیے کیا کہ بزعم ان کے اس سے آپ کا علم غیب ثابت نہیں ہو رہا۔
(اس کی مزید بحث ازالۃ الريب میں ملاحظہ کیجئے)

علامہ قسطلانی کا یہ جواب بھی ہم نے اس میں درج کیا ہے کہ

بأن بعض من لم يسمع في الإيمان بعض ده لوك جراسخ الايمان ذتھے۔ ابا
كان يظن ذلك حتى يسي ان خيال کرتے تھے۔ یہاں تک ان کا خیال تھا کہ
صحة النبوة تستلزم نبوت کی صحت اس کو مستلزم ہے کہ نبی تمام
اطلاع النبی علی جمیع المغيبات غیوب پر مطلع ہو۔
(ارشاد الاری ۲۹۶)

مؤلف مذکور مع اپنے اکابر کے یہ باطل نظریہ رکھتے ہیں کہ نبی کے لیے تمام غیوب کا
انکار منافقوں کا خیال ہے اور یہاں بات یہکل آئی کہ منافق اور ضعیف الایمان لوگ نبی کے لیے
تمام غیوب ثابت کرتے ہیں۔ (۳) صدی جیسے کذاب اور وضاع کی بے سند روایت سے
مؤلف مذکور کے نزدیک یہ ثابت ہے کہ قیامت تک جو بات چاہو پوچھو مگر اس کے
برعکس قرآن کریم صحیح اور متواتر احادیث اور اجماع امت اس بات پر متفق ہے کہ قیامت
کے قائم ہونے کا صحیح وقت بخیر پر درکار کے کسی اور کو معلوم نہیں ہے۔ انصاف سے
کہیں کہ آپ حضرات کے نزدیک اس میں صحیح بات کون سی ہے؟ ہم تو بحمد اللہ تعالیٰ

قرآن کریم۔ صحیح احادیث اور اجماع امت کو ہرگز ہرگز نہیں چھوڑتے آپ لوگ صدی کی دم تھائے
رکھیں اور یہی آپ کو مبارک ہو۔ (۴) آپ کی ناراضگی محض اس لیے تھی کہ دور از کار اور لایعنی
سوالات کیوں ہو رہے ہیں چنانچہ بخاری ص ۲۶۳ اور مسلم ص ۲۶۳ کی روایت میں ہے کہ آپ سے
ایسی اشیاء کے بارے سوال کیا گیا جن کو آپ پسند نہیں فرماتے تھے اور جب لوگوں کے سوالات
بڑھ گئے تو آپ نے غصہ میں آکر فرمایا مجھ سے پوچھو الحدیث۔ اور بخاری ص ۱۹۳ کی روایت میں ہے
ومثل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن اشیاء کرہا فلما اکثر
علیہ غضب الحدیث کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جیسا ایسی اشیاء کے بارے
بکثرت سوالات ہوئے جن کو آپ پسند نہیں کرتے تھے تو آپ ناراض ہو گئے۔ (۵) حضرت
عمرؓ اور حضرت حذیفہؓ نے شک آپ کی اس وسعت علمی کے قائل تھے جو اللہ تعالیٰ نے
آپ کو مرحمت فرمائی تھی لیکن حضرت عمرؓ کا رضیت باللہ ربنا الخ پڑھنا اس لیے تھا کہ منافق
لایعنی اور دور از کار سوالات کر کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذہن مبارک کو پریشان
کرتے اور آپ کا قیمتی وقت ضائع کرتے تھے اور حضرت حذیفہؓ نے من ابی کا سوال اس
لیے کیا تھا کہ عوام میں ان کی ولایت کے بارے میں غلط تاثرات تھے مسلم ص ۲۶۳ کی روایت
میں ہے کان یلا سنی فید علی افیر ابید الحدیث کہ جب ان کے ساتھ جھگڑا ہوتا
تو ان کو باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا جاتا۔ اور آپ کا یہ بتاؤ وحی کے مطابق
تھا۔ قال العلماء هذا القول منه صلی اللہ علیہ وسلم محمول
علی انہ اوحی الیہ الخ (نوی شرح مسلم ص ۲۶۳ وغیرہ)

ہیں کہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کا رد کرنا مسلمانوں کا کام ہے یا کافروں۔ مشرکوں اور منافقوں کا ہا
یہ فیصلہ ان کو خود کرنا ہوگا ورنہ قارئین کرام کی عوامی عدالت میں فیصلہ ہو جائے گا۔

تم ہی نہ سن کے اگر قصہ غم سنے گا کون! کس کی زبان کھلے گی پھر ہم اگر نہ سن سکے
مولف مذکور کا معصومہ انداز مولف مذکور کہہ سکتے ہیں کہ یہ جزوی واقعات آپ کی لاعلمی

بٹ جانا ایک حقیقت ثابتہ ہے اور علماء دیوبند کے ہاں بھی یہ سقم ہے (مصلحہ) سو گزارش
یہ ہے کہ یہ تو کئی واقعات ہیں مگر ایک واقعہ بھی آپ کی نگلی کو گولنے اور ڈھانے کے لیے
کافی ہے کیونکہ منطقی طور پر وجہ کلیہ کی نقیض سابر جزئیہ ہے الغرض ایک واقعہ بھی آپ کے ہاں
دعویٰ کے رد کے لیے کافی ہے چہ جائیکہ واقعات، ان واقعات نے تو آپ کے ہاں

اور بے بنیاد دعویٰ پر بالکل پانی پھیر دیا ہے۔ اور آپ کے پتلے کچھ بھی نہیں بہنے دیا صرف
آپ نے خازن کے حوالہ سے سدی کذاب کے گھر میں پناہ لی ہے جو آپ کی علمی رسوائی کے لیے
بالکل کافی ہے اور یہ داغ ہمیشہ آپ کی پیشانی پر چمکتا رہے گا۔ سدی دو میں ایک کبیر دوسرا حیر

کبیر کا نام اکامیل ہے فن حدیث میں ان کے ہائے میں حضرات محدثین کی رائے یہ ہے امام ابن معینؒ
فرماتے ہیں کہ ان کی روایت میں ضعف ہو تا ہے ابو زرعہؒ فرماتے ہیں کہ وہ کمزور ہے ابو حاتمؒ اور طبریؒ

فرماتے ہیں کہ ان سے احتجاج درست نہیں ہے امام جوزجانیؒ فرماتے ہیں کہ وہ کذاب اور جبرانی
تھا (تہذیب التہذیب ص ۳۱۴) اور صفیر کا نام محمد بن مروان ہے امام جریر بن عبد الحمیدؒ اور ابن نمیرؒ

فرماتے ہیں کہ وہ کذاب ہے اور صلح بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا بعیتہ
محدثینؒ بھی اس پر سخت جرح کرتے ہیں (تہذیب ص ۳۳۶، ۳۳۷) انصاف سے فرمائیں کہ ایسے

کتاب راوی کی روایت سے دیہی کو فاسد ثابت ہو تا یا ہو سکتا ہے؟

توجہ ہٹنے کا شوثر بے شک کسی وقت آدمی کی توجہ کسی امر کی طرف نہیں ہوتی اور اس
سے وصول ہوتا ہے۔ مگر ان واقعات میں ایسا نہیں ہے کیونکہ

یہاں مثلاً حضرت زین بن ارقم نے منافقین کی کذاب بیانیوں کا مقدمہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے سامنے دائر کیا تھا اور آپ نے منافقین کو بلا کر ان کے بیانات سننے اور یہ سب کچھ
کر چکنے کے بعد حضرت زین بن ارقم کے جھوٹا ہونے اور منافقین کے سچا ہونے کا فیصلہ صادر فرمایا

جس کی اصلاح سورہ منافقین کے ذریعہ کی گئی اور آپ نے اپنے سابق فیصلہ سے رجوع فرمایا کیا یہ
ماری کاروائی ہوتے ہوئے بھی آپ کی توجہ نہ تھی؟ مولف مذکور نے یہ کیا لایعنی بات کہہ دی ہے

ایسی بڑی تو شک بھی نہیں مارا کرتے۔ پھر حضرت عائشہؓ کا بار صانع ہوتا ہے اور آنحضرت صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نفس نفیس خود بھی اس کو تلاش کرتے ہیں اور حضرات صحابہ کرامؓ تا بھی تلاش

کرتے ہیں رچا پچھا بخاری شریف ص ۱۱۴ کی روایت میں ہے۔ فاقام رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم علی التماسہ و اقام الناس معہ الحدیث آنحضرت صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اس بار کی تلاش کے لیے رُکے ہوئے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ رُکے ہوئے
ایک یا یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آپ کی توجہ نہ تھی؟ اور واقعہ افکہ میں تو

ایک ماہ تک آپ پریشان ہے اور حضرت عائشہؓ سے آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ اگر تو گناہ
سے آلودہ ہو چکی ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ اور توبہ کر (وان كنت المصت

بذنب فاستغفری اللہ وتوبی الیہ الحدیث بخاری ص ۵۹۶)

ایک حاضر و ناظر اور عالم الغیب

ہو کر بھی آپ پر ایک ماہ اصل حقیقت عیاں نہ ہو سکی کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ اور یہ غلط تفسیر

کیا ہے؟ پھر اگر آپ کو علم غیب ملتی تھا اور آپ حاضر و ناظر تھے تو حضرت عائشہؓ کی پاکدہنی
کے سلسلہ میں وحی نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر آپ کو قطعی طور پر پہلے ہی سے اصل

واقعہ معلوم ہوتا تو نہ آپ کو پریشانی ہوتی اور نہ اس تحصیل حاصل کی نوبت آتی عزیزیکہ مولف مذکور
ان صحیح اور قطعی واقعات کا کوئی جواب نہیں دے سکے صرف علوم کو بدراہ کرنے کے لیے

شہسب کی جھولی میں پناہ تلاش کرتے ہیں جو بالکل بے سود ہے بغض اللہ تعالیٰ ہمارے سب کا کل
قارئین کرام کے سامنے ہیں اور فریق مخالفت کی کوئی دلیل ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ ان کو یہ خود

پڑنا چاہیے۔

جب میں چلوں تو سایہ بھی اپنا نہ ساتھ رہے جب تم چلو زمین پلے آسمان پلے
مؤلف نے ذکر کرنے کا صاحب کے پاؤں پکڑتے ہوئے اپنے
دلائل کے ترکش سے آخری تیر بھی چلا دیا کہ یہ سب واقعات

استہالی لکھی بات

نزل قرآن کے دوران تھے اور تدریجاً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم حاصل ہوتا رہا۔ سرفراز
یہ ثابت کرنے کے غلام امر کا علم آپ کو وصال تک حاصل نہیں تھا تو تب بات بنتی ہے (محصل)
بجاء اللہ تعالیٰ سرفراز جو کچھ کہتا ہے اس کو سمجھتا ہے اور سمجھ کر ہی کہتا ہے سو گواہی ہے کہ سورۃ یٰسین
آخری سورتوں میں سے ہے اس کے بعد کون سی سورت یا آیت یا خبر متواتر وارد ہوئی ہے جس سے
اس واقعہ کی تردید یا تخریب ہو؟ کیا اس سورت کا مضمون آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال
تک برقرار نہیں رہا؟ آپ اس کا نسخہ بیان کریں کہ وہ کون سا ہے؟ مگر یہ قطعی مدعی وغیرہ کا
شکل نہ ہو۔ علاوہ ازیں بخاری جلد ۲۶ میں روایت ہے کہ آخری سورت سورۃ براءۃ ہے۔

دواخر سورۃ نزالت براءۃ (بخاری جلد ۲۶) وقال عثمان بن عفان و كانت براءۃ من اخر القرآن
الحديث متدرک ۲۶ قال الحاكم والذهبی صحیح) اور اس سورۃ تو بڑے ہم نے نقل
کیا ہے کہ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّ وَاعِلٍ لِّتَفَاقٍ لَا يَكْفِيهِمْ عَنَّا
فَعَلَمُهُمْ اَس کے بعد وہ کون سی سورت یا آیت کریمہ یا خبر متواتر نازل ہوئی ہے جس
سے ان منافقین کا علم آپ کے لیے ثابت ہے؟ ذرا ہمت کر کے اس کا تذکرہ تو کیجئے؟
ذرا علمی طور پر لب کثائی کر کیجئے؟ ذرا اپنے علمی پھیلے سے وہ قطعی دلیل تو نکال لے۔ آپ کو معلوم
ہونا چاہیے کہ یہ قطعی واقعات ہیں اور آپ کے وصال تک عدم علم ثابت کر رہے ہیں
اور ان کے بعد ان کے خلاف قطعاً کوئی ارشاد نازل نہیں ہوا ہمت ہے تو ان کو میدان
میں لائیں مگر ۔

دیکھیں میں بہت ہم نے بھگتے محبت کے آغاز بھی رسوائی انجام بھی رسوائی
حضرت عائشہؓ پر بہتان کا واقعہ اور اس پر منجانب اللہ تعالیٰ صفائی کے دلائل
جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم غیب اور حاضر و ناظر ہونے کی صراحت لفظی

اور تردید ہوتی ہے بڑے محسوس حکم اور قطعی ہیں جن کا یقیناً جواب نہیں ہو سکتا اس سے لاجواب
ہو کر مولف نے ذکر کرنے کیوں رونما شروع کر دیا ہے کہ اس واقعہ کو دیگر متقدمین درجہ عوام اور سرفراز
خصوصاً برسر عام بازاروں میں منبروں پر اور کتابوں کے صفحات پر بیان اور درج کرنے سے
نہیں چوکتے جس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ کو ایذا پہنچتی ہے اگر
نمودان کی ماں پر ایسا اتہام لگایا جاتا تو اس کی تشہیر کو کبھی یہ لوگ پسند نہ کرتے درحاصلہ ہوسع رض
یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ پر بہتان اور افک کا واقعہ اور اس کی صفائی قرآن کریم میں مذکور
ہے اور دنیا میں کوئی کتاب قرآن کریم سے زیادہ نہیں پڑھی جاتی اگر اس واقعہ کے بیان اور
اظہار میں ادنیٰ سی توہین کا پہلو بھی ہوتا یا اس میں آپ کی اور حضرت ام المؤمنین کی ایذا کا شبہ بھی
ہوتا تو وہی سچا پروردگار جس نے قرآن کریم کے نزول کا عہد کئے سے منع کر دیا ہے اور
وہی خالق کائنات جس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلے بلند آواز سے بولا
اس نص قطعی یا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَشْفَعُوا اَصْحَابُکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ
آ آیت سے منع کر دیا ہے۔ اور وہی رب الارباب جس نے آپ کی ازواج مطہرات سے
آپ کی وفات کے بعد ہمیشہ سے نکاح کرنے کی ممانعت کا حکم نازل کر دیا ہے اور
وہی عالم الغیب و الشہادۃ جو قرآن کریم میں آپ کی تعظیم کا یوں سبق دیتا ہے وَتَقَرَّبْ رُؤُوهُ
وَتَوَقَّرْ رُؤُوهُ کبھی اس واقعہ افک کو قرآن کریم میں نہ نازل فرماتا اور کبھی اس کو باقی نہ چھوڑتا اور
ظاہر ہے کہ قرآن کریم بازاروں میں مسجدوں میں محروں میں حتیٰ کہ ہر جگہ پڑھا جاتا ہے پھر کتب
حدیث اور تاریخ میں یہ واقعہ ذکر رہے اور آج تک اس کو مسلمان پڑھتے پڑھاتے اور نقل
کرتے چلے آ رہے ہیں اگر اس میں ایذا کا محولی سا شبہ بھی ہوتا تو نہ تو وہ اس کو نقل کرتے
اور نہ کتابوں میں پہنچتے اور نہ پڑھتے بے اسرار اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اس واقعہ
میں ایذا و توہین کا ادنیٰ سا احتمال بھی نہیں ہے اگر ہماری ماؤں پر ایسا الزام لگتا اور اللہ تعالیٰ
کی طرف سے قطعی طور پر ان کی صفائی نازل ہوتی تو ہم ایسے واقعہ کی ہر چیز زیادہ سے زیادہ
تشہیر کرتے کہ بد باطنوں نے تو ہماری ماؤں پر یہ الزام لگایا ہے مگر خداوند عزیز ان کی یوں

صفائی پیش کرتا ہے مولف مذکور کی جوابی قاصر ہو کر یہ بدحواسی کا روشن مظاہر ہے کہ ان کو لازم اور انکس کا حصہ نظر آئے ہے مگر تزکیہ اور صفائی کا حصہ نظر نہیں آ رہا اصل بات یہ ہے کہ چونکہ یہ واقعہ قرآن کریم کی مخصوص قطیعہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی اور حاضر و ناظر ہونے کا ناقابل تردید طریقہ سے رد ہوتا ہے جس کا جواب فریق ثانی اور خصوصاً مکمل کے پاس کچھ بھی نہیں ایسے دلوں پر چاہیے کہ اس سے ایذا رہتی ہے اور یہ ہوتا ہے اور وہ ہوتا اصل ایذا صرف ان کو ہوتی ہے جو جواب ہیں اور بس ۔

غزالہ! تم تو واقعت ہو کہ مجھ کو محض کہنے کی دیوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پر کیا گزری آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا ایک اسلامی عقیدہ ہے اور نبوت و رسالت کی لازمت میں سے ہے اس کو استہزاء پر یا فضائل نبوت کے ساتھ لعب و لہو پر محمول کرنا میرے درجہ کی شیطنیت ہے اگر اس میں استہزاء کا ادنیٰ ترین احتمال بھی ہوتا یا اس سے معاذ اللہ تعلل فضائل رسالت کی توہین کا کوئی ادنیٰ سا پہلو بھی نکلتا یا یہ مسئلہ مناقب رسالت کے ساتھ لعب و لہو پر منتج ہوتا تو حضرات فقہاء کرام کا محتاط طبقہ کبھی بھی اس عقیدہ کو نہ اپناتا اور نہ دلائل کے ساتھ اس کو ثابت کرتا اور اس کے خلاف کو کبھی بھی کفر نہ قرار دیتا جب کہ بقول حضرات فقہاء کرام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے حاضر و ناظر اور علم غیب کی صفت مانا کفر ہے تو لامحالہ نہ ماننا عین ایمان و اسلام ہے اس کو استہزاء سے تعبیر کرنا اور فضائل رسالت کے انکار پر محمول کرنا انتہائی دجل و تبیس ہے اور دلائل سے قاصر ہو کر صرف اپنے مانعہ عواریلوں کے اطمینان کے لیے ایک قسم کا چورن اور خود ہمایا کرنا ہے الغرض آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر و مکمل کثا مانا اور آپ کے لیے علم غیب وغیرہ خدائی صفات ثابت کرنا خالص کفر اور شرک ہے ۔

خدا جس شکل میں خود شکل کشا ہے اپنے بندوں کا کسی بندے کو میں شکل کشا کہ دوں یہ شکل ہے یہ عنوان قائم کر کے نوکرت مذکور رکھتے ہیں کہ ہماری تحقیق یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جسم اقدس کے ساتھ روضہ منورہ میں تشریف فرما ہے میں اور تمام کائنات آپ کے سامنے حاضر ہے جسے آپ ملاحظہ فرما

ہے میں جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں اگر ان واحد میں ممکنہ متعدد پر تشریف لے جانا چاہیں تو یہ بھی ممکن ہے یہی حاضر و ناظر کا صحیح مفہوم ہے نہ یہ کہ آپ اپنے مجبور (ظاہر) جسم کے ساتھ ہر جگہ بالفعل موجود ہوتے ہیں جیسا کہ مبتدعین دیوبند نے اہل سنت پر افتراء باندھا اور پھر اسے بنیاد بنا کر لغزور لایعنی اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا جہاں تک آپ کے ملاحظہ فرمانے کا تعلق ہے ہم نے نگہبان کی تائید میں جو عبارات پیش کی ہیں ان میں اس کے ثبوت کا کافی مواد موجود ہے و بالتفصیل موضع انفرادی طور پر دیوں نگہنا چاہیے کہ حاضر و ناظر کے اثبات کے لیے آپ کی حیات اور لوازمات حیات کے بالفعل متحقق ہونے کا اور ان واحد میں ممکنہ متعدد پر موجود ہونے کے امکان کا اثبات ضروری ہے ۔

حیات حیات کے بارے میں کچھ گفتگو ہم اس کتاب کے پہلے باب میں کر چکے ہیں مزید تفصیل کے لیے مبتدعین دیوبند کے سرخیل مولوی فاکم ناٹووی لطافت قاسمیہ پر لکھتے ہیں عقیدہ دل سے آگاہ کئے دیتا ہوں اس ضمن میں کسی دلیل یا مثال کی طرف بھی اشارہ ہو جائے تو ہو جائے ۔ انبیاء کرام کو انہیں اجماع دینا ہی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں ۔ لطافت قاسمیہ پر لکھتے ہیں تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے مگر اس صورت میں یہ اجتماع موت و حیات ایسا ہو گا جیسا وقت کشی جاشین کشی کا حرکت و سکون جیسے یہاں سکون اہل ہے اور حرکت عرضی ایسی ہی وہاں بھی حیات اہلی اور موت عرضی ہوگی ۔

ناٹووی صاحب کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے ساتھ موت کا انصاف مجاز ہوا ہے اور حقیقت حضور کے ساتھ موت کا قیام نہیں ہوا جیسے جالس فی العقیۃ کے ساتھ حرکت کا قیام مجاز ہوتا ہے اور حقیقت وہ متحرک نہیں ہوتا خلاصۃ المرام یہ کہ اس تقریر سے آپ پر حقیقت موت کے طاری ہونے کا انکار ہوا ۔

لطافت قاسمیہ پر لکھتے ہیں فرض کیجئے چراغ کو کسی ظرف گلی میں رکھ کر سرکوش رکھ دیجئے یہاں تمام شعاعیں باہر سے سمٹ کر اس ظرف میں آجاتی ہیں بلکہ خود حلقہ چراغ میں

بحث کی ہے مگر چونکہ مولف مذکور کتاب کا ہم بڑھانے نیز علماء دیوبند کی بڑھ کر خلیفہ علی غامیاں اور اضراد بیانیاں اُجاگر کرنے کے لیے فضول بھرتی کر رہے ہیں ناچاہا ہیں بھی ان کی علمی سرکوبی کرنے کے لیے بعض اُمور کی تفصیل اور اعادہ کرنا پڑتا ہے ورنہ ہم علمی طور پر اس کو پسند نہیں کرتے اب ہم بحوالہ نقالی مولف مذکور کی عبارت کا تجزیہ کرتے ہوئے اس پر بحث کرتے ہیں غور فرمائیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزہ منورہ میں تشریف فرما ہیں اور تمام کائنات آپ کے سامنے حاضر ہے آپ ملاحظہ فرمائیے ہیں پھر آگے لکھتے ہیں جہاں تک آپ کے ملاحظہ فرمانے کا تعلق ہے ہم نے نگہبان کی تائید میں جو عبارات پیش کی ہیں ان میں اس کے ثبوت کا کافی مواد موجود ہے التفصیل موضع آخر سو جواباً گذارش ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی اور حاضر و ناظر ہونے کی نفی پر قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ اور حضرات فقہاء کرام کے صریح فتوے موجود ہیں ازالۃ الریب اور تبریہ النواظر میں بحوالہ درج ہیں مولف مذکور روزہ منورہ میں تمام کائنات کے حاضر ہونے کا جو سرسری بیاد دعویٰ کیا ہے اس کی کوئی قطعی دلیل پیش کی ہے اور اس بیاد دعویٰ پر ان کے پاس کون سی قطعی دلیل موجود ہے ضرورت اور حاجت کے وقت آپ اس کو بیان کرنے سے کیوں قاصر ہیں؟ اور جان چھڑانے کے لیے و التفصیل موضع آخر کہہ کر کیوں راہ فرار اختیار کر رہے ہیں؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ جو صحیح صریح اور قطعی دلیل ہے اس کو آپ اپنے علمی تھیلے سے کیوں باہر نہیں نکالتے تاکہ علوم بھی اس سے بخوبی استفادہ کر سکیں اور آپ کی روشن مزاجی کی داد دیں۔

اس جہاں میں تو اپنا سایہ بھی روشنی ہو تو ساتھ چلتا ہے رہا نگہبان کے لفظ کی تائید میں پیش کردہ عبارات تو یقین کیجئے کہ ان میں سے کسی عبارت سے آپ کا یہ باطل دعویٰ ثابت نہیں ہوتا ان سے جو کچھ ثابت ہے وہ اخبار غیب اور عرض اعمال کی روایات کے پیش نظر صرف اجمالی طور پر بعض حالات کا علم ہے نہ کہ ہر ہر واقعہ کا کیونکہ یہ نظریہ اِنَّكَ لَا تَدْرِى مَا اَحَدٌ قَوْلًا بَعْدَ ذٰلِكَ وغیرہ صحیح اور صریح احادیث سے

سما جاتی ہیں جس سے وہ اشتداد اشاریہ نمایاں ہو جاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی خیال فرمائیے۔ اس صورت میں موت انبیاء کرام اور موت عوام میں ایسا فرق ہو گا جیسا کہ چراغِ ظلمت لگی میں سستور ہو جانے اور گل ہو جانے میں فرق ہے۔ اس عبارت کا مطلب واضح ہے یعنی علوم کی موت تو اس طرح ہے کہ موت سے اس کا چراغِ حیات بجھ جاتا ہے اور انبیاء کی موت اس طرح ہے کہ ان کا چراغِ حیات قبر میں سستور ہو جاتا ہے یعنی اس کی روشنی پہلے سے بڑھ جاتی ہے ملاحظہ یہ ہے کہ انبیاء کی حیات کا چراغ ہمیشہ روشن رہتا ہے اور کبھی نہیں بجھتا۔

لطیفہ: مولوی سرفراز صاحب تہذیب متین ص ۲۹ پر لکھتے ہیں یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے کشیدہ الی حضرات انبیاء اور اولیاء اور شہداء سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہاں میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب۔ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے حیات انبیاء کی نفی کی ہے اور لطائف قامیہ میں قاسم صاحب نے موت کی نفی کی ہے غور فرمائیے بتدبیر دیوبند کے اصول و فروع میں کس قدر تناقص ہے آباء دیوبند نے حیات کو ماننے میں اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ حقیقت موت کا سرے سے انکار کیا ہے اور انکس میت۔ کُلُّ نَفْسٍ ذٰلِقَةٌ الْمَوْتُ۔ اور فَاِنَّ مَحْكَمًا اَفْتَدَمَاتِ کی تکذیب کر دی اور انباء دیوبند نے موت میں اس قدر غلو کیا ہے کہ حیات کا قطعاً انکار کر دیا ہے اور نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر دی باپ بیٹوں میں کوئی جھوٹا ہے اس کا فیصلہ وہ خود کر لیں ہماری تحقیق یہ ہے کہ دونوں ہی جھوٹے ہیں کیونکہ نبی علیہ السلام کے لیے ایک آن موت ثابت ہے اور یہی ایک میت اور کل نفس ذالقة الموت کا مقتضی ہے اور اس کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی حیات عطا فرمائی جو احادیث صحیحہ کا مقتضی ہے ضروری تفصیل بحث استعانت میں کی جا چکی ہے بہر حال بانی دیوبند کے کلام سے دنیاوی حیات ثابت ہوگی اور یہی ہمارا مدعی ہے۔

(انتہی ملاحظہ موضع البیان ص ۱۹۸ تا ص ۲)

الجواب :- ہم نے یہ عبارت پوری اس لیے نقل کی ہے تاکہ قارئین کرام کے سامنے اس کے تمام اجزاء آجائیں ہم نے بھی استعانت کی بحث میں اسی کتاب میں کچھ ضروری

بالکل خلاف ہے کافر قطعی دلائل اور صحیح احادیث کی روشنی میں علماء دیوبند کفر اللہ تعالیٰ جماعت میں نے جو کچھ کہا ہے وہ عین ایمان اور خالص اسلام ہے اس میں ایک رتی بھڑک نہیں ہے جس پر حضرات فقہاء کے فتویٰ شاہد عدل ہیں۔

(۲) مؤلف مذکور یہ لکھتے ہیں کہ آپ جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں اگر آن واحد میں امکان متعددہ میں تشریف لے جانا چاہیں تو ممکن ہے اور حاضر و ناظر کا یہی صحیح مفہوم ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ مؤلف مذکور نے خود تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم اقدس روضہ منورہ ہی میں تشریف فرما ہوتا ہے یعنی آپ جہاں کی طرف پرکیں بھی حاضر و ناظر نہیں ہیں ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ نہ یہ کہ آپ اپنے بھجور (ظاہر) جسم کے ساتھ ہر جگہ بالفعل موجود ہوتے ہیں البتہ ہمارے اس پر صا ہے اب دو صورتیں باقی رہ جاتی ہیں اول یہ کہ آپ کی روح مبارک ہر جگہ حاضر و ناظر ہو تو اس کے متعلق گذارش ہے کہ مؤلف مذکور نے روح مبارک کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے بارے میں کون سی قطعی دلیل پیش کی ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے اور حضرات فقہاء کرام تو یہ فرماتے ہیں کہ

من قال ارواح المصائب حاضرة جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی رو میں حاضر ہیں اور قلوبہم یکنس (بنازیہ - البحر الرائق) وہ جانتی ہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔

کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشائخ بلکہ شیخ المشائخ میں داخل نہیں ہیں تو اس حوالہ کے پیش نظر تو آپ کی روح مبارک کو حاضر ماننا کفر ہے پھر بھلا کفر مسلمان کا عقیدہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور دوم یہ کہ آپ کی مثالی شکل حاضر ہو اور ایک جگہ پر نہیں بلکہ متعدد جگہوں میں ہو اور اس کے ہم بھی ممکن نہیں ہیں ہم یہاں صرف چند عبارات عرض کرتے ہیں غور فرمائیں۔

۱۔ شیخ ابوطاہر قزوینیؒ امام محمد بن محمد غزالیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ

وكان الغزالي رحمه الله يقول اور امام غزالیؒ نے فرمایا کہ جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اُس نے دین منورہ میں روضہ اقدس کے

المودع فی روضة المدينة اندر رکھے ہوئے آپ کے ہون مبارک کو نہیں دیکھا بلکہ اُس نے اس کی مثال کو دیکھا ذکر ذات والیواقیت والخواہر ۱۳۳۲) اور شخص کو۔

اس عبارت میں حضرت امام غزالیؒ تصریح فرمادی کہ آپ کی زیارت کرنے والا (غواب میں ہو یا بیداری میں) آپ کی ذات اور جسم مبارک کو نہیں دیکھتا بلکہ مثالی صورت کو دیکھتا ہے ۲۔ بخاری تشریف کے مشور شارح علامہ ابن منیر فرماتے ہیں کہ

يجعل الله لروحہ مثلاً فیہی اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فی النقطة صحا یری فی النوم روح کے لیے مثال پیدا کر دیتا ہے جو بیداری میں (بجوالفتح الملمم ۳۳۳) نظر آتی ہے جیسا کہ غواب میں نظر آتی ہے۔

اس عبارت سے واضح ہوا کہ مثالی شکل بیداری میں بھی نظر آسکتی ہے جس طرح کہ وہ غیب اور غواب میں نظر آتی ہے۔

۳۔ امام ابن عابدین شامی حنفی کے شاگرد مشہور محدث شیخ محمد بن سید درویش (متوفی ۱۲۷۶ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

فاذا اکرم الله عبداً برؤیة کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو آنحضرت صلی رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یمثل لہ فی الشوہة بصورة جسمہ المکرم کی صورت میں مثالی شکل بنا دیتا ہے اور انه الجسم الشرف فقلبة دیکھنے والا اب اوقات غلبہ حال کی وجہ سے الحال الخ (اسنی المطالب ۲۹۹) اُسے آپ کا جسم مبارک ہی سمجھ لیتا ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول میں بالکل واضح ہے مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

۴۔ حضرت تھانویؒ جسم مثالی کی بحث کرتے ہوئے واقعہ معراج میں تحریر فرماتے ہیں اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی

روح کا تعلق ہوگا اور اسے یعنی عنصری جسد سے جس کو صوفیاء جسم مثالی کہتے ہیں روح کا تعلق ہوگا اور اس جسد میں تعدد بھی اور ایک وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ممکن ہے لیکن ان کے اختیار سے نہیں بلکہ محض بقدرت و مشیت حق الخ (نشر الطیب منہ) و صلیح جبروتی پر مبنی حضرت تھانویؒ ہمارے اکابر میں سے ہیں ان کی اس واضح عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ صورت مثالیہ کا ثبوت ہے بلکہ اس میں تعدد بھی ممکن ہے

۵۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وفات کے بعد دیکھنا مثالی ہی کے ساتھ ہے جس طرح یہ مثالی صورت نیند میں دیکھی جاتی ہے اسی طرح بیداری میں بھی دیکھی جاسکتی ہے اور جو ذات مقدہ مدینہ طیبہ میں قبر مبارک کے اندر آرام فرما رہا اور زندہ ہے وہی ذات مثالی صورت میں ایک آن میں متعدد صورتوں میں متماثل ہو کر علوم کو خواب میں اور حواس کو بیداری میں دیکھائی دیتی ہے۔

ویدن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد از موت مثالی است چنانچہ در نوم مرئی می شود در قیظ نیز می نماید و آن شخص شریعت کہ در مدینہ در قبر آسودہ وحی است ہاں متماثل می گردد و در یک آن متصور بچشم و تصور و علوم را در مقام می نماید و خواص را در قیظ مدراج البیوتہ میباید و انوار عالمہ

و بر این قاطعہ

اہم شعرائی اپنے شیخ محمد اذلی المغربی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جن بعض حضرات نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا جاسکتا ہے تو اس بیداری سے دل کی بیداری مراد ہے نہ کہ حواس جہانیہ کی بیداری اور یہ دل کی بیداری اس طور پر ہے کہ جب آدمی محال استعداد اور تقرب کی کوشش اور مبالغہ کرتا ہے تو وہ حق تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے تو اس شخص کی غیر دل کی بیداری کی کثرت کی وجہ سے ایسی ہو جاتی ہے جیسے دوسروں کی (ظاہری) حالت بیداری آگے فرماتے ہیں کہ۔

و حیث فیہ فاماہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم را بروجہ المشکلہ کی رویت نہیں ہوتی مگر اس روح سے جو مثالی

بشکل الاشباح من غیر اشتغال فادۃ الشریفۃ و جمیعہا من البرزخ الی مکان ہذا المراتی کما امتنا و تخریسا من کلفۃ الجہنمی والروح ہذا ہوا الحق الصراح

شکل اختیار کرتی ہے نہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدہ برزخ سے اس دیکھنے والے کی جگہ آنے میں مصدق ہوتی ہے کیونکہ آپ کی شان اس سے بڑی اور منزہ ہے کہ آنے جلنے کی تکلیف اس کو ہو ہی وہ واضع رہا یقیناً والجواہر ۱۳ طبع مصر

حق ہے۔

اس عبارت میں بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رویت روح مثالی سے بیان کی گئی ہے کہ آپ کو دیکھنے والا آپ کی روح کی مثالی شکل کو دیکھتا ہے۔

حضرت شیخ شاذلی صاحبؒ کی یہ عبارت بھی اپنے مدلول میں بالکل واضح ہے۔ ہم نے یہ متعدد حوالے محض اس لیے پیش کیے ہیں تاکہ کسی کو لامعنا کر نہ ہو کہ ہم یا جماعے اکابر صورت مثالیہ اور اس کے تعدد کے قائل نہیں ہیں اور حضرت صوفیاء کرامؒ کے ان بعیرت افہوا قول سے کسی کو مغالطہ نہ ملے سکے۔

صور مثالیہ اور ان کے متعدد ہونے مسئلہ

علم غیب اور حضور و ناظر کا قطعاً کوئی تعلق نہیں

صورت مثالیہ اور اس کے متعدد ہونے کے ساتھ علم غیب اور مسئلہ حاضر و ناظر کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے اس کو آپ ایسا

ہی سمجھئے کہ جیسا خواب میں کوئی شخص کسی سے ملاقات کرتا اور گفتگو کرتا بلکہ پیار و محبت کرتا اور لڑا جھگڑاتا ہے یہ اس مرنی کی صورت مثالیہ ہوتی ہے اصل ذات اور شخص سے مردہ ہو یا عورت جب یہ سوال کیا جائے کہ میری قبر سے ملتا ہے تو وہ فطری جواب ہے گا کہ مجھے کوئی علم نہیں یہ خواب یہ یہ کاروائی ہوتی تھی اور فلاں جگہ ہوتی تھی تو وہ فطری جواب ہے گا کہ مجھے کوئی علم نہیں یہ خواب ہے یا مثلاً۔ دی پر رحم اللہ تعالیٰ راقم اہم نے آج تک سینا بھی نہیں دیکھا اور ٹی۔ دی بھی نہیں دیکھی لیکن تو اتنے سے شائبہ ہے کہ ان میں بھی کچھ ہوتا ہے کسی شخص کی نمائش ہوتی ہے اس کی صورت مثالیہ متعدد مقامات پر نظر آتی ہے لیکن اصل شخص کو علم تک نہیں کہ میری صورت

کمال کمال دکھائی گئی؟ اور وہاں کے حالات اور ماحول کیا تھا؟ دیکھنے والے کہتے تھے اور کھڑے
نہیں بیٹھے ان کی وضع قطع کیا تھی اور اس وقت ان کے ثواب کیا تھا وہ دیکھ کر کیا کہتے یا کرتے
تھے بس یہی حال ہے صورت مثالیہ اور اصل شخص اور ذات کا کہ صورت مثالیہ ایک ہو یا متعدد
بیماری میں یا نیند میں اصل ذات کو کوئی علم نہیں ہوتا کہ میری صورت مثالیہ کہاں کہاں گئی اور کیا کیا
کر آئی؟ الغرض صورت مثالیہ (یا صورت مثالیہ) کا علم غیب اور حاضر و ناظر سے قطعاً کوئی تعلق نہیں
ہے اگر ہماری بات پر آپ کو یقین نہیں آتا تو ہم آپ کو ماننے پر مجبور نہیں کرتے اور نہ کہہ سکتے
ہیں صرف اتمام محبت کے لیے ہم اس فن کے اہم حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی
(المتوفی ۱۰۴۲ھ) کا حوالہ عرض کرتے ہیں۔

اولیائے کہ صاحب علم و کشف اند جائز
است کہ بعضے از اوراق خود اطلاع
پیدا نہ کنند بکہ صورت مثالیہ ایشان را در ممکنہ
مستعدہ ظاہر سازند و در مسافت بعیدہ
کار ہائے عجیبہ و غریبہ اکی صورت بطور آرند
کہ صاحب اکی صورت را از آئینہ اصل اطلاع
نیست۔ (مکتوبات حضرت مولانا صاحب مکتوب ۱۳۲۵ھ)

اور وہ حضرات اولیاء کرام جو صاحب علم و کشف
ہیں جائز ہے کہ ان کو اپنے بعض خوارق (دراکات)
پر اطلاع نہ ہو بلکہ ان کی مثالی صورتیں متعدد جگہوں
میں ظاہر ہو کر اور مسافت بعیدہ ملے کر کے عجیب
غریب کام سر انجام دے دیں حتیٰ کہ جن کی پیشانی
صورتیں ہیں ان کو ان کاموں کی سکر سے
اطلاع ہی نہ ہو۔

قارئین کرام! آپ بخوبی سمجھ چکے ہیں کہ صورت مثالیہ کا اثبات کرنے کے بعد بھی فریق
مخالفت کا مسئلہ علم غیب اور حاضر و ناظر حل نہیں ہوا وہ صرف علوم انسانی کو اکتاہٹ کر کے اپنے پیٹ
کا دھندہ چلا رہا ہے اور مومنین کو باہر سے

نہ کر محتاج سمجھ کر یا الہی اس زمانے میں کمی کس چیز کی ہے رب بجلالتیہ خزائن میں
(۳) مؤلف مذکور نے علم غیب اور حاضر و ناظر کا مضمون بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں نہ یہ کہ
آپ اپنے مجبور جسم کے ساتھ ہر جگہ بالفعل موجود ہوتے ہیں جیسا کہ مقبذین دیوبند نے
اہل سنت پر افتراء بائذیاد اور پھر اسے بنیاد بنا کر لغو اور لایعنی اعتراضات کا سلسلہ شروع کر
دیا لہذا مؤلف مذکور کی دلیل و تلیس کے ساتھ ساتھ معصومیت کا اندازہ بھی دیکھیے کہ وہ

کیا کہتے ہیں دلیل تو یوں کیا کہ ظاہری اور مخفی جسم کی جگہ انہوں نے مجبور جسم کا جملہ استعمال کیا
تاکہ عوام کے پتے کچھ نہ پڑے اور اس طرح ان کا علمی بھرم اور علمی دردمند قائم رہے اور معصومیت
یوں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ مقبذین دیوبند نے ہم پر یہ افتراء بائذیاد کیا ہے کہ ہم جسم کے ساتھ ہر جگہ
حاضر و ناظر کے قائل ہیں اس معصومیت کا بھی کچھ کہنا ہے؟ افسوس ہے کہ مؤلف مذکور کر اپنے
بزرگوں کے عقیدے کا بھی علم نہیں ہے کہ وہ کیا کہتے ہیں اور یہ کیا کہتے ہیں کسی نے کب
خوب کہا ہے من چہ میگویم و بطل من چہ میگوید گو گذارش یہ ہے کہ جسم کے ساتھ ہر جگہ
حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ آپ کے بزرگوں کا ہے علماء دیوبند کا آپ پر افتراء نہیں ہے
اور بفضلہ تعالیٰ وہ بڑے محتاط ہیں افتراء کسی پر نہیں بائذیاد کرتے ہم آپ کی تسلی کے لیے یہاں
صرف دو حوالے عرض کرتے ہیں غور کرنا آپ کا اپنا کام ہے۔

۱۔ آپ کے اعلیٰ حضرت کے ملفوظات حصہ اول ص ۱۲۵ و ۱۲۶ طبع آفست پریس کراچی
میں ہے۔ عرض حضور اولیاء ایک وقت میں چند جگہ حاضر ہونے کی قوت رکھتے ہیں؟
اور مثلاً اگر وہ چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہ دعوت
قبول کر سکتے ہیں۔

عرض مؤلف حضور اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ علم مثال سے اجام مثالیہ اولیاء
کے تابع ہو جاتے ہیں اس لیے ایک وقت میں متعدد جگہ ایک ہی
صاحب نظر آتے ہیں اگر یہ ہے تو اس پر شبہ ہوتا ہے کہ مثل تو شے کا غیر ہوتا ہے مثال
کا وجود شے کا وجود نہیں۔

ارشاد پناہ مثال اگر ہوں گے تو جسم کے ان کی روح پاک ان تمام اجسام سے متعلق ہو کر
تصرف فرمائے گی تو اوروں کے روح و حقیقت وہی ایک ذات ہر جگہ موجود ہے یہ بھی
فہم ظاہر میں ورنہ سبع منابل شریف میں حضرت سیدی فتح محمد قدس سرہ الشریف کا وقت
واحد میں دس مجلسوں میں تشریف لے جانا تحریر فرمایا اور یہ کہ اس پر کسی نے عرض کی حضرت
نے وقت واحد میں دس جگہ تشریف لے جانے کا وعدہ فرمایا ہے یہ کیونکر ہو سکے گا؟ شیخ نے

فرمایا۔ کرشن کشیا کا فر تھا اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا (حیرت ہے کہ کافر کو کئی سو جگہ میں موجود اور حاضر ہو گیا اور شیخ مسلمان ہو کر بھی دستس جگہ ہی حاضر ہو سکے ممکن ہے ان کو دعوت ہی دس جگہ سے آئی ہو ورنہ وہ تو دس ہزار شہروں میں دس ہزار دعوتیں بھی قبول کر سکتے تھے۔
کائنات میں یہ بات فہم سے بالاتر ہے کہ جو صفت کافر کی ہے وہ مسلمان کی غریبی اور کمال کیسے بن گئی؟ خود خان صاحب ہی تحریر کرتے ہیں کہ۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ صفت جو غیر انسان کے لیے ہو سکتی ہے انسان کے لیے کمال نہیں اور وہ جو غیر مسلم کے لیے ہو سکتی ہے مسلم کے لیے کمال نہیں بلطفہ محفوظات حصہ چہارم ص ۱۸۰ مگر اس کو کیا سمجھے کہ خان صاحب اور ان کی روحانی قرینت کا باؤ آدم ہی نرالا ہے کہ لنگا گئے تو لنگا رام جہان گئے تو جہاں داس۔ صدقہ فرم فرم اگر چند جگہ ایک وقت میں ہو کیا تعجب ہے؟ یہ ذکر کر کے فرمایا یہ گمان کرتے ہو کہ شیخ ایک جگہ موجود تھے باقی جگہ مثالیں ماث جگہ شیخ بذات خود ہر جگہ موجود تھے اسرار باطن فہم ظاہر سے درج ہیں غرض و فہم ہے جہاں ہے انتہی بلطفہ مولف ذکر کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے واسطے میں ان کے اعلیٰ حضرت کیا ارشاد فرما گئے ہیں؟ گیلو کوئی دیوبندی بول رہا ہے یا خان صاحب بریلوی گویا ہیں؟ کیا جسم کے ساتھ بذات خود ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہونے کا دعویٰ خان صاحب اور ان کے شیخ کرنے ہیں یا کسی دیوبندی نے ان پر یہ افترا کیا ہے؟ بلطفہ کچھ تو فرمائیے کہ بات اور ماجرا کیا ہے؟

غیروں سے کاتم نے غیروں سے مناتم نے کچھ ہم سے کہا ہوا کچھ ہم سے سنا ہوا خان صاحب تو لفظ ماث سے صورت لیا اور اجسام ماث لیکر لفظی کرتے ہوئے بذات خود جسم کے ساتھ ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر ہونے اپنے شیخ سے نقل کرتے ہیں اور اس کی تردید نہیں کرتے بلکہ بطور دلیل و احتجاج اس کو پیش کرتے ہیں جس سے ان کا اپنا حقیقہ اور نظریہ بھی بالکل عیاں ہو جاتا ہے۔

آپ کی جماعت کے منظر عظم جناب صوفی الشہداء صاحب لاہوری حاضر و ناظر کے منکر پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ چونکہ ماث بہ کے دو طریقے ہیں ماث بہ بالبر اور ماث بہ

صور اول

بالبصیرت پہلے کی صورت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جسم اطہر کے ساتھ خود ہر جگہ موجود ہوں اور ماث بہ بالبصر فرمائیں دوسری صورت یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مقام مبارک سے ہی چشم بصیرت سے معائنہ فرمادیں دونوں صورتیں عقلاً اور نقلاً جائز اور ممکن ہیں۔
یعنی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسم پاک سے ہر جگہ حاضر ہونا عقلاً اور نقلاً جائز ہے البتہ (توضیح الخواطر ص ۱۸۰) اس کے بعد انہوں نے بزم غولش اس پر عقلی اور نقلی دلائل بھی پیش کیے ہیں جن کی سمجھ اللہ تعالیٰ راقم انیم نے تفسیر الخواطر میں خوب خبر لی ہے جس کو انشاء اللہ تعالیٰ صوفی صاحب مرتے دم تک نہیں بھولیں گے۔ مولف مذکور ہی انصاف و دیانت سے یہ بتائیں کہ کیا جسم کے ساتھ اور بذات خود ہر جگہ موجود ہونے اور حاضر و ناظر ہونے کا نظریہ خود ان کے بڑوں نے بیان کیا ہے یا دیوبندیوں نے ان پر افتراء باندھا ہے؟ دونوں پہلو قارئین کرام کے سامنے ہیں۔

قابل دید تھیں اس وقت ادائیں ان کی آئینہ دیکھ کے جب مد مٹا بل دیکھا (۴) مولف نے انہوں نے اپنے اس باطل حقیقہ کی بنیاد کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر جگہ ہر چیز پر آگاہی ہے اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور تمام کائنات آپ کے مشاہدہ میں ہے اس بات پر رکھی ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں حیات ہیں اور اس پر انہوں نے بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی چند عبارات بھی نقل کی ہیں ہم اس مقام پر اس کو اس لیے طول نہیں دینا چاہتے کہ بعد اللہ تعالیٰ حسن توفیق ہم نے حیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بسوط علمی کتاب تمکین الصدور لکھی ہے اور کچھ بحث ہم نے اپنی دوسری کتاب سبک الملوکی میں بھی کی ہے اور حضرت نانوتوی اور دیگر اکابر کی واضح عبارات ہم نے ان میں نقل کی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقم انیم اور اس کے جملہ اکابر حضرات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اپنی اپنی قبور میں حیات کے قابل ہیں اور وہ حیات یوں ہے کہ انہیں اجسام دنیوی سے ان کے اروح طیبات کا تعلق ہے یہ بحث مفروض غرض ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں لیکن حیات کے مسئلہ سے علم غیب اور حاضر و ناظر کے مسئلہ کا کیا تعلق ہے؟ اور ان

میں شرعاً و عقلاً کون تلازم ہے؟ آپ کی وفات حسرت آیات سے قبل آپ کی اس دنیا میں زندگی کا کون ٹکڑا ہے؟ مگر جب آپ زندہ تھے تو کیا آپ کو علم غیب حاصل تھا؟ اور کیا آپ ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر تھے؟ آپ پہلے منفقوں کی غلط بیانی کا واقعہ انک کا واقعہ، بار صانع ہو جانے کا واقعہ اور زہر خوردانی وغیرہ کے دیگر واقعات پر چمکے ہیں جب آپ اس جہاں میں زندہ بھی تھے۔ تو پھر بھی آپ کو علم غیب نہ تھا اور نہ حاضر و ناظر تھے تو وفات کے بعد قبر اور برزخ کی حیات میں یہ صفت آپ کو کس دلیل قطعی سے حاصل ہو گئی۔ اس کو بیان تو کیجئے تاکہ ہمارے معلومات میں بھی اضافہ ہو؟ اس کے برعکس محمد اللہ تعالیٰ ہمارے پاس دلیل نہیں اور میں برہان نہیں براہین میں۔ تبریہ النواظر اور ازالۃ الريب وغیرہ میں ان کو ملاحظہ کیجئے ہم صرف ایک حوالہ یہاں عرض کیے میتے ہیں۔ ۱۰ قاضی خاں الحنفی (المتوفی ۵۹۲ھ) لکھتے ہیں۔

رجل نزول امرأة غیر مشہود فقال الرجل للمرأة خذني راوينا غير راكواه كرويم قالوا يكون كفرا لانه اعتقد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب وهو ما كان يعلم الغيب حين كان في الاحياء فكيف بعد الموت (فتاویٰ تاجناں ۸۳۳ طبع زکھتر)

کسی شخص نے ایک عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور اس شخص نے عورت سے کہا کہ ہم خدا تعالیٰ اور پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بنائے ہیں حضرت فقہاء کلام فرماتے ہیں کہ یہ کفر ہے اس لیے کہ اس شخص نے یہ عقیدہ بنایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ جب (اس دنیا میں) زندہ ہیں تھے تو غیب نہیں جانتے تھے تو وفات کے بعد کیسے غیب جانتے ہیں

دیکھیے کس طرح انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس زندگی میں علم غیب تھا تو وفات کے بعد (قبر اور برزخ کی زندگی میں) علم غیب کہاں ہے؟ کس طرح؟ اور کس دلیل سے حاصل ہو گیا؟ الغرض حیات کے ساتھ علم غیب اور حاضر و ناظر کا قطعاً کوئی تلازم نہیں ہے نہ عقلاً اور نہ نقلاً آپ اس دنیا میں بھی زندہ تھے مگر علم غیب اور حاضر و ناظر کی صفت آپ کو حاصل نہ تھی اور قبر اور برزخ میں بھی زندہ ہیں لیکن وہاں بھی یہ

صفات آپ کو حاصل نہیں ہیں عرض اعمال کے تحت بعض بعض اعمال کی خبر اور اطلاع محل نزاع نہیں ہے ہم نے تمکین الصدور، سماع الموتی اور ازالۃ الريب میں بحوالہ بقدر ضرورت اس کی بحث کر دی ہے اس کو وہاں ہی ملاحظہ کر لیں اور اس کے پیش نظر کتابیں بھی پلے اجمالی بحث ہو چکی ہے۔

(۵) مولف مذکور نے اپنی جہالت کی وجہ سے حضرت نانوتوی کی عبارت میں کشتی اور کشتی سوار کی مثال سے یہ سمجھا ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ حضرت نانوتوی آپ کی وفات کے ٹکڑے میں چنانچہ مولف مذکور نے لکھا ہے کہ آباء دیوبند نے حیات کو مانتے میں اس قدر مبالغہ کیا کہ حقیقت موت کا سر سے انکار کیا اور انک میت۔ کل نفس ذائق الموت اور فان مجداً عجزاً اور حقیقتاً تکذیب کر دی (ص ۲) اور نیز لکھا کہ نبی علیہ السلام کے ساتھ موت کا انصاف مجازاً عجزاً اور حقیقتاً حضور کے ساتھ موت کا قیام نہیں ہوا جیسے جالس فی السفینۃ کے ساتھ حرکت کا قیام مجازاً ہوتا ہے الخ (ص ۱۹۹) مگر یہ مولف مذکور کی نری جہالت ہے۔ اولاً تو اس لیے کہ خود مولف مذکور حضرت نانوتوی کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضرور ہے (لطائف قاصد ص ۱)

توضیح البیان ص ۱۹۹، حضرت نانوتوی کی اس عبارت سے بالکل عیاں ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کا صرف اقرار ہی نہیں کرتے بلکہ اس کو اعتقاد سے تعبیر کرتے ہیں اور ساتھ ہی ضروری کہتے ہیں ان کی ایسی صریح عبارت کے ہوتے ہوئے یہ باطل دعویٰ کرنا کہ وہ آپ کی حقیقت موت کا سر سے انکار کرتے ہیں کتنا اور کیا صریح کذب اور بتان ہے جس کے سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ وثائباً مولف مذکور خود جبل مرکب کا شکار ہیں وہ جہالت کی وجہ سے یہ سمجھے جیسے میں کہ کشتی سوار کا حرکت کرنا مجازاً ہوتا ہے اور کشتی کا حرکت کرنا حقیقتہً حالانکہ یہاں حقیقت اور مجاز کا تقابل نہیں ہے اور نہ کشتی سوار کی حرکت مجاز کے چوبیس علاقوں میں سے کوئی ایک ہے یہاں دونوں کی طرف ایک ہی حرکت منسوب ہے کشتی کی طرف اولاً اور سوار کی طرف ثانیاً

اور یہ نسبت دونوں کی طرف حقیقت ہے ہاں اولاً اور ثانیاً کا فرق حسب اصطلاح ضرور ہے العرض حضرت نانوتویؒ انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے منکر نہیں بلکہ مقبر ہیں اور وہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَغَيْرَ هَٰئِهِ آیت کے منکر نہیں البتہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور عوام کی موت میں یہ فرق ضرور کرتے ہیں کہ ابدان کے ابدان سے روح کا کلیتہً انقطاع ہو جاتا ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح مثلاً سمٹ کر دل پر مجتمع ہو جاتی ہیں اور آثار حیات کے بظاہر محسوس نہیں ہوتے جیسے چراغ کو مٹی کے برتن سے ڈھانپ دیا جائے تو اس کی روشنی نظر نہیں آتی موت کے اس معنی میں جو اپنے امانہ و محبت میں حضرت نانوتویؒ نے کیا ہے علمی طور پر نہ قرآن کا حق ہر ذی علم کو حاصل ہے اور یہ علمی میدان ہے مگر ان کو موت کا منکر قرار دینا صراحتہً ظلمِ عظیم ہے کھانا بیچنے والا ۔

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں یہ وہ غمخوار ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا
(۶) مولف مذکور نے لطیفہ کا عنوان قائم کر کے تنقید متین ص ۲۵ سے راقم کی ایک عبارت نقل کی ہے جو یہ ہے۔ یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات اہلکار اور اولیاء و شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ تو نہ وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب الخ اور اس پر تشریح یہ جھگاتے ہیں کہ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے حیات انبیاء کی نفی کی ہے اور لطافت قاصد میں قاسم صاحب نے موت کی نفی کی ہے ان دونوں میں کون سچا باپ یا بیٹا ہم دونوں کو جھوٹا کہتے ہیں (محصلاً)

الجواب : ہم اس موقع پر صرف یہ کہہ سکتے ہیں لغتہ اللہ علی الکافین اور مؤلف مذکور کو بھی اخلاقی طور سے اس پر اکینہ کنی چاہیے سوال یہ ہے کہ سر فراز نے کب اور کہاں حضرت ابنہ کرم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کی نفی کی ہے؟ وہ تو بحمد اللہ تعالیٰ اس دور میں اہل حق حضرت

۴۷۶

کے متبعین حیات کا وکیل ہے اور تکلیفیں الصدور اس کا زندہ اور تابندہ ثبوت ہے۔ مگر صدافسوس ہے کہ مؤلف مذکور کو اردو عبادت سمجھنا سیدھے بھی نہیں ہے کیونکہ ہماری عبادت میں یہ جملہ ہے کہ نہ تو وہ اس جہاں میں زندہ ہوئے ہیں اور نہ قریب ^{۱۱} اور اس میں کیا شک ہے حضرات انبیاء کرام و شہداء اور اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی اس جہاں میں تو ہرگز نہیں ہے ان کی زندگی قبر اوربرزخ اور اُس جہانِ ہے کیا مؤلف مذکور اس اور اُس کا فرق بھی نہیں سمجھتے؟ مگر خیر سے محقق اور مدقق کلام و تدحیثیں تو غیب حاصل کرتے ہیں بغیر خدا نہ تو ارقم انیم حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حیات کا منظر ہے اور نہ حضرت نوحؑ اُن کی موت کے منظر ہیں باپ اور بیٹے کا اصول افرع میں کوئی فرق نہیں ہے اللہ تعالیٰ کرے کہ مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کو صحیح بات سمجھ آجائے۔ اور حق سے پہنچتی نہ کریں۔ بچا کہ ہم سے دامن وہ گئے بغیر کی گئی ہیں

لوازم حیات یہ سرخی جاکر مولف مذکور لکھتے ہیں کہ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ نبی علیہ السلام دنیوی حیات کے ساتھ زندہ رہا اور دنیوی حیات میں آپ کی وسعت نظر

کایہ عالم ہے کہ تمام علم کو مثل کعبہ دست ملاحظہ فرماتے ہیں دیکھیے صلاوی میچ ۱۶ پر ہے ۔
حدیث میں آیا ہے کہ تمام دنیا میرے سامنے پیش کی گئی پس میں اس کو مثل کعبہ دست دیکھتا
ہوں ۔ ممکن ہے متذہبن کو یہ شبہ لاحق ہو کہ یہ فضیلت تو دنیا میں ثابت تھی نہ کہ بعد الموت
پس اس کا جواب اولاً یہ ہے فانا انظر جملہ امیہ ہے اور خبر فعل مضارع ہے اور وہ جملہ
امیہ جس کی خبر فعل مضارع ہو دوام تجدیدی کا افادہ آتا ہے ثانیاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں لَنْ يَسْكُنَ تَحْتَهُ اَزْدٌ شَرٌّ اَبَتْ اَبَتْ پس اس قرآنی ضابطہ سے معلوم ہوا کہ
شجر کرنا زیادتی نعمت کا سبب ہے اور نبی علیہ السلام یہ الٹا کریں ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کی نعمت
آپ پر یوما فیوما بکھڑا آنا فائزائد ہوگی جب دنیا میں آپ کو وسعت نظر حاصل تھی تو وسال
کے بعد اس میں اضافہ ہی ہو گا نہ کہ کمی ۔ ثالثاً فرض کیجئے اگر دنیا میں آپ کو وسعت نظر حاصل
تھی اور آخرت میں یہ نعمت ملوب ہوگی تو لازم آئے گا کہ آپ کی آخرت دنیا سے بہتر نہ ہو

حالانکہ ارشاد خداوندی یہ ہے وَلَا خُزَّةَ خَيْرَ لَكَ مِنَ الْوَلِي رَابِعًا جب آپ نے مان لیا کہ قبر میں حیات ہوتی ہے تو دنیاوی حیات کے لوازم بھی ماننے ہوں گے اور مصطفیٰ چونکہ دنیا میں ثابت ہے لہذا قبر میں بھی ہوگی۔ خاصٹ حسنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عام افراد امت کے بارے میں فرمایا ہے کہ میت کو علم ہوتا ہے کہ اسے کون کفن پینا ہے اور کون اس پر جنازہ پڑھتا ہے کون اس کا جنازہ اٹھاتا ہے۔ اور کون اسے دفن کرتا ہے (مرقات ج ۱ ص ۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کا ادراک بصری بڑھتا ہے کیونکہ حیات دنیاوی میں اگر اسے چار پائی پر لٹا کر اوپر چادر ڈال کر لے جاتے تو وہ نہ جان سکتا کہ اسے کون کون اٹھانے والے ہیں کون اس پر نماز پڑھ رہے ہیں اور کون اس کو دفن ہے ہیں پس ثابت ہوا کہ وفات کے بعد اس کا ادراک بصری بڑھ جاتا ہے جب عام میت کا یہ حال ہے تو حضور ربیہ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا حال ہوگا جن کی نگاہ وسعت کا حیات دنیوی میں یہ عالم تھا کہ اوپر نظر اٹھاتے تو سات آسمانوں کے پار جنت کا ملاحظہ فرماتے اور اگر نیچے نظر فرماتے تو سات زمینوں کے نیچے جہنم کا معائنہ فرماتے اور جو دنیاوی حیات میں اندھیرے اجالے میں بھٹا دیکھتے تھے وصال کے بعد جب ان کا ادراک بصری ترقی کر گیا تو پھر ان کی نگاہ کی وسعت کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ سادہ لطافت قاصد میں ہے یہ بھی تسلیم کرنا ضروری ہے کہ وقت موت حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور بھی شدید ہو جاتی ہے کیونکہ جب حیات اصلی ہے تو اس صورت میں کمی قبر میں رہنا بھی آسان پر نظر آنا ایسا ہوگا جیسے حیات سابقہ میں زمین پر رہنا بھی بوجہ معراج آسمان پر چلے جانا اور صف پر کھٹے ہیں۔ بالکل حیات حال انبیا کا مثل حیات سابقہ ہونا اور پھر اس سے اشد اور اعلیٰ ہونا یوں ظاہر ہے کہ بوجہ عارضہ معلوم جن کو موت کی تمام فیض حیات جو مثل شعلہ شمس و قمر اطراف دن اور اس سے باہر تک بذریعہ افعال جاتا تھا سمٹ کر داخل بدن کی طرف چلا آیا۔ تا تو قویٰ صاحب کا یہ کلام ان کی تمام ذریت پر رحمت قاطعہ ہے (محصلہ سیر منہ ص ۲۳ تا ص ۲۴)

گئے حجاب کے دن آؤ سامنے بیٹھو نقاب رُوح سے اٹھاؤ بہار آئی ہے
مؤلف مذکور نے جو ہوائی قلعہ تعمیر کیا ہے اور نکل کا جو پل بنایا ہے وہ ہرگز گرنا
کو سود مند نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نصوص قطعیہ۔ احادیث صحیحہ اور
حضرات مختار کرام کے صریح اور محسوس فتوے کی رو سے اس دنیا کی زندگی میں بھی وہ وسعت نظر
حاصل نہ تھی جس کا باطل اعداد مؤلف مذکور اور اس کی شرک و بدعت پسند جماعت کرتی ہے تو
بعد از وفات کہاں سے ہوگی رہی وہ روایت جو مؤلف مذکور نے صادی شریف کے حوالے
سے نقل کی ہے تو اس کی پوری تشریح تو ہم نے بحوالہ اللہ تعالیٰ تخریج الحواظ ص ۲۳ تا ص ۲۴
میں کر دی ہے یہاں ہم صرف اجمالاً تنازعہ کرتے ہیں کہ یہ روایت حضرت ابن عمر رضی
سے مروی ہے حلیۃ الاولیاء ص ۱۱۱ میں اس کی پوری سند موجود ہے اور مجمع الزوائد ص ۲۸۶
اور مواہب اللدنیہ مع شرحہ للزرقانی ص ۲۱۱ میں بھی مذکور ہے اس کی سند کا ایک راوی نعم بن
حماد ہے جس کی توثیق و تضعیف کے بارے میں محدثین کرام کا خاصا اختلاف ہے توثیق
کرنے والے بھی بعض محدثین ہیں مگر امام ابن معین فرماتے ہیں کہ حدیث میں وہ محض بیحد
ہے امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیثیں سنی
بھی روایت کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں (ممکن ہے یہ حدیث بھی ان میں شامل ہو۔ صفحہ ۴)
امام سنائی فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے اور ان کے غیر نے کہا کہ وہ (بزع خویش) سنت
کی تقویت میں جملی حدیث بنایا کرتا تھا دین ممکن ہے کہ نام نہادوں کی تقویت کے لیے
یہ حدیث بھی اس کی ساخت ہو۔ صفحہ ۴) امام ابو حنیفہ کی ترمیم میں جملی
روایات کا پلندہ تیار کیا ہے۔ امام ابو الفتح ازہدیٰ فرماتے ہیں کہ اس نے سنت کی تقویت
اور امام ابو حنیفہ کے عیوب میں من گھڑت اور جھوٹی روایات بیان کی ہیں۔

(محصلہ تہذیب التہذیب ص ۱۱۱ تا ص ۱۱۲)

دوسرا راوی اس سند کا بقیہ بن الولید ہے اس کی شخصیت بھی خاصی متنازعہ فیہا
ہے امام ابو زرہ فرماتے ہیں کہ سنت کے بارے میں اس کی حدیث مستثنو ثواب وغیرہ

کے بارے میں سن لو اہم نائی فرماتے ہیں کہ جب وہ حدیث اور خبر نامے روایت کر لے تو ٹھیک ہے لیکن جب وہ عن سے روایت بیان کرے تو اس کی روایت قابل قبول نہیں ہے (اور یہ روایت بھی عن سے ہے) اہم ابو حاتم فرماتے ہیں کہ اس کی روایت بھی تو جا سکتی ہے مگر قابل احتجاج نہیں ہے۔ اہم ابن خزیمرہ فرماتے ہیں کہ اس سے احتجاج نہیں کرتا، اہم ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اس کی احادیث صاف نہیں ہوتیں ان سے پرہیز کرو۔ اہم بیہقیؒ اپنی کتاب خلافت میں فرماتے ہیں کہ محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ بقیہ حجت نہیں ہے اہم جلالیؒ اپنی کتاب الاحکام میں لکھتے ہیں کہ بقیہ سے احتجاج درست نہیں ہے۔ اہم ابن قنطارؒ فرماتے ہیں کہ بقیہ ضعیف راویوں سے تیس کرنا تھا اور اس کو جائز بھی سمجھا تھا اگر یہ بات درست ہو تو یہ اس کی عدالت کو خاسر کر دیگی (محصلہ تہذیب ص ۲۹۴ تا ص ۲۹۵)

اہم شعبہ فرماتے ہیں کہ تیس زنا سے بھی بدتر جرم ہے (نودی شرح مسلم ص ۱۲۲) نیز فرمایا کہ تیس حرام ہے اور مدرس ساقط العدالت ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۱) اور تیس راوی اس کڑی کا سید بن سنان الرحادی ہے۔ علامہ نور الدین ہمشی (المتوفی ۷۸۸ھ) استاد حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ سنی صنعت کشی فی سعید بن سنان الرحادی (معجم الزوائد ص ۲۸۸) یعنی سعید بن سنان میں بہت زیادہ ضعف ہے۔ یہ ہے وہ روایت جس کے بل بوتے پر فریق مخالفت دنیا کی زندگی میں وسعت نظر ثابت کرتا ہے اگر اس روایت کے تمام راوی ثقہ اور ثبت بھی ہوتے اور نہ متصل اور حدیث صحیح بھی ہوتی تب بھی یہ خبر وارد ہوتی جس کا انصوص قطعیہ قرآنہ کے مقابلہ میں پیش کرنا بقول مؤلف مذکور کے اعلیٰ حضرت کے ہرزہ بانی ہوتا چہ جائیکہ نہ کا حال یہ ہے جو قارئین کرام نے ملاحظہ کر لیا ہے اب ان کی قائم کردہ مشقوں کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) نہ تو دنیا میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اس معنی میں وسعت نظری دلائل و براہین کے رُو سے ثابت ہے جس کے اثبات کے فریق مخالفت درپے رہے اور نہ بعد از وفات درجہ کے طور پر اچھا کسی دور کی چیز کا ثبوت یہ جیسے معراج کے سلسلہ میں بیت المقدس کی کھلی اور نجاشیؒ کی میت کا ثبوت یہ وغیرہ محل نزاع سے خارج ہے۔ تبرید النواظر میں

اس پر بحث موجود ہے) اور پیش کردہ مدعیہ ضعیف اور عقیدہ میں ناقابل اعتبار ہے پھر اس میں انا انظر کے جملہ امیر ہونے سے اور اس کی خبر کے فعل مضارع ہونے سے کوئی ذکر کو کیا فائدہ؟ علاوہ ازیں لغوی طور پر یہ بات بھی ممکن نہیں کہ جب بھی جملہ امیر کی خبر فعل مضارع ہو تو وہ ہمیشہ دوام تجدیدی کا فائدہ دیتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب (غزوہ موتہ میں) حضرت زید بن حارثہؓ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت جعفرؓ شہید ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹھگن ہو کر بیٹھ گئے۔ وانا انظر من حاشا الباب (بخاری ص ۱۴۳) اور میں دروازے کے سولہ سے دیکھ رہی تھی۔ کیا اس کا یہ مطلب ہو گا کہ حضرت عائشہؓ ہمیشہ دوامی طور پر دیکھتی رہتی ہیں یا صرف ایک ہی دفعہ دیکھا تھا یہاں بھی جملہ امیر کی خبر فعل مضارع ہے وانا انظر

(۲) بے شک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرنا زیادہ نعمت کا سبب ہے جس پر نص قطعی دال ہے مگر وسعت نظری کی وہ نعمت جو علم غیب علی اور حاضر و ناظر کی صورت میں ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل نہیں، اذالہ الريب اور تبرید النواظر میں اس پر دلائل کا انبار موجود ہے۔ لہذا اس کے اضافہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہیں مثلاً آپ کی معلوم رسالت اور ختم نبوت کا فیض تو وہ بجز اللہ تعالیٰ قیامت تک بڑھتا ہی رہے گا اور یونانیوں بڑھتا ہی لاشک فیہ۔

(۳) اس معنی میں جس کے اثبات کے درپے کوئی مذکور اور اس کی جماعت ہے وسعت نظری نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں حاصل تھی نہ آخرت میں لہذا اس کے مصلوب ہونے کا احتمال بھی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مصلوب وہ چیز ہوتی ہے جو حاصل ہو اور آخرت ظاہر و باطن ہر لحاظ سے آپ کے لیے بہتر ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی مخلوق میں کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس میں کسے تاقل ہے؟ یا ہو سکتا ہے۔

(۴) قبر مبارک میں حیات ثابت ہے اور اسی جسم مبارک کے تعلق کے ساتھ جو دنیا میں آپ کا جسم مبارک تھا لیکن دنیوی سبب لازم اس کے لیے لازم نہیں نہ شرعاً نہ عقلاً کیونکہ زندہ کو قبر میں دفن کرنا اور اس کے زندہ ہوتے ہوئے اس کا خلیفہ اور نائب بنانا وغیرہ بے شمار امور ہیں جو حسی

ان روایات سے ثابت ہوا کہ میت کے لیے جو ادراک بصری ثابت ہے وہ روح کے دیکھنے سے ہے اور وہ بھی محدود ہے کہ کون غل ملے رہا ہے اور کون کھن پینا رہا ہے اور کون اٹھا رہا ہے وغیرہ وغیرہ اس سے وہ وسعت بصری ثابت کرنا جس کے درپے مؤلف مذکور ہیں کہ ساری دنیا پیش نظر ہو قطعاً باطل ہے ان کے الفاظ یہ ہیں کہ میت کا ادراک بصری بڑھ جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ادراک بصری بڑھتا تو ب میت سب دنیا کے حالات کو دیکھتی یا کم انکم چند اور مردوں کے لیے ہی حالات جانتی اور دیکھتی مگر میت تو صرف یہ دیکھتی اور جانتی ہے

اسی طرح مٹوات مذکور کا یہ دعویٰ کہ جب اور نظر اٹھاتے تو سات آسمانوں کے پار جنت کا
ملاحظہ فرماتے اور نیچے نظر فرماتے تو سات زمینوں کے نیچے جہنم کا معائنہ فرماتے اور اندھیرے
واجبائے میں یکساں دیکھتے الخ یہ سب باطل اور مردود دعوے ہیں اور قرآن و سنت بلکہ اسلام
کی روئے کے سراسر خلاف ہیں اس پر کون سی قطعی دلیل ہے کہ ہمہ وقت جنت و دوزخ آپ
کے پیش نظر رہتے تھے؟ وہ قطعی دلیل تو بیان کیجئے باقی اجمالی شکل میں بطور معجزہ اچیانہ ان
کا مثالی مشاہدہ ہر شہساز کو مسلم ہے اس کا کوئی منکر نہیں اور اچیانہ ان پر اطلاع حاصل ہو جانا
امادیت صحیحہ سے ثابت ہے۔ صلوٰۃ کسوف میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت اور دوزخ
وغیرہ کا مشاہدہ کرایا تھا بخاری ج ۱۸ میں ہے ما من شیء لہما کن اریثۃ الا رائیۃ
فی مقامی ہذا حتی الجنۃ والنار الحدیث اور بخاری ج ۱۹ کی روایت میں ہے
لقد رأیت فی مقامی ہذا کل شیء وعدۃ الحدیث۔ اندھیرے اور اجالے
میں یکساں دیکھنا کس یقینی دلیل سے ثابت ہے وہ دلیل بھی ذرہ علمی تھیلے سے نکلیے گی جھلی
حدیث نہ ہو ہم اپنی دلیل کی طرف اشارہ کیے میتے ہیں مسلم ج ۱۹ میں روایت ہے کہ گئے

کا بچہ آپ کی چارپائی کے نیچے گھس گیا اور آپ اس کو نہ دیکھ سکے آپ نے فرمایا
یا عائشہ! متی دخل هذا کولے عاتقہ ذہیر کتا بیاں کب اور کس وقت
الکلب لھمتا فقاتل واللہ ما دریت داخل ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا بخدا میں نہیں
المحدث جانچو۔

اور مسلم کے اسی صفحہ پر یہ روایت ہے فضلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوملہ ذالشیث
ذلک الحدیث جس سے بالکل عیاں ہے کہ یہ دن کا واقعہ تھا یعنی اسکی وجہ سے آپ دن بھر تنہا رہے
مدینہ طیبہ میں ایک مرتبہ رات کے وقت دشمن کے حمل کا خطرہ پیدا ہوا اور آنحضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابو طلحہؓ کے گھوڑے پر سوار ہو کر تنہا دور تک نکل گئے اور حالات کا جائزہ خود
جائزہ لے کر واپس ہوئے کہ راستے میں حضرت صحابہ کرامؓ شے آپ نے فرمایا تم نہ گھبراؤ ہم دیکھ گئے
ہیں کہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری ص ۹۹۰ و سنن ۲۱۰) اس سے معلوم ہوا کہ رات کے
وقت قدرے دور کے حالات کا بھی آپ جائزہ لینے کے لیے خود گئے اگر دور کی اشیاء آپ
کو رات کے وقت نظر آتیں تو جانے کی کیا ضرورت تھی؟ گھر میں ہی ملاحظہ کر لیتے؟ اور قریب
کے متعلق صرف ایک ہی واقعہ عرض کیا جاتا ہے حضرت ابوسعید الخدریؓ (الموتی ۳۳) کی
روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھا ہے تھے اور جوتی پہنے ہوئے
تھے جوتی کے نیچے غلاط لگی ہوئی تھی حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے انہوں نے
خبر دی تو غلاط کا پتہ چلا (محصلہ البدو ۹۵) موارد النعمان ۱۰ مشکوٰۃ ص ۲۶ و مستدرک ص ۲۶
قال الحاکم والذہبی علی شرطہ مسلم) پاؤں کے نیچے جوتی میں غلاط
بھی بخیر دی کے معلوم نہ ہو سکی تو ہر چیز کا ہمہ وقت دیکھنا کیسا؟

(۶) لطائف قاصد کی عبارت سے آپ کا کون سا مطلب پوچھا ہوا ہے؟ یا ہو سکتا ہے؟ کیونکہ
اس سے تو یہی کچھ ثابت ہے کہ چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اصلی ہے
توفات کے وقت وہ ارشاد یہ ہو جاتی ہے لیکن اس حیات سے اللہ تعالیٰ کا دیدار جنت
کی خوشیوں سے متبع اور ہرزخ میں غلبہ انتفاع وغیرہ ہوتا ہے اس سے دنیوی امور کا

علم دنیوی امور کے لیے وسعت نظری کا کیا تعلق؟ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اپنی قوم میں
تشریف رکھنا جب عصری کے ساتھ ہے اور آسمانوں پر بوجہ معراج جانا صورتائید کے ساتھ تھا۔
اس میں کیا اشکال ہے؟ اور اس سے آپ کو کیا حاصل ہوتا ہے؟ حضرت نانوتویؒ کا ارشاد و جا
ہے کہ حیات انبیاء اس کی ضرورت سے معلوم ہوتی ہے کہ جو شعاعیں فیض حیات کی بصورت
افعال باہر جاتی تھیں اب سمٹ کر اندر رہ گئیں جیسے سورج اور قمر کی شعاعیں جتنی محدود ہونگی اتنی
ہی تیز ہوں گی یہی حال موت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہے الغرض حضرات انبیاء کرام علیہم
الصلوٰۃ والسلام کی اعلیٰ درجہ حیات مسلم ہے لیکن اس سے نہ تو علم غیب ثابت ہوتا ہے
اور نہ حاضر و ناظر کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق ہے حضرت نانوتویؒ کا کلام دیوبندوں کے لیے
محبت قاطعہ ہے نہ کہ ان پر کیونکہ دیوبندی حیات کے قائل ہیں نہ کہ منکر یہ مولف مذکور کا زعم
فاسد ہے کہ وہ خواہ مخواہ رعب جمالے کے لیے اکابر دیوبند کو اصاغر کے خلاف یا بالعکس
سمجھ کر اس پر بلا وجہ حاشیہ آرائی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بصیرت عطا کرے۔ دینی بصیرت
حاصل ہو جائے تو پھر بفضلہ تعالیٰ بقول حاکم وصال محبوب تمام پریشانیوں اور کھفتوں دور ہو
جاتی ہیں۔

ملے ہی ان کے مجبور گئیں کھفتیں تمام گویا ہمارے سر پر کبھی آسمان نہ تخت
یہ عنوان قائم کر کے مولف مذکور لکھتے ہیں کہ ہم نے نبی متین
آن واحد میں ممکنہ متعدد دیوبند کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ آپ دنیاوی حیات
پر حاضر ہونے کا امکان کے ساتھ قبر انور میں زندہ ہیں اور فیضان حیات دنیوی حیات
سے زیادہ تر ہے پس ثابت ہو گیا کہ آپ قبر انور میں تشریف فرما ہیں اور تمام عالم کو ملاحظہ فرما
ہے ہیں جہاں چاہیں جب چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں اور ان واحد میں اگر ممکنہ متعدد
میں تشریف لے جانا چاہیں تو وہ بھی ممکن ہے رہا یہ سوال کہ ممکنہ متعدد پر اگر بعینہ حضور
موجود ہیں تو یہ تکرر جزئی ہے اور اگر وہاں آپ کی مثال موجود ہے تو مثل شے غیر شے ہے
پس ممکنہ متعدد پر آپ کا غیر موجود ہونا کہ خود آپ اس سوال کا ایک جواب تو بطور نقص

اجالی ہم بحث استغانت میں تقاضی صاحب کی گپ پر اعتراضات کے ضمن میں دے چکے ہیں
ثانیاً نقصان تفصیلی کے طور پر جواب یہ ہے کہ اجساد مثالیہ متعددہ متعلقہ بروح واحد امکنہ متعدده
میں موجود ہو سکتے ہیں اور یہ تکثر جزئی نہیں ہے کیونکہ اجساد میں نوع من التغاثر موجود ہے اور یہ
اجسام حضور کے غیر بھی نہیں ہیں کیونکہ تمام اجساد کے ساتھ حضور کی روح متعلق ہوگی اور تعین کا
مذہبیت روح پر ہے نہ کہ عینیت جسم پر کھلا بیخفی دیکھیے مذہب القلوب ص ۱۵۲ پر
شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ علاؤ الدین قزوینی کہتے ہیں کہ یہ کہنا بعید نہیں
کہ انبیاء کی ارواح مقدسہ ابدانی سے مفارقت کے بعد ملائکہ کے ابدان کی مثل ہو جاتی ہیں بلکہ ان سے
بھی افضل ہوتی ہیں اور جس طرح ملائکہ مختلف صورتوں میں تمثیل ہو جاتے ہیں اسی طرح جائز ہے کہ
ارواح مقدسہ بھی تمثیل ہو جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض خاص بندوں کو یہ مقام
دنیا میں حاصل ہو جائے اور روح واحد بن محمود کے سوا ابدان متعدده میں تصرف کرے جس طرح
بعض محققین ابدال کی درجہ تسمیہ میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں جب کسی جگہ جانا مقصود ہو تو وہ
پہلی جگہ اپنے بدلے میں اپنی مثال چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور سادات صوفیہ کے نزدیک علم اجساد
وارواح کے درمیان ایک عالم مثال بھی ثابت ہے جو عالم اجساد سے لطیف اور عالم ارواح سے
کثیف ہوتا ہے اور ارواح کا صورت مختلف میں تمثیل ہونا اسی علم پر مبنی ہے اور جبرائیل علیہ السلام
کا وحیہ کلہی کی صورت میں مریم کے پاس بشر اسوای کی شکل میں تمثیل ہو کر جانا اسی عالم سے ہے
اور اسی بنا پر جائز ہے کہ موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر مستقر ہوں اور اسی وقت قبر میں بھی مثال
چھوڑ کر آئے ہوں اور حضور نے ان کو دونوں جگہ دیکھا ہو اور اس عالم کے اثبات سے بہت
سے مسائل حل ہو سکتے ہیں مثلاً جنت کا بایں رحمت دیوار کی پستی میں دکھائی دینا۔ اس کے
بعد مرقات ص ۱۴۸ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب اولیاء اللہ کے لیے زمین لپیٹ دی جائے
اور ان کے لیے ابدان مکتبہ متعدده حاصل ہو جائیں تو ان کے لیے اپنے آپ کو ایک آن واحد
میں متعدد ہنگوں پر پالینا کوئی بعید نہیں ہے اور اس جہان میں یہ امر غالباً اولیاء اللہ کے لیے
عادت پر مبنی ہے۔ اور حاجی امراء اللہ صاحب جو دیوبندیوں کے تمام اکابر و اصاغر کے

مسلماً مقتدرہ ہیں فیصلہ ہفت مسئلہ کے پر لکھتے ہیں وہاں خبر کہ آپ کو کیسے علم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک
وقت میں تشریف فرما ہوئے یہ ضعیف شبہ ہے آپ کے علم و روحانیت کی وسعت جو دلائل نقلیہ و
کشفیہ سے ثابت ہے اس کے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی قدرت
تو محل کلام نہیں۔ اس کے بعد مولف مذکور لکھتے ہیں کہ اس بحث کے اخیر میں بطور مقدمہ کے ہم
ایک حدیث شریف پیش کرتے ہیں جس سے یہ امر واضح ہو جائے گا کہ شخص واحد آن واحد میں
امکنہ متعدده پر موجود ہو سکتا ہے۔ دیکھیے مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۲ پر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ایک غلام شخص کو جس کا بیٹا فوت ہو چکا تھا فرمایا۔ کیا تو اس کو پسند نہیں کرتا کہ تو جنت کے دروازوں
میں سے کسی دروازے سے داخل ہو مگر تیرا بیٹا اس دروازے پر تیرا انتظار کر رہا ہو کسی نے پوچھا
حضور یہ اسی کا خاصہ ہے یا سب کے لیے آپ نے فرمایا سب کے لیے۔ اس حدیث
شریف میں باب نکرہ ہے اور تشریف لفظی میں ہے اور نکرہ تحت لفظی معنیہ عموم ہوتا ہے معلوم ہوا کہ
جنت کے ہر دروازے کی یہ صفت ہوگی کہ اس دروازے پر وہ بیٹا موجود ہو گا پس ثابت
ہوا کہ آن واحد میں امکنہ متعدده پر موجود نہ صرف ممکن ہے بلکہ امر واقع ہے (باختصار) سیر
از ص ۲۰۲ تا ۲۰۵)

الجواب بد مولف مذکور نے یہ قنا چکر بھی کاٹا ہے ان کو معذ نہیں اولا اس لیے کہ صورت
مثالیہ کے تعدد اور ان کے مختلف مقامات پر موجود ہونے کے ہم بھی قائل ہیں اور پہلے اس
پر باحوالہ بحث گذر چکی ہے لیکن اس سے مولف مذکور کا مطلوب اور محبوب نتیجہ علم غیب
اور حاضر و ناظر ہرگز حاصل نہیں ہوتا کھامس۔ وثانیاً ہم باحوالہ پہلے یہ بھی عرض کر چکے
ہیں کہ فریق مخالفت کے بزرگوں کے نزدیک بذات خود جسم کے ساتھ بھی ہر جگہ موجود ہونا
عقل و نقلاً ممکن ہے اور تکثر جزئی والا اشکال ان پر بدستور عائد ہوتا ہے باقی نقصان اجالی کا
جواب ہم بھی پہلے دے چکے ہیں وہاں ہی اس کا مطالعہ کر لیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔
وثالثاً مولف مذکور جو یہ کہتے ہیں کہ اجساد میں نوع من التغاثر موجود ہے۔ اس سے ان
کی کیا مراد ہے کیا امثال متعدده کا آپس میں ایک دوسرے نوع من التغاثر ہے یا ان امثال کا جبر علی

اور روح سے تغایر ہے اگر اول شق مراد ہے تو تشریح جزئی تحقیق ہے کیونکہ یہ امثال روح کی صورت مثالیہ کے افراد میں جو الگ الگ ہیں پھر مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ اور یہ تشریح جزئی نہیں۔ کیونکہ اجساد میں نوع من تغایر موجود ہے کیونکہ صحیح ہوا؛ اور ان کے ثانی جملہ اور یہ اجمال الی قولہ روح متعلق ہوگی سے پھر تشریح جزئی کا محذور لازم آئے گا کہ اذین یعنی۔ علاوہ ازیں مؤلف مذکور کا یہ جملہ کہ تعین کا مدار عینیت روح پر ہے نہ کہ عینیت جسم پر کہ اذین یعنی تفصیل طلب ہے وہ یوں کہ اگر صورت مثالیہ روح کی ہو تو تعین کا مدار روح ہوگی اور اگر صورت مثالیہ جسم کی ہو تو تعین کا مدار جسم ہوگا جسم کو بالکل خارج کر دینا غلط ہے جب کہ معراج کی حدیثوں میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعدد مقامات پر آپ سے ملاقات کے سلسلہ میں تشریح حدیث میں یہ جواب بھی معقول ہے بان ادواہم تشکلت بصور اجساد۔ (فتح الباری ص ۱۶) و بعد القاری ص ۱۶۸ وغیرہ) و اذین حضرت شیخ عبدالحی صاحب کا حوالہ برحق ہے۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ صورت مثالیہ کا تعدد اور امکنہ مختلفہ میں ان کا موجود ہونا بالکل بجا صحیح اور مسلم ہے مگر اس سے فریق محال کو کیا فائدہ کا مگر؟ اس عبارت میں بھی صورت مثالیہ کا ثبوت ہے اور حضرت شیخ صاحب کی ایک اور عبارت ایسی اور وضاحت کرتی ہے وہ حدیث عن ربانی فی المنام فقد رآنی الحق کی شرح میں لکھتے ہیں کہ۔

پس مرنی نہ روح است و نہ آن شخص سومرنی روح بھی نہیں ہے اور وہ بدن مبارک بدن مودع در مدینہ چہ حضور یک شخص بھی نہیں ہے جو مدینہ طیبہ میں امانت ہے کیونکہ در مکان مخصوص در یک زمان بصفات ایک ہی شخص کا ایک زمان میں مکان مخصوص میں متعدد مختلف صورت نہ بد الا بطریق مثل متعدد صفات کے ساتھ مختلف صورتوں میں حاضر ہونا پس مرنی در مقامات مثالات روح مقدر متصور نہیں ہو سکتی مگر مثالی صورتوں میں پس غلوں میں جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ آپ کی پاکیزہ روح کی مثالیں ہیں جو بالکل حق ہے در بطلان کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں ہے (اشعۃ اللمعات ص ۶۸۳)

اس عبارت میں بھی صورت مثالیہ کا ذکر ہے البتہ اس عبارت میں غائب صاحب اور ان کے اتباع کا خوب روئے خان صاحب اور ان کے اتباع جسم کے ساتھ ذات خود بھی متعدد مقامات پر حاضر ہونے کے قائل ہیں اور اس کو عقلاً و نقلاً جائز قرار دیتے ہیں لیکن حضرت شیخ صاحب یہ فرماتے ہیں کہ شخص ایک کا ایک زمان میں مکان مخصوص میں متعدد صفات اور مختلف صورتوں میں حاضر ہونا بھی تصور سے باہر ہے۔ (صوت نہ بند) دیکھئے کیا ارشاد ہوتا ہے؟ و خاصاً حضرت ملا علی القاری کا ارشاد بھی صورت مثالیہ کے بارے میں درست ہے وہ بھی ہماری تائید میں ہے نہ کہ تردید میں کیونکہ اجساد و کتب سے صورت مثالیہ ہی مراد ہیں و ساتھ ساتھ حضرت حاجی امدا اللہ صاحب کی جو عبارت مؤلف مذکور نے نقل کی ہے وہ ان کو مفید بھی نہیں اور نامکمل اور اوصوری بھی ہے مؤلف مذکور نے حضرت حاجی صاحب کی عبارت تو محل کلام نہیں تک ہی نقل کی ہے آگے ان کی عبارت کو وہ بالکل ہٹ کر گئے ہیں کیونکہ اصل حقیقت اس سے آشکارا ہو جاتی ہے محل کلام نہیں کے آگے عبارت یہ ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی جگہ تشریف رکھیں اور درمیان بیجاب اٹھ جاویں بہر حال ہر طرح یہ امر ممکن ہے اور اس سے آپ کی نسبت اعتقاد علم الغیب لازم نہیں آتا جو کہ خصائص ذات حق سے ہے کیونکہ علم غیب وہ ہے جو مقتضی ذات کا ہے اور جو باعلام خداوندی ہے وہ ذاتی نہیں بالاسبب ہے وہ مخلوق کے حق میں ممکن بلکہ واقع ہے اور امر ممکن کا اعتقاد شرک و کفر کیونکہ ہو سکتا ہے البتہ ہر ممکن کے لیے وقوع ضروری نہیں ایسا اعتقاد کرنا محتاج دلیل ہے اگر کسی کو دلیل مل جاوے مثلاً کشف ہو جاوے یا کوئی صاحب کشف خبر کوئے تو اعتقاد جائز ہے ورنہ بے دلیل ایک غلط خیال ہے غلطی سے رجوع کرنا اس کو ضروری ہے مگر شرک و کفر کسی طرح نہیں ہو سکتا (فیصلہ ہفت موضوعات) اس عبارت میں حضرت حاجی صاحب نے تصریح فرمادی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کی نسبت علم الغیب کا اعتقاد درست نہیں اور نیز یہ فرماتے ہیں کہ جو واقعہ اللہ تعالیٰ کسی کو بتائے تو غیب نہیں رہتا مگر اس کے ثبوت کے لیے دلیل درکار ہے بے دلیل اس کا تسلیم کرنا کوئی غصبہ امر ممکن ہی ہو ایک غلط خیال ہے اور اس سے رجوع کرنا چاہیے ایسی تصریح کے ہوتے ہوئے نہ معلوم ان کی اوصوری اور نامکمل عبارت سے علم غیب اور حاضر و ناظر کا مسئلہ کشید

کہنا کیسے درست ہے؟ اور اصل مقصود یہی کوفت مذکورہ ان کی جماعت کا حضرت حاجی صاحبؒ وغیرہ کی عبارات سے یہی ہے اور اسی پر وہ ضرب کاری لگایا ہے میں حضرت حاجی صاحبؒ اسی کتاب میں یہ عنوان قائم کرتے ہیں چوتھا مسئلہ ندائے غیر اللہ کا پھر آگے لکھتے ہیں۔

اس میں تحقیق یہ ہے کہ ہمارے مقاصد و اغراض مختلف ہوتے ہیں کبھی محض اللہ راہ شوق کبھی تحریک کبھی منادی کوئی ناکہی اس کو پیام پہنچانا سو مخلوق غائب کو پکارنا اگر محض واسطے تذکرہ اور شوق وصال اور حسرت فراق کے ہے جیسے عاشق اپنے محبوب کا نام لیا کرتے ہیں اور اپنے دل کو تسلی دیا کرتے ہیں اس میں تو کوئی گناہ نہیں الیٰ قولہ ایسی مذاہب و مذاہب سے بکثرت روایات میں منقول ہے کما لا تخفی علیٰ المتبحر المتبحر النظر اور اگر مخاطب کا اسماع و سنانا مقصود ہے تو اگر تصفیہ باطن سے منادی کا شاہد کہ رہا ہے تو بھی جائز ہے اور اگر شاہد نہیں کرتا لیکن سمجھتا ہے کہ فلاں ذریعہ سے اس کو خبر پہنچ جاوے گی اور وہ ذریعہ ثابت باللیل ہو تب بھی جائز ہے مثلاً ملائکہ کا درود شریف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچانا احادیث سے ثابت ہے اس اعتقاد سے کوئی شخص الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کے کچھ مضامین نہیں اور اگر مذکورہ مشہور ہو نہ پیغام پہنچانا مقصود ہو نہ پیغام پہنچانے کا کوئی ذریعہ دلیل سے موجود ہو وہ ناممکن ہے مثلاً کسی دلی کو دور سے نہ کرنا اس طرح کہ اس کو سننا منظور ہے اور وہ رو بہ رو نہیں نہ ابھی تک اس شخص کو یہ امر ثابت ہو کہ ان کو کسی ذریعہ سے خبر پہنچے گی یا ذریعہ متعین کیا مگر اس پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں یہ اعتقاد افسر علی اللہ اور دعویٰ علم عجیب ہے بلکہ مشابہ شرک کے ہے مگر بے دھرم اس کو شرک و کفر کہنا بجا نہ آتا ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ اگر اس بزرگ کو خبر پہنچائے ممکن ہے اور ممکن کا اعتقاد شرک نہیں مگر چونکہ امکان کو وقوع لازم نہیں اس لیے ایسی ندائے لایعنی کی اجازت نہیں ہے (۱۰ فیصلہ ہفت مسکونہ)

حضرت حاجی صاحبؒ جو بحمد اللہ تعالیٰ دیوبندیوں کے اکابر و اصاغر کے مقتدا رہیں کی ایسی اور اتنی صریح اور صاف عبارات کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص ان کی کسی بھی عبارت سے غیر اللہ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے یا ان کے لیے علم عجب کے حصول کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا

دعویٰ سراسر باطل اور قطعاً مردود ہے و سابقاً جو حدیث انہوں نے شخص واحد کے اکتہ مستعدہ میں موجود ہونے کی پیش کی ہے اس میں ان کے دعویٰ پر تقریباً ہم نہیں ہے کیونکہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ شخص واحد ان واحد میں اکتہ مستعدہ پر موجود ہو سکتا ہے جس سے متبادری ہی ہوتا ہے کہ نفس جبکہ تعدد ہے حالانکہ حضرت ملا علی القاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ۔

فیہ اشارۃ الیٰ خرق العادة اس میں خرق عادت کی طرف اشارہ ہے کہ من تعدد الاجساد المکتبۃ

(مرقات ص ۱۲)

اور ظاہر ہے کہ اجساد مکتبہ تو وہی اجساد مثالیہ ہی ہیں نہ کہ شخص واحد کا بعینہ بذات خود متعدد جگہ پر موجود ہونا جو کوفت مذکورہ کا مدعی ہے اور اجساد مثالیہ کے تعدد پر حوالہ پہلے گزریا میں علاوہ انہیں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے جوڑا جوڑا اشیاء اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیں اس کو جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا کہ اے اللہ تعالیٰ کے بندے یہ تیرے لیے بہتر ہے جو شخص اہل صلوٰۃ سے ہوگا اسے باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا اور جو اہل جہاد سے ہوگا اس کو باب الجہاد سے بلایا جائے گا اور جو اہل صیام سے ہوگا اسے باب الزیاد سے بلایا جائے گا اور جو اہل الصدقہ سے ہوگا اسے باب الصدقہ سے بلایا جائے گا اس چہرۃ البکر نے فرمایا یا حضرت! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔

ما علی من دعی من تلک الادبواب من ان تمام دروازوں سے کسی کے داخل ہونے کی ضرورت فہل یدعی احد من تلک ضرورت تو نہیں لیکن کیا کوئی شخص ہوگا جس کو ان الادبواب کلہا قال نعم ہوا ان تمام دروازوں سے بلایا جائے۔ آپ نے فرمایا نکون منہم (بخاری ص ۱۲۲)

اس کی شرح میں شراح حدیث لکھتے ہیں کہ:

ای انہ یدعی من کلہا اکراماً و تخیلاً اس کو تمام دروازوں سے اکراماً بلایا جائے گا۔ لہ من الدخول فی ایہا شاء اور اس کو اختیار دیا جائے گا کہ جس دروازہ سے

لاستصاله الدخول من الكل معاه ۷۲ چاہے داخل ہو جائے کیونکہ برکت دخول متام
(امام بخاری ص ۲۵۵)

اس حدیث اور اس کی تشریح کی روشنی میں سابق حدیث کا مطلب بھی کیا جاسکتا ہے کہ
احترام و کرامت کے ہر دروازہ پر اس کی انتظار ہوتی ہو اور جس دروازہ سے اس کا جی چاہے
داخل ہو کیونکہ سب دروازوں سے ایک وقت داخل ہونا امر محال ہے۔ علاوہ ازیں اس
عالم میں حاضر و ناظر ثابت کرنے کے لیے اُس عالم کے امور پر اسے قیاس کرنا قیاس مع الفارق
ہے درجہ مثلاً مروجوں کے لیے یہاں بھی ٹونا اور شیم جائز ہونا چاہیے اور پیشاب پانا بھی کرنا جائز
الحاصل مؤلف مذکور نے حاضر و ناظر کے مسئلہ کے اثبات کے لیے جو خیالی اور دہی طویل و
عریفین چکر کاٹے ہیں ان سے بھی ان کو کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور نہ خواب میں روایت سے ان کا باطل
اور بے بنیاد دعویٰ ثابت ہوا۔

در خواب میں ان سے شب بھر حال میرے بخت جاگے میں سویا کیم
و ثامناً حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی الزار شرک کی تفصیل کرتے ہوئے
ارشاد فرماتے ہیں کہ مؤلف مذکور اس کو بغور پڑھیں کہ حضرت شاہ صاحب نے کیا فرمایا ہے
چندم ہر پرستان گویند چون مرد بزرگے کہ
بسیب کمال ریاضت و مجاہدہ مستجاب
الدعوات و قبول الشفاعت عند اللہ شدہ
بودائیں جہاں میگردد روح اور اوتے عظیم
و دستے بس خیمہ ہم میرسد ہر کہ صورت
اولا بزرگ سازد یاد مکان نشست بر خاست
ایا بزرگ اور بحد و تذلل تام نماید روح اور
بسیب وسعت و اطلاق بران مطلع شود و در
دنیا و آخرت در حق او شفاعت نماید۔
(تفسیر غزالی ص ۱۲۵)

مذرونیاز

یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے وصلاً اھل بد لغیر اللہ کی تفسیر میں اپنے
صدر الافاضل کی وہ عبارت پیش کی ہے جو ہم نے تحقیق تین میں نقل کی ہے
اور پھر اس پر تنقید کی ہے۔ ان کی پیش کردہ تفسیر اور اس پر باحوالہ محسوس علی تنقید اسی میں ملاحظہ
فرمائیں ہماری علمی اور محسوس تنقید سے لاجواب ہو کر مؤلف مذکور نے جو تلامذہ بازیاں لکھائی ہیں اور جس
طرح ان کے ہوش و حواس کا فوہ ہوئے ہیں اور جس طرح انہوں نے ہائے ہوئے جواریے کی طرح
جلی کھٹی مٹی ہیں وہ بھی ایک ڈرامہ ہے چنانچہ مؤلف مذکور لکھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ صدر الافاضل
علیہ الرحمۃ کا یہ محققانہ کلام چند وجوہ سے مولوی سرفراز صاحب کی کھجوریں نہ آسکا اس لیے انہوں
نے خاتمہ قرطاس کو لگی ڈنڈا بنانے کی کوشش کی ہے خود فریب کھایا ہے یا لوگوں کا دین و
ایمان ٹوٹنے کے لیے دہل کی دوکان بھائی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ مولوی سرفراز صاحب نے مولوی
رشید احمد گنگوہی کا ایک بے سند فتویٰ بھی مندرج کر پیش کیا ہے اور غریب کو یہ بھی معلوم نہیں
ہے کہ خصم پر بطور حجت مسلم بزرگوں کے اقوال پیش کیا کرتے ہیں مولوی رشید احمد گنگوہی کو
آپ گنگوہ کے عالی مریدوں پر پیش کیجئے گا۔ یا ان کی توٹی کے حافظوں پر جن کے سرول پر
دیوبند نے فضیلت و افتخار کی دستا باندھی ہے احتجاج و اشتہاد کے میدان میں اس مجموعہ کی
کیا قدر ہوگی جس میں نام کے لیے بھی کوئی دلیل موجود نہیں (مغلفہ ص ۲۰ و ص ۲۱)

الجواب ۱۰ مؤلف مذکور نے اپنے ناخواندہ حواریوں کو اس دہل آمیز عبارت میں جو
طفل تسلی اور سہارا دیا ہے وہ کسی بھی اہل فہم پر مخفی نہیں ان کے صدر الافاضل کے محققانہ کلام
میں جو وجوہ ہیں ان کو بحمد اللہ تعالیٰ سرفراز خوب سمجھا ہے اور باحوالہ ان کا رد کیا ہے تحقیق تین
ہی میں ان وجوہ اور ان کی محسوس علی تردید ملاحظہ کر لیجئے ان کی مزید تشریح جو بہم خویش مؤلف
مذکور نے کی ہے اور چھ شبہات قائم کر کے ان کے جوابات دیے ہیں وہ بحمد اللہ تعالیٰ
ترتیب اربا جواب آرہے ہیں۔ ہم نے اہلال کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے مشہور لغوی علامہ
الوافی المظنی ص ۱۸۱ رجب المعنی ص ۱۸۱ علامہ الفضل قرشی ص ۱۸۱ ابن جریر طبری ص ۱۸۱
نسفی المعنی ص ۱۸۱ علامہ بیضاوی ص ۱۸۱ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالے نقل کیے ہیں اور ان کے

آخر میں حضرت گنگوہیؒ کا فتاویٰ رشیدیہ سے ایک فتویٰ نقل کیا ہے تاہم بالائے نامت ہے کہ مولف مذکور کو پہلے بزرگوں کا ایک حوالہ بھی نظر نہیں آیا اور ان سب کو گیارہویں شریف کا دودھ اور لہذا طوطہ سمجھ کر ٹھہر کر گئے ہیں اور طوطہ ایک نہیں لی ان کو اگر نظر آیا ہے تو بالکل آخر کا حوالہ حضرت گنگوہیؒ کا نظر آیا ہے اور وہ بھی محض اس لیے کہ ان کا ام گرامی بیکر دل ماموت کی خوب بھڑاس نکال سکیں جیسا کہ مولف مذکور کی عبادت سے بالکل عیاں ہے سوال یہ ہے کہ حضرت گنگوہیؒ تو آپ کے نزدیک مسلم نہیں لیکن باقی بزرگ تو فریقین کے ہاں مسلم بزرگ ہیں آپ نے ان کی بات کو کب تسلیم کیا اور کمال محبت مانا ہے؟ آپ کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ آپ ان بزرگوں کی عبادت کو جو ہم نے نقل کی ہیں باحوالہ پیش کرتے اور پھر ترتیب وار جواب دیتے تاکہ اہل علم پر آپ کی تحقیق و تدقیق عیاں ہوتی مگر آپ ان کے جوابات سے قطعاً عاجز اور سرسراہٹ اور ہیں اس لیے ان اکابر میں سے کسی کا آپ نے نام تک نہیں لیا۔ اور نہ ان کی عبادت نقل کی ہیں اور نہ جواب دیا مگر آپ نے ان بزرگوں کے مخصوص حوالوں سے جان چھڑانے کے لیے جو حرج و اختیار کیا ہے وہ ابھی انشاء اللہ العزیز شہ اول میں آرہا ہے بھلا اللہ تعالیٰ حضرت گنگوہیؒ کا کلام آپ کے لیے نہ سہی ان کے عالی مریدوں کے لیے ضرور محبت ہے لیکن باقی بزرگوں کو آپ کیوں نظر انداز کر گئے ہیں؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ ان حضرات کے مجموعہ کی تو آپ نے قدر کی ہوتی؟ مگر آپ کو تو حضرت گنگوہیؒ پر برساتا تھا اور بس۔ مولف مذکور کو معلوم ہونا چاہیے کہ کتب فتاویٰ میں بھی صرف فتوے اور احکام درج ہوتے ان کے عقلی اور نقلی دلائل کا ذکر نہیں کیا جاتا اور کبھی دلائل عقلیہ و نقلیہ کا بھی اجمالاً یا تفصیلاً ساتھ تذکرہ کر دیا جاتا ہے ایسا لگتا ہے کہ مولف مذکور نے اپنے اعلیٰ حضرت کی کتابیں بھی مثلاً فتاویٰ ضمیمہ لمفونات، احکام شریعت، عرفان شریعت اور فتاویٰ افریقیہ وغیرہ نہیں دیکھیں ورنہ وہ ہرگز یہ لکھنے کی جرات نہ کرتے کہ ایک بے سند فتویٰ کو بھی سند بنا کر پیش کیا ہے باقی حضرت گنگوہیؒ کے فتویٰ کے نقل کرنے سے ہمارے دو مقصد ہیں۔ اول یہ کہ جو کچھ دیگر مسلم اکابر نے فرمایا وہی مولانا حضرت گنگوہیؒ نے ان کی پیروی میں فرمایا ہے اور صحیح معنی میں وہ مسلم

اکابر کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں نہ وہ لوگ کہ علوم ان میں کو دھوکا دینے کے لیے مسلم بزرگوں کی صفائی فرماتے ہیں مگر ان کی ایک بات بھی نہیں مانتے دہم۔ ایک دیوبندی عالم نے جو نہ محقق ہیں نہ مدرس کسی مدرسہ سے کچھ پڑھنے کے بعد مسجد کی امامت کا فریضہ ہی انجام دیتے رہے یہ کہ کمال گرجا اور کو غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کے لیے نامزد کیا جائے اور ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا جائے تو بقول ان کے وہ حلال ہو گا۔ راقم ناہم کو یہ خیال ہوا کہ شاید ایسے اور دیوبندی کھلانے والے حضرات بھی اس شبہ میں مبتلا ہوں حواقم انیم نے حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ نقل کر دیا تاکہ وہ حضرات غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ باقی مولف مذکور مطمئن رہیں ان کو ممانے کے لیے ہم نے یہ حوالہ نقل نہیں کیا جبکہ وہ مسلم بزرگوں کی بات بھی نہیں مانتے تو حضرت گنگوہیؒ کی بات کیا تسلیم کریں گے؟ مولف مذکور کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ دارالعلوم دیوبند میں نہ تو سندیں ملتی ہیں اور نہ ہی روٹی کے حافظوں کے سردار پر دستار فضیلت باذہبی جاتی ہے۔ وہاں دینا تذکرہ اکابر کا وہ محتاط طبقہ ہے جس کی نظیر بھلا اللہ تعالیٰ اس وقت دنیا میں نہیں ملتی مولف مذکور نے اس مرکز علم دین کو اپنے مسلک کے بعض سنفروش مدرس پر قیاس کر لیا ہے جن کے بعض سند یافتہ اپنی سند کو بھی نہیں پڑھ سکتے اور لوگ اس کے علم پر اعتبار کرتے ہیں۔

بڑے وثوق سے دنیا فریب دیتی ہے بڑے خلوس سے ہم اعتبار کرتے ہیں مولف مذکور لکھتے ہیں۔ سرفراز صاحب کا پتلا شعبہ۔ سرفراز صاحب نے صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے کلام میں پہلی تحریف اس طرح کی ہے کہ اہل اللہ کے معنی عربی زبان میں ذبح کے نہیں بلکہ نامزد کرنے اور شہرت دینے کے ہیں (تہذیب ۱۳۸) پھر مولوی سرفراز نے اس پر خوب زور دیا اور ارباب لغت اور تقابیر کے حوالے نقل کرتے چلے گئے جیسے صدر الافاضل نے اہل اللہ کا معنی ذبح کیا ہو اور اس کے خلاف مولوی سرفراز صاحب گنگوہیؒ سے پورا سکا ورنہ فضلہ قریاں میں سے آئے ہوں۔ صدر الافاضل نے اہل اللہ کا کیا معنی کیا ہے ملاحظہ ہو وہ فرماتے ہیں۔ وہ جاور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ اب مولوی سرفراز صاحب سے پوچھئے کہ جب صدر الافاضل نے اہل اللہ کا معنی ذبح نہیں کیا تو پھر آپ کو اس بے مقصد کلام سے دفتر کے دفتر سیاہ

کرنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر یوں ہی گئے میں طوق لعنت آویزاں کر کے کذابین کی صف میں شامل ہونے کا شوق ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں چشم ماروشن دل ماشا خود مولوی سرفراز صاحب کرمی احساس تھا کہ جھوٹ کی یہ کشتی زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گی اس لیے ۱۵۸ میں لکھتے ہیں۔
غرضیکہ وہاں اُھل کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت خواہ
مخواه کی حنفیہ کا البتہ کوئی علاج نہیں انتہی کلام۔ دروغ گو را حافظہ نہ باشد پہلے آپ نے کہا تھا کہ
اُھل کو ذبح کے معنی میں لینا غلط ہے اور اس سے قارئین کرام کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ
صدر الافاضل نے اُھل کا معنی ذبح کیا ہے اب کہتے ہیں کہ اُھل کو وقت ذبح کے ساتھ
مقید کرنا غیر ضروری ہے جس سے یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ صدر الافاضل نے اُھل کو وقت ذبح کے ساتھ
مقید کیا ہے یہ کس شراب فتنہ گر کا اثر ہے کہ آپ کا قلم بار بار بیک جاتا ہے انتہی بغلط طبع تاج کجی لاہور
الحجاب : ہم نے یہ عبارت بھی اس لیے پوری نقل کی ہے کہ قارئین کرام کے سامنے بھی فریق
مخالفت کے دلیل کی شرافت اور تہذیب عیاں ہو جائے کہ وہ علمی جواب سے قاصر ہو کر کسی کسی
جل کٹی نانے کی عادی ہیں۔ اب ہم ان کی اس فتنہ انگیز عبارت کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اور جوابات
عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) بحمد اللہ تعالیٰ راقم اشیم نے آپ کے صدر الافاضل کے کلام میں کوئی تحریف نہیں کی اور نہ
تحریف کی عادت ہے اور نہ اساتذہ کرام نے یہ سبق دیا ہے بات یہ ہے کہ آپ خود اپنے
صدر الافاضل کے کلام اور مصلحت کو شیوں اور دور اندیشیوں سے ناواقف ہیں اس لیے کہ آپ
کم علم اور کم عمر ہیں وہ عمر بھی تھے اور موقع اور محل بھی جانتے تھے لیکن اپنے صدر الافاضل کا کلام
ملاحظہ کر لیجئے وہ چودھریں پاسے سورۃ النحل میں وَعَا اُھل لَعْنِ اللہِ بِلہ کی تفسیر
کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یعنی اس کو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ انتہی بغلط طبع تاج کجی لاہور
انصاف سے فرمائیے کہ کیا یہاں آپ کے صدر الافاضل نے اُھل کے معنی ذبح کے
نہیں کیے؟ یہ سرفراز کی تحریف ہے یا آپ کے صدر الافاضل کی تفسیر ہے۔ اللہ کچھ تو فرمائیے؟
کیا سرفراز کا ارباب لغت اور تفسیر کے حوالے نقل کرنا اور بقول شاکر کوثری کو حرکت میں لانا بے
ادب ہے غل ہے؟ آپ کا یہ علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ آپ ان ارباب لغت اور تفسیر کے نام

بنکر ان کی عبارتیں باحوال نقل کرتے تاکہ قارئین کرام بھی سمجھ سکیں کہ ان اکابر نے کیا فرمایا ہے؟ اور
مخالفت نہ کر کہ اس امر کے درپے ہیں؟ مگر آپ کو تو دلیل و بنیاس سے وقت پاس کرنا ہے اور بلاوجہ
واضحین مہمل کرنا ہے۔

(۲) آپ نے صدر الافاضل کی جو یہ عبارت نقل کی ہے کہ۔ وہ جانور جس کے ذبح کے وقت
غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ یہ بھی آپ کو ہرگز مفید نہیں ہے کیونکہ آپ کے صدر الافاضل پابہ دوم سورۃ بقرہ
میں وَعَا اُھل لَعْنِ اللہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ مسئلہ جس جانور پر وقت ذبح
غیر خدا کا نام لیا جائے تنہا خدا کے نام کے ساتھ خلعت سے ملا کہ وہ حرام ہے اور پھر آگے لکھتے
ہیں مسئلہ اگر ذبح فقط اللہ کے نام پر کیا اور اس سے قبل یا بعد غیر کا نام یا مثلاً یہ کہنا کہ حقیقہ
کا بکرا ولیمہ کا ذبیحہ جس کی طرف سے وہ ذبیحہ ہے اسی کا نام لیا یا جن اولیاء کے لیے ایصال ثواب
منظور ہے ان کا نام لیا تو یہ جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں (تفسیر احمدی) (۲۹۷ طبع لاہور)
انصاف سے فرمائیے کہ کیا آپ کے صدر الافاضل نے یہاں اُھل کے معنی ذبح کے نہیں کئے؟
اب فرمائیے کہ ہمارے دفتر کے دفتر سیاہ کرنے یا بے مقصد ہیں یا بے مقصد؟ اور فرمائیے کہ طوق لعنت
کا نہ اور اور کذاب کلام نے کاسمعی کون سب؟ فیصلہ عوام خود کر سکتے ہیں؟ فریق مخالفت بجاہل
عارفانہ سے کام لے گا بقول ظفر۔

بناام ہے جہاں میں ظفر جن کے واسطے وہ جانتے نہیں کہ ظفر کس کا نام ہے
(۳) راقم اشیم کی عبارت جو غرضیکہ اگلے آپ نے نقل کی ہے وہ بفضل اللہ تعالیٰ
کہ وہ ہمارے کی طرح اپنی جگہ پر قائم ہے اور اس کا ہماری کسی سابق عبارت سے قطعاً کوئی تقاض
اور تضاد نہیں اور نہ ہم پر بحمد اللہ تعالیٰ فتنہ گر کی شراب کا اثر ہے اور نہ بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے دل
اور خیال قلم کہیں بہکا ہے۔ یہ آپ کی جھینٹی نگاہ کا اثر ہے کہ آپ کو کچھ کا کچھ دکھائی دیتا ہے
غرضیکہ غلطی آپ کے صدر الافاضل ہی کی ہے کہ انہوں نے اہلال کے معنی ذبح کے بھی کیے
ہیں اور اُھل کو وقت ذبح کے ساتھ مقید بھی کیا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔ وہابی جو ذبح کی قید نہیں لگاتے وہ آیت کے معنی میں غلطی

فرماتے ہیں اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو انتہائی کلام۔

مذکورہ بالا عبارت اس مضمون میں صریح ہے کہ ذبیحہ کے حرام ہونے کی اور بھی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں لیکن اس آیت میں صرف اسی کو حرام کیا گیا ہے جس پر وقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو ہم اس کے علاوہ ذبیحہ حرام ہونے کی چند صورتیں ذکر کرتے ہیں (۱) مثلاً تجوی اور اہل ہند کا ذبیحہ حرام ہے۔ (۲) اخاف کے نزدیک مسلمان بھی اگر خدا بسم اللہ کو ترک کرے تو وہ ذبیحہ بھی حرام ہوگا۔ (۳) مرتد اگر اللہ کا نام لے کر بھی ذبح کرے تو ذبیحہ حرام ہوگا۔ اور اسی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی مسلمان جانور کو غیر اللہ کی طرف تقرب علی وجہ العبادۃ کے طور پر منسوب کرے تو اب اگر وہ بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تو یہ ذبیحہ حرام ہوگا کیونکہ بحیثیت عبادت غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے قصد سے وہ مرتد ہو گیا اور مرتد کا ذبیحہ حرام ہوتا ہے اور اسی جانور کو کوئی اور مسلمان بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو وہ بلا ریب حلال و طیب ہے اس کو حرام کہنا قرآن کی نصوص قطعیہ سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے شاہ عبدالعزیز نے اپنی کتابوں میں جس ذبیحہ کو حرام قرار دیا ہے وہ اسی صورت پر محمول ہے کہ ذبح نے جانور کو بحیثیت عبادت تقرب حاصل کرنے کے لیے کسی بزرگ کی خاطر نامزد کر دیا ہو اب وہ خود اگر اس کو بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تو یہ ذبیحہ حرام ہوگا کیونکہ مرتد کا ذبیحہ ہے اور اگر تقرب بحیثیت عبادت حاصل کرنے کا قصد نہ ہو تو یہ ذبیحہ حلال اور طیب ہے کیونکہ مطلقاً تقرب وجہ شرک نہیں ہے۔ بنظر (ص ۲۵۷ و ۲۵۸)

الجواب: آپ نے مولف مذکور کی پوری عبارت ملاحظہ کر لی ہے اب جواب سنیں۔ (۱) مولف مذکور کے صدر الافاضل اس آیت کریمہ کے مضمون سے اس جانور کے حرام ہونے کو نکال رہے ہیں جس کو غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کے لیے نامزد کیا گیا ہو مگر ذبح کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ اس کی حرمت اس کا اولین مصداق ہے جس کو ہم نے بسم اللہ تعالیٰ تعظیم میں مقدمہ حوالوں سے مبرہن کیا ہے جن میں وہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالے کے بغیر سب کو پنی گئے ہیں اور کسی عبارت کا ذکر نہ کیا نہیں کیا اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی عبارت

کرتے ہیں الی قولہ کیونکہ ما اھل کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقیدہ ذکریں تو لا ما ذکینم کا استثناء اس کو لاحق ہوگا الخ (ص ۱۵۶، ۱۵۷) اس سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ مولف مذکور کے صدر الافاضل کے نزدیک اھل کے معنی میں ذبح کی قید ملحوظ ہے اور بقول ان کے جو یہ قید نہیں لگاتے وہ غلطی کرتے ہیں اگر استثناء اس کو لاحق بھی ہو تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ذکینہ میں شرعی تذکیر مراد ہے اور شرعی تذکیر اسی وقت ہوگا کہ جب غیر اللہ کے نام پر نامزد کر لے والپنے باطل نظر ہے تو یہ اور رجوع کرے اور پھر جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرے تو اس پر کیا کلام ہے؟ مولف مذکور اور ان کے صدر الافاضل کی تفسیر تو فارمین کلام نے سن لی اب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی تفسیر بھی ملاحظہ کر لیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ پس دیں عبارت اجلال را بمعنی ذبح گرفتن سراس عبارت میں اجلال کو ذبح کے معنی باز غیر اللہ را بجائے بسم غیر اللہ ساختن میں لینا پھر غیر اللہ کو بسم غیر اللہ کے لکھتے قریب بتحریف کلام الہی میرسد اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف کے قریب پہنچتے (فتاویٰ عزیزی ص ۱۵۶)

یعنی جو ترجمہ اور مطلب مولف مذکور اور ان کے صدر الافاضل بیان کرتے ہیں وہ بقول شاہ عبدالعزیز صاحب کلام الہی کی تحریف کے قریب ہے مگر وہ دوسروں پر محرف ہونے کا بے بنیاد الزام لگاتے ہیں۔

الغرض حضرت شاہ صاحب اور ہمارے کسی کلام میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ مولف مذکور کو ناسب ہے کہ کہیں چند دن کسی صاحب علم استاد کے ہاں رہ کر عبادت فہمی کا سبق حاصل کریں اور یوں ہی زندگی جہالت میں نہ گزار دیں مولف مذکور نے تعارض کا نام تو کہیں پڑھ اور سن لیا ہے مگر اس کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں اور دوسروں کو دروغ گو بنکر جہالت تعلقی سے کام لے رہے ہیں اور عوف خدا سے بے فکر ہیں۔

بڑا مزہ ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ وہ مہنتوں سے کے چپ رہو خدا کے لیے ذبیحہ حرام ہونے کی صورتیں یہ عنوان قائم کر کے مولف مذکور لکھتے ہیں صدر الافاضل

کا جواب دیا اس کا ذکر بھی انشاء اللہ العزیز حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حالات ان کا علمی اور اخلاقی کے طور پر تجویز وغیرہ کے ذریعہ کے حرام ہونے کی رکن کمانی پھر دی ہے کیونکہ ذبیحہ حرام مرنے کی جتنی صورتیں مؤلف نے بیان کی ہیں ان کے علاوہ بھی بعض صورتیں حرام ہونے کی ہیں اگرچہ ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا گیا ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں۔

فلوان رجلاً مسلماً خنق شاة
وذكر اسم الله عليها لا تحل مع
الله ذكر اسم الله عليها وكذا
لو ذبح شاة على النصب من الانصاب
او على قبر من القبور وقصد به
التقرب الى صاحب القبر او
صاحب النصب وذكر اسم الله
عليها لا تحل بهذا النص الصحيح
ومدار كل ذلك على قصد التقرب
الى غير الله او تفسير الطريق
المشهور في الذبح من استعمال

کو اگر کسی مسلمان نے بکری کا گوشت کھنا اور اللہ تعالیٰ کا نام اس پر ذکر کیا تو وہ حلال نہیں مالاں اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے اور اسی طرح اگر کسی نے بتوں میں سے کسی بت پر یا قبروں میں سے کسی قبر پر بکری ذبح کی اور صاحب قبر اور جس کے نام پر بت ہے اس کا تقرب چاہا اور اللہ تعالیٰ کا نام یا تو اسی نص صریح کی وجہ سے وہ حلال نہیں اور مدان سب میں غیر اللہ کے تقرب کا قصد یا ذبح کے مشہور طریقہ کے تغیر پر ہے کہ ذبح کے وقت تیز آواز استعمال نہیں کیا گیا۔

الآلة المهددة ونحو ذلك الخ (فتاویٰ غزیری ص ۱۲۱)

مگر یہاں ذبیحہ کے حرام ہونے کی تمام صورتوں کا بیان کرنا مقصود نہیں مقصود صرف یہ ہے کہ وہاں اہل لہ لعل اللہ کا مصداق کیا ہے؟ آیا صرف وقت ذبح غیر اللہ کا (تہنیا محطت سے) نام لینا مراد ہے؟ یا وہ جانور بھی اس کی ذرا درمیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے مگر غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب اس میں ملحوظ ہو مجبوراً اور محققین اس صورت کو اس کا اولین مصداق قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر ابن جریر۔ تفسیر غزیری، تفسیر اکلید۔ در مختار۔ فتاویٰ برازیہ۔ مجموعہ فتاویٰ عبدالحی وغیرہ کے حوالے ہم نے تنقید متین میں دیے ہیں جن کا ذکر

یہک مؤلف نے ذکر نہیں کیا بغیر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے حالات ان کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ پہلے تمام عبارات کو باحوالہ نقل کرتے پھر ان کا جواب دیتے مگر یہ ان کے بس کا روگ نہیں صرف دفع الوقتی کرتے ہوئے مؤلفین کے زمرہ میں ٹانگ اڑا رہے۔

(۳) مؤلف نے ذکر کیا کہ تقرب علی وجہ العبادۃ کے طور پر غیر اللہ کی طرف نسبت ہو تو چونکہ وہ مرد کا ذبیحہ ہو جائے گا اس لیے وہ حرام ہے (محمل یعنی اگر تقرب علی وجہ العبادت نہ ہو بلکہ محض علی وجہ تعظیم ہو تو جائز حرام نہیں ہے اس میں مؤلف نے ذکر اپنی کم علمی کی وجہ سے ایک واضح غلطی کا شکار ہیں اس پر حصہ دوم صفحہ ۱۱۱ بحث ہو چکی ہے مگر ہم یہاں بھی قدسے تفصیل سے کلام کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں دو مسئلے ہیں ایک تقرب اور تعظیم غیر اللہ کا دوسرا غیر اللہ کی عبادت کا مؤلف نے ذکر ان دونوں کو گمراہ کر رہے ہیں حالانکہ یہ دو الگ الگ مسئلے ہیں اور ان کے فقہی احکام بھی جدا جدا ہیں اور حیرت ہے کہ یہ عبارت مؤلف نے ذکر کرنے (ص ۱۲۱ و ۱۲۲) میں خود نقل کی ہے لیکن مطلب سمجھ نہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ام نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۱۲۱ و ۱۲۲ میں نقل کی ہے)

واها الذبیح لغیر اللہ فالمراد
به ان یذبح باسم غیر اللہ
کمن ذبح للضم او للصليب
او لموسى وعلی علیہما السلام
او الکعبة ونحو ذلك فكل هذا
حرام ولا تحل هذه الذبیحة
سواء کان الذابح مسلماً او نصرانیا
او یهود یا نص علیہ الشافعی
واففق علیہ اصحابنا فان
قصد مع ذلك تعظیم المذبح

بہر حال غیر اللہ کے لیے ذبح سے مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے جیسا کہ بت یا صلیب یا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام یا کعبہ وغیرہ کے نام پر ہیں یہ سب حرام ہیں اور مذبح جائز حلال نہیں عام اس سے کہ ذبح مسلمان ہو یا نصرانی یا یہودی حضرت ام شافعی نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اس پر ہمارے اصحاب (شوافع) متفق ہیں اور اگر اس کے ساتھ مذبح غیر اللہ کی تعظیم اور عبادت کا بھی قصد کیا ہو تو یہ کھنڈ ہوگا۔ اگر ذبح

لغیر اللہ والعبادۃ لہ کان ذلک کفرًا فان الذایع مسلماً قبل ذلک صار بالذبح مرتدًا الخ (فتاویٰ غزوی ۳۲)

کرنے والا اس سے سے پہلے ممکن تھا اس ذبح کی وجہ سے مرتد ہو جائے گا۔

اس عبارت میں تصریح ہے کہ غیر اللہ کے لیے خواہ وہ بت ہو یا صلیب یا حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام یا کعبہ ذبیحہ حرام ہے علم اس سے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا نصرانی یا یہودی جیسا کہ امام شافعیؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اسی پر شوافع حضرات کا اتفاق ہے اس صورت میں ذبیحہ کو حرام قرار دیا گیا ہے اور ذبح اگر ممکن ہے تو اس کی تکفیر نہیں کی گئی گو اس کا لنگہ نہ ہونا اپنی جگہ پر ہے فان قصد مع ذلک سے لگے دوسری صورت بیان کی گئی ہے کہ غیر اللہ ذبح کرنے والے نے اگر نہ بوجہ غیر اللہ کی تعظیم اور عبادت کا قصد بھی کیا ہو تو یہ فعل کفر ہو گا اور ذبح جو پہلے ممکن تھا اب مرتد ہو جائے گا۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ ہی اگر کم ضیف اور تعظیم غیر اللہ کا فرق واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

والفارق انہ ان قد مہالیاً کل مہا کان الذبح للہ والمنفعۃ للضیف اولولیمۃ اوللشیخ وان لم یقدما لیاکل بل یدلعا لعیہ کان لتعظیم غیر اللہ فیحرم وهل یکفر قولان بزازیلہ وشرح وہبانیہ قلت وفی صید المنیۃ انہ لایکفر ولا یکفر لانا لا ذبی الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الذمی بهذا الخ وخواہ فی شرح الوہبانیۃ عن

ان میں فرق کرنے والی چیز یہ ہے کہ اگر بکری کو کھانے کے لیے پیش کیا گیا تو ذبح للہ ہو گی اور نفع مہمان کا یا ولیمہ یا ریح کی مہکا ہو گا اور اگر بکری کھانے کے لیے نہ پیش کی گئی بلکہ غیر کی نعمت میں پیش کی گئی تو یہ تعظیم غیر اللہ کے لیے ہے جو حرام ہے اور کیا ایسا کرنے والا کافر ہو گا اس میں دو قول ہیں جیسا کہ بزازیلہ اور شرح وہبانیہ میں ہے اور مینیہ کے باب الصيد میں ہے کہ نہ تو یہ مکروہ ہے اور نہ فاعل کافر ہے کیونکہ ہم مسلمان کے خلافت یہ مانگنا نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے آدمی کا قریب چاہتا ہو گا اور

الذخیۃ ونظمہ فقال وفاعلہ جہودہم و قال کافر وفضل واسماعیل یس یکفر۔

ہکذا فی مطالب المؤمنین والاشباہ والنظائر وفی الحدیث لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ رواہ احمد وایضاً ملعون من ذبح لغیر اللہ رواہ البوہاء وفی عنرائب ابو عیینہ وبستان الفقہ وکنز العباد انہ لا یجوز ذبح البقر والغنم عند القبور لقولہ علیہ السلام لا یعقر فی الاسلام یعنی عند القبور ہکذا فی سنن ابی داؤد و ہکذا لا یجوز علی البتاء الجدید وعند شری الدار لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم منی عن ذبائح الجن بناء علی انہم یموتون فابطل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومنی عنہ

(فتاویٰ غزوی ۳۲)

اسی طرح شرح وہبانیہ میں ذبیحہ سے قتل کیا ہے اور اس کو نظم بھی کیا ہے سو کہتا ہے کہ جہودہم کرم فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے والا کافر ہے اور امام فضلؒ اور اسماعیلؒ فرماتے ہیں کہ کافر نہیں ہے۔ اسی طرح مطالب المؤمنین اور الاشباہ والنظائر میں ہے اور شاہ احمد کی حدیث میں آتا ہے کہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والا ملعون ہے اور غرائب ابی عبیدہ بتان الفقہ اور کنز العباد میں ہے کہ لگائے اور بھیڑ بکری کا قبور کے پاس ذبح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے لا یعقر فی الاسلام یعنی قبر کے پاس ذبح کرنا جائز نہیں اسی طرح سنن ابی داؤد میں ہے اور اسی طرح فی عمارت اور مہکان خربہ نے کے موقع پر بھی ذبح جائز نہیں ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنوں کے لیے ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے کہ اس طرح لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے سو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کاروائی کو باطل قرار دیا اور اس سے منع فرمایا۔

اس عبارت میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اگر کم ضیف میں مہمان کو گوشت کھلانا

ہونے پر اہل کریم تو ایسے ہم خود شاہ صاحب کی عبارت سے ثابت کئے جیتے ہیں کہ کفر کا مدار عبادت کے اعتقاد پر ہے البتہ اگر وہی عبارت نقل کی جو ہم فتاویٰ عزیزی کے حوالہ سے ابھی اوپر نقل کر چکے ہیں اور بفضل اللہ تعالیٰ ہم علامہ شامی کا پورا حوالہ اسی کتاب میں پہلے عرض کر چکے ہیں وہاں ہی ملاحظہ کر لیا جائے۔

مولف مذکور اپنی کم علمی یا کج روی کی وجہ سے تقرب کی دو قسمیں بنا رہے ہیں ایک تقرب علی وجہ العبادت اور ایک مطلق تقرب اول کو وہ حرام قرار دیتے ہیں اور دوم کو حلال اور طیب اور بزم خویش حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارتوں کو اول قسم پر حمل کر رہے ہیں جیسا کہ خط کشیدہ عبارت سے عیاں ہے مگر یہ مولف مذکور کی نادانی ہے حضرت شاہ صاحب مطلقاً تقرب بغیر اللہ کو ہی شرک قرار دیتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانور کو نامزد کرنا ہی اس کی حرمت کے لیے کافی ہے۔ واللہ کہ کوئی شخص غیر اللہ کی نامزدگی ہی سے آسب ہو جائے تو پھر معاملہ جدا ہے حضرت شاہ صاحب اہلال کے معنی میں ذبح کے معنوم کو کہتے ہی نہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

اُہل کو ذبح کے معنی میں بنا لغت اور عرف کے خلاف ہے اہلال کا معنی لغت عرب میں اور اس وقت کے عرف اور اس وقت کے مجاہدہ میں ذبح کے نہیں آیا اور نہ کسی شعر اور کسی عبارت سے یہ ثابت ہے بلکہ اہلال کے معنی لغت عرب میں اور مجاہدہ کرنے اور شہرت دینے کے ہیں چنانچہ اہلال اہلال اور استدلال نو مولود کے کو ذبح اور اہلال تیسرا ج وغیرہ میں متعل ہے اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اُہلک لہ تو اس سے ہرگز ذبحت لہ بخیرہ نخواستہ و نیز اگر اہل راہر ذبح حمل

اُہل راہر ذبح حمل کردن خلاف لغت و عرف است ہرگز اہلال در لغت عرب و عرف آن دیار و آن وقت بمعنی ذبح نیامدہ در تیج شعر و بیج عبارت بلکہ اہلال در لغت عرب بمعنی بلند کردن آواز و شہرت دادن است چنانچہ اہلال اہلال استدلال طفل نو تولد و اہلال بمعنی تبلیغ حج و غیر ذلک متعل است و اگر کہے بخیرہ اہلک لہ ہرگز بمعنی ذبحت لہ بخیرہ نخواستہ و نیز اگر اہل راہر ذبح حمل

مقصود ہوتا ہے اور تعظیم بغیر اللہ میں اس کو گوشت دینا مقصود نہیں ہوا گوشت کے مزے کوئی دوسرے ہی اڑانا ہے اس کی صرف تعظیم ہی مقصود ہوتی ہے اس کے حرام ہونے میں تو حضرات فقہاء کرام کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہاں ایسا کرنے والے کی تکفیر یا عدم تکفیر میں اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء کرام اس کی تکفیر کرتے ہیں اور امام فضلؒ اور اسماعیل اس کی تکفیر نہیں کرتے اب سوال یہ ہے کہ کیا مولف مذکور اور اس کی جماعت کے نزدیک غیر اللہ کی عبادت کرنے والے کی تکفیر میں بھی کوئی تردد یا اختلاف تھا کرامؒ ہوتا ہے؟ یا ہو سکتا ہے؟ اور نیز کوئی مسلمان جنات کی عبادت کا تصور بھی نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے لیکن اس عبارت میں تصریح ہے کہ نہ کسی عبادت بناتے وقت یا مکان خریدتے وقت جنات کے ضرر سے بچنے کے لیے اور ان کی خوشنودی اور تعظیم کے لیے جانور ذبح کرنا بھی ممنوع ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنات کی خاطر ایسے ذبیحے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس طرح ان کی تعظیم ہوتی ہے اور اسی طرح قبور کے پاس ذبح کرنے سے بھی منع فرمایا جس میں مقصد یہ ظاہر صرف تعظیم ہے نہ کہ عبادت غرضیکہ تعظیم غیر اللہ اور عبادت غیر اللہ کو گناہ مذکورہ علمی طور پر درست نہیں اور دونوں صورتوں میں جانور حرام ہو گا ہاں عبادت کی صورت میں یہ فعل بالاتفاق کفر ہو گا اور تعظیم کی صورت میں جمہور فقہاء کرام کے نزدیک کفر ہو گا اور بعض کفر کے فتوے سے گریز بھی کرتے ہیں ہم نے متعینہ صلاۃ میں در مختار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کسی بڑے آدمی کی آمد پر جو جانور ذبح کیا جاتا ہے گو اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جائے وہ حرام ہے کیونکہ اس میں اس کی تعظیم مقصود ہے حالانکہ کسی بھی مسلمان کے ذہن اور خیال میں کسی بڑے آدمی یا بادشاہ کی عبادت نہیں ہوتی صرف اس کی تعظیم ہی مطلوب و مقصود ہوتی ہے مولف مذکور نے صلاۃ میں جو یہ کہا ہے کہ علامہ شامیؒ نے تصریح کی ہے کہ محض تقرب علی وجہ العبادۃ ہے چنانچہ در مختار نے مطلقاً تقرب کا ذکر کیا تو شامیؒ نے اس کو علی وجہ العبادت سے متعین کیا دیکھیے شامیؒ میں ہے اے علی وجہ العبادۃ لانہ المعتمد (رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۳) یعنی تقرب علی وجہ العبادۃ کیونکہ یہی کفر ہے علامہ شامیؒ کی تصریح کے بعد بھی اگر سرفراز صاحب مطلق تقرب کے وجہ کفر و شرک

کر دے شود پس ذبح بغیر اللہ مراد خواہ شد
ذبح باسم غیر اللہ از کجا نفیہ شود تا مد طے
ایں مردم حاصل شود پس دریں عبادت
اہل اہل را معنی ذبح گرفتہن باز بغیر اللہ را بجائے
باسم غیر اللہ ساختن قریب بتحریت کلام الہی
میرسد اور فقہاء عزیزی ۵۶۹ و تغیر عزیزی ۵۷۰
سورہ بقرہ)

اس عبارت میں تصریح موجود ہے کہ اُھل کے معنی ہی نامزد کرنے اور شہرت دینے کے ہیں ذبح کرنے کے اور حضرت شاہ صاحب ہی تحریر فرماتے ہیں کہ

قولہ تعالیٰ وما اھل بہ لغیر اللہ
یعنی دیگر آن جانور کہ آواز بر آوردہ شد و
شہرت دادہ شد در حق آن جانور کہ بغیر اللہ
یعنی برائے غیر خداست خواہ آن غیر نبوت
باشد یا در حقیقت کہ بطریق بھوک بنام
او بہندہ خواہ جنے مسلط بر خانہ یا سرا کہ
بدون دادن جانور از اندائے سکنہ آسجھا
دست بردار نشود یا توپ را در اندکھون
نذہ خواہ ہیرے یا پیرے را بایں وضع
جانور سے نذہ مقرر کردہ دہندہاں ہمہ حرام
است اور حدیث صحیح وارد شدہ کہ ملعون
من ذبح بغیر اللہ یعنی ہر کہ بذبح جانور تقرب
بغیر خدا نماید ملعون است خواہ وقت ذبح

نام خدا بگیرد یا نہ زیرا کہ چون شہرت داد کہ
ایں جانور برائے خدان است ذکر نام خدا
وقت ذبح فائدہ بخود چہ آن جانور منسوب
بآن غیر گشت و بخشے و رو پیدا شد کہ زیادہ
از خبث مردار است زیرا کہ مردار بے ذکر
نام خدا جان دادہ است و جان ایں جانور
را از آن غیر خدا قرار دادہ کشتہ اند و آن عین
شرک است و ہر گاہ ایں خبث دروے
شہرت کرد بذكر نام خدا حلال نمی شود مانند
سگ و خوک کہ اگر بنام خدا مذکور شود حلال
نمی گردد و نہ و نہ ایں مسند است کہ جان را برائے
غیر جان آفرین نثار کردن درست نیست
و ماکولات و مشروبات و دیگر اموال را نیز اگر چہ
از راہ تقرب بغیر اللہ دادن حرام و شرک
است اور فتاویٰ عزیزی ۵۶۹ و تغیر عزیزی ۵۷۰

کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے یا نہ لے کیونکہ
جب یہ شہرت دی گئی کہ یہ جانور فلاں کے
لیے ہے تو ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام
لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ وہ جانور غیر کی
طرف منسوب ہو گیا اور ہمیں ایسی خباثت پیدا ہو گئی
جو مردار کی خباثت سے زیادہ ہے کیونکہ مردار نے
تو اللہ تعالیٰ کے نام کے بغیر جان مے دی۔ اور
اس جانور کو بغیر خدا کے نام پر نامزد کر کے ذبح کیا
ہے جو عین شرک ہے اور جب تک کہ اس خباثت نے ہمیں
میں شہرت کی تو اللہ تعالیٰ کے نام سے وہ حلال
نہ ہوگا جس طرح کتے اور خنزیر کہ اگر ان کو بسم اللہ
پڑھ کر ذبح کریں تو حلال نہیں ہوتے اور حقیقت
اس مسند کی یہ ہے کہ جان کو جان آفرین کے سوا
کسی اور کے لیے قربان کرنا درست نہیں ہے۔ اور
ماکولات و مشروبات اور دیگر اموال کو بھی اگر چہ
غیر اللہ کے تقرب کے لیے دنیا حرام اور شرک ہے الخ

اس مفصل عبارت میں بھی حضرت شاہ صاحب نے جانور کے حرام ہونے کی علت بغیر اللہ کے
نام پر جانور کو شہرت دینا اور نامزد کرنا قرار دیا ہے جس میں مطلقاً بغیر اللہ کے تقرب کو ملحوظ رکھا ہے
نہ کہ علی وجہ العبادت کو اور فرماتے ہیں کہ بغیر اللہ کے نام پر نامزد کرنے اور شہرت دینے کے بعد
ذبح کے وقت وہ جانور اللہ کا نام لینے سے بھی حلال نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔

مٹئے فلاں یکنہ بیچ فائدہ نمی کند و گوشت
آن جانور حلال نمی گردد۔ الخ
دقادی عزیزی ۵۱۱ و تفسیر عزیزی ۵۱۱
اور نامزد ہے ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ
کا نام لینے کا قطعاً کوئی فائدہ نہیں ہے اور گوشت
اُس جانور کا حلال نہ ہوگا۔

مؤلفت مذکور حضرت شاہ صاحب کی ان مفصل عبارات کو بخیر سے بار بار پڑھیں یا کسی قابل
استاد سے سمجھنے کی سعی کریں کہ حضرت شاہ صاحب نے جانور کی حرمت کی علت کس چیز کو قرار دیا
ہے؟ مطلق تقرب و تعظیم غیر اللہ کو یا تقرب علی وجہ العبادۃ کو؟ اور حضرت شاہ صاحب کی عبادت
میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ موزی جہات سے جان بچھڑانے کے لیے جانور ذبح کرنا بھی وہا
اھل کی تفسیر میں شامل ہے حالانکہ موزی جہات کی عبادت کوئی بھی نہیں کرتا مقصد تو صرف
ان کی شر سے بچنا ہے کما لا یخفی اور نیز حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

ذبح کردن جانور بنام غیر خدا و خواہ غیر باشد
خواہ ولی خواہ شدید خواہ غیر ان حرام
است و اگر بر قصد تقرب بنام اینها
ذبح کرده باشد ذبح آن جانور ہم حرام و مردار
میشود و ذبح کنندہ مرتد میشود تو بہ ازیں
فعل منع لازم است اھ (فادی عزیزی ۵۱۱)
غیر خدا کے نام پر جانور ذبح کرنا خواہ وہ غیر بظہیر
ہو یا ولی یا شدید یا خواہ غیر انسان ہی ہو حرام ہے
اور اگر ان کے ناموں کے تقرب کے قصد سے
جانور ذبح کیا گیا ہو تو وہ مذبح جانور حرام و مردار
ہوگا اور ذبح کرنے والا مرتد ہو جائے گا اور اس
ممنوع فعل سے اس کو توبہ کرنی لازم ہے۔

اس سے ثابت اور معلوم ہوا کہ جانور کی حرمت کی علت تو تقرب غیر اللہ ہے کائنات
من کان اور مرتد ہوا اس کا نتیجہ اور حکم ہے جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ سے بالکل عیاں ہے۔ حضرت
شاہ صاحب خود تصریح فرماتے ہیں کہ جب تک وہ شخص اپنی اس بُری نیت سے توبہ نہ کرے
وہ جانور حلال نہیں ہو سکتا چنانچہ ان کا ارشاد یہ ہے۔

اگر سے ذکر نام خدا براں جانور وقتے فائدہ
میدہ کہ قصد تقرب غیر خدا از اول در کردہ
و خلاف آن شرت و آواز دیگر دہ کہ مایز
ہاں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر اس وقت فائدہ
دیتا ہے کہ غیر خدا کے تقرب کے قصد اور ارادہ کر
دل سے نکال دے اور اس کے خلاف شرت

کار برگشتیم۔
دقادی عزیزی ۵۱۱ و تفسیر عزیزی ۵۱۱
اور آواز اس کی بلکے کہ میں اس (ممنوع) کا ذائقہ
سے باز آیا ہوں۔

حضرت شاہ صاحب کی ایسی صاف اور واضح عبارات کی موجودگی میں ایسی سابق سبباً و محمولاً ملوثی
طرح پینے نہیں کے اختراعی معانی پر محمول کرنا کسی دیانت دار اور خدا خوف عالم کا کام نہیں ہے۔
الغرض حضرت شاہ صاحب مطلقاً غیر اللہ کے تقرب کو حرمت کی وجہ قرار دیتے ہیں اور اسی کو
عین شر کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرنے سے بھی وہ اس جانور کی حلت کے قائل
نہیں ہاں کھلے بندوں توبہ کرے تو عبادات ہے۔

ایہاں تک بحث اس بات پر پہنچی تھی کہ حضرت شاہ صاحب مطلق تقرب کو
ارحار عنان حرمت کی علت قرار دیتے ہیں اس کی دو قسمیں نہیں کرتے جیسا کہ مؤلف مذکور
نے دو قسم بنا کر پینے اور اپنی جماعت کے پیٹ کے لیے گوشت خوردی کا چور و رازہ دار رکھا ہے
ناکہ داشتہ آمد بکار۔ اب ہم یہ بات عرض کرتے ہیں کہ چلیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب
جانور کی حرمت کی علت تقرب علی وجہ العبادۃ قرار دیتے ہیں تو پھر بھی اللہ العزیز بیخ ہمارے ہی
ہوگی نہ کہ مؤلف مذکور کی ہم خود حضرت شاہ صاحب سے عبادت کا معنی اور جس مقصد کے لیے عبادت
کی جاتی ہے عرض کرتے ہیں۔

وجہ اختصاص عبادت بآن ذات پاک
آنست کہ حقیقت عبادت نہایت تذل
است برائے نہایت تعظیم غیر خود چون بختیار
صا ورتو پس تذل تجبری و متعبر و تعظیم
کم تر از نہایت آن عبادت نمی شود و همچنین
چون تذل باضطرا باشد نیز در عبادت
محبوب نیست و حقیقت عبادت بالارہتہ
یاقت آن مذکور کہ برائے کے کردہ شود
عبادت کے اللہ تعالیٰ کی ذات سے مختص ہونے
کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ
پنہ اختیار سے اپنا انتہائی تذل اور غری انتہائی
تعظیم کی جائے پس غیر اختیاری تذل اور تسخر کا
تذل اور کم تعظیم والا تذل اس عبادت کی حد
میں شامل نہیں ہے اور اسی طرح مجبوراً تذل بھی
عبادت میں شمار نہیں ہے اور براہتہ عبادت
کی حقیقت اس کی یاقت نہیں رکھتی کہ کسی

بالا برائے کے کہ اذوائے نہایت انعام ہوں
کس سیدہ باشد و آن ذات نیت منور
ذات اوتعالیٰ در تعظیم نری سورۃ بقرہ منور
اس عبارت میں حضرت شاہ صاحب نے عبادت کا معنی بیان کیا ہے کہ اپنے اختیار کے
ساتھ کسی چیز کی انتہائی تعظیم کرنا اور اپنے آپ کو اس کے مقابلہ میں انتہائی کمزور سمجھنا۔ اور جس مقصد
کے لیے عبادت کی جاتی ہے اس کا ذکر حضرت شاہ صاحب یوں کرتے ہیں کہ۔

و نیز آنچه ماسوی اوتعالیٰ است میکن و فحیر
یعنی محتاج بجناب اوست و ہر محتاج بحاجت
نفس خود گرفتار است پس اور فائدہ بغیر
رسانیدن بے اند غنی مطلق نمی تواند شد و غنی
مطلق کہ رافع حاجات ہر مخلوق است ہماں
ذات مقدس است پس استحقاق عبادت
مختصر در ذات اوست و لہذا فرمودہ اند و
قضی ربک اللہ فعبدوا لہ رایتا
(تفسیر عزیزی سورۃ بقرہ ص ۳)

اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ ساری مخلوق کا شکل کٹ اور فریاد رس چونکہ صرف اللہ
تعالیٰ ہی ہے اور سب کائنات کا حاجت روا صرف وہی ہے اس لیے اس کے بغیر کوئی اور
عبادت کا مستحق ہی نہیں ہے۔ اب سمجھئے کہ جو شخص غیر اللہ کا تقرب علی وجہ العبادۃ حاصل کرتا ہے
تو گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو انتہائی تعظیم والا سمجھ کر اور اس کے مقابلہ میں اپنے آپ کو
بے حد کمزور قرار دیکر اس سے حاجت طلب کرتا ہے اور یہی بات روح شریعت کے لحاظ
سے عین شرک اور خالص شرک ہے اور جب بھی کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر جانور وغیرہ کو نامرز
کر کے اس کا تقرب علی وجہ العبادۃ چاہے گا تو گویا اس سے جلتی منفعت اور دفع مضرت کی

امید و بستر کی اور جانور کو اس طریقہ سے اور اس طور سے اس کی طرف منسوب کرنے ہی سے اس
میں خجست آگیا اور جب تک وہ اس بد ارادہ سے باز نہیں آئے گا تو اس جانور کا جنت موزنیں
ہوگا بسم اللہ کہ ذکر کرنے سے بھی وہ حلال نہیں ہوگا جیسا کہ کتا اور خنزیر حلال نہیں ہوتا اس
لحاظ سے بھی بالمال تقرب علی وجہ العبادۃ ایک ہی قسم اور فرد میں منحصر رہیگا یہ نہیں کہ اس کی دوستیں
ہو جائیں ایک علی الوجہ عبادت ہو کہ حرام اور کفر ہو جائے اور دوسری قسم جائز ہے جیسا کہ مولف
مذکور کا باطل دعویٰ ہے۔ باقی رہا ایصال ثواب اور کرام ضعیفہ وغیرہ کی صورتیں تو وہ تقرب
کی مد میں ہرگز داخل نہیں ہیں وہ بالکل الگ ہیں تقرب بغیر اللہ کو اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا ہے
چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ
أُولَئِیَہٗ مَا عَبَدُھُمْ لَا
لِیَقْرَبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ ذَلٰلًی
(پ ۲۳۔ الزمر۔ مکرر ۱)

اور من دونہ میں صرف بت ہی شامل نہیں جیسا بعض اہل بدعت نے یہ سمجھ رکھا
ہے اس میں پیر وغیرہ اور جنات بھی داخل ہیں جیسا کہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں گذر چکا
ہے کہ غیر اللہ میں بت۔ جن۔ پیر۔ اور غیر وغیرہ بھی شامل ہیں غرضیکہ تقرب بغیر اللہ سے مراد اہل
تقرب ہے جس سے مافوق الاسباب طریقہ پر امید و بیم والہ ہو نہ کہ لغوی تقرب جیسا کہ مولف
مذکور نے ص ۲۱ میں ذوی القربیٰ اور اللہ المصودۃ فی التفسیر نقل کر کے رشتہ داروں کی قرابت
کو سامنے لا کر مغلطہ کیا اور عوام انسان کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مومنہ کبھی بھی غیر اللہ
کے سامنے نہیں جھکتے اور نہ ان سے مافوق الاسباب طریقہ سے استعانت چاہتے ہیں۔

مومنہ وہ جو غیر اللہ کے آگے نہیں جھکتے وہ پیشانی پر دارغ شرک لگوا یا نہیں کرتے
یہ بخوان قائم کر کے مولف مذکور نے جو کچھ کہا
شاہ عبدالعزیز صاحب اور نیا شہ کے جانور

غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے ان کے خود مختار مسک کی تائید میں وافر مواد جمع کر دیا ہے چنانچہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد کیے جلتے ہیں۔ ان کی حرمت یہ یوں لوگ ہمیشہ شاہ صاحب کی عبارات سے استنباط کرتے ہیں غلام اہل سنت ان کی غلط فہمی کو بار بار رفع کر چکے ہیں لیکن یہ ضدی طائفہ ہمیشہ ان عبارات کو لے کر سامنے آجاتا ہے جیسے یہ عباراتیں لا جواب رہی ہوں انصاف و دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ سر فراز صاحب ان پٹے ہوئے مرد کو آگے بڑھانے سے پہلے کچھ احساب و بیانی کر دیتے اور اہل سنت کے غلام نے ان عبارات کے جوابات دیے ہیں ان کو پیش کر کے ان پر تبصرہ کرتے بہر حال اب چونکہ انہوں نے یہ مسئلہ چھیڑ ہی دیا ہے اس لیے اب ہم بھی ذرا اس پر کھل کر گفتگو کریں گے۔
(مخلصہ سیرت ص ۲۹)

الجواب: در علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے جو مسک اختیار کیا ہے وہ قرآن کریم صحیح لکھتے حضرات فقہاء کرام اور مفسرین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا بیان کر دے اور صحیح اسلامی مسک ہے اس کو اختراعی قرار دینا صرف اہل بدعت ہی کا کام ہے اور انشاء اللہ العزیز یوم تسود وجوہ کے موقع پر اس کی حقیقت بالکل آشکار ہو جائے گی اور سمجھنا اللہ تعالیٰ دیوبند علماء حق کی طرح حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی اس حق مسک کی تائید میں ایک خاص اور نوکھے طریقے سے تفسیر عزیزی اور فتاویٰ عزیزی وغیرہ میں کافی اور وافر علمی مواد جمع کیا ہے جو بحکمہ اللہ تعالیٰ تازہ روز لا جواب ہے بزعم خود اہل بدعت نے ان عبارات کے جو جوابات دیے ہیں وہ سورج کے سامنے وقت و پھر ٹٹا آجواغ جلانے کے مترادف ہے اور کوئی عقلمند ان لایعنی اور بیہودہ جوابات سے ہرگز ہرگز مطمئن نہیں ہو سکتا خود مولف مذکور نے جو بزعم خویش اور بدعتیں غیر اس وقت اہل بدعت کے طائفہ کے وکیل اعظم بنے ہوئے ہیں یقیناً اس تصنیف کے وقت اپنے اکابر کے وہ ہوائی اور لایعنی جوابات ضرور دیکھے ہوں گے جن کا بکا وہ حوالہ دے رہے ہیں مگر انہوں نے بھی اپنی علمی پٹاری سے وہ نہیں نکالے تاکہ ان کا تانا بانا نظر آجائے اور ان جوابات کی روشنی میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس کا شہر بھی قارئین کرام سے مخفی نہیں ہے کہ کیا ہوا ہے

اعرض ہمارے ذمہ قطعاً کسی کا قرض نہیں ہے لہذا سابق حساب و بیاق کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہیں کیا مصیبت پڑی ہے کہ ہم ان کے بالکل بے وقت اور بے وزن اور بے جان و ناکل کو نقل کرتے اور پھر ان میں جان ڈالتے اور پھر ان کے رد کرنے پر قیمتی وقت صرف کرتے اور محنت میں ان پر تبصرہ کرتے کیونکہ ان کی کوئی بھی بے جان دلیل ان کے بے بنیاد و دعویٰ کو ثابت نہیں کرتی۔

نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغیاں اپنا بنایا آہ کس گش میں ہم نے آشیاں اپنا مولف مذکور لکھتے ہیں کہ سر فراز صاحب نے تفسیر عزیزی سے جو عبارات پیش کی ہیں ان کا کچھ حصہ تو اہل کے معنی سے متعلق ہے کہ اس کا معنی ذبح نہیں بلکہ آواز دینا اور شہرت دینا ہے اور یہ کلام خارج از بحث ہے کیونکہ صدر الافاضل نے اہل کا معنی ذبح نہیں کیا۔ ہم ان کی نقل کر دہ عبارت کا وہ حصہ پیش کرتے ہیں جو موضوع سے متعلق ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ خواہ پیر وغیرہ کے نام زندہ جانور مقرر کر دیں کہ یہ سب حرام ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو واسطے تقرب غیر اللہ کے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے (تفسیر عزیزی اردو ص ۲۸)

اور شاہ صاحب ہی تحریر فرماتے ہیں کہ اس واسطے جب شہرت کر دی کہ جانور فلاح کے واسطے ہے تو وقت ذبح کے خدا کا نام غید نہ ہو گا الی قولہ حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جان واسطے غیر جان پیدا کرنے والوں کے نام نیا کرنا درست نہیں ہے اور کھانے پینے کی اور چیزیں اور مال بھی تقرب لغیر اللہ کے واسطے دینا حرام اور شرک ہے۔

(تفسیر عزیزی ص ۲۸)

شاہ صاحب نے اس ذبیحہ کے حرام ہونے کی دو مستقل وجہیں بیان کی ہیں۔
(۱) تقرب غیر خدا (۲) جان کو جان پیدا کرنے والے کے غیر کی طرف منسوب کرنا۔ پہلے ہم تقرب پر گفتگو کرتے ہیں۔ گزارش ہے کہ شاہ صاحب نے ذبیحہ کے حرمت کی علت اس تقرب کو قرار دیا ہے جو تقرب شرک ہو۔ چنانچہ فرمایا اور یہ عین شرک ہے اور

ہونے کی جو دو وجہیں بیان کی ہیں یعنی تقرب غیر خدا اور جان پیدا کرنے والے کے غیر طرف منسوب کرنا اس پر بقدر ضرورت باحوالہ بحث پہلے عرض کی جا چکی ہے اعادہ کی حاجت نہیں۔ (۵) مؤلف نے تقرب کی جو دو قسمیں بنا کر ایک کو شرک اور دوسری کو جائز قرار دیا ہے یہ اُن کی نرمی و جہالت ہے کیونکہ یہاں لغوی اور عرفی تقرب کی بات نہیں ہو رہی جس کے لیے انہوں نے خواہ مخواہ ذوی القربیٰ اور الا المودۃ فی القربیٰ کا حوالہ دیا ہے یہاں فقہی طور پر تقرب علیٰ درجہ التعظیم اور علیٰ درجہ العبادۃ کا ذکر ہو رہا ہے غلط سمجھ اہل علم کی شان کے خلاف ہے مگر جس کو صرف دجل و تبیس سے اپنی گاڑی چلانا مقصود ہو تو اس کا معاملہ ہی الگ ہے۔ مؤلف نے ذکر کی قارئین کرام پر یہ بڑی مہربانی اور احسان ہے کہ انہوں نے قرب کے مادہ سے قارب (چھوٹی کشتی) قربان (جماع) اور قارب (توڑ کا نیام) اور قارب (مشک) وغیرہ ذکر نہیں کر دیے در نہ معاملہ طول پھیل جاتا، کیونکہ قرب کے مادہ سے یہ الفاظ بھی تو مشتق ہیں۔

(ملاحظہ ہو صراح مشک وغیرہ)

قارئین کرام نے بخوبی اندازہ لگایا ہو گا کہ مؤلف نے ذکر جب گو اور مکرزی بات کے جواب دینے سے ناجواب ہو جاتے ہیں اور چپ رہنا بھی گوارا نہیں کرتے کیونکہ ملاں اُن مسئلہ کو چپ نہ شود تو بالکل غیر متعلق باتیں درمیان میں لا کر ان کی اوٹ میں پناہ لیتے ہیں مگر بفضلہ تعالیٰ ملتی پھر بھی نہیں ہے۔ اور علمی تعلق اس پر سزا دے جسکی حقیقت سب کے زیادہ ہیں۔ خودی کو ترک کر بندہ خودی بزرگ کو ہے خودی ایسے نے کی تھی بتا سکو یا کیا ہے؟ (۶۱) علامہ شامی کی مفصل عبارت اور اس کا مطلب پہلے عرض کیا جا چکا ہے (۱) فتاویٰ غزینی کے حوالے سے نقل کردہ عبارت واصل الذبیح کا جواب اور تشریح بھی پہلے گذر چکی ہے اور اس عبارت میں تعظیم المذبح لغیر اللہ کا ذکر جدا ہے اور اوّل عطف کے ساتھ جو عبارت کے لیے ہے والعبادۃ لہ کا ذکر جدا ہے اور حضرت شاہ صاحب دونوں صورتوں کو کفر قرار دیتے۔ تقرب کے طور پر تعظیم لغیر اللہ کو بھی اور عبارت کو بھی۔ مگر حیرت ہے کہ مؤلف نے ذکر اور عبادت کا بھی قصہ کیا پر تو خط کشید کر کے قارئین کرام کے لیے اُسے اُجاگر کیا ہے۔ مگر

مطلقاً تقرب الی غیر شرک نہیں در نہ ذوی القربیٰ جن سے قرابت کا تعلق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے شریک قرار پائیں اور یہ باہتہ باطل ہے در نہ لازم آئے گا کہ ذوی القربیٰ اور الا المودۃ فی القربیٰ میں اللہ تعالیٰ کے شرک سے احسان اور مودت کی تعلیم دی گئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مطلقاً تقرب الی غیر شرک نہیں بلکہ تقرب من حیث العبادۃ شرک ہے۔

اس کے بعد مؤلف نے ذکر کرنے علامہ شامی کی عبارت ذکر کی ہے جس کا تذکرہ ہو چکا ہے پھر فتاویٰ غزینی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہم شاہ صاحب کی عبارت سے ثابت کیے شیعہ ہیں کہ کفر کا مدار عبادت کے اعتقاد پر ہے پھر واصل الذبیح لغیر اللہ سے لے کر فان قصد مع ذلك تعظیم المذبح لغیر اللہ والعبادۃ لہ كان ذلك كفراً فان كان الساجد مسلماً قبل ذلك صار بالذبیح مسلماً (فتاویٰ غزینی ص ۲۲) ہم عبارت نقل کر کے لکھا ہے۔ دیکھئے اس عبارت میں شاہ صاحب نے تصریح کر دی کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کے نام سے ذبح کرے تو شرک نہیں شرک تب ہو گا جب تعظیم کے ساتھ عبادت غیر اللہ کا قصد بھی کرے پس ثابت ہو گیا کہ کفر و شرک کا مدار قصہ عبادت غیر اللہ ہے کیونکہ اس قصہ سے وہ مرتد ہو گیا اور مرتد وقت ذبح خدا کا نام لے یا نہ لے وہ کفر اور فتنہ کی طرح حرام ہے مگر خوب یاد رکھیے کہ ذبیحہ کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرتد کا ذبیحہ ہے چنانچہ اسی جائز کو کوئی مسلمان شرائط کے ساتھ ذبح کرے تو یہ خالص حلال و طیب ہے اور اس میں رقی برابر شک نہیں ہے۔ (محملہ ص ۲۳ تا ۲۴)

الجواب مؤلف نے ذکر کیا ہے جو کچھ بھی لکھا ہے ان کو مفید نہیں اس لیے کہ (۱) اُجل کا معنی خود ان کے صدر الافاضل نے ذبح کے لیے ہیں جیسا کہ پہلے باحوالہ گذر چکا ہے لہذا اس کو خدا جن روز بحث قرار دے کر جان چھڑانا اپنی جہالت کا اظہار ہے (۲) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے نزدیک غیر اللہ کے نام پر تقرب کے طور پر جانور کو نامہ دکرنا بھی اس کی حرمت کی اصل وجہ ہے کائنات (۳) کیونکہ جان واسطے غیر جان پیدا کرنے والے کے دینا جائز نہیں ہے اور یہی تقرب لغیر اللہ ان کے نزدیک حرام اور شرک ہے (۴) حضرت شاہ صاحب نے حرام

تعلیم غیر اللہ کو بالکل پی گئے ہیں حالانکہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں دونوں کا صریح ذکر ہے نہ معلوم یہ کون سی دیانت ہے؟ ان کے لیے مناسب ہے کہ داؤد عطف کا مطلب بھی کسی فنی استاد سے سمجھ لیں تاکہ غور نہ کھیا کریں اور علمی میدان میں رسوائی نہ ہو۔

گورہ کو قریہ بہ قریہ داغ رسوائی بلا راہ میں جو بھی بلا تیرا شک کی ہی بلا۔

(۷) مان لیا کہ حضرت شاہ صاحب تعلیم غیر اللہ اور عبادت غیر اللہ دونوں کے مرتکب کو کافر اور مشرک قرار دیتے ہیں اور اس کے ذبیحہ کو مرتد کا ذبیحہ قرار دیتے ہیں لیکن اس قصہ کے بغیر محض غیر اللہ کے لیے نامزد کئے ہوئے جانور کو بھی تو حرام کہتے ہیں فکل هذا حرام گوزان کافر نہ ہی گنہگار ہی ہی لیکن اس کا ذبیحہ بھی تو بہر کیف حرام ہے اور مؤلف مذکور نیز اس کو حلال و طیب قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں مرقی بھر شک نہیں لاجل ولا قوۃ الا بالہ

(۸) حضرت شاہ صاحب تو یہ فرماتے ہیں کہ جب ہم اپنی بدینیت سے وہ شخص قرب نہ کرے وہ جانور حرام ہے جیسا کہ پہلے خود ان کے حوالے سے گزر چکا ہے مگر مؤلف مذکور کہتے ہیں کہ اسی جانور کو کوئی اور ممکن شرائط کے ساتھ ذبح کرنے تو یہ خالص حلال و طیب ہے الخ

الغرض حضرت شاہ صاحب کا رخ کعبہ کی طرف ہے اور مؤلف مذکور کا یہاں سے مشرق کی طرف لیکن وہ پھر بھی اپنے آپ کو حضرت شاہ کا پیرو اور ان کو اپنا مصدق گردانتے ہیں ہم ان منطلق کو نہیں سمجھ سکے یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ مؤلف مذکور نے اپنی مطلب باری کے لیے فان قصد مع ذلک تعظیم المذبح لہ والعبادۃ لہ اکل ذلک کھنڈ کا معنی بھی غلط کیا ہے وہ اس کا معنی یوں کرتے ہیں۔ پس اگر ذابح نے باوجود غیر اللہ کے نام لینے کے اس کی تعظیم کی اور عبادت کا بھی قصد کیا تو یہ کفر ہے انہی بلفظ انہوں نے قصد کو صرف عبادت کے ساتھ مختص کر دیا ہے حالانکہ تعظیم غیر اللہ بھی قصد کے نیچے داخل صحیح معنی یہ ہے سو اگر اس نے قصد کیا اس کے ساتھ مذبح غیر اللہ کی تعظیم اور اس کی عبادت کا تو یہ کفر ہوگا چونکہ مؤلف مذکور غلطی سے صرف عبادت غیر اللہ کو کفر قرار دیتے ہیں اس لیے لفظ قصد اسی کے ساتھ جوڑتے ہیں اور پھر آگے لکھتے ہیں پس ثابت ہو گیا کہ کفر و مشرک کا

مرد قصد عبادت غیر اللہ پر ہے (مفصل)

(۹) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تفسیر میں تقرب سے مراد مع قصد العبادۃ ہے الخ سوال یہ ہے کہ حرف واؤ میں اصل عطف ہے اور اس کو مع کے معنی امیں لینے کی یہاں کون سی دلیل ہے؟ حضرت شاہ صاحب تو صرف غیر اللہ کے لیے تقرب کے طور جانور کے نامزد کرنے کو بھی مشرک کہتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

چہ آں جانور منسوب بآن غیر گشت و جنبشہ کیونکہ وہ جانور اس غیر کی طرف منسوب ہو گیا ہے ورنہ پیدا گشت کہ زیادہ از جنبشہ مردار اور اس میں غیبت پیدا ہو گئی ہے جو مردار کی غیبت است زیرا کہ مردار بے ذکر نام خدا جان سے زیادہ ہے کیونکہ مردار نے تو اللہ تعالیٰ کے دادہ است و جان این جانور ازال غیبر نام کے بغیر جان دی ہے اور انہوں نے اس جانور قرار دادہ گشتہ اندوآن عین مشرک است اور بغیر خدا کے نام پر نامزد کرنے ذبح کیا ہے (تفسیر عزیزی ص ۱۱۰ سورۃ بقرہ بقاوی عزیزی ص ۱۱۰) اور یہ عین مشرک ہے۔

اس عبارت میں تقرب کی نیت سے غیر اللہ کی طرف نسبت کو ہی عین مشرک قرار دیتے ہیں اور عبادت کی کوئی قید نہیں لگاتے اگر قصد عبادت کی قید مشرک کے فتویٰ کے لیے ضروری ہوتی تو یقیناً وہ اس کو کبھی نظر انداز نہ کرتے بلکہ یوں فرماتے و جان این جانور را ازال غیر قرار دادہ گشتہ اند مع قصد العبادۃ اس سے ثابت ہوا کہ قصد العبادۃ اس کی قید نہیں ہے بلکہ حرف واؤ میں عطف کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ تقرب کے طور پر تعظیم غیر اللہ بھی کفر ہے اور غیر اللہ کی عبادت بھی کفر ہے حکم ایک ہے لیکن چیزیں دو ہیں جیسے جا زید و عمرو میں زید اور عمرو دو الگ الگ شخص ہیں لیکن آئے میں دونوں مشرک ہیں کیا ضرورت ہے اور اس کی کیا دلیل ہے کہ عمرو کو زید کا دم چھلہ بنا دیا جائے سو یہاں بھی ایسا ہی سمجھئے کہ چیزیں دو ہیں ایک تعظیم غیر اللہ جو تقرب کے طور پر ہو اور دوسری عبادت غیر اللہ اور حکم دونوں کا ایک ہے جو کفر ہے الغرض حضرت شاہ صاحب کی عبارت بالکل واضح ہیں ان میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے ہاں ان سے برائے نام محبت کا دعویٰ کرتے ہوئے ان کی صریح عبارتوں ہی سے کوئی نظر پھیرے تو ہمارے پاس کیا کالاج ہے؟

پھیر لیتے ہیں نظر میں سے مٹا دیتے ہیں کیا یونہی لوگ محبت کا صلہ دیتے ہیں
سوائے وغیرہ | مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ - دیکھئے مشرکین مکہ سوائے وغیرہ جانوروں کو
 بتوں کے لیے نامزد کرتے اور یہ نامزدگی مع قصد العبادت تھی لیکن
 اس کے باوجود جب مسلمانوں نے ان جانوروں کو ذبح کر دیا تو ان کا کھانا حلال و طیب ہو گیا اور
 کفار جو ان جانوروں کو کھانے سے گریز کرتے تھے ان کی مذمت پر قرآن نازل ہوا چنانچہ
 مَا لَكُمْ اَنْ لَا تَأْكُلُوْا مِمَّا ذَكَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْغَيْرِ الْمُسْلِمِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی نے
 اس بات پر انکار فرمایا ہے کہ ان میں کوئی ایسی بات پائی جائے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ
 کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں مثلاً بکرا و سائب وغیرہ کو کھائیں نیز یا ایہا الذین
 آمَنُوا کُلُوا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ کے تحت ملا جو خون خفی لکھتے ہیں بعض مشرکین
 نے کہا کہ طبیات سے مراد بکھرہ سائبہ وغیرہ ہیں یعنی بکھرہ و غیرہ کھاد - ان عبارتوں سے معلوم
 ہوا کہ جن جانوروں کو کفار بتوں کا تقرب علی وجہ العبادت حاصل کرنے کے لیے نامزد اور
 ان کے نام پر مشہور کر دیا کرتے تھے وہ جانور بھی کتے اور خنزیر کی طرح حرام نہیں ہیں بلکہ شرائط
 ذبح کے ساتھ انہیں ذبح کر دیا جائے تو حلال ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حلال نہ سمجھنے
 پر کفار کی مذمت کی ہے پس لامحالہ تفسیر عزیزی میں جس جانور کو کتے اور خنزیر سے تشبیہ دی گئی
 ہے یہ وہ جانور ہے جس کو مرتد نے ذبح کر دیا ہو اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر بطور تقرب
 مع قصد العبادۃ کے کسی شخص نے مشہور کر دیا اور اس کو کوئی اور شخص جو مسلمان ہو وہ شرائط ذبح
 کے ساتھ ذبح کرنے کے تو بلا ریب یہ حلال و طیب ہے اور اس کو حرام سمجھنا بالکل ایسا ہی ہے
 جیسا کہ زمار جاہلیت کے کفار سوائے وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے غیر اللہ کے نام پر مع قصد
 العبادۃ مشہور کرنا خبیث ہے اور یہ خبیث عقیدہ کا خبیث ہے پس جس شخص کا یہ عقیدہ ہوگا
 اس کے اعتقاد میں خبیث سرائت کر گیا جانور میں اس خبیث کے سرائت کرنے اور اس کے
 حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لیے ہمارے نزدیک شاہ صاحب کی عبارت کا صحیح
 محل یہی ہے کہ اس خبیث عقیدہ والے شخص نے جب اس جانور کو ذبح کیا خواہ اللہ کا نام

لے کر ہی ذبح کیا ہو تو یہ جانور کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہو گیا کیونکہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔
 (امتی بلفظ ۲۱۳ و ص ۲۱۴)

الجواب مؤلف مذکور نے بکھرہ اور سائبہ وغیرہ کی غیر متعلق بحث یہاں چھیڑ کر اس کی تفسیر
 اور تشریح میں غلطی کی جو ان کے بعض بڑوں نے کی ہے ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ چند
 باتیں عرض کرتے ہیں۔

(۱) مَا أَهْلَ بِلَاغِ اللّٰهِ كَرَبِ تَعَالٰی نے حرام قرار دیا ہے لقولہ تَعَالٰی
 وَاصْلَحْ لَكُمْ اَلَّذِیْنَ مَخْلُوْقٌ مِنْ اَسْمٰكُومِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی نے حرام نہیں قرار دیا کیونکہ وہ
 مالک ہے جس چیز کو چاہے حرام قرار دے جس کو چاہے حلال کرے اور بکھرہ وغیرہ کو رقبہ
 نے حرام نہیں قرار دیا بلکہ مشرکوں نے اپنے زعم فاسد سے ایسا کیا لقولہ تَعَالٰی مَا جَعَلَ
 اللّٰهُ مِنْ بَحْرٍ یَّحِیۡقَ اَلَّذِیۡنَ لَمَّا جِئُوْا بِالْحَبْرِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی حرام قرار دے اس کو مخلوق حرام
 قرار دینے کی مجاز نہیں ہے گویا ان دونوں مسکوں کو پیش نظر رکھنے سے ثابت اور معلوم
 ہوا کہ حلال کرنا بھی رب تعالیٰ کا کام ہے اور حرام کرنا بھی صرف اسی کا کام ہے اس میں کسی
 دوسرے کا قطعاً کوئی دخل نہیں اور یہ دونوں مسئلے مخصوص ہیں ان میں سے کسی ایک کو دوسرے
 پر قیاس کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور وغیرہ نے کیا ہے سراسر مردود ہے اس لیے کہ مخصوص
 مسائل میں قیاس کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے پس ان میں تعمیل حکم اسی میں ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ
 نے حرام قرار دیا ہے حرام سمجھا جائے اور جس کو حلال قرار دیا اس کو حلال گردانا جائے نیز کہ
 ان میں قیاسی مشوشے چھوڑنے چاہئیں۔

(۲) حافظ ابن کثیرہ بجا و سائبہ وغیرہ کی بحث کے آخر میں وَلٰیٰکِنَّ اَلَّذِیۡنَ
 کَفَرُوْا یَفْشُرُوْنَ اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوْا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

ای ما شرع اللہ هذه الامشیاء ولا ہی عنده قربۃ و لکن
 اطرک کون افتروا ذلک وجعلوا
 یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو مشروع اور
 جائز قرار نہیں دیا اور نہ بکھرہ اور سائبہ وغیرہ کو بنا
 اس کے نزدیک تقرب اور عبادت ہے لیکن

یہ سمجھا ہے۔

(۴) مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ جن جانوروں کو کفار بتوں کا تقرب علی وجہ العبادۃ حاصل کرنے کے لیے نامزد اور ان کے نام پر شہرہ کر دیا کرتے تھے وہ جانور بھی مکنت اور خنزیر کی طرح حرام نہیں بلکہ شرائط ذبح کے ساتھ انہیں ذبح کر دیا جائے تو حلال ہیں البتہ مکنت بے سود ہے اس لیے کہ یہاں غیر اللہ کے نام پر تقرب اور تعظیم کے طور پر نامزد کیے ہوئے جانور کی حرمت کو مکنت اور خنزیر کی حرمت کے ساتھ جو ثبوت دی ہے وہ صرف غیبت کی وجہ سے حرام ہونے میں دی ہے کہ جیسے وہ حرام ہیں ایسا ہی یہ جانور بھی حرام ہے باقی یہ فرق اپنی جگہ پر قائم ہے کہ مکنت اور خنزیر کی حرمت لغتاً ہے اور غیر اللہ کے نام پر تقرب اور تعظیم کے طور پر نامزد کیے ہوئے جانور کی حرمت لغتاً ہے فی نفسہ وہ جانور شرعاً بالکل حلال ہے حرمت اور تقرب غیر اللہ کی وجہ سے آئی ہے جب بھی کوئی شخص تقرب اور تعظیم غیر اللہ کی نیت سے آئب ہو جائے اور شرائط ذبح کے ساتھ (یہاں شرائط ذبح میں سے ایک شرط تو یہ بھی ہے) ذبح کرے تو جائز ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی یہ عبادت پہلے بھی نقل کی جا چکی ہے دوبارہ یہاں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

اگرے ذکر نام خدا برائ جانور وقتے
ہاں اللہ تعالیٰ کا نام لینا اس جانور پر اس وقت
فائدہ میسر کہ تقرب بغیر خدا از دل دور
مفید ہو گا جب وہ لوگ غیر خدا کے تقرب کو دل
کردہ و خلاف آن شہرت و آواز شہرت
سے دور کریں اور اس جانور پر پہلی شہرت اور
آواز کے خلاف اس آواز کی شہرت دیں کہ ہم
(تفسیر عزیزی اللہ)
اس سابق کا دعویٰ سے باز آئے۔

اگر ایسا نہ کریں تو تقرب اور تعظیم کے طور پر غیر اللہ کے لیے نامزد کیے ہوئے جانور ہندو کے وقت بسم اللہ پڑھنا یا نہ پڑھنا دونوں برابر ہیں کہ وہ جانور حرام ہی ہے حضرت شاہ صاحب کہتے ہیں۔

یعنی ہر کہ ہندو جانور تقرب بغیر خدا نہ یا
یعنی جو شخص غیر خدا کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرے

شرعاً انہم و قد بة یتقرّبون
بہا الیہ ولیں ذلک بجاصل
لم یل ہو و بال علیہم
(تفسیر ابن کثیر ۲/۲۸۸ مثلاً)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان انیاد کو حرام نہیں کیا بلکہ یہ مشرکوں کی تحریم خود ساختہ کی اپنی کاروائی ہے بجائے اس کے کہ ہم اس سلسلہ میں دیگر تفاسیر سے چند حوالے نقل کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور کھمد الافاضل کے حوالہ پر ہی اکتفا کریں۔ جن کی طرف سے وکالت کے لیے وہ وقف ہیں اور ان کی ہر گز اور غلط بات کو تکلف کی طرح سیدھی اور درست ثابت کرنے کے درپے ہیں اور ان کی کتاب توضیح البیان کے شہ پائے بھی قارئین کے سامنے ہیں ہمیں مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں ہے۔ ان کے صدر الافاضل یحیو اور سابقہ وغیرہ جانوروں کے بارے میں لکھتے ہیں ۲۴۸ کہ لہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام نہیں کیا اس کی طرف اس کی نسبت غلط ہے ۲۴۸ جو اپنے سرداروں کے کہنے سے ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اتنا شعور نہیں لکھتے کہ جو چیز اللہ اور اس کے رسول نے حرام نہ کی اس کو کوئی حرام نہیں کر سکتا۔ (۱۸۱ و ۱۸۲) اس عبادت میں ان کے صدر الافاضل نے تصریح کر دی ہے کہ ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرام نہ کریں اس کو کوئی حرام نہیں کر سکتا مؤلف مذکور کا منصوص احکام کے بارے میں قیاس و اجتہاد سراسر باطل ہے اور ان کو سود مند نہیں اور اس کو کوئی بھی ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔ کون بتا ہے بے کس کا سہارا سے دوست پیر سوکھے ہوئے پتوں کو گرا دیتا ہے (۳) علامہ ابوالسعود اور حضرت ملا جوں خفیہ کی تفسیر اور حوالے ہماری تائید میں ہیں کہ جن جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں قرار دیا وہ کسی غیر کے حرام کرنے سے ہرگز حرام نہیں ہوتے ان کو کھانا۔ یہ حوالے ہم سے خلاف نہیں مگر مؤلف مذکور نے اپنی کوتاہ فہمی سے

مومن است خواہ در وقت ذبح نام خدا
بجیہ دانی زیاد کہ چون شہرت داد کہ این جانور
برائے فلاحی است ذکر نام خدا وقت ذبح
فائدہ نہ کرد چه آن جانور منسوب بآن غیر
گشت و نجسے در آن پیدا گشت کہ زیادہ
از نجسٹ مردار است زیرا کہ مردار بے ذکر
نام خدا جان واردہ است و جان این جانور
را از آن غیر خدا قرار دادہ گشتہ اند و آن
عین شرک است و ہر گاہ نجسٹ دروے
سرسیت کرد و دیگر ذکر نام خدا حلال نمی
شود مانند سگ و خوک کہ اگر بنام خدا
ذبح شود حلال نمی گردد اھ

تفسیر عزیزی ص ۵۶، سورۃ بقرہ
و فتاویٰ عزیزی ص ۵۶

تو وہ مومن ہے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ
کا نام لے یا نہ لے اس لیے کہ جب اُس نے
شہرت دی کہ یہ جانور فلاں کے لیے ہے تو
ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا اس پر فیدہ
نہ ہوگا کیونکہ وہ جانور اُس غیر کی طرف منسوب
ہو گیا ہے اور اس میں مردار کی خباثت سے زیادہ
خباثت پیدا ہو گئی ہے اس لیے کہ مردار نے تو
اللہ تعالیٰ کے نام کے بغیر جان دی ہے اور
اس جانور کی جان غیر خدا کے لیے مقرر کر کے
انہوں نے ذبح کیا ہے اور یہ عین شرک ہے
اور جب خباثت اس میں سرایت کر گئی تو پھر وہ
اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنے سے حلال نہ ہوگا
گنہگار اور خنزیر کہ اگر ان کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح
کیا جائے تو وہ حلال نہیں ہوتے۔

الغرض اگر غیر اللہ کے لیے بطور تقرب و تعظیم کے نامزد کیے ہوئے جانور کو بسم اللہ
پڑھ کر بھی ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہی ہے گا جیسا کہ گنا اور خنزیر نام خدا لینے سے ہرگز
حلال نہیں ہوتے جب تک کہ غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کے شرکاذنہ فطریہ سے واسطہ
الفاظ میں رجوع اور توبہ نہ کرے ذبح علی وجہ العبادت اور تقرب کی مفصل بحث پہلے
عرض کی جا چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے غرضیکہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام
قرار دیا ہے، اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں ایسی
کاروائی کرنے والے کو مومن قرار دیا تو اس کو حلال قرار دینے کا کارنامہ اہل شرک اہل عبت
کا ہی شیعہ ہو سکتا ہے کوئی مسلمان اس کی ہرگز جرات نہیں کر سکتا بحیرہ اور سائبہ وغیرہ

کو جب اللہ تعالیٰ نے حرام قرار نہیں دیا اور نہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی حرمت
بیان کی ہے تو ان پر مکمل بے لطفی اللہ کے قطعی حرام کو قیاس کرنے کا مولف
مذکور کو کس نے حق دیا ہے؟ اور یہ حق ان کو کہاں سے حاصل ہو گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی حرام
کردہ اور حلال کردہ دو چیزوں کا مٹوبہ تیار کریں اور حلال و حرام کی چٹنی بنائیں؟ قارئین کو رام
بخوبی سمجھ چکے ہوں گے کہ مولف مذکور نے غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کے طور پر نامزد کردہ جانور
کی حرمت کے لیے ایسی چوٹی کا جتنا زور صرف کیا ہے اور بحیرہ اور سائبہ وغیرہ چار قیاس
کرنے کی جتنی جرات کا مظاہرہ کیا ہے وہ سب باطل اور مردود ہے اور سراسر بے بنیاد

اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔
(۵) مولف مذکور نے جو یہ لکھا ہے کہ پس لامحالہ تفسیر عزیزی میں جس جانور کو گنہگار اور خنزیر
سے تشبیہ دی گئی ہے وہ وہ جانور ہے جس کو مرتد ذبح کرے (محصلہ) نرمی غلط تسلی ہے
اس لیے کہ شاہ عبدالعزیز نے خود تفسیر عزیزی میں (حوالہ ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے) غیر اللہ
کے لیے تقرب اور تعظیم کے طور پر نامزد کیے ہوئے جانور کی گنہگار اور خنزیر سے جو تشبیہ دی
ہے تو وجہ تشبیہ بھی خود انہوں نے بیان کر دی ہے کہ جانور کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنے
کی وجہ سے اس میں گنہگار اور خنزیر کی طرح خباثت پیدا ہو گئی ہے اور عین شرک ہے تو تشبیہ
کی وجہ خباثت ہے اور حکم اس کا شرک و ارتداد ہے ارتداد کو وجہ تشبیہ ہرگز نہیں بنایا وجہ
تشبیہ حرمت و خباثت ہے ہاں ایسی کاروائی کرنے والے کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ پہلے مومن
تھا تو اب شرک ہے اگر پہلے مسلمان تھا تو اب مرتد ہے خدا تعالیٰ کرے کہ مولف مذکور کربت
سمجھا آجائے

لطیفہ: مولف مذکور کے بیان سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر غاص اور مخلص مسلمان
گنہگار اور خنزیر کو بنام خدا ذبح کرے تو وہ حلال ہو جائیں گے کیونکہ ان کے نزدیک غیر اللہ
کے نام پر شہرت دیا گیا جانور مخلص اس لیے حرام ہے کہ ذبح مرتد ہے اور مرتد کا ذبیحہ حرام
ہے تو اس کا مطلق نتیجہ یہ نکالے گا کہ گنہگار اور خنزیر کو اگر مرتد ذبح کرے تو حرام ہاں مخلص

مکملان ذبح کرے تو حلال لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں تصریح موجود ہے کہ تقرب بغیر اللہ ہی سے جانور میں مژدہ سے بڑھ کر گئے اور خنزیر کی طرح نجس اور پلیدی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بوقت ذبح نام خدا لینے سے رفع نہیں ہوتی (۶) تفسیر عزیزی اور فتاویٰ عزیزی وغیرہ میں جہاں حضرت شاہ صاحب کی اپنی عبارتیں ہیں ان میں کسی میں مع العبادۃ کی قید موجود نہیں ہے ان کی اپنی واضح عبارت یہ ہے۔

وہدار کل ذلک علی قصد اور حرام ہونے کا سبب دار غیر اللہ کے لیے التقرب الی غیر اللہ او قفیل قصد تقرب پر ہے یا (شریعت کے) ذبح الطريق المشہور فی الذبیح من کے مشہور طریقے کو بدلنے پر ہے کہ تیز آلہ استعمال الآلۃ المحدثۃ وغیرہ نہیں استعمال کیا گیا اور اس کے مانند ذلک۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۳۳) اور وجہ

اور جہاں عبادت کا ذکر فرماتے ہیں تو وہ یہ ہے۔

وہکذا فی کتب الشافعیۃ کما اور اسی طرح کتب شوافع میں ہے جیسا کہ ہم ذرا قال النووی فی شرح صحیح نے شرح مسلم میں فرمایا دیکھ آگے فرمایا اگر وہ مسلم الی قولہ فان قصد اس کے ساتھ مذبح بغیر اللہ کی تعظیم اور اسکی مع ذلک تعظیم المذبح عبادت کا قصد کرے تو یہ کفر ہوگا۔ لغیر اللہ والعبادۃ لہ کان ذلک کھنڈ الا (فتاویٰ عزیزی ص ۳۳)

حضرات شوافع سے اس منقولہ عبارت میں بھی والعبادۃ لہ واذا خلف کے ساتھ مذکور ہے والعبادۃ سابق کی قید نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور نے غلط سمجھا ہے اور یہ کفر کی وجہ ہے نہ کہ جانور کی حرمت کی وہ تو حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں صرف تقرب بغیر اللہ ہی ہے۔ صرف اپنی ہی فہم و سوچ پر نازل نہ ہوں دوسروں کے دلائل بھی ٹھنڈے دل سے ملاحظہ کریں۔

کس سوچ میں ہیں آئینہ کو آپ دیکھو میری طرف بھی دیکھیے سرکار کس ہوا (۷) مؤلف مذکور سمجھتے ہیں کہ اور اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں (دیکھو سابقہ وغیرہ) کو حلال نہ سمجھنے پر کفار کی مذمت کی ہے بلکہ یعنی برہم کو مذمت مذکور ادا کیا کلام کے نام پر نامزد کیے ہوئے جانوروں کو حلال نہ سمجھنے والے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور دیگر اہل حق بھی قابل مذمت ہیں کہ گوشت کی اس گرانی کے زمانہ میں ان کی راہ دہتے ہیں مگر اس نکتہ پر مؤلف مذکور نے قطعاً غور کیا کہ کفار تو اس لیے قابل مذمت ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام قرار دے کر تحریکات خورشعہ کی وجہ سے قابل مذمت ہیں اور ماکہ اہل لغین اللہ میں تقرب بغیر اللہ کے لیے نامزد کیے ہوئے جانور کو حرام سمجھنے والے اللہ تعالیٰ کے صریح اور محکم حکم کی تعمیل کرتے ہیں، اس لیے وہ حق اجرا اور قابل تعریف ہیں نہ کہ قابل مذمت جیسا کہ مؤلف مذکور نے اپنی نادانی سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ایسے جانور کو حلال نہ سمجھنے والے قابل مذمت ہیں۔

ماز خاموش ہے فریاد سے معمور ہیں ہم نالہ آتا ہے اگر لب پر تو معذرت میں ہم یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور سمجھتے ہیں۔ دوسری وجہ جو شاہ صاحب نے دوسری وجہ بیان فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بغیر اللہ کے نام پر مشہور کیا ہوا جانور کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہو جاتا ہے جس کے ذبح کرنے سے قصد بغیر اللہ کو گوشت پہنچانا مقصود نہ ہو بلکہ بغیر اللہ کو جانور کی جان اور روح پیش کرنی ہو اور یہ عمل کفر جاہلیت کے مشابہ ہے کیونکہ کفار بھی بطور عبادت بتوں کو جانور کی روح بھینٹ چڑھاتے ہیں پس یہ غسل کفار کے تشبیہ کی وجہ سے جین کفر و شرک ہے سرخس صاحب نے فتاویٰ عزیزی ص ۵۱ سے شاہ صاحب کی وہ عبارت نقل کر دی جس میں انہوں نے کہا ہے جو جانور بغیر اللہ کے نام پر برائے تقرب مشہور کر دیا جائے وہ حرام ہو جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی متصلاً انہوں نے جو حرمت کی وجہ بیان کی اس کو دیالی کی پوریاں سمجھ کر صاف انہم کر گئے کیونکہ اس عبارت کو بھی ذکر کرتے ہیں تو قصر دیند زمین پر آگرتا اور اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ جانوروں کو حرام کہنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ لیجئے اب ہم آپ کے سامنے شاہ صاحب کی وہ عبارت پیش

کرتے ہیں جو مقراض گھر کی تدر ہو گئی۔ اور اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جان اور روح کو غیر اللہ کے حضور میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے کھلنے پینے کی چیزوں اور دوسرے اموال کو بھی اگر قربت بغیر اللہ (مع قصد العبادۃ) دنیا حرام اور شرک ہے لیکن ان چیزوں کے دینے کا ثواب غیر اللہ کو پہنچایا جاسکتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے اور جانور کی جان اور روح کا آدمی مالک نہیں ہوتا حتیٰ کہ وہ جان کسی کو پیش کرے نیز مال دینے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس سے نفع حاصل کریں اور اموات جب مال سے نفع نہیں حاصل کر سکتے تو اس مال کا ثواب پہنچانے کا طریقہ شریعت نے مقرر کیا تاکہ وہ اس سے نفع حاصل کریں اور جانور کی جان اور روح دینے سے کسی کو جب زندگی میں بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو مرنے کے بعد اگر کسی کو جانور کی جان دی جائے تو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؛ البتہ اموات کی طرف سے قربانی کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے لیکن اس کا مطلب یہی ہے کہ جان اور روح اللہ تعالیٰ کے لیے دی جائے اور اس عمل کا ثواب اموات کو ایصال کیا جائے نہ کہ جان اموات کے لیے پیش کی جائے (فتاویٰ عزیزی ص ۵۶) شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس طویل عبادت سے ظاہر ہو گیا کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد اور مشہور کیے جاتے ہیں وہ حلال اور طیب ہیں اور کتے اور خنزیر کی طرح وہ جانور حرام ہیں جن کی جان اور روح کو غیر اللہ کو پیش کی گئی ہو اور صاحب خبیثہ سے قطعاً خارج ہے لیکن سرفراز صاحب کی خیانت پر داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے مغالطہ آفرینی کرنے کے لیے حکمی داد کے گھن پر بھی قبضی چلا دی (مغلف ص ۲۱۶ تا ۲۱۷)

الجواب: حضرت شاہ صاحب نے حرمیت کی جو دوسری وجہ بیان فرمائی ہے۔ حلالی الناس والعین اور ہم نے تنقید متین ص ۱۵۲ میں تفسیر عزیزی ص ۲۸ مترجم اردو کے حوالہ سے حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جان واسطے غیر جان پیدا کرنے والوں کے نام نیاز کرنا درست نہیں ہے الخ باقاعدہ اس کا ذکر کیا ہے اگر تعصب کی وجہ سے موقوفہ مذکور نے آٹھوں پر پٹی باندھ لی اور ہمارا نقل کردہ یہ حوالہ انہیں نظر نہیں آتا تو اس میں ہلکا کی قصور ہے

نیز ہم نے تنقید متین ص ۱۵۱ میں صاف لکھا ہے کہ ایصال ثواب کا مسئلہ صحیح اور حق ہے اور ۱۵۱ میں لکھا ہے۔ الغرض ما اھل لیس اللہ بد اور نذر الگ چیز ہے اور اس کا حکم جدا ہے اور ایصال ثواب ایک مستقل شے ہے اور اس کا حکم علیحدہ ہے ہماری اس تصریح کے بعد غور فرمائیں کہ حضرت شاہ صاحب کی طویل عبارت سے ہم پر کیا زد پڑتی ہے اور اس میں کون جملہ ہائے غلط ہے؛ موقوفہ مذکور کی علمی بیانی ملاحظہ ہو کہ جو عبارت اول سے آخر تک ہماری تائید میں ہے اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں سرفراز صاحب اس کو دیوالی کی پوریاں سمجھ کر صاف ہضم کر گئے اور عبارت مقراض گھر کی نذر ہو گئی۔ اور انہوں نے مغالطہ آفرینی کرنے کے لیے اپنے حکمی داد کے گھن پر بھی قبضی چلا دی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ موقوفہ مذکور کا یہ علمی فریضہ تھا کہ ہماری کتاب میں ہمارے دعویٰ کو نقل کرتے اور پھر اس طویل عبارت سے بغیر هیچ بیج کے وہ جملہ بتاتے جس سے ہمارے دعویٰ پر زد پڑتی لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے اور نہ کر سکتے ہیں صرف سو قیام زبان بول کر زیر کرنے اور دل کی ہٹاس نکالنے اور اپنے ناخاندہ حواریوں سے داخنین حاصل کرنے کے غور میں موقوفہ مذکور نے جو یہ کہا ہے کہ اس طویل عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد اور مشہور کیے جاتے ہیں وہ حلال اور طیب ہیں الخ یہ ان کا خالص دجل اور فریب ہے کیونکہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں ایصال ثواب کی مد میں جانور کو نامزد اور مشہور کرنے کا کوئی لفظ نہیں ہے حضرت شاہ صاحب کے الفاظ اس سلسلہ میں یہ ہیں کہ اما ثواب ان چیز ہا لکھ عاذر و صندہ ہر حال ان چیزوں کا ثواب جو خود کرنے والے میثود ازاں غیر نامتن جائز است نہ کہ کوئی ہے دوسروں کے لیے ایصال بھی جائز ہے الباقی را میرسد کہ ثواب عمل خود را بغیر خود نہ پانچ کیونکہ ان کو حق حاصل ہے کہ اپنے عمل کا ثواب میرسد کہ مال خود را بغیر خود بدہا ہر غیر کو بخش دیں مگر ان کو حق حاصل ہے کہ اپنا مال کسی کو دیں (فتاویٰ عزیزی ص ۵۶) تفسیر عزیزی ص ۱۵۲ بقول غرضیکہ ایصال ثواب کی مد میں نہ تو حضرت شاہ صاحب جانور کی تخصیص کرتے ہیں

اور نہ نامزدگی اور شہرت کا ذکر کرتے ہیں، بلکہ عمومی لفظ چیز صاف فرماتے ہیں اور نامزد کرنے اور شہرت
یونے کی قید وہ وَمَا اِهْلًا بہ میں لگاتے ہیں یعنی وہ کون کون جانور کو آوازہ ہو اور وہ شہ
وشہرت دارہ شد و حق آن جانور الحاق تفسیر عزیزی ص ۱۱۱ وقفاوی عزیزی ص ۱۱۱ جس کا مطلب
ان کی عبادت کے پیش نظر یہ ہے کہ ایصال ثواب کی صورت اور مسئلہ سرے سے الگ
اور جدا ہے اور جس جانور کے بارے میں وہ نامزد کرنے اور شہرت دینے کی قید لگاتے ہیں وہ
الگ ہے اس کو تو وہ تقرب بغیر اللہ کی مدین کتے اور خنزیر کی طرح حرام قرار دیتے ہیں۔
لیکن مؤلف مذکور پہنے دبل کے وجہ سے ایصال ثواب اور غیر اللہ کے نام پر نامزد کردہ جانور
کو گڈہ کر کے حلال و طیب قرار دیتے ہیں اور اس کو حضرت شاہ صاحب کے ذمہ لگاتے ہیں
جو بالکل باطل ہے۔

بکھڑ کو کیا دوسرے کے پیوں سے کیوں عیبت رو سیاہ ہوتا ہے

نذر اور ایصال ثواب جدا ہیں ۱۰۹ پر لکھتے ہیں۔ الغرض مَا اِهْلًا لغیر اللہ
بدہ اور نذر الگ چیز ہے اور اس کا حکم جدا ہے اور ایصال ثواب ایک مستقل شے ہے اور
اس کا حکم علیحدہ ہے ان کو ایک کرنا اور ایک سمجھنا کم علمی اور کوتاہ فہمی کا عجز تک مظاہرہ ہے۔
اہل سنت یہ نہیں کہتے کہ نذر اور ایصال ثواب ایک چیز ہیں البتہ یہ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ
کے لیے نذر ماننا ایصال ثواب کو مستلزم ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی بھی یہی تحقیق ہے
کم علم اور کوتاہ فہم تو وہ شخص ہے جس کو اتحاد اور استلزام کے فرق کی بھی تمیز نہیں ہے اور
جو پہلے معنوی آباد کی تحقیقات پر بھی نظر نہیں رکھتا دیکھئے شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ اولیاء اللہ
کی جو نذر عوام میں مشہور اور معمول بنے اکثر فقہاء اس کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکے اور انہوں نے
کہا کہ اگر یہ نذر بالاستقلال اس ولی کے لیے ہو تو باطل ہے اور اگر نذر اللہ کے لیے ہو تو
ولی کا ذکر ہلے مصرف کے ہو تو جائز ہے لیکن اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ علم اور مال
خرچ کرنے کے لیے ثواب کا یہ یہ اسمنون ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ

حدیث ام سعد سے ظاہر ہے اور اس نذر میں بھی ایصال ثواب مستلزم ہوتا ہے پس اس نذر کا
ماصل یہ ہے کہ اس میں مخصوص قد کے ایصال ثواب کی نسبت کسی روح کی طرف کی جاتی ہے
اور ولی کا ذکر عمل مندور کے تعین کے لیے ہوتا ہے اور ان کے نزدیک اس نذر کا مصرف اس
ولی کے توسلین اقارب خدام وغیرہ ہوتے ہیں اور بلاشبہ نذر ماننے والوں کا یہی مقصود ہوتا ہے
اور اس کا حکم یہ ہے کہ نذر صحیح ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ شریعت میں قرین
مقصود ہے ہاں اگر نذر کو (زمانہ کو مصنفہ) حلال شکلات بالاستقلال اعتقاد کرے یا
شیعہ غالب اعتقاد کرے تاہو تو یہ عقیدہ مضنی الی الشک ہے لیکن یہ عقیدہ اور چیز ہے اور نذر
اور چیز دفقاوی عزیزی ص ۱۱۲ اس کلام سے ظاہر ہو گیا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے نزدیک
اولیاء اللہ کے لیے نذر ماننا جائز ہے کیونکہ صدقہ و خیرات عبادت مقصودہ ہیں اور نذر اس
عبادت مقصودہ کی ہوتی ہے جس کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچا جاتا ہے اور یہ شرع سے ثابت
ہے اور نذر لادلیا کا یہ مطلب ہے کہ ثواب نذر اولیاء اللہ کے لیے ہے علی طریق عذوق المعتاد
کا ہوشی اور بکھڑ اللہ سے اس کتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کے
لیے جو جانور نامزد کئے جاتے ہیں وہ حلال اور طیب ہیں البتہ اگر نذر اولیاء اللہ کو مستقل اور صرف
بالات سمجھتا ہو تو لبیب اعتقاد شرک کے وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا فوجہ مرتد کا فوجہ ہو گا
اور کتے اور خنزیر کی طرح حرام قرار پائے گا (مفہم ص ۲۱۶ ص ۲۱۸ توضیح ایمان)
الجواب یہ مؤلف مذکور نے یہ بات تو باہر مجبوری تسلیم کر لی ہے کہ نذر اور ایصال ثواب
الگ الگ چیزیں ہیں لیکن پھر اپنی کم فہمی کی وجہ سے ان کو گڈہ کر کے یوں کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ
کے لیے نذر ماننا ایصال ثواب کو مستلزم ہے اور شاہ صاحب کی یہی تحقیق ہے اور کم علم
اور کوتاہ فہم وہ شخص ہے جو اتحاد اور استلزام کے فرق کی تمیز نہیں جانتا اور پہلے معنوی آباد
کی تحقیقات پر نظر نہیں رکھتا والا

گزارش یہ ہے کہ اصل غرابی ہی مؤلف مذکور کے اس جہل میں ہے کہ اولیاء اللہ کے
لیے نذر ماننا ایصال ثواب کو مستلزم ہے اور شاہ صاحب کی یہی تحقیق ہے حضرت شاہ

نے کیا فرمایا اور نفل ذکر کرنے کی کجھا؟ تفصیل طلب یہی بات ہے سو اس کے متعلق ذیل کے فقرے پر غور فرمائیں اور انصاف سے فرمائیں کہ اپنے معنی آبار کی تحقیقات پر کسی کی نظر نہیں اور حضرت شاہ استغرام سے کیا مراد ہے ہیں اور نفل ذکر کرنے کی علم علی اور کو تاہ فہمی سے اس سے کیا سمجھا ہے؟ (۱) نفل ذکر نے حضرت شاہ صاحب کی عبارت و نذر ادیار لا تو نقل کر دی ہے مگر اس سے قبل دوسری جو نفل ذکر اور ان کی جماعت پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتی ہیں گیارہویں کا علوہ مجھ کر ہضم کملی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

منذر باب استعانت باروح طیبہ دریں ان غلط نظریات میں سے اور ح طیبہ سے است اعانت کے باب میں اس امت میں جو بہت فراوان ہوئے یہ ہے جس کو اس کے جاہل اور غم کرتے ہیں اور ان اور ح کو ہر معاملہ میں متعلق جانتے ہیں بلانک و نذر اولیاء الفوقانی عزیزی ص ۱۳۱) یہ کھلا شرک ہے اور نذر اولیاء کلام اللہ

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحب نے عوام اور جہال کا یہ شکوہ کیا ہے کہ وہ ہر عمل میں اور ح طیبہ کی امداد کو مستقل سمجھتے ہیں اور یہ کھلا شرک ہے اور ہم بھی حضرات فقہاء کرام کی پیروی میں ان ہی جہال اور عوام کا ردنا رو ہے ہیں ملاحظہ کیجئے کہ یہ کتنی ضروری اور اہم عبارت تھی جسے نفل ذکر نے نظر انداز کر دیا ہے اور خیر سے لٹنے دوسروں کو نصیحت ہے کہ وہ اپنے کجی آبار کی تحقیقات کو نظر انداز کرتے ہیں۔

(۲) اس عبارت میں حضرت شاہ صاحب جس نذر کا ذکر فرماتے ہیں وہ صرف ایصال ثواب کے معنی میں ہے جس میں مقصود ایصال ثواب ہے نہ کہ اپنے کسی کام کا حصول چنانچہ اسی عبارت میں ان کے الفاظ یہ ہیں۔

لیکن حقیقت این نذر آنست کہ اہل ثواب الطعام والفاق و بذل مال بروح میت کہ امر یست مسنون و از روئے عادت لیکن اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ کھانا کھلانے غریب کرنے اور مال دینے کا ثواب جو میت کی روح کو بہیہ کیا جاتا ہے اس نذر کو مستلزم ہے

صیغہ ثابت است مثل ماوروفی الصیغین من مال ام سعدہ وغیرھا دریں نذر مستلزم میشود پس جمل این نذر آنست کہ آن نسبت مثلاً اہل ثواب هذا القدر الی روح فلان و ذکر ولی برائے تعیین عمل مندر است نہ برائے مصرف الخ (فتاویٰ عزیزی ص ۱۳۲)

اور یہ مسنون امر ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ام سعدہ وغیرھا کے بارے میں آیا ہے۔ پس حاصل اس نذر کا یہ ہے کہ یہ نسبت کہ مثلاً اتنی چیز کا فلان کی روح کو ثواب پہنچانا اور ولی کا ذکر عمل مندر کی تعیین کے لیے ہے نہ کہ مصرف کے لیے

اس عبارت میں جس نذر کا ذکر ہے وہ صرف ایصال ثواب اور اہل ثواب ہے اور اس پر وہ بطور دلیل حضرت ام سعدہ کی حدیث بخاری و مسلم کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں۔ جس کا معبود فقہی نذر سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ اور ولی کا ذکر صرف اس لیے کرتے ہیں کہ اس چیز کا ثواب اُن کے لیے ہے اور اپنے کسی کام کا اس میں ذکر نہیں اور نہ حاجت کا تذکرہ ہے تو جس شخص نے اس ایصال ثواب کا التزام کر لیا۔ اس کو پورا کرنا چاہیے اور بلاشبہ ایصال ثواب ایک نیک کام ہے۔

(۳) اور اسی عبارت میں وہ تصریح فرماتے ہیں کہ اگر ولی کو مستقل طور پر مشکل کٹ یا شیعی غائب اعتقاد کر لیا تو یہ بات منجرا لى الشرک ہوگی اور اس عبارت کے اول میں انہوں نے خود تصریح فرمادی ہے کہ جہال اور عوام ان کو مستقل طور پر ہی ایبا یقین کرتے ہیں اور نیز وہ تصریح فرماتے ہیں کہ شرک کرنے والوں کے اذعان میں غیر اللہ کے بارے میں استقلال ہی جائزین ہے۔ چنانچہ وہ استعانت کی بحث میں لکھتے ہیں کہ غیر خدا سے استعانت کی ایک قسم وہ ہے جس میں کسی مشرک اور توحید کے ذہن میں استقلال کا وہم بھی نہیں آتا مثلاً بھوک اور پیاس اور بیماری میں طعام اور پانی اور ادویہ سے استعانت کرنا وغیرہ پھر آگے تحریر فرماتے ہیں۔

دیا بچہ نرے است کہ تو ہم استقلال ان چیز کا وہم مشرکین جاگرفہ مثل استعانت اور یا ایسی چیز سے استعانت ہے جس کے استقلال کا وہم مشرکین کی قوت مدد میں جگہ پکڑے ہوئے

باروح درو عانیات فکیہ و عنصر یہ یا باروح
سارہ مثل ہوانی و شیخ مدو و قدین خان و
امثال ذلک و این نوع استغانت میں شرک
است و منافی ملت عینی است۔ ملاحظہ
تفسیر عزیزی ص ۲۰ سورہ بقرہ

ہے جیسا کہ ارواح اور فکیہ و عنصر یہ اجسام کی
روحانیت سے استغانت یا پٹنے پھرنے والی
ارواح سے استغانت شدہ ہوانی، شیخ مدو
قدین خان وغیرہ اور اس قسم کی استغانت میں
شرک اور ملت عنیفہ کے منافی ہے۔

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ ارواح سے استغانت کرنے والے ان سے بالاستقلال
استغانت ہی کا خیال کرتے ہیں الغرض بالاستقلال کا یہ معنی نہیں کہ وہ نفع اور ضرر جیسے میں اللہ تعالیٰ
کی طرح مستقل اور بالذات قدرت رکھتے ہیں کیونکہ جب وہ مخلوق ہیں تو ان کے لیے یہ معنی
یکے تصور ہو سکتا ہے؟ بالاستقلال کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار است
تعلویض کر دیے ہیں اور وہ افعال اختیار یہ کی طرح ان میں مستقل ہیں اس کی بحیث راقم ٹیم کی کتاب
دل کا سرور وغیرہ میں ملاحظہ کریں۔

(۴) باقی جو نذر باطل اور ممنوع ہے اس کی تفصیل حضرت شاہ صاحب نے بڑی تفصیل
سے بیان فرمائی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ یعنی اور وہ نذر بالاجماع باطل ہے جس طرح عوام
نذر مانتے ہیں کہ ان میں سے جب کسی کی کوئی حاجت ہوتی ہے تو وہ شخص بعض صاحبین کی قبر
کے پاس جاتا ہے اور اس کا پردہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھتا ہے یہ کتا ہوا کہ لے میرے سید فلان
اگر تم میری حاجت پوری کر دو مثلاً یہ کتا ہے کہ فلان شخص کہ کہیں دوسری جگہ ہے وہ آجائے
یا یہ کتا ہے کہ فلان مریض کو صحت ہو جائے تو تم آئے لیے میری طرف سے اس قدر سونا یا
طعام یعنی کھانا یا کپڑا یا شمع یا روغن زیتون یا کوئی دوسری چیز کتا ہے کہ فلان چیز دی جاوے
گی تو یہ نذر جائز نہیں البتہ اس صورت میں نذر جائز ہو گیا کہ وہ کہے کہ اللہ میں نے تیرے
لیے نذر مانی کہ اگر میرے مریض کو صحت بخشے یا اسی طرح کوئی دوسری اپنی حاجت کہے
کہ اگر تو میری فلان حاجت پوری کر دے تو میں اُن فقراء کو کھداؤں گا جو فلان میدے کے دروازے
پر رہتے ہیں یا اس کی مسجد کے لیے چٹائی خریدوں گا اور اس مسجد میں روشنی کرنے کے لیے

روح زیتون خریدوں گا۔ یا اس قدر درہم ان لوگوں کو دوں گا جو اس کی خدمت میں مصروف رہتے
ہیں اور اسی طرح کی اور جو نذر ہو کہ اس میں فقرار کا نفع ہو اور نذر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے
ہو اور شیخ کا ذکر صرف اس غرض سے ہو کہ یہ متعین ہو جائے کہ نذر کی چیز ان لوگوں کے مصرف
میں آوے گی کہ وہ لوگ نذر کے مال کے مستحق ہیں مثلاً یہ کہے کہ فلان بزرگ کے رباط یا ان کی
مسجد یا جامع مسجد میں جو لوگ رہتے ہیں ان کے مصرف میں اس نذر کا مال صرف کیا جاوے گا۔

اور اس صورت میں نذر اس وجہ سے جائز ہے کہ نذر کے مال کے مستحق فقراء ہیں اور ان ہی کے
حق میں صرف کرنے کے لیے نذر میں نیت کی گئی ہے اور ایسا مال صرف فقرار کے حق میں صرف
کرنا جائز ہے اور جو غنی اور ذمی علم ہو تو صرف اُس کے علم کے لحاظ سے خاص اس کے حق
میں صرف کرنا جائز نہیں اور ایسا ہی جو غنی ہو اور عالی نسب ہو تو صرف اُس کے نسبت کی
شرافت کے لحاظ سے اس کے حق میں بھی صرف کرنا جائز نہیں اور ایسا ہی جو غنی ہو اور کسی
بزرگ کے حضور رہا کرتا ہو تو اُس کے حق میں بھی نذر کا مال صرف کرنا جائز نہیں البتہ یہ لوگ
اگر فقیر ہوں تو ان کے حق میں نذر کا مال صرف کرنا جائز ہے اور جب یہ معلوم ہوا تو جاننا

چاہیے کہ وہ درہم بالاجماع حرام ہے کہ اولیاء کے روضہ میں بھیجتے ہیں۔ اس غرض سے
کہ ان سے تقرب حاصل ہووے اور یہ مقصود نہیں ہوتا ہے کہ وہاں جو نذر فقرائے ہستے ہیں
ان کے مصرف میں یہ درہم آوے اور اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہووے
اور اکثر لوگ اس محیبت میں مبتلا ہیں۔ اصل عبارت یہ ہے واذا عرفت هذا
فما یوجب من البدایہم ونحوها وینتقل الی ضریح الاولیاء
تقرباً الیہم فحرام بالاجماع ثم اَلَمْ یقصد تصرفہا فی الفقراء
الاحیاء قولاً واحداً وقد ابتلی الناس بذلک الخ القاری عزیزی ص ۱۱۲
یعنی اس میں صرف ایک ہی قول ہے کسی کا اختلاف نہیں ہے، ایسا ہی النہر الفائق والحرر لالاق
اور عالمگیری میں ہے اور جو غنی ہو محتاج نہ ہو اس کے لیے نذر کا مال جائز نہیں اور ایسا ہی
اس کے لیے بھی جائز نہیں جو غنی ہو اور ذمی منصب ہو خلاصہ یہ ہے کہ غنی کے لیے نذر

کمال جائز نہیں اس واسطے کہ اس پر اجماع ہے کہ نذر مخلوق کے لیے حرام ہے اور ایسی نذر ہی منع نہیں ہوتی اور اس کا ایضاً واجب نہیں بلکہ ایسی نذر بلا غرض حرام ہے اور کسی بزرگ کے خادم کے لیے جائز نہیں کہ ایسی نذر کی چیز یوسے یا کھانوسے یا اپنے کسی دوست کے صرف میں سے کوئے البتہ اس صورت میں جائز ہے کہ وہ خادم فقیر ہو یا اس کے بچال ہو میں اور وہ فقیر ہوں اور کسب سے عاجز ہوں اور مضطر ہوں تو ان کے لیے جائز ہے کہ عام صدقے کے طور پر وہ نذر کا مال بھی یوسوں اور جب نذر ماننے والے کی یہ نیت نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوئے اور نذر کا مال فقراء کے حق میں صرف کیا جاوے گا بلکہ خاص متقل طور پر کسی بزرگ کی نیت کی تو ایسی نذر کا مال لینا فقراء کے حق میں بھی مکروہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ درجہ اور روغن زیتون وغیرہ جو چیز اولیاء اللہ کے روضہ پر بھیجی جاتی ہے اس غرض سے کہ ان کا تقرب حاصل ہوئے تو وہ سب حرام ہے اور اس پر اہل اسلام کا اجماع ہے البتہ اس صورت میں جائز ہے کہ یہ نیت ہووے کہ اُس روضہ پر جو نذر فقراء کے ہوتے ہیں ان کے حق میں یہ چیز صرف کی جائے گی اور خاص قبر کی نذر کی نیت نہ ہوئے بلکہ لیسہ الراتی کی عبارت مذکورہ کا مضمون ہے اور وہ نذر کہ اموات کے لیے مانی جاتی ہے اور جو کچھ درجہ اور روغن زیتون اور اس طرح کی اور جو چیز اولیاء کرام کے روضہ پر بھیجی جاتی ہے اس غرض سے کہ ان حضرات کا تقرب حاصل ہوئے یہ سب بالاجماع باطل ہے اور حرام ہے البتہ اُس صورت میں جائز ہے کہ نیت ہو کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوئے اور یہ مال فقراء کے حق میں صرف کیا جاوے اور اکثر لوگ اس محصیت میں مبتلا ہیں خصوصاً اس زمانہ میں برہم نہایت مردوج ہے اور علامہ قاسم نے یہ مسئلہ (شرح در المنہاج میں) نہایت شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا ہے اور کسی وجہ سے اہم محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر علم میرے پاس ہوتے تو میں ان کو اس امر سے منع کر دیتا اس واسطے کہ وہ لوگ جائز طور پر نذر نہیں مانتے بلکہ خلاف شرع امور کو اُس میں غلط کر دیتے ہیں یہ در مختار کے باب الصوم کے اخیر کی عبارت مذکورہ کا مضمون ہے انتہی بلفظ دفعہ دہی عری

۲۲۹ تا ۲۳۱ مترجم اردو و فارسی ص ۱۰۱ مؤلف مذکور انصاف اور دیانت کے ساتھ اس

عبارت کو ٹھنڈے دل کے ساتھ بار بار پڑھیں اور یہ بتائیں کہ حضرت شاہ صاحب نے مخلوق کے لیے اور اولیاء اللہ کے لیے یا ان کی قبر کے لیے نذر کو جائز حلال اور طیب کہا ہے یا بالاجماع باطل اور حرام قرار دیا ہے؟ اور کیا اس پر انہوں نے ٹھوس فحشی حوالے نقل کیے ہیں یا محض ہوائی بات فرائی ہے؟ اور کیا اس میں انہوں نے محض اولیاء اللہ کے تقرب کو ہی حرمت کی علت قرار دیا ہے یا ساتھ مع العبادۃ کی قید بھی لگائی ہے؟ الغرض جس نذر کو وہ اولیاء اللہ کے لیے مانتے ہیں وہ صرف لغوی نذر ہے جس کو نذر نہ کہہ سکتے ہیں اور وہ درحقیقت محض ایصال ثواب اور اہدائے ثواب ہے اس میں ولی کا ذکر تو صرف اس لیے ہے کہ ان کی خالقہ اور مسجد یا اس کی جامع مسجد کے فقراء کی تعین ہو جائے۔ نذر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے تقرب کے لیے ہے اور بس مولف مذکور نے حضرت شاہ صاحب کی عبارت سے عوام کو محض دھوکہ دیا ہے اور ان کی مراد کو وہ نہیں سمجھے اور حضرت شاہ صاحب کی یہ مفصل عبارت ان کی ترویج کے لیے بالکل کافی اور وافی ہے اب یہ فیصلہ قارئین کرام پر ہے کہ کبھی آثار کی تحقیقات سے کون بے خبر ہے؟ حضرت شاہ صاحب نے اولیاء اللہ کے ایصال ثواب کے لیے مکہ اھل کا لفظ نہیں بولا یہ مولف مذکور کا وہل ہے کہ وہ عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کے لیے جو جائز نامزد کیے جاتے ہیں وہ حلال اور طیب ہیں اور وہ بھی مکہ اھل کا مصداق ہیں ماشا وکلا حضرت شاہ صاحب ایسا ہرگز نہیں فرماتے بلکہ وہ مذکور بالکل الگ ذکر کرتے ہیں اور مکہ اھل کا مصداق یا فرد اس کو ہرگز قرار نہیں دیتے اسی طرح مولف مذکور کا یہ لکھنا کہ البتہ اگر ناذر اولیاء کرام کو کہ متقل اور متصرف بالذات سمجھتا ہو تو بسبب اعتقاد مشرک کے وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ مرد کا ہو جائے گا غلط فہمی کا نتیجہ ہے اس لیے کہ انہوں نے متقل اور غیر متقل کا معنی ہی نہیں سمجھا تاثر یہ تقرب بغیر اللہ کے لیے جانور نامزد کرنے ہی سے آدمی حضرت شاہ صاحب کے نزدیک مشرک ہو جاتا ہے اس میں عبادت وغیرہ کی کوئی قید نہیں لگاتے اور فتاویٰ عزیزی کی اس طویل عبادت میں اس کو باحوالہ واضح کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے جو نذر مانی جاتی ہے وہ بالاجماع باطل اور حرام ہے ان کی اتنی واضح تصریح کے ہوتے ہوئے

مؤلف فرماتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نذر اولیاء اللہ کو جائز اور حلال و طیب قرار دیتے ہیں ان پر خالص افتراء ہے اللہ تعالیٰ ہر ایک کو پسچائے آمین۔ یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ تقرب الی غیر سے اگر لغوی معنی مراد ہے کہ مثلاً کسی کے سامنے کھانے کے لیے پیش کیا جائے تو یہ بھی محل نزاع نہیں ہے نزعی بات تقرب بغیر اللہ لاجل التعظیم ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب ہی کہتے ہیں کہ فَمَنْ كَانَ ارَاقةَ الدَّمِ لِلتَّقَرُّبِ إِلَى غَيْرِ اللَّهِ تَعَالَى حَرَمَتْ الذَّبِيحَةَ وَمَنْ كَانَ ارَاقةَ الدَّمِ لِلَّهِ تَعَالَى وَالتَّقَرُّبِ إِلَى الْغَيْرِ بَارَكْلَ وَلَا تَقَاعَ حَلَّتِ الذَّبِيحَةُ (فتاویٰ غزنی ص ۴۴)

جب خون بہا بغیر اللہ کے تقرب کے لیے ہو تو ذبح حرام ہوگا اور جب خون بہا صرف اللہ کے تقرب کے لیے ہوگا اور غیر کے سامنے اس کو کھانے اور انتفاع کے لیے پیش کیا جائے تو ذبح حلال ہوگا۔

نذر میں ایصالِ ثواب کا بیونہ ایصالِ ثواب کا مسئلہ خصوصاً مالی صورت میں اہل اسلام اور امت مرحومہ کے مسلم حضرات فقہاء کرام کے نزدیک

ایک اجماعی حقیقت ہے۔ جس کے ثبوت پر واضح دلائل موجود ہیں بقدر ضرورت بحث وہ سنت میں موجود ہے وہاں ہی دیکھ لیں لیکن ایصالِ ثواب میں اپنی کسی غرض مطلب اور کام کا کوئی تعلق نہیں ہوتا صرف مرنے کو ثواب ہی پہنچانا مقصود ہوتا ہے کہ اگر گنہگار ہے تو اللہ تعالیٰ اس نیک کام کی برکت سے اُس کی مغفرت فرمائے اور اگر نیک ہے تو اس کے مزید درجات بلند کرے اور نذر میں اپنی کسی غرض اور مطلب کا تعلق ہوتا ہے نادر زبان سے کہے یا دل میں نہاں رکھے اور اسی غرض اور مطلب کے حصول کے لیے وہ نذر دیتا ہے۔ علامہ ابوالفضل شہاب الدین الیہ محمود آلوسی الحنفی (المتوفی ۱۲۶۰ھ) اِنْ السَّادِينَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوْا ذُبَابًا كِي تَضِيْعَ فِيْ تَحْرِيرِ فَرَاتِے ہیں کہ اشارۃ الی ذم القالین فی اولیاء اللہ تعالیٰ حیث یتفیتون بہم غلو کرنے والوں کی مذمت کی طرف اشارہ ہے جن سے وہ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو کر سختی میں

وَيُنْذِرُونَ لَهُمُ السَّادُونَ وَالْعُقَلَاءُ مِنْهُمْ يَقُولُونَ اَنَّهُمْ وَاَسَأَلْتُ اِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَانْعَا نُنْذِرُ لِلَّهِ عَزَّوَجَلَّ وَيَجْعَلُ ثَوَابَهُ لِمَوْلَى وَلَا يَخْفَى اَنْهُمْ فِي دَعْوَاهُمْ اِلَا وَلِيَّ اشْبَهَ النَّاسِ بِعِبَادَةِ الْاَصْنَامِ الْقَائِلِينَ اِنَّمَا هُمْ لِيُقَرَّبُوا اِلَى اللَّهِ زُلْفَى وَدَعْوَاهُمْ الثَّانِيَةَ لَا بَأْسَ بَهَاوَلَمْ يَطْلُبُوا مِنْهُمْ بِذَلِكَ شَفَاعَةً مَرِيضُهُمْ اَوْ دَعَا بَهُمْ اَوْ غَوَا ذَالِكُ وَالظَّاهِرُ مِنْ حَالِ الْمَطْلَبِ وَيَسْتَدِلُّ اِلَى ذَالِكِ اَنَّهُ لَوْ قِيلَ اُنْذِرُوا لِلَّهِ تَعَالَى وَاجْعَلُوا ثَوَابَهُ لِمَوْلَاكُمْ فَانَّهُمْ اَحْوَجُ مِنْ اَوْلَاكُمُ لَمْ يَقْعِلُوا وَرَأَيْتُ كَثِيرًا مِنْهُمْ يَسْجُدُ عَلَى اَعْتَابِ حَجَرِ قُبُورِ الْاَوْلِيَاءِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَثْبُتُ التَّصَوُّفَ لَهُمْ جَمِيعًا فِي قُبُورِهِمْ لَكِنْهُمْ مَتَقَاوَلُونَ فِيْهِ حَسَبَ تَفَاوُتِ مَرَاتِبِهِمْ وَالْعُلَمَاءُ مِنْهُمْ يَخْصُرُونَ النِّصْفَ

مد مانگتے ہیں اور ان کے لیے نذرین مانتے ہیں اور اُن میں چالاک لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرات اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے وسائل ہیں اور ہم نذر تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مانتے ہیں ہاں اس کا ثواب ولی کے لیے کرتے ہیں اور اس میں کوئی خفاء نہیں کہ وہ لوگ اپنے اپنے دعوئی میں کہ ہم نذر تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مانتے ہیں بہت پرستوں کے ساتھ زیادہ مشابہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی اس لیے پوجا کرتے ہیں کہ وہ ہیں درجہ میں اللہ تعالیٰ کے قریب کھڑے ہیں اور ان کے دستِ دعا و دعویٰ ایصالِ ثواب میں کوئی عرج نہیں اگر وہ اُن سے اس ذریعہ سے اپنے بیمار کی شفا اور اپنے کسی غائب کے لوٹانے اور اس کے مانند اور کوئی شے طلب نہ کریں اور ان کے حال سے ظاہر طلب ہی ہے اور جو چیز اس کی طرف راہنمائی کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر ان سے یہ کہا جائے کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانو اور اس کا ثواب اپنے والدین کے لیے کرو کیونکہ وہ زیادہ محتاج ہیں تو وہ ایسا نہیں کرتے اور میں نے اُن میں سے بہت لوگ دیکھے کہ وہ حضرات اولیاء کرام کے گنبدوں کی دھڑکیوں پر سجدہ ریز ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض

نہیں ہوتا بلکہ محض ایصالِ ثواب کے لیے جانوروں کو اولیاء اللہ کے لیے نامزد اور مشہور کیا جاتا ہے اور اس کے حلال اور طیب ہونے کی خود شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے مزارِ کثیرہ تصریح کر دی ہے، بلفظ (ص ۲۱۸/۲۱۹)

الجواب: ہم نے بھی حضرت شاہ صاحب ہی کے فتاویٰ عزیزی اور تفسیر عزیزی سے جو عبارت نقل کی ہیں ان کی روشنی میں یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ غیر اللہ کے لیے ہنزد کیے ہوئے اور شہرت نہیے گئے جانور قطعاً حرام ہیں اور مؤلف مذکور کی بیان کردہ تینوں وجہیں باطل ہیں اول اس لیے کہ حضرت شاہ صاحب کی اپنی عبارت میں مع العبادت کی کوئی قید موجود نہیں ہے یہ لفظ بعض شوافع حضرات کی عہدت میں واقع ہے اور اس کا مطلب بھی ہم پہلے واضح کر چکے ہیں اور دوم اس لیے کہ غیر اللہ کے لیے جانور کو نامزد کرنا اور شہرت دینا ہی مکالمہ بد لغت ہے اللہ کا مصداق اور بھینٹ چرٹانے کے مترادف ہے اور حضرت شاہ صاحب اس کی تصریح بھی فرماتے ہیں دکھائے کہ عوام انہی طرح کرتے ہیں جو ناجائز ہے اور اس معصیت میں وہ مبتلا ہیں اور سوم اس لیے کہ مستقل بالذات کا معنی بھینٹ کے لیے مؤلف مذکور خود جبل مرکب کا شکار ہیں وہ جہالت کی وجہ سے جس کو مستقل بھینٹ دیتے ہیں اکثر عوام اسی کا ہی ارتکاب کرتے ہیں بغرضیکہ مؤلف مذکور ناذرین سے جن تین امور کی نفی کرتے ہیں وہ بالکل باطل ہے جیسا کہ ذکر ہوا اور نذر اولیاء اللہ کی مدین جن جانوروں کو وہ نامزد اور مشہور کرتے ہیں ان کو حضرت شاہ صاحب بالاجماع باطل اور حرام قرار دیتے ہیں نہ یہ کہ وہ ان کو حلال اور طیب سمجھتے ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور دھوکہ دہی کے درپے ہیں اور خود حضرت شاہ صاحب کی روشن عبارت اس پر دال ہیں جیسا کہ ہم متعدد عبارتیں ان کی عرض کر چکے ہیں۔ وہیہا کفایت لمن له ہدیۃ

تم زمانے کی راہ سے آئے در نہ سید صاحب اختیار ستہ دل کا
نومٹ یا یہ سرخی جاکر مؤلف مذکور سمجھتے ہیں سرفراز صاحب نے تنقیح متین ص ۱۶۹ پر
مذکر کی بحث میں بحر الرائق شامی عالمگیری سے فقہار کا کلام پیش کیا ہے اور بزم خویش

فی القبور فی اربعة وخمسة
واذا طویلوا باللیل قالوا ثبت
ذالك بالكشف قاتلہم اللہ تعلق
ما اجهلہم واكثر افتراءہم
ومنہم من یزعم انہم
یحرجون من القبور ویتشکلون
باشكال مختلفة وعلماہم
یقولون انما تظہر ارواحہم
مُتَشَكِّلَةً وقطوف حیث شئت
وربما تشکلت بصورة اسد
او غزال او نحو ذلک وکل ذلک
باطل لا اصل له فی الکتاب
والسنة وکلام سلف الامۃ لا
ردح المعانی ص ۲۱۲/۲۱۳

ان سب کے لیے قبور میں تصرف ثابت کرتے
ہیں۔ لیکن وہ اپنے مرتب کے لحاظ سے تصرف
میں تفاوت ہیں۔ اور ان میں سمجھ ولے تصرف
فی القبور چار یا پانچ میں بند کرتے ہیں اور جب
ان سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے تو کہتے ہیں کہ یہ
کشف سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ ان کو غایت
کرے کہس چیز نے ان کو جہالت اور کثرت
افتراء پر آمادہ کیا ہے اور ان میں سے بعض یہ
خیال کرتے ہیں کہ اولیاء کرام قبروں سے نکلتے ہیں
اور مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں اور ان میں سمجھ
ولے یہ کہتے ہیں کہ ان کی احوال متشکل ہوتی ہیں
اور جہاں چاہیں پھرتی ہیں اور کبھی شیر یا مرنی وغیرہ
کی شکل اختیار کرتی ہیں اور یہ سب خیالات باطل
ہیں کتاب اللہ اور سنت اور سلف امت کے کلام
میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

تتقیحات یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور سمجھتے ہیں۔ فتاویٰ عزیزی سے جو ہم نے
شاہ صاحب کی عبارت پیش کی ہیں ان کی روشنی میں اولیاء کے نام
پر مشہور جانوروں کی جو حرمت شاہ صاحب سے منقول ہے اس کی تین وجہیں ہیں۔
(۱) ناذر اولیاء اللہ کی تعظیم مع قصد العبادت سے جانور کو ذبح کرے (۲) جانور کی جان
اور روح اولیاء کی بھینٹ کرنے کے لیے جانور کو ذبح کرے (۳) ناذر اولیاء کے مستقل
بالذات ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو پھر ذبح کرے۔ اور ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کو ایصالِ ثواب
کے لیے مندر جانوروں کے ساتھ ناذرین کا قصد ان تینوں میں سے کسی ایک طرح بھی

پر بولا جاتا ہے اور اسی معنی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اسے اطلاق بھی کیا ہے نزع نہیں ہے بلکہ نزع اس نذر میں ہے جو حضرات اولیاء کرام کے تقرب کے لیے کی جاتی ہے۔

تتبعہ متین ۱۶۹ میں ہم نے عالمگیری کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

فما یؤخذ من الدراہم ونحوها کہ جو چیز درہم وغیرہ کی شکل میں لی جاتی ہے
وینقل الی ضلع الاولیاء تقرباً اور حضرات اولیاء کرام کی قبروں کی طرف لے
الینہم فحرام بالاجماع اھ جاتی جاتی ہے۔ ان کے تقرب کے لیے سودہ
بالاجماع حرام ہے۔

اور ہم نے عالمگیری وغیرہ کی اس عبارت کی روشنی میں آگے تتبعہ متین میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس عبارت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضرات اولیاء کرام کے تقرب کے ارادہ سے جو نذر مانی جاتی ہے وہ بالاجماع حرام ہے اور اکثر عوام اس میں مبتلا ہیں الخ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ عزیزی کی مفصل عبارت بھی پہلے عرض کی جا چکی ہے الی تصریحات کے ہوتے ہوئے بھی نذر فحشی و متعارف اور لغوی نذر معنی نذرانہ و ایصال ثواب میں فرق نہ کرنا انتہائی جہالت ہے جس کا مولف مذکور شکار ہیں۔ وائیا لغوی نذر میں پہلے کسی کام کا مثلاً بیماری سے شفا اور کسی غائب کے واپس آجانے وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا اس میں صرف ایصال ثواب اور رفع درجات کا قصد ہوتا ہے بخلاف نذر متعارف اور نذر فحشی کے کہ اس میں پہلے کسی کام کا بھی ذکر ہوتا ہے چنانچہ عالمگیری کے حوالے سے ہم نے تتبعہ متین ۱۶۹ میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

یاسیدی فلان ان قضیت حاجتی فلک لے میرے سردار اگر میری حاجت پوری ہوگی
من الذہب مثلاً کذا باطل اجماع اھ ترجمہ شلاتا سونا دیا جائے گا یہ نذر بالاجماع باطل ہے
اور پہلے یا تو الہی بات گزر چکی ہے کہ غلط کارنا فدا نامے یا نہ لے تدریس مطلب اور
غرض اس کے دل میں پشمال ہوتی ہے۔ وائیا، مولف مذکور نے جو یہ لکھا ہے کہ اولیاء اللہ
کے لیے نذر کا مطلب یہ ہے کہ اس نذر کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جائے الخ مزید دلیل اور

نذر کو باطل کرنے کی کوشش کی ہے اس کے جواب میں گزارش یہ ہے کہ یہ عباراتیں مک
نخن خید سے خارج ہیں آپ نے کجروی اور مغلطہ آفرینی کے لیے انہیں اس مقام پر نقل
کیا ہے کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان کر چکے ہیں اولیاء کیلئے نذر کا مطلب یہ ہے کہ اس نذر کا ثواب
اولیاء اللہ کو پہنچایا جائے اور کجرا لائق شامی اور عالمگیری میں حرمت کی جن وجوہات کا ذکر ہے
ان میں سے بیان کوئی نہیں پائی جاتی اب ہم آپ کی پیش کردہ وجوہات کو ذکر کرتے ہیں۔
(۱) مخلوق کی نذر جائز نہیں۔ الجواب، نذر مخلوق کی نہیں اللہ کی ہوتی ہے (۲) نذر لہ امت
ہے اور میت کی ملکیت ثابت نہیں۔ جواب، طعام یا جانور کا مالک میت کو نہیں بنایا جاتا
بلکہ ان چیزوں کو صدقہ کیا جاتا ہے اور مالک اس کو بنایا جاتا ہے جس پر صدقہ کیا گیا ہو اور وہ
مردہ نہیں زندہ ہے اموات کو اس صدقہ کا ثواب پہنچایا جاتا ہے (۳) یہ گمان کرنا کہ میت
تمام امد میں اللہ کی مرضی کے بغیر تصرف کرتا ہے پس اس کا یہ اعتقاد کفر ہے جواب۔ جس
کا یہ اعتقاد ہو وہ بے شک کافر ہے اور اس میں کسی کا نزع نہیں سرفراز صاحب نے کجروی
سے ایک متعلق علیہ السلام کو نزع اسی بنانے کی سعی مذموم کی ہے اوپر جو تین وجہیں نقل کی ہیں ان کو شامی
اور کجرا لائق نے ذکر کیا ہے عالمگیری میں حرمت کی وجہ نذر بغیر اللہ بیان کی ہے اس کا جواب یہ
ہے کہ اس نذر متعارف سے مقصود یہ ہے کہ نذر اللہ کی ہے اور اس کا ثواب اولیاء اللہ
کو پہنچایا جاتا ہے باقی عالمگیری نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ نذر اس وقت جائز ہوگی جب کہ نذر اللہ
کی ہو اور شیخ کا ذکر صرف بیان مصرف کے لیے ہو۔ اولاً تو یہ ہمیں مضر نہیں کیونکہ ہم بیان
کر چکے ہیں کہ نذر اللہ ہی کی ہوتی ہے۔ ثانیاً یہ کہ بہترین بات وہ ہے جو شاہ عبدالعزیز صاحب
نے فتاویٰ عزیزی میں بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقت میں اس نذر کا مقصد
اولیاء اللہ کو نذر کا ثواب پہنچانا ہے اور وہ شرعاً ثابت ہے۔ بلفظ موضح البیان ۲۱۹ و ۲۲۰
الجواب: مولف مذکور نے فقہ حنفی کی مشہور متداول اور مستند کتابوں کے صریح حوالوں سے
جس طرح جان بچانے کی بالکل ناکام کوشش کی ہے وہ قابل دید ہے اور اس طرح ان سے
ان کی جان نہیں چھڑتی۔ اولاً اس لیے کہ لغوی معنی میں جس کو نذرانہ کہتے ہیں اور ایصال ثواب

بقیس ہے کیونکہ حضرات فقہاء کرامؒ نے خود تصریح کی ہے کہ نذر اولیاء اللہ کے تقرب کے لیے بھی ہوتی ہے اور وہ بالاجمل حرام ہے اور اکثر عوام جہالت کی وجہ سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مژدہ امور میں تصرف کرنا ہے اور ایسا اعتقاد کفر ہے اور ایصال ثواب اور اہل ثواب کے سلسلہ میں جو نذرانہ ہوتا ہے اس میں نہ تو تقرب مقصود ہوتا ہے اور نہ کسی کے کام کرنے میں ان کا تصرف اور دخل ہوتا ہے بلکہ ان کے ساتھ ایک گونہ پھر دی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صدقہ کا ثواب ان کو دے اور ان کی شان اور درجہ بلند کرے۔

کمیثیفہ: مؤلف مذکور نے ان المیت متصرف فی الامور دون اللہ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ میت تمام امور میں اللہ کی مرضی کے بغیر تصرف کرنا ہے الخ اور یہ ان کے مشرکانہ عقیدہ کا شاخہ ہے۔ اولاً اس لیے کہ تمام امور سے کیا مراد ہے؟ استغراق حقیقی یا غرضی؟ اگر حقیقی مراد ہے تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ کسی بھی مشرک کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ جہان کے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی تصرف کر سکتا ہے یا کرنا ہے ہاں اگر صرف اپنے تمام کاموں کا خیال ہو یعنی استغراق غرضی ہو نہ کہ حقیقی تو پھر معاملہ جدا ہے۔ ابہل وغیرہ بھی کسی مشرک کا یہ عقیدہ نہ تھا اور نہ ہے کہ کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کچھ کر سکتا ہے اکثر مشرکین کا یہی عقیدہ تھا اور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بزرگوں کو عطائی طور پر کچھ اختیارات دے دیے ہیں اور ان کے تحت وہ کام کرتے ہیں۔ فروعی مخالف کے اصطلاحات ہی فرماتے ہیں۔

احد سے احمد اور احمد سے کچھ کو کئی اور سب کچھ ممکن حاصل ہے یا نہ

(عدالتی بخشش حصہ دوم ص ۱۸)

یہ یاد رہے کہ اردو میں لفظ میت مؤنث ہے نہ کہ مذکر مگر مؤلف مذکور نے میت ... کہہ کر تباہی مخر کر کے اس کو مذکر بنا ڈالا ہے خدا کرے کہ انہیں مذکر و مؤنث میں تمیز کھنے کی اہلیت نصیب ہو۔

دعا یہ ہے وہ منزل سے آشنا نکلیں یہ رہنا جو ابھی کارواں میں لئے ہیں

مؤلف مذکور نے جو یہ لکھا ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ اور شامی اور عالمگیری میں حرمت کی جن وجوہات کا

ذکر کیا ہے ان میں سے یہاں کوئی نہیں پائی جاتی۔ بالکل غلط ہے کیونکہ ان سب کتابوں میں تصریح موجود ہے کہ اکثر عوام بنگوں کی قبروں پر جو درہم اور شمع وغیرہ لے جاتے ہیں تو وہ تقرب کے لیے کرتے ہیں (تقریباً المیم) اور ایسی متعارف اور فنی نذر عبادت ہے اور مخلوق کے لیے عبادت درست نہیں ہے مؤلف مذکور کم فہمی کی وجہ سے یہ سمجھے ہیں کہ عوام چلا چلا کر کہیں کہ ہم عبادت کر رہے ہیں تو تب عبادت ہو حالانکہ ایسا کوئی بھی نہیں جو یہ کہتا ہو بات دراصل ہے کہ عوام تو صرف تقرب کا ارادہ کرتے ہیں حضرات فقہاء کرامؒ روان پر یہ فتویٰ لکھتے ہیں کہ یہ تقرب نذر اور عبادت ہے اور مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے اور نیز عوام یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جس بزرگ کے لیے ہم نذر مانتے ہیں ان کا یہ تقرب حاصل ہو جائے گا اور وہ ہم سے راضی ہو جائیں گے اور ہمارا کام خدا تعالیٰ کے لیے ہوئے جزوی اختیارات کے تحت کر دیں گے۔ یہاں فوق الاسباب سفارش کر کے کہ وادیں گے لہذا عوام ان کو متصرف بھی مانتے ہیں الغرض سرفراز اس کو نزاعی مسئلہ نہیں بنا رہا بلکہ حضرات فقہاء کرامؒ عوام کا لالچام کا یہ عقیدہ بتا کر ان کی تکفیر کرتے ہیں باقی جو درہم عالمگیری میں حرمت کی بیان کی ہے کہ وہ نذر غیر اللہ ہے اس کا جو جواب مؤلف مذکور نے دیا ہے اس کا ہم بھی بفضلہ تعالیٰ خوب تذکرہ چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے دہاں ہی دیکھ لیں اور یہ بات صرف عالمگیری ہی میں نہیں کی شیخ کا ذکر صرف بیان مصرف کے لیے ہے بلکہ یہ بات البحر الرائق اور الزمخشری وغیرہ میں بھی موجود مذکور ہے آگے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ بہترین بات وہ ہے جو شاہ عبدالعزیز نے فتاویٰ عزیزی میں بیان کی ہے ہمارا بھی اس پر صاف ہے کہ بہترین بات وہی ہے۔ جو شاہ عبدالعزیز صامع نے فتاویٰ عزیزی اور تفسیر عزیزی میں بیان فرمائی ہے اور ہم صاف اسے ان کی مفصل عبارت پہلے عرض کر چکے ہیں اور ان کی محفل عبادت کو حامل مرد نہ سمجھیں۔

ساحل کو دیکھ دیکھ یوں مطمئن نہ ہو اکثر سینے دہستے ہیں ساحل کے پاس ہی

یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی سر فرید صاحب

وقت فسخ کی قید نے اس پر کافی زور دیا ہے کہ اصل کو ذبح پر محمول کر دینا وقت

دیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ہی سے نقل کر دیں اور نقل بھی فتاویٰ عزیزی سے کر دیں تاکہ بقول مولفہ مذکور یہ بات صحیح ہو جائے کہ بہترین بات وہ ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزی میں بیان کی ہے۔ (اور ظاہر بات ہے کہ اپنی پسند کے جواب سے بہتر جواب اور کیا ہو سکتا ہے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ۔

واما ما وقع فی البیضاوی وغیرہ
من التفاسیر انھم قالوا وما
اُھل بہ لغیر اللہ اھی ماریع
الصوت بلہ عند ذبحہ للصنو
فصنی علی ما حیر عادیۃ المشرکین
فی ذلک الزمان ولذا لم یضروا
فی التفاسیر القدیمة بین
ما ذکر اسم غیر اللہ علیہ و بین
ما قصد بذبحہ التقرب
الی غیر اللہ لان مشرکی ذلک
الزمان کانوا مخلصین فی
الکفر وکانوا اذا قصدوا
التقرب بذبح بہمیۃ
الی غیر اللہ ذکر وعلیہا
عند الذبح اسم ذلک الغیر
بخلاف مشرکی المسلمان فانھم
یخلطون بین الکفر والاسلام
جو کچھ بیضاوی وغیرہ تفاسیر میں آیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ وَمَا اُھل بِہ لِغَیْرِ اللّٰہِ کا مطلب یہ ہے کہ بت کے لیے ذبح کرتے وقت جو آواز بلند کیا جائے سو یہ اس بات پر مبنی ہے کہ اس زمانہ میں مشرکوں کی عادت یونہی جاری تھی کہ وقت ذبح اپنے معبودوں کا نام بلند کرتے تھے، اور اسی وجہ سے پُرانی تفاسیر میں اس چیز کے بارے میں جس پر غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور اس چیز کے بارے میں جس کے ذبح سے غیر اللہ کے تقرب کا قصد کیا گیا ہو کوئی فرق نہیں کیا گیا کیونکہ اس زمانہ کے مشرک کفر میں مخلص تھے وہ جب کسی جانور کی ذبح سے غیر اللہ کے تقرب کا قصد کرتے تھے تو ذبح کے وقت اس پر غیر کا ذکر کرتے تھے بخلاف مسلمان مشرکوں کے کہ وہ کفر اور اسلام کو غلط مٹا کرتے ہیں سو وہ ذبح سے قصد تو تقرب لغیر اللہ کا کرتے ہیں لیکن ذبح کے

ذبح کے ساتھ مقید کرنے کی گنجائش نہیں اب ہم مولوی سرفراز صاحب کی ترجمہ کیے کتب تفسیر سے چند حوالے تفویض رقم کرتے ہیں۔ روح المعانی ص ۵۲ پر وما اھل لغیر اللہ بلہ کے تحت ہے۔ یعنی ذبح کے وقت غیر اللہ کے لیے آواز بلند کرنا اور اہلال سے مراد یہاں اس کا ذکر کرنا ہے جس کے لیے جانور ذبح کیا جائے مثلاً لات۔ عزیٰ وغیرہ۔ علامہ ابو سعید فرماتے ہیں۔ غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند کیا جائے، تفسیر بیضاوی میں ہے غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند کیا جائے، تفسیر بیضاوی میں ہے غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند کیا جائے جلالین میں ہے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ مکمل میں ہے اور وہ جانور جس کے ذبح میں غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، تفسیرات احمدیہ میں ہے جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا روح البیان میں ہے جس پر ذبح کے وقت آواز بتوں کے لیے بلند کی گئی، مدارک میں ہے جو بتوں کے لیے ذبح کیا گیا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اشۃ المعانی ص ۴۹ میں وَمَا اُھل لِغَیْرِ اللّٰہِ بلہ کے تحت فرماتے ہیں یعنی جو اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا گیا ہو۔ احکام القرآن ص ۱۴۱ پر وَمَا اُھل بِہ کے تحت ہے اور مسلمانوں کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس سے مراد وہ ذبیح ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بکا یا جائے۔ مولوی سرفراز صاحب کے لیے عبرت کا مقام ہے جنہوں نے یہ مجبور دکھائے کہ ذبح کی قید بعض مفسرین نے لگائی ہے وہ انھیں کھول کر احکام القرآن کا یہ حوالہ پڑھیں اور سوچیں کہ البکر رازی تو فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں اس قید کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے پھر مولوی سرفراز صاحب نے اس قید سے اختلاف کر کے اپنے آپ کو کس گروہ میں شامل کر لیا ہے کہ وہ خود سوچیں مذکورہ بالا حوالوں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ صۃ الافاضل کا وَمَا اُھل لِغَیْرِ اللّٰہِ کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنا مجہول مفسرین کی اتباع میں ہے اور جو تبرا صدر الافاضل کی تفسیر پر مولوی سرفراز صاحب نے کیا ہے اس کا ثبوت حقیقت میں ان تمام مفسرین کی طرف راجع ہے۔ (ملاحظہ ص ۲۲۰ تا ۲۲۲ توضیح البیان)

الجواب :۔ بجائے اس کے کہ حضرات مفسرین کرام کے ان حوالوں کا جواب ہم اپنی طرف سے

فیصدون التقرب بالذبح الى
غير الله ويذكرون اسم
الله عليها وقت الذبح فلا ذل
كفر صريح والثاني كفر
صورت، صورة الاسلام
وكانوا يعتقدون ان لا طريق
للذبح الا هذا اسلوب كان
للله اول غير الله وقد يجبري
هذه العادة في زماننا ان
فانهم يشتهرون ان فلانا
يذبح بقرة لاجل السيد
احمد كبير مثلاً وذكر واسم
الله عليها عند امر السكين
اولاً (رفاوی عزیزی ص ۲۳)

وقت نام اللہ تعالیٰ کا لیتے ہیں پہلی صورت
تو صریح کفر ہے اور دوسری صورت ہے تو
کفر مگر صورت اس کی اسلام ہی ہے اور وہ
یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ذبح کا صرف یہی
طریقہ ہے برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے
ہو یا غیر اللہ کے لیے اور بلاشبہ یہی
صورت ہمارے زمانہ میں بھی جاری ہے۔
کیونکہ وہ تشریح تو یہی کرتے ہیں کہ فلاں مثلاً
یہ احمد کبیرہ کے لیے گائے ذبح کرتا
ہے۔ اور اس کے گلے پر چھری پھیرتے
وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیں یا نہ لیں۔

مولف مذکور حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت کو ٹھنڈے دل سے بار بار پڑھیں
اور انھیں کھول کر پڑھیں اور سوچیں کہ فتاویٰ عزیزی کے اس بہترین جواب نے مولف مذکور
کو کس گروہ میں شامل کر لیا ہے۔ وہ خود سوچیں سوچا ان کا کام ہے۔
گستاخ کے لیے رونے سے کچھ بنتا نہیں فانی نظر میں حسن پیدا اگر سنو رہا جیگا ویران
غرضیکہ ان حضرات مفسرین کرام کا کوئی حوالہ ہمارے خلاف نہیں ہے ہسم نے
تقریر میں یہ تصریح کی ہے کہ ان بعض مفسرین کرام نے عام رواج کے پیش نظر
ذبح کے وقت غیر اللہ کے ذکر کی مشورہ صورت ذکر کر دی ہے انتہی۔ قارئین کرام ہی انصاف
سے فرمائیں کہ ہماری اس تصریح کے ہوتے ہوئے یہ مذکورہ حوالے ہمیں کیا نقصان مٹتے

ہیں جو کچھ ان حضرات نے فرمایا وہ حق اور صحیح ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ بوقت ذبح
غیر اللہ کے نام لینے سے جانور حرام ہو جاتا ہے لیکن یہ حرمت اسی میں منحصر نہیں اور نہ اسی کے
ساتھ مقید ہے بلکہ یہ غیر اللہ کے لیے نامزد جانور میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن ان حضرات کے
سامنے وہ صورت نہیں جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وغیرہ حضرات کے سامنے ہے۔
کیونکہ پہلے مشرک اپنے مشرک میں مخلص ہوتے ہیں جو ان کے اندر ہوتا تھا سو وہی باہر ہوتا تھا
بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب مگر اب کے کلمہ گو مشرک بڑے چالاک اور ہوشیار ہیں۔
لیل قرآن اسلام کا لگاتے ہیں مگر ان کا اندرون مشرک جیسی پمید اور نجس چیز سے بھرا ہوتا ہے۔
وہ تقرب اولیاء اللہ کے نام پر جانور نامزد کرتے ہیں مثلاً یہ جانور شیخ احمد کبیرہ کے لیے ہے
مگر ذبح کرتے وقت وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں اور یہ صورت اگرچہ ظاہر کے لحاظ سے
اسلام ہے مگر حقیقت میں یہ بھی کفر ہے زندہ باد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب آپٹ ہوشیار
قسم کے کلمہ گو مشرکوں کی رگ جان کاٹ کر رکھ دی ہے جن کے وکیل عظیم اس وقت مولف
مذکور بنے ہوئے ہیں۔ مولف مذکور سے گزارش ہے کہ وہ توجہ سے اس بالاعظون کو پڑھیں
جولیوں گویا ہے۔

مجھ کو بھی پڑھ کتاب ہوں مضمون غلط ماما تیرے نصاب میں شامل نہیں ہوں میں
البتہ ایک بات ضرور قابل توجہ ہے اور وہ احکام القرآن کی عبارت ہے جس کو
مولف مذکور نے خوب زور دیکر اُجاگر کرنے کی لاجل سعی کی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان
اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہمارے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر بوقت ذبح غیر اللہ
کا نام پکارا جائے بلا شک اس صورت میں کسی مسلمان کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور ہم تصریح
کر چکے ہیں کہ ہم بھی اس کے قائل ہیں یہ صورت نزاع سے بالکل خارج ہے اس لیے اس
پر مولف مذکور کا بلاوجہ زور صرف کرنا غلام کو دھوکہ دینے اور ان کو اتبنا نے کے مترادف ہے
ہمارا موقف یہ ہے کہ ماہل ہیں یہ صورت بھی داخل ہے لیکن حرمت اسی صورت میں
منحصر نہیں بلکہ یہ صورت بھی اس کی ایک فریبہ چونکہ جاہلیت کے دور میں اس کا زیادہ رواج

اور مولوی نعیم الدین صاحب خصوصاً اس پر مصر میں (تفتیش میں ۱۵۴) دروغ گوئی اور خیانت کی یہ بدترین مثال ہے جو مولوی سرفراز صاحب نے صفحہ تفتیش پر سیاہ کی ہے جس عبارت میں صدر الافاضل نے بتوں کا تذکرہ کیا ہے ہم سے بھی نذر رقم کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے صدر الافاضل نے فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے انہی اس عبارت کے علاوہ پوری بحث میں کہیں بتوں کا تذکرہ نہیں ہے اگر مولوی سرفراز صاحب میں مہمت ہے تو وہ ہمیں عبارت میں وہ الفاظ دکھائیں کہ وَمَا أَهْلُ الْغَيْبِ اللَّهُ بِهِ سِوَا صِرْفِ بَتِ ہیں اگر سرفراز صاحب کے دل میں صداقت اور ایمان کا کوئی ذرہ بھی موجود ہوتا تو کبھی یہ افتراء نہ کرتے کہ صدر الافاضل نے غیر اللہ کا بتوں میں حصر کر دیا ہے خود اور معانی سے اگر آپ کو کوئی مس ہے تو کوئی کلمہ حصر یا کوئی طریقہ حصر پیش کیجیے جس سے صدر الافاضل کے کلام میں انحصار ثابت ہو ورنہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ جس طرح سے آپ ایمان سے محروم ہیں اسی طرح غضب الہی نے آپ کی لوح دل سے علم کے ایک ایک ذرہ کو محو کر دیا ہے آپ نے صدق و دیانت سے بالاتر ہو کر اور اپنی روایتی دروغ گوئی اور تحریف سے کام لے کر جس طرح یہ عبارت وضع کی ہے اس پر ہم آپ کے ہر حال مشکور ہیں کہ آپ نے تحریف کو مٹھوٹا کر لا کر دنیا کے اہل نظر کو دعوت دی ہے کہ وہ جو ہیں کہ جس مذہب کے سرکردہ نمائندہ کی بات و دیانت اور بصمت قلم کا یہ عالم ہے اس آبرو باختہ ملک کی تعلیمات کا کیا حال ہو گا؟ مولوی سرفراز صاحب نے تفتیش میں قدم قدم پر تحریف و خیانت کا جال بچھا کر اس حقیقت کو واضح سے واضح تر کر دیا ہے کہ جس اہمیت کی وہ نمائندگی کر رہے ہیں اس کی اساس ہی افتراء اور تبلیغ پر رکھی گئی ہے اور مولوی سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ مفسرین نے جو منہم وغیرہ کی قید لگائی ہے وہ اتفاقی ہے تو صاحب صدر الافاضل نے کب کہا ہے کہ یہ قید احترازی ہے یا آپ کے لیے بھی کسی قادیان کی دھجی کا دروازہ کھلا ہوا ہے جو آپ پر انہونی تحقیق متکشف کرتا رہتا ہے۔ اتنی۔

(ترجیح البیان ص ۲۲۲ و ۲۲۳)

الجواب :- قارئین کرام نے مولف مذکور کا نہ بیان اور جن الفاظ اور جس انداز سے انہوں نے

تھا اس لیے یہ تفسیر کر دی گئی اور پھر خیر القرون اور ان کے قریب کے زمانوں کے لوگ برے پختہ اور صحیح عقیدہ کے مسلمان ہوتے تھے۔ اور بقول حضرت عبدالعزیز صاحب پہلے مشرک چونکہ اپنے شرک میں غلط ہوتے تھے وہ یہی صورت فرما دیتے تھے اور اب کے کلمہ گو مشرک مکار اور دغا باز ہیں ان کے اندر کچھ ہوتا ہے اور باہر کچھ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے بیان فرمایا ہے لہذا وہ جانور کو تقرب بغیر اللہ کے لیے نامزد کرتے ہیں جبکہ وجہ سے جانور میں کٹے اور خنزیر کی طرح خبث اور پلیدی آجاتی ہے لیکن منافقانہ انداز میں وہ اس جانور کو ذبح اللہ تعالیٰ کے نام پر کرتے ہیں یہ صورت بھی ما اہل بیت کی مدین شامل ہے اور یہ صورت متقدمین کی نگاہ میں نہ مٹی کیونکہ اس وقت مخلص قسم کے مشرک ہوتے تھے منافق اور مکار قسم کے مشرک نہ تھے مگر یہ صورت تخریس اور متاخرین حضرات مفسرین کرام کے سامنے موجود مٹی جیسا کہ تفتیش میں ہم نے تفسیر کبیر تفسیر نیشاپوری تفسیر عزیزی۔ فتاویٰ بزازیر۔ فتاویٰ عزیزی اور مجموعہ فتاویٰ وغیرہ کے حوالے دیے ہیں اور اسی کتاب میں اس سے قبل فتاویٰ عزیزی کا حوالہ درج ہو چکا ہے غرضیکہ مولف مذکور کی پیش کردہ کوئی تفسیر ہمارے خلاف نہیں اور وہ ہمارے پیش کردہ سب حوالوں کی زد میں پھنسے ہوئے ہیں جو رہ کر بار بار انہیں دعوت فحش دیتے ہیں۔

شبہ ہجران کی سمجھتی ہو تو ہو لیکن یہ کیا کم ہے کہ لب پر رات بھر وہ کہے تیرا نام آئے گا مولف مذکور کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ہماری طرف سے پیش کردہ تمام تفاسیر کے حوالے دیتے پھر ہر پڑا تو ان کے جوابات دیتے مگر انہوں نے ان تفسیروں کے حوالوں کا ذکر تک نہیں کیا قارئین کرام خود بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا کرنے میں کیا راز ہے؟ آخر ج

کچھ تو ہے جس کی پر وہ دری ہے

سرفراز کا دوئسراشہ | یہ سرخی جاکر مولف مذکور نے لکھا ہے کہ صدر الافاضل کے کلام میں سرفراز صاحب نے دوسری تحریف ان الفاظ سے کی ہے کہ اگر وَمَا أَهْلُ الْغَيْبِ اللَّهُ بِهِ سِوَا صِرْفِ بَتِ مراد ہوں جیسا کہ دیگر اہل بعثت عموماً

پنہ ماؤت دل کی بھڑاس نکالی ہے وہ دیکھ ہی لیا ہے اب جواب بھی ملاحظہ کیجئے۔ ان ہی کے صدر الافاضل یہ لکھتے ہیں۔ چوتھے وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اسی قولہ یا وہ جانور جس سے اولیاء کی امداد کو ثواب پہنچانا منظور ہوا ان کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر ذبح ان کا فقط اللہ کے نام پر ہو اس وقت کسی در سے کہ نام نہ لیا جائے وہ حلال و طیب ہیں۔ اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو الخ (ص ۱۵۵) یہ تفسیر انہوں نے وَمَا أَهْلَ لَغَيْرِ اللَّهِ بِہِ کی ہے اس سے ہر ادنیٰ سمجھ والا آدمی بھی یہی سمجھ گیا کہ صدر الافاضل کے نزدیک وَمَا أَهْلَ بِہِ کا مصداق ثبت ہی ہیں اور اولیاء اللہ کے ناموں پر نامزد کیے ہوئے جانور اس سے خارج ہیں اور ہصر کے الفاظ سے وہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے اگر کوئی نذر کو ذبح کرنے کسی قابل استاد سے پڑھا ہوتا تو وہ حضور ان کو یہ بتاتے کہ نذر اور معافی کے لحاظ سے اردو زبان میں لفظ صرف ہصر کے لیے ہوتا ہے مگر افسوس ہے کہ وہ دانست بلا وجہ ہصر پر پیستے ہیں کہ ان کو نذر اور معافی سے من نہیں ہے الحمد للہ تعالیٰ کہ ہم ایمان کی دولت سے بھی مالا مال ہیں اور لائق دیوبندی استادوں سے پڑھنے کی وجہ سے دولت علم سے بھی بہرہ ور ہیں صدر الافاضل کا اولیاء کے لیے جانور کو نامزد کرنے کے ساتھ ایصال ثواب کا یہ پوند لگانا محض عوام کو دھوکہ دینا ہے کما لا یخفی علاوہ انہیں آپ ہی کے صدر الافاضل وکلا۔

انخل۔ ۱۵۔ وَمَا أَهْلَ لَغَيْرِ اللَّهِ بِہِ (جس کا ترجمہ خالصاً منہ یہ کیا ہے۔ اور وہ جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارا گیا) کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۲۶۵ یعنی اس کو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو انتہا ظاہر ہے کہ وہ خالصاً منہ کے ترجمہ میں لفظ غیر خدا تشریح صرف یعنی سے بتوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور صدر الافاضل ہی مَا تَعْبُدُوہُ إِلَّا لِبِقُولِنَا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی بتوں کو انتہی اور وَلَيَعْبُدُون مِنْ دُونِ اللَّهِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں بت۔ انتہی حالانکہ خالصاً منہی کہتے ہیں اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو

پڑھتے ہیں کہ صدر الافاضل کے نزدیک اللہ کے سوا کسی بت ہی مراد ہیں اور کوئی چیز ان کے شرک پسند ذہن میں آتی ہی نہیں۔ ایسی تصدیقات کے ہوتے ہوئے ہم پر ہمیں واقفانہ اور تحریک کا التزام لگانا خالص ناروا کاروائی ہے نیز مولف مذکور کا قادیان سے ہم پر وحی نازل کرنا خالص کجی کی کاروائی ہے ہم نے جو یہ لکھا ہے کہ غرضیکہ لفظ غیر اللہ کو صرف بتوں پر بند کر دینا اور اولیاء اللہ کے لیے جانور دل کے نامزد کرنے کو آیت کے عموم سے نکال دینا نہ صرف علمی جہالت اور خیانت ہے بلکہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے ارشاد کے مطابق کتاب اللہ کی تحریف بھی ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے تنقید ص ۱۶۵ کا حوالہ بالکل بجای ہے بقدر صدر الافاضل کی عبارات میں تھیں اب ان کے لیے نادر شاہ گزشتہ ص ۱۳۹۱ کی بعض عبارتیں بھی ملاحظہ کیجئے وہ لکھتے ہیں۔ یعنی غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا جیسے کفار عرب کا دستور تھا کہ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے (۱۶۹ نذر العرفان) نیز لکھتے ہیں کہ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرنا کفر ہے (۲۲۳) اور لکھتے ہیں کہ۔ نیز وہ بتوں کے متعلق دھونس کی شفاعت کے قابل تھے کیونکہ وہ بتوں کو اللہ مان کر شفیع مانتے تھے۔ یعنی ان بتوں کی شفاعت نہ دنیا میں نہ آخرت میں (۲۲۴) اور دَعَاُ اللَّهِ مَخْلُصِينَ لَہُ الْبَدَّیْنِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ یعنی صرف خدا کو پکارتے ہیں بتوں کو نہیں پکارتے۔ پھر اسی صفحہ کے آخر میں لکھتے ہیں۔ یعنی کفار آرام میں اللہ کو محو مٹیتے ہیں اور مصیبت میں بتوں کو۔ خیال ہے کہ بوقت مصیبت اللہ کے مقبول بندوں کو مدد کے لیے پکارنا کفر نہیں قیامت کی آفت میں دعا و معاف رکھنا یہ کاروائی وہاں غلبانہ اور مافوق الاسباب نہ ہوگی بلکہ جب سب لوگ میدان محشر میں جمع ہوں گے اور جن کی شفاعت مطلوب ہوگی تو ان کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کرنے کی التجا کریں گے کما وَدَّ فِي الْحَدِيثِ - ص ۲۶۵) سب شفیع ہی کو دعوٰ میں لگے اس کی تحقیق ہماری کتاب جبار الحق اور علم القرآن میں دیکھو یہ آیت بت پرستوں کے متعلق ہے انتہی بنظم (ص ۲۲۵) اور مَا تَعْبُدُوہُ إِلَّا لِبِقُولِنَا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اور اس میں شرکین کی تردید ہے جو بت پرستی میں گرفتار تھے اس سے اولیاء اللہ کو کوئی متعلق نہیں انتہی پھر

قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں وہ بغیر اللہ کے ہیں بغیر اللہ کے نہیں اور عربی کا مقبذی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ بغیر اللہ کا معنی یہ ہے کہ غیر خدا کے نام پر اس کو شہرت دی گئی ہو اور اسی لیے

الحجاب، ہم پہلے مفصل ذکر کر چکے ہیں کہ غیر اللہ کے لیے اقرب اور تعظیم کے طور پر نامزد کیا ہوا جانور وَمَا أَهْلَ لَعْنِیْرِ اللہ بہ کا مصداق ہے مجبور حضرات فقہار کرام کے نزدیک اس میں عبادت کی کوئی قید نہیں ہے اور جن شوافع حضرات نے یہ قید لگائی ہے تو اس کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے لہذا مؤلف مذکور کا یہ کہ غیر کو اس مالی عبادت کا مستحق سمجھا گیا ہو۔ قطعاً غلط اور ایجاد بندہ ہے۔ کیونکہ حضرات فقہار کرام کے حوالے سے پہلے یہ گدڑ چکا ہے کہ کسی بڑے کی آمد پر جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں وہ حرام ہیں اگرچہ ان کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو اس لیے کہ اس کا روانی میں غیر اللہ کی تعظیم مقصود ہے اور متبذی طالب

بھی یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ کسی ملک کے سربراہ کے آمد پر جانوروں کی بھینٹ چڑھانے یا توپیں داغنے کو کوئی شخص بھی جانتا نہیں سمجھتا بلکہ محض اس کی دُنیوی تعظیم ہی منظور ہوتی ہے اور یہ بارود قریح و رسم آل روشن زمانہ میں بھی موجود ہے چنانچہ ایران کے معزول شاہ (رضا شاہ پہلوی) کی بیوی مگر ڈیڑا لکھی ہیں کہ۔

گرمی کی آمد پر شاہی دربار کوہ البرز کے دامن میں واقع شہرام میں منتقل ہو گیا شہرام کی طرف جاتے ہوئے ہم جس گاؤں سے گزرتے لوگ گیلوں میں جمع ہو جاتے اور ہمارے لیے جانور ذبح کرتے اگرچہ شاہ نے اس قربانی کی وضاحت کی کہ مثلاً ہماری آمد پر بھینٹ چڑھاتے ہیں جیسے تہنیں داغی جاتی ہیں۔ صفتدار (مکین) مجھے ان بے شمار بے زبان جانوروں کے قتل عام پر اپنے حقیقی جذبات و احساسات چھپانے کے لیے زبردست ضبطے کا کام لینا پڑا۔

دماخو ذہنت روزہ پاکستان فیصل آباد ۱۲۰۰ ہجری ۱۳۹۵ھ ص ۱۸۱ کلام ۲۵

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ عبادت کی قید اس میں غیر ضروری ہے۔ علاوہ ازیں ہم نے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کے حوالہ سے یہ بات بھی سنے ہیں کہ اصل عبادت یہ ہے۔

و نیز اگر اصل را بر ذبح حمل کردہ شود پس
ذبح بغیر اللہ مرد و غلام شد ذبح با ہم غیر اللہ
از کجا فہمیدہ شود تا دعائے این مردم حاصل
شود پس دریں عبارت اطلاق را بمعنی ذبح
گرفتہ باز بغیر اللہ را بجائے با ہم غیر اللہ منت
قریب بہ تحریف کلام الہی برسد
دعاوی عزیزی ۱۵۵ تفسیر عزیزی ص ۱۸۱ بقوہ

ہم نے بحدت مضافت با ہم غیر اللہ کو بغیر اللہ سے تعبیر کیا ہے (اور اس کا اقرار مولف مذکور کو بھی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں علیٰ طریق حذف المضافت کا ہوشیاری۔ توضیح البیان ص ۲۱۸) مولف مذکور کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ بغیر اللہ اور بغیر اللہ کے فرق کے سلسلہ میں وہ حضرت شاہ عبد العزیز

کا ذکر بھی کرتے تاکہ عوام کو بھی معلوم ہو جائے کہ اصل فرق کس نے کیا ہے؛ اور پھر حضرت شاہ صاحب کو اپنے کسی حفظ و ناظرہ اور قاعدہ کے دارالعلوم اور جامعہ میں داخل کر کے مبتدی طالب علموں کی صف میں بٹھا کر تعلیم دیتے تاکہ مبتدیوں میں حضرت شاہ صاحب بھی ہمارے ہم جماعتی اور کلاس فیلو ہو جاتے اور عن طعن و دونوں کو برابر ملتا علی طور پر یہ کتنی بڑی بہ دینا جی ہے کہ اصل حوالے پی کبر اور عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈال کر اصل بات آشکارا ہی نہیں کی جاتی اور نزلہ صرف ہم پر گرا ہے مگر۔

جنا کو تم وفا کئے ستم کو ہم کرم سمجھے اور کچھ دل میں تم سمجھے اور کچھ دل میں ہم سمجھے
رہا مولف مذکور کا یہ کہنا کہ دوست ستمی میں تہقید ذبح کا کون سا داعیہ ہے اور پسلیں

کون سا مانع ہے! لا سو گز دانش ہے کہ ہمارے نزدیک تو کوئی تعارض نہیں ہمارے نزدیک وہ جانور بھی حرام ہے جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور اکثر مفسرین کو لازم نے اپنے زمانہ کے مشرکین کے مخلص ہونے کی وجہ سے اسی کا تذکرہ کر دیا ہے اور وہ جانور بھی حرام ہے جس کو تقرب بغیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو اور شرت دی گئی وہ جانور محض اس بنیت ہی سے حرام ہو جاتا ہے اور اس میں گتے اور خنزیر کی طرح پلیدی آجاتی ہے اور کچھ بڑھک بھی ذبح کرنے سے وہ حلال نہیں ہوتا جس طرح کہ گٹا اور خنزیر جیسا کہ چالاک۔ اور ہوشیار بلکہ منافق مشرک ایسا کرتے ہیں کائنات عن الہ عبد العزیز۔ الغرض ہمارے ہاں کسی تہقید نہ تو کوئی داعیہ ہے اور نہ مانع ہے یہ سب مولف مذکور کی کم علمی اور کم عقلی کا نتیجہ ہے کہ وہ بلاوجہ ہمیں دروغ گو کہتے ہیں اور قلابازی کا طعن ہمیں دیتے ہیں حالانکہ وہ خود جبل مرکب کی وسیع فضا میں قلابازی پر قلابازی کھاتے ہیں اور اسی شجہ و بازی میں انہیں لطف بھی آ رہا ہے کیونکہ ان کی متاع عزیزی ہی شرک و بدعت۔ جمالت اہل حق سے بیزار و بیٹ بازی ہے جو کسی بھی عقلمند پر مخفی نہیں ہے۔ مولف مذکور کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت مفسرین کو لازم کی بیان کردہ جس صورت اور شق کو ہم نے مشور کہا ہے اب بھی بیابان و حل کہتے ہیں کہ ان کے دور میں وہی مشور تھی کیونکہ ان کے زمانہ کے مشرک مخلص ہوتے تھے لیکن اصل کے لغوی معنی اور اہم رازی؟

نے شرک و بدعت کی سوئی میں داخل ہونے کے لیے اور من مانی کرنے کی خاطر چور دروازہ کھلا رکھا ہے
چنانچہ مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں۔

یعنی اگر جانوروں کو حرام ماننے میں تم سچے ہو تو اس حرمت کی قطعی یقینی دلیل لازم معلوم ہوا
کہ حلت کے معنی سے دلیل نہ مانگی جائے گی دیکھو کہ دلیل تو ہے کوئی نہیں اور یوں بچارے پیٹ
پر زور پڑے گی۔ صنف (بلکہ حرمت کے معنی پر دلیل لانا لازم ہے، اسبکل دہانی ہم سے ہر چیز
کی حلت پر دلیل مانگتے ہیں جس سے ہم سراسر قاصر ہیں۔ صنف اور خود حرمت کی دلیل نہیں
پیش کرتے (بلکہ دلائل اور براہین کا انبار لگا دیتے ہیں جس سے ہمارے اوسان خطا ہوجاتے
ہیں۔ صنف) یہ اصول قرآن کے صریح خلاف ہے دیکھو کہ آئی جانوروں کے حرام ماننے
والوں سے دلیل مانگی۔ انتہی بغض (ص ۲۳۲) اور نیز لکھتے ہیں کہ حلال ہونے سے دلیل
کی ضرورت نہیں (ص ۲۳۳)

قارئین کرام! ملاحظہ کیجئے کہ اپنے علوے فاضلے کے لیے کس طرح چور دروازہ وا
رکھا ہے تاکہ تیجہ سالتوں، دسوال، چلم، عرس، میلاد، گیارہویں اور غیر اللہ کے لیے نامزد
کیے ہوئے جانوروں کی حلت وغیرہ حرام مانی کاروائی کے سلسلہ میں ان سے کوئی دلیل طلب
ہی نہ کرے اور ان کے پیٹ مبارک کا ہر طرف سے اور ہر رنگ میں خوب خوب انتظام ہوتا ہے
اور ان کے اتاد محترم مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی والیطیبت من الرزق کی تفسیر میں
لکھتے ہیں: مسئلہ آیت اپنے عموم پر ہے ہر کھانے کی چیز اس میں داخل ہے جس کی حرمت
پرنص وارد نہ ہوئی ہو (خازن)، تو جو لوگ ترشہ، گیارہویں، میلاد، شریف، بزرگوں کی فاتحہ، عرس
مجلس شہادت وغیرہ کی شریعی سبیل کی شربت کو ممنوع کہتے ہیں وہ اس آیت کے خلاف
کر کے گنہگار ہوتے ہیں اور اس کو ممنوع کہنا اپنی رائے کو دین میں داخل کرنا ہے اور یہی بدعت
وضلالت ہے۔ بغض (خزائن العرفان ص ۲۳۳)

بفضلہ تعالیٰ چونکہ ہم نے راہ سنت وغیرہ میں ان امور کے بدعت و ضلالت ہونے
پر بالکل مبسوط بحث کر دی ہے اس لیے ہم یہاں اس پر مزید بحث نہیں کرتے بس یہاں یہاں
۵۵۷

علامہ فیثا پوری حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور دیگر حضرات فقہاء کرام کی بیان کردہ صورت
کو بھی کس طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اب کے کلمہ گو شرک شرک میں بھی مخلص نہیں منافق
ہیں سبیل اسلام کا لگاتے ہیں اور اندر سے شرک کی پلید اور نجس شراب پیئیں اور پلاتے ہیں ہم نے
ہرگز یہ نہیں کہا کہ حضرات مفسرین کرام نے جو ذبح کی قید لگائی ہے وہ غیر ممنوع ہے جیسا کہ
مولف مذکور دلیل سے کام لے رہے ہیں بلکہ ہم نے یہ کہا ہے کہ حرمت کی صورت صرف اسی
میں منحصر نہیں اور نہ صرف اسی سے مقید ہے اور نہ اس کی گنجائش ہے ہمارے الفاظ یہ ہیں۔
غرضیکہ وہاں اھل کو وقت ذبح کے ساتھ متعینہ کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت
۱۵۲ نیز ہم نے لکھا ہے کہ جن مفسرین کرام نے ذبح کے وقت غیر اللہ مثلاً اصنام وغیرہ
کا ذکر کیا ہے تو یہ اس لیے نہیں کہ وہاں اھل پہ لفظ غیر اللہ صرف اسی میں منحصر ہے
بلکہ انہوں نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق صرف ایک شق کا ذکر کر دیا ہے جو بالکل بجا
ہے الخ تنقیہ ص ۱۵۷۔

قارئین کرام انصاف سے فرمائیں کہ ہماری ایسی صاف عبارت کے ہوتے ہوئے
مولف مذکور کا ہمیں جماعت مفسرین کی تحقیق کا سزا اور کنارہ کش بتانا اور اس مقبول طبقہ کے
مقابلہ میں لاکھڑا کرنا کتنا بڑا ظلم اور کسی واضح بددیانتی ہے۔

سچ بات کا انکار میں کیوں کر کر لے بت بے شک مجھے آتی ہے کبھی یاد خدا بھی
کسی بھی عقائد کو اس میں شک و شبہ نہیں ہو سکتا اور نہ اس کی گنجائش
مقصودانہ انداز ہے کہ تحلیل و تحریم کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا صرف اللہ تعالیٰ

ہی کی صفت ہے اس کی دیگر صفات کی طرح اس میں بھی اُس کا کوئی شریک و شریک
نہیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حلت و حرمت کو قطعیت کے ساتھ بیان
کرتے ہیں اور حضرات فقہاء کرام اور ائمہ مجتہدین جزئیات اور فروع کی شکل میں اس کی
تشریح و تفسیر کرتے ہیں جس طرح کسی چیز کی حرمت کی دلیل مطلوب ہے اسی طرح حلت
کی دلیل بھی درکار ہوتی ہے لیکن فریق مخالف کے مفتی عظیم اور مراد آبادی صاحب کے شاگرد

کنا چاہتے ہیں کہ ان تمام امور کی نصوص سے ممانعت ثابت ہے اور حضرات فقہاء کرام و کا
دین کے بائے میں نہایت ہی محتاط طبقہ ان امور کو بدعت و ضلالت کہتا ہے لہذا ان امور
کی حلیت کو ثابت کرنے والا نہ صرف یہ کہ گنگا رہے بلکہ اپنے لیے شارع ہونے کا منصب
بھی ثابت کرتا ہے اور ان امور پر بھی کہ حلال کہنے اور کرنے والا محرف دین ہے اور اپنے لیے
منصب قانون سازی ثابت کرتا ہے وہ راہزن ہے رہنما نہیں اس سے بڑھ کر اور گمراہی
کیا ہو سکتی ہے؟ فہو بذالہ تعالیٰ من ذلک ۔

مجھے زنجیر پہنا دو مجھے سولی پہ لٹکا دو مگر میں راہزن کو رہنما کہوں یہ مشکل ہے
حلیت و حرمت دونوں محتاج دلیل ہیں نصوص شرعیہ سے یہ امر بالکل ثابت ہے
جو کہ جس طرح حرمت بلا دلیل ثابت نہیں ہو سکتی اسی طرح حلیت بھی بلا دلیل ثابت نہیں ہو سکتی اور اس پر ہم پہلے بھی بفضلہ تعالیٰ باحوالہ
بحث کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا كُنْتُمْ تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ
الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَقَدْ
حَرَّمَ اللَّهُ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ
إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ
الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝
اور نہ کہو اُسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی
ہیں۔ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر
جھوٹ باندھو جسے شک جو اللہ پر جھوٹ باندھنے
میں ان کا بھلا نہ ہو گا۔
(ترجمہ از غانصاب)
(پ ۱۴ - اہل ۱۵)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حلال اور حرام دونوں کا صراحتاً تذکرہ فرمایا ہے
اور اس میں یہ سبق دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر محض اپنی زبانوں سے کسی چیز کو حلال
اور حرام کہنا اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنا ہے اس سے بالکل عیاں ہو گیا کہ جس طرح حرمت
دلیل کی محتاج ہے اسی طرح حلیت بھی دلیل کی محتاج ہے لہذا یہ کہ حلیت کے مدعی سے
دلیل نہ مانگی جائے گی قطعاً باطل ہے اور یہ بدعات اور رسومات بد کے اجراء کیلئے چور و رازہ

ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مراد آبادی صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھ
کر یک طرفہ کارروائی کی ہے کہ۔ آج کل بھی جو لوگ اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام بتا دیتے
ہیں جیسے میلاد شریف کی شربینی۔ فاتحہ۔ گیارہویں۔ عرس وغیرہ ایصال ثواب کی چیزیں جن کی
حرمت شریعت میں وارد نہیں ہوئی (ان کے حرام بدعت اور مکروہ ہونے پر محسوس دلائل شرعاً
وارد ہیں دیکھئے راہ سنت وغیرہ۔ صغیر) انہیں اس آیت کے حکم سے ڈرنا چاہیئے کہ ایسی
چیزوں کی نسبت یہ کہہ دینا کہ یہ شرعاً حرام ہیں اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنا ہے (مثلاً) ان امور
کی حرمت و کراہت تو دلائل قاطعہ سے ثابت ہے دراصل آیت کریمہ میں بیان کردہ حکم
سے اُن لوگوں کو ڈرنا چاہیئے جو اُن کو حلال کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں
مگر عمل اس پر کہتے ہیں کہ اُن لوگوں کو تو الٹا کوٹاٹنے اور توحیہ یہ رکھتے ہیں کہ لوگ انہیں بزرگ اور
غلام دین سمجھیں جو دراصل دہم دین میں ۔

قبا پریشی کے پردے میں جو عیاشی کے رسیا ہوں
میں ایسوں کو شیوخ و صوفیاء کہوں یہ مشکل ہے
یہ عنوان قائم کر کے مولف مذکور لکھتے ہیں کہ صدر الافاضل
رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر مصنف تنقید نے چوتھا اعتراض
اس طرح کیا کہ اہل بیت جاور ہو یا کوئی اور شیئی جب کسی دلی اور بزرگ کے نام پر اس اعتقاد سے دی
جائے کہ اس سے جلب منفعت یا دفع مضرت ہوگی تو وہ حرام ہے۔ انتہی

یہ کلام بھی حسب سابق تحریف اور دروغ گوئی کی اپنی آپ مثال ہے صدر الافاضل
رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث میں کہیں یہ نہیں فرمایا کہ بزرگوں کے نام پر اس اعتقاد سے جائز
دیا جائے کہ جلب منفعت اور دفع مضرت ہو البتہ ایصال ثواب کے لیے جائزوں کو نامزد
کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں یا وہ جائز جس سے اولیاء اللہ کو ثواب
پہنچا نامنظور ہو اس کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر
ذبح ان کا فقط اللہ کے نام پر ہو اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال اور

وہ اسی وقت آیا میں نے اپنی نذر پوری کی۔ اللہ اکبر کیا عجیب تناکر نظر ہے کہ اہل سنت پر نذر نیاز کی آڑ میں شکم پروری کا الزام رکھنے والوں کے مزعوم اکابر نذر و نیاز کے چاول اور شیرینی کے انتظار میں بیٹھے ہیں اب مولوی سر فرناز صاحب سے پوچھئے کہ کیا یہ نذر جلب منفعت اور دفع مضرت کے اعتقاد پر مبنی نہ تھی ہم نے باقاعدہ ثبوت ہم پہنچا کر ثابت کر دیا ہے کہ آپ کے فتویٰ کی زد میں براہ راست آپ کے اکابر آہستہ ہیں ہمیں کو خیر سے آپ ہمیشہ کرتے رہتے ہیں اب اپنی خبر لیجئے یا حقیقہ بدیہ یا شجرہ نسب بدیہ و در حرام خوردوں کی معنوی اولاد بنیئے جو آسان معلوم ہو گئے ہاتھ کر ڈالیے ہم تو آپ کی بہتری میں خوش ہیں اور ہمیشہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بہتری فرمائے آمین انتہی بمنظم (توضیح البیان ص ۲۲ تا ۲۴)۔

الجواب: ہم نے قارئین کرام کے سامنے مؤلف مذکور کی پوری عبارت نقل کی ہے تاکہ جواب کے سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے ذیل کے امور پر غور سے دھیان رکھیں۔

(۱) ایصالِ ثواب کا مسئلہ اپنی شرائط کے ساتھ اپنے مقام پر حق اور صحیح ہے اس کا کوئی منکر نہیں اور نہ اس میں کوئی نزاع ہے اس کو وہاں اُھل کی بحث میں بلافصل بیان کرنا بیجا و دل ہے حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا حکیم الامت کے حوالے درست ہیں اور ہم ہی نے وہ تعقید متین میں نقل کیے ہیں اور ہمارے ہی شکار سے مؤلف مذکور نے استفادہ کیا ہے

(۲) اگر حضرات اولیاء اللہ کے نام پر جانوروں کا نذر کرنا تقرب کے لیے نہیں بلکہ صرف ایصالِ ثواب ہی کے لیے ہے تو اپنے ماں باپ وغیرہ اقارب کے لیے نذر دگی کیوں نہیں کی جاتی جب کہ وہ ایصالِ ثواب کے حضرات اولیاء اللہ سے زیادہ محتک ہیں؟ جاہل اور بعید آدمی بخوبی جانتا ہے کہ ماں باپ کس قاش کے تھے؟ اس لیے ان کے تقرب و تعظیم سے تو مطلب حل نہیں ہوتا لہذا حضرات اولیاء کرام کے نام پر وہ جانور وغیرہ نذر کرتا ہے تاکہ اس طریق سے مطلب حل ہو جائے۔ فتاویٰ عزیزی اور روح المعانی کی مفصل عبارت پہلے گزر چکی ہیں اعادہ کی حاجت نہیں۔

(۳) خود مؤلف مذکور کے حوالہ سے یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ایصالِ ثواب اور

طیب میں۔

فرقی مخالفت کے قطب عالم مولوی رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ میں لکھتے ہیں کہ اگر یرینت ہو کہ اس کا ثواب وجہ اللہ کسی کو پہنچے اس میں کوئی حرج نہیں تعظیم پر ذبح سے حرام ہوتا ہے (بجواز تعقید ص ۱۳۲)۔

اور اسی حزب معاند کے حکیم الامت لکھتے ہیں۔

بعض لوگوں کو تغیر احمدی کی عبارت سے یہ شبہ ہو گیا ہے اس کا جواب اس کے منہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تاویل ایصالِ ثواب کی بنا پر علت کا حکم فرمایا ہے (بجواز تعقید ص ۱۳۲)۔

دیکھئے اہل تفتیش کے دو بخاری مولویوں کے کلام سے بالتصریح یہ امر ثابت ہو گیا کہ جانور کو ایصالِ ثواب کی خاطر اولیاء اللہ کے لیے نذر کیا جائے تو یہ حلال اور طیب ہیں اور یہی بات حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے پھر یہ کیا ظلم اور صریح بیادنتی ہے کہ آپ کے اجارہ و رہبان اگر ایک بات کہیں تو وہ حق ہے اور وہی بات اگر ہم پیش کریں تو باطل۔ باقی رہا اولیاء اللہ کے تقرب کے لیے نذر ماننا تو ہم اس بارے میں اپنا مسئلہ اکثرہ واضح کر چکے ہیں کہ تقرب علی وجہ العبادۃ شرک ہے اور ہم ایصالِ ثواب کے قائل ہیں لہذا اصل نے اپنی اس تفسیر میں بھی ایصالِ ثواب کا ذکر کیا ہے پس اس صورت میں اس طرح نذر ماننا کر لے اللہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں نذر مانا ہوں کہ میں فلاں جانور تیرے لیے ذبح کروں گا۔ اور پھر وہ اس نذر کا ثواب کسی شخص یا بزرگ کو پہنچائے تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی انفس العارفین ص ۱۴۴ میں تحریر فرماتے ہیں (حضرت والد ماجد) قصبہ ڈاسر میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے رات کا وقت تھا۔ اس جگہ فرمایا کہ مخدوم ہماری دعا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کچھ کھاکر جانا پھر حضرت بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ آدمیوں کا نشان منقطع ہو گیا۔ ساتھی اٹا گئے اس وقت ایک عورت اپنے سر پر چاول اور شیرینی کا طبق لیے ہوئے آئی اور کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جس وقت میرا خداوند آئے گا۔ مخدوم اللہ دیا کے دربار میں بیٹھنے والوں کو پہنچا دوں گی۔

نذر دو الگ الگ چیزیں ہیں ہاں بقول ان کے نذر کی بعض صورتیں ایصالِ ثواب کو مستلزم ہیں لیکن بعض صورتیں حضرات فقہاء کرام کے نزدیک ایسی بھی ہیں جن میں کوئی استلزام نہیں بلکہ نذر کی وہ صورتیں بالاجمل کفر ہیں کائنات

(۴) مولف ذکر کیا کہ کتنا کہ پھر یہ کیسا عظیم اور صریح بیانی ہے کہ آپ کے اجار و رہبان اگر ایک بات کہیں کر دے اور وہی بات اگر ہم ہمیشہ کریں تو باطل باقی رہا اولیاء اللہ کے لیے نذر ماننا تو ہم اس بارے میں اپنا مسلک مرزا کثیرہ بیان کر چکے ہیں کہ تقرب علی وجہ العبادۃ شرک ہے اور ہم ایصالِ ثواب کے قائل ہیں الا جہل مرکب کا پندہ ہے کیونکہ ہمارے اجار و رہبان بشمولیت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ایصالِ ثواب کو جائز کہتے ہیں اور تقرب و تعظیم غیر اللہ کو جائز و غیرہ کی حرمت اور خاشاک کی علت قرار دیتے ہیں اور آپ لوگ تقریباً اللہ کو ایصالِ ثواب قرار دیکر حلال و طیب قرار دیتے ہیں اور صرف تقرب علی وجہ العبادۃ کو شرک قرار دیتے ہیں اور پہلے بحوالہ عرض کیا جا چکا ہے کہ قدم امیر کے لیے جو جائز ذبح کیے جاتے ہیں وہ حضرات فقہاء کرام کی تصریحات سے حرام ہیں کیونکہ اس صورت میں مقصود وضیعت نہیں ہوتی بلکہ تقرب و تعظیم مطلوب ہے حالانکہ بادشاہوں کا تقرب علی وجہ العبادۃ کوئی بھی نہیں کرتا نہ ان اکثر ظالموں اور فاسقوں کو کوئی قابلِ عبادت سمجھتا ہے نہ ان کی عبادت کرتا ہے علت حرمت صرف تقرب ہے۔

(۵) بعض افعال ہی اعتقاد پر وال ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ان کے کرنے والا جہل چلا کر یہ کہے کہ میرا یہ عقیدہ ہے اگر محض ایصالِ ثواب ہی مقصود ہو تو بقول حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اتنی مقدار میں گوشت پر اکتفا کر لی جائے اور بازار سے خرید کر مسالین میں بانٹ دیا جائے جانور کو اولیاء کرام کے نام پر نامزد کرنے والے کے دل میں اکثر یہ فہم ہوتا ہے کہ اس نامزدگی سے اس کا تقرب حاصل ہو گا اور اس طریقہ سے مطلب براری ہو گی جیسا کہ قدم امیر کے لیے جانور ذبح کرنے والا زبان سے کہہ نہیں سکتا کہ میں اس کی تعظیم اور تقرب چاہتا ہوں مگر اکی اس کا وہی کو حضرت فقہاء کرام نے تعظیم و تقرب ہی قرار دیکر جانور کی حرمت کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ کائنات

(۶) اہل حق صاف الفاظ میں یہ کہتے ہیں کہ کسی جانور کی بنام خدا قربانی کر کے اس کا ثواب کسی ولی اور بزرگ کو پہنچایا جاسکتا ہے لیکن اس میں اپنی مطلب براری کا کوئی سوال نہیں ہوتا وَمَا أَهْلُ لَعْنِ اللَّهِ بِہِ کی اس شقی میں اہل حق اختلاف کرتے ہیں جس میں غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب مقصود ہو وہ حرام ہے اور ایسے لوگ دنیا میں موجود تھے اور ہیں جو جانور کو غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کے لیے ذبح کرتے تھے اور کرتے ہیں چنانچہ خود فریقِ مخالف کے عند الانفاصل وَمَا ذُبِحَ عَلَى النَّصَبِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

دوسرا وہ جو کسی تھان پر عبادۃ ذبح کیا گیا ہو جیسے کہ اہل جاہلیت کے کعبہ شریف کے گردین سوساٹھ پتھر نصب کیے تھے یہ صرف پتھر ہی نہ تھے بلکہ ان میں بنایان کعبہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے بھاری مسجد اور بروایت منہ احمد حضرت مریم علیہا السلام کا مجسمہ بھی تھا۔ البلیہ والناتہ مسجد جن کی وہ عبادت کرتے تھے اور ان کے لیے ذبح کرتے تھے اور اس ذبح سے ان کی تعظیم و تقرب کی نیت کرتے تھے انتہی بغض (۱۵۶) اس سے بالکل عیاں ہو گیا کہ غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرنے والوں کی نیت میں ان کی تعظیم و تقرب کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ اور یہ تعظیم اور تقرب پیغمبر پیر بزرگ اور جن وغیرہ سب کے لیے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے حوالہ سے پہلے بیان ہو چکا ہے فریقِ مخالف کی یہ بے حد کوتاہ فہمی یا ندی ہٹ دھرمی ہے کہ وہ اس تقرب اور تعظیم کو پتھروں اور بتوں کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور حضرات اولیاء کرام کے نام پر تقرب و تعظیم کے لیے نامزد کیے ہوئے جانوروں کو اس سے خارج کرتے ہیں اور یوں اپنے پیٹ کے لیے کھالے پٹینے کا چور دروازہ کھلا چھوڑتے ہیں کیونکہ کلہو مسلمانوں کو بتوں سے تو کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے کہ حضرات اولیاء کرام سے ہوتا ہے مشرکین مکہ نے بھی قمری سال کے تین سوساٹھ دنوں کے حساب سے تین سوساٹھ مذہبی اور سیاسی بزرگوں کے بت اور مجسمے کعبۃ اللہ کی دیوار میں نصب کر رکھے تھے تاکہ ہر دن انہیں نیا چڑھاوا وصول ہو سکے اور سال کا کوئی دن بھی ناخن نہ ہو یہی حال آج کے کلہو گو

مسلمانوں کا ہے کہ کبھی کسی کا عرس رچایا جاتا ہے اور کبھی کسی کا ناکہ دار سے پیارے ہو جائیں اور بغیر کھانے کے پیٹ شریف کی خوب تواضع ہوتی ہے۔ ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ کعبۃ الشریعہ جو تین سو ساٹھ بت تھے وہ محض منہ اور بت ہی نہ تھے بلکہ ان لوگوں میں عظیم ترین مذہبی اور سیاسی بزرگوں کے نام پر مجسمے تھے جن میں خصوصیت حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل اور حضرت مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مجسمے بھی تھے۔ کیا کہ اوپر باحوالہ بیان ہو چکا ہے مزید تحقیق مگر نہ توفیق میں دیکھیں۔ یہ بات پیش نظر ہے کہ مشرکین عرب کا یہ نظریہ تھا کہ جن کے نام پر وہ ندیں بہتے تھے (نذر بھی عبادت ہے کھائے) اور جنہیں سجدے وغیرہ کر کے ان کی عبادت کرتے تھے۔ وہ خالق و مالک ہیں بلکہ یہ کہتے تھے کہ وہ ہیں خدا تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارشیں کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ

مَا تَعْبُدُوهُمْ إِلَّا لِيُغْنُوا عَنْكَ اللَّهُ لَوْ أَنَّ هَٰؤُلَاءِ لَإِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ لَإِذَا دُعُوا إِلَٰهُهُمْ قَالُوا لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ فَاعْبُدُوا اللَّهَ الَّذِي تَعْبُدُونَ

اور اسی پہلو کو حضرات فقہار کرام تقرب و تعظیم اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور ارشاد خداوندی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں۔

هَٰؤُلَاءِ شَفَعَاءُ عِنْدَ اللَّهِ

اور اسی مافوق الاسباب سفارش کو حضرات فقہار اسلام نے کفر کہہ کر جس کی مفصل باحوالہ بحث اپنی جگہ پر مذکور ہے۔ اور آج بھی حضرات اولیاء کرام سے ایسی اندھی ہمتیت رکھنے والے موجود ہیں الغرض تقرب تعظیم اور ایصالِ ثواب کے لیے پتھروں اور بتوں کو ہی مختص نہیں کیا گیا جیسا کہ اہل شرک نے سمجھ رکھا ہے بلکہ ان بزرگ مبتیوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے جن کے نام پر بت بنائے گئے اور اسی میں عمر کوئی عشقِ مہمان میں مومن۔ آخری وقت میں کیا خاک نماں ہو چکے

قاری بن کرام کے سلسلے ہم رسالہ ضیاء حرم کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں

دکھپ گپ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ روایت ہے کہ شہر برون پور میں ایک مالدار اللہ پر رہتا تھا وہ مذہب سے ہندو تھا مگر حضرت غوث الاعظم کا معتقد تھا اپنے آپ کو آپ کا مرید

بتا تھا اور آپ کی محبت میں ہر سال قسم قسم کے کھانے پکانے اور فطر کو کھلاتا تھا جب فطر ہوا تو ہندوؤں نے اس کی چٹان کو ٹکڑیوں کو آگ لگا دی مگر آگ نے اُس کے بال تک نہ جلائے ہندو یہ دیکھ کر طرح طرح کے مشورے کھننے لگے آخر یہ طے پایا کہ اسے پانی میں بھینک دیا جائے جب پانی میں بھینک دیا تو حضرت غوث الاعظم نے ایک بزرگ کو خواب میں فرمایا کہ فلاں ہندو میرا روحانی فرزند ہے جس کا نام مردان خدا کے نزدیک سعد اللہ ہے اسے پانی سے نکال کر غسل دو نماز جنازہ پڑھ کر دفن دو۔ انتی بلفظ (ضیاء حرم رمضان، فرمبر ۱۹۲۹ء ص ۱۲۵) قاری بن کرام! غور فرمائیں کہ جب ایک ہندو حضرت غوث الاعظم کی محبت میں قسم قسم کے کھانے پکانے اور غیر ہم کو کھلانے کی برکت سے سعد اللہ بن گیا اور حضرت سیدنا شیخ عبدالحق درجیلانی کا روحانی فرزند قرار پایا کہ نہ تو اس کو کسی مسلمان نے کلمہ پڑھتے اور نماز و روزہ وغیرہ ادا کرتے دیکھا اور نہ کسی ہندو نے تو مسلمان کھلانے والے اگر حضرت کی محبت میں آکر گیارہویں شریف کے قسم قسم اور لذیذ کھانے علماء وغیرہم کو کھلائیں تو ان کے سعد اللہ بننے اور روحانی فرزند کھلانے اور نجات پانے و بخشش میں کیا شک ہو سکتا ہے پھر انہیں نماز و روزہ وغیرہ دین کے کاموں میں مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ محض حضرت غوث الاعظم سے تقرب پیدا کرنا بیڑا رہا ہے بس صرف علماء وغیرہم کو قسم قسم کے کھانے کھلا دیں۔ ہمارے ہاں نہ تو خوابوں پر دین کا مدار ہے اور نہ کوئی ہندو کسی ولی کا روحانی فرزند بن سکتا ہے فریق ثانی جانے اور اس کا کام۔ بقول اکبر

صبر و دلیری دیر حق پرستی اب کمال رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلمان ہو گئے

(۷) مولفہ نے انفس العارفين کا جو حوالہ نقل کیا ہے وہ ان کے دعویٰ سے بالکل غیر متعلق ہے کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ جانور کو ایصالِ ثواب کی خاطر اولیاء کرام کے کے لیے نامزد کیا جائے الخ اور اس واقعہ میں نہ ماننے والی یہ نہیں کہتی کہ چاول اور شیرینی کا طبق میں نے مخدوم اللہ دیا ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ کیونکہ ولی اور بزرگ تو مخدوم اللہ دیتے ہیں بلکہ وہ بقول مولفہ مذکور ہے کہ میں نے نذر مانی بھی کر جس وقت میرا خاندان آئے گا مخدوم

اللہ دیا کے دربار میں بیٹھے والوں کو پہنچاؤں گی الما تو یہ بیٹھنے والے نذر کا مصروف ہیں نہ یہ کران سے جلب منفعت اور دفع مضرت کا پہلو و البتہ ہے اور فتاویٰ عزیزی کے حوالے سے پہلے اس کے جواز کی بحوالہ مفصل بحث گزر چکی ہے۔ ہماری قلمی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فریق مخالف کے ہر فرد کو بشمولیت مؤلف ذکر و نحوئے اور دلیل کی مطابقت کے سمجھنے کی توفیق بخشنے تاکہ وہ فضول عبرتی سے محفوظ رہیں۔

(۸) مؤلف مذکور نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی وغیرہ حضرات کو ہمارے مرموم اکابر کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ ان کی کوتاہی ہے وہ حضرات بعد اللہ تعالیٰ ہمارے یاقین اکابر ہیں اور ہندوستان کی سرزمین میں ان کے بعد آجکل ایسے اکابر پیدا ہی نہیں ہوئے۔

۱۰ اولیٰ ابائی غفرلہم اذاجمععتنا یا جبریل الجامع مؤلف مذکور یہ کہتے ہیں کہ آپ کے فتویٰ کی زور میں براہ راست آپ کے اکابر آہے ہیں الما اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ ہمارے اکابر ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہمیں اس پر بڑا فخر ہے کہ وہ ہمارے اکابر ہیں اور اس سے یہ بھی عیاں ہو گیا کہ وہ حضرات فریق مخالف کے اکابر نہیں ہیں اور بات بھی درحقیقت یہی ہے ہاں جب ان کی کسی مجلس یا مہم عبارت سے فریق مخالف کی کسی بدعت کی تائید ہوتی ہو یا اس سے ان کے پیٹ مبارک کو کوئی رسد بہم پہنچا ہو تو پھر بادل غماستہ وہ ان کے اکابر بن سکے ہیں کیونکہ ان کے بغیر ان کی گاڑی نہیں چلتی اور پتی ہی کا نام گاڑی ہے اور یہ مقصد نہ ہو تو پھر نیک نزدیک معاذ اللہ تعالیٰ وہ حرام خوردوں کا ٹولہ ہے اور ہم ان کی معذرتی اولاد ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور کے بیان سے واضح ہے۔ قارئین کرام اس کو غور سے پڑھیں عیاں راجح بیاں۔

(۹) بلاشبہ نذر نافذ کے خیال میں جلب منفعت اور دفع مضرت کا سبب ہوتی ہے۔ اور حقیقت جیسا کہ حدیث میں آتا ہے لایاتی ابن آدم النذر بشئ العیش و البکاری و البکر ابن آدم کے لیے نذر کچھ نہیں کر سکتی ہے ہوتا وہی جو منظور خدا ہو۔ لیکن اس طریق سے بخیل سے غریبوں کے لیے مال نکل آتا ہے اور مسلمان جب بھی نذر ماننا ہے تو خدا تعالیٰ

ہی کیئے جاتا ہے یہاں اس واقعہ میں اس بی بی نے بھی ایسا ہی کیا ہے ہاں اُس نے اپنے خیال میں اس نذر کے مصارف دل تمین کیے ہیں کہ حضرات مخدوم اللہ دیا کے دربار میں بیٹھنے والے اکابر ہیں اور طرح اس نسخہ نذر دہی کی بیٹھنے والوں نے تو اس نے جلب منفعت کی امید و البتہ رکھی اور دفع مضرت کی آرزو و مؤلف مذکور اللہ اکبر کا نعرہ مار کر بلا وجہ خوش ہوئے ہیں ان کا کوئی مقصد بھی کسی حوالہ سے پورا نہیں ہوا ان کے لیے تو یہ جائز و رد کرنا زیادہ مناسب ہے کہ۔

اے میرے باغ آرزو کیا ہے باغ ہائے تو

کھیاں تو گو ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نسیم

یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ۔

سرفراز صاحبک پانچوال شبہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر مولوی سرفراز صاحب

کی پانچویں تحریف ملاحظہ فرمائیں۔ خامشاً مولوی نعیم الدین صاحب نے جو لکھا ہے کہ کیونکہ مَا أَهْلَ بَہ کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں تو مَا ذَکِیْتُمْ کا استثناء اس کو لاحق ہوگا اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے مرموم رہا ہو وہ اَلْأَصَاذَکِیْتُمْ سے حلال ہوگا یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے اس لیے کہ یہ استثناء سب مذکورہ اشیا کے ساتھ ملتی نہیں بلکہ صرف قریب کی چیزوں سے ملتی ہے مثلاً وَمَا أَکَلَ السَّبْعُ وغیرہ اگر سب کے ساتھ ملتی ہو تو ان میں میتہ اور خنزیر کا تذکرہ بھی ہے اور اس اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ مردار جانور جو خود بخود ذبح کے مریکا ہو وہ حرام ہے مگر ہاں جس مردار کو تم ذبح کر لو وہ حلال ہے اور خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے ہاں مگر جس کو تم ذبح کر لو تو وہ حلال ہو جائیگا۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) جب جانور مردار ہو چکا ہو تو پھر ذبح کرنے سے کیونکر حلال ہو سکتا ہے؟ اور خنزیر کس طرح ذبح سے حلال ہو سکتا ہے؟

انتہی کلام مقید میں ۱۴۵ (دو طبع دوم ۱۴۵) مولوی سرفراز صاحب نے یہ جاہلانہ اعتراض کر کے صدر الافاضل کی طرف جو گند اچھا لایا ہے اس نے ان کی عاقبت کو اس طرح پلید و نجس بنا دیا ہے کہ وہ ذلت کی نگاہوں میں بھی رسوا ہو گئے۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے تو بالخصوص مردار اور خنزیر کو استنثار لایق کیا اور نہ بالعموم یہ فرمایا کہ تمام مذکورہ اشیاء کو استنثار لایق ہو گا حتیٰ کو میتہ اور خنزیر کو بھی لحوق استنثار لازم آئے۔ پس مولوی سرفراز صاحب نے جمالت عناد اور دروغ گوئی کے پیش نظر جو صدر الافاضل کے کلام پر یہ رد کیا ہے کہ یہ استنثار سب مذکورہ اشیاء سے ملحق نہیں یہ اُس وقت وارد ہوتا جب صدر الافاضل نے سب اشیاء کے ساتھ لحوق استنثار کا دعویٰ کیا ہوتا اور اگر بعض (یعنی وکما اھل ید) امور کے ساتھ استنثار کا لحوق کل کے ساتھ لحوق کو مستلزم ہے تو پھر یہ استدلال مشترک ہے کیونکہ بعض امور (وکما اکل السبع) کے ساتھ لحوق استنثار تو آپ بھی مانتے ہیں۔ لیکن ہے مولوی سرفراز صاحب کو ان بعض مفسرین کی عبادت سمجھنے میں غلطی ہو جو مختلفہ سے لیکر وکما اکل السبع تک پانچ چیزوں کو استنثار لایق کرتے ہیں اور جنہوں نے تصریح کی ہے کہ دوم۔ میتہ۔ خنزیر اور وکما اھل لعنہ اللہ یدہ کو استنثار لایق نہیں تو عرض ہے کہ وکما اھل لعنہ اللہ یدہ کو جن مفسرین نے استنثار لایق نہیں کیا وہ وکما اھل کو ماذیج پر محمول کرتے ہیں پس اَلَا مَا ذَکِیْتُمْ لایق کرنے کا مفاد جب وکما اھل سے حاصل ہو گیا تو اب اَلَا مَا ذَکِیْتُمْ کا لایق کرنا محض تحصیل حاصل ہے اور یہ بات اس مضمون میں صریح ہے کہ اگر وکما اھل کو ذبح پر محمول نہ کیا جائے تو اب اس کو اَلَا مَا ذَکِیْتُمْ کا لحوق صحیح ہو گا کیونکہ علماء کی عبارات میں مضمون مخالف معتبر ہوتا ہے۔

اب ہم آپ کے سامنے عالمگیری رحمۃ اللہ علیہ کے اسادہ گرامی ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیرات احمدیہ سے وہ کلام پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے وکما اھل یدہ کو اَلَا مَا ذَکِیْتُمْ کے لایق نہ ہونے کی علت اھل کا معنی ذبح ہونا قرار دیا ہے ملاحظہ ہو (ہم نے مولف مذکور کے ترجمہ پر ہی اکتفا کیا ہے۔ صفحہ ۱۰۷) اور مقدمہ سے استنثار کرنا جائز نہیں یعنی مردار خون لحم خنزیر اور وکما اھل لعنہ اللہ یدہ سے جس طرح اس پر علامہ زاہدی نے نص قائم کیا ہے کیونکہ یہ اشیاء لہذا حرام ہیں جنہیں کسی حال میں علت لایق نہیں

ہوتی اور قرآن میں ان کا ذکر متعدد بار بغیر استنثار کے کیا گیا ہے اور یہ اس پر کافی دلیل ہے نیز ان امور میں ذبح کا معنی غیر مقصور ہے کیونکہ مردار تو بلا ذبح مر گیا اور خون کا مذبح نہ ہونا بالکل ظاہر ہے اور خنزیر مطلقاً حرام ہے پس اسے مذبح نہ ہونے کے لیے ان کا ذکیتم کے استنثار کی حاجت نہیں اور وکما اھل کا معنی ماذیج ہے پس اسے اَلَا مَا ذَکِیْتُمْ لایق کر کے دوبارہ ذبح کرنا کس طرح مقصور ہو سکتا ہے؟

منصف مزاج آدمی کے لیے ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام میں ہدایت کا وافر مواد موجود ہے البتہ خواہ مخواہ کی ضد اور عناد کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ اور اگر مولوی سرفراز صاحب کو اب بھی کچھ شبہ رہ گیا ہو تو بیچے اب تفسیر روح المعانی سے علامہ آلوسی کی صریح نص پیش کرتے ہیں کہ یہاں استنثار وکما اھل لعنہ اللہ یدہ کی طرف راجح ہے چنانچہ علامہ آلوسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آیت میں استنثار تمام محرمات کی طرف راجح ہے سو ان چیزوں کے جو ذکاة کو قبول نہیں کرتیں اور وہ یہ ہیں مردار۔ لحم خنزیر۔ خون اور جس کو درندے نے کھاپی لیا ہو اور اس کے کھانے کے بعد جانور زندہ نہ بچا ہو اس آیت کریمہ میں تو چیزوں کو محرمات میں شامل کیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ان میں چارہ کی طرف استنثار راجح نہیں ہے (۱) مردار (۲) خون (۳) لحم خنزیر اور (۴) درندے کا کھایا ہوا اور جن پانچ چیزوں کی طرف حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ نے استنثار راجح کیا ہے وہ یہ ہیں (۱) وکما اھل لعنہ اللہ یدہ (۲) مخنقہ (۳) موقوذة (۴) مترویة (۵) فطیحة۔ اس حوالے سے ناظرین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ صدر الافاضل کی طرح صاحب روح المعانی، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے بھی وکما اھل لعنہ اللہ یدہ اَلَا مَا ذَکِیْتُمْ کا استنثار لایق کیا ہے اور اس لحوق پر سرفراز صاحب اس طرح برہم ہوئے ہیں۔ یہ ہے فریق مخالف کے مفسر کی قرآن وانی حقیقت یہ ہے کہ جب ان خوف خدا سے بے نیاز

ہو جائے اور بدعات کا تشبیہ انی بن جائے اور من مانی کا وہ ایوان اُن کے تو دینی معاملات میں قدم قدم پر ٹھوکر کھائے گا اور دنیا و آخرت میں عند اللہ اور عند الناس رسوا ہو گا (تفتیح تین ص ۱۳۹) اب آپ ہی سوچئے کہ ٹھوکر کون پر ٹھوکر کون کون کھار رہا ہے؟ اور دنیا و آخرت کی رسوائی کس کا حصہ اور مقرر ہے بھلا اللہ ہم نے صدر الافاضل کے کلام سے وہ بخار و دور کر دیا ہے۔ جو سرفراز صاحب کی مجرمانہ جہارت اور سچی کاذب کا جعل تھا معلقہ لعنت میں گرفتار گھڑ لڑی کے دامن میں سوائے کذب و افتراء کے اور ہے بھی کیا؟

جس سے وہ اہل حق کے سامنے آسکیں انتہی بلفظ (توضیح البیان ص ۲۲۷ تا ۲۳۱) **الجواب** بدہم نے مولف مذکور اور ان کے دیگر حواریوں کی طرح یہ طریق اختیار نہیں کیا کہ جواب کے لیے صرف بعض ہی عبارتوں کو لے لیا جائے اور باقی تمام باحوالہ ٹھوس عبارتوں سے لاجواب عاجز اور قاصر ہو کر انہیں شیر مادر یا گیارہویں شریف کا لذیذ حلہ مجھ کر ہضم کر لیا جائے تنقید متین کے اول سے لیکر آخر تک اکثر ٹھوس حوالے مولف مذکور کو جواب کے لیے لٹکارتے ہیں اور انشاء اللہ العزیز تا قیامت لٹکارتے رہیں گے جن کو نہ تو انہوں نے عوام کے سامنے پیش کرنے کی جرأت ہی کی ہے اور نہ ان کا جواب دے سکے ہیں صرف سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے تنقید متین کی بعض باتوں کو لے کر جان چھڑانے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن قارئین کرام اتمام البرہان کے چار حصوں سے بخوبی یہ اندازہ لگا چکے ہوں گے کہ مولف کو بڑی طرح اپنی مذہب کا روائی میں ناکام ہے ہیں اور اب تو انہوں نے جواب سے سراسر عاجز آکر اور یقیناً قاصر ہو کر راہ فرار اختیار کر لی ہے اور اتمام البرہان کا جواب دینے کے بجائے رخ ہی بدل لیا ہے اور مقام ولایت و نبوت کے نام سے کتاب لکھ کر عوام الناس کو دھوکہ دہی کی سعی کی ہے انشاء اللہ العزیز بشرط زیلت و صحت اتمام البرہان کے بقیہ حصوں کی تکمیل اور مقام ولایت و نبوت کے جواب میں قارئین کرام مولف مذکور کی جہالت اور عاجزی کا بخوبی اندازہ لگا لیں گے کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے گو وہ طبعی طور پر اس کو پسند کریں گے کہ ان کے خلاف کچھ بھی نہ کہا جائے تاکہ ان کے علمی بھرم کی حقیقت آشکارا

نہ ہو لیکن

یہ دستور زبان بندی ہے کیسا تیری محفل میں یہاں قربات کرنے کو ترستی ہے زباں میں مولف مذکور نے اپنی طویل اور لایعنی عبارت میں بہت سی علمی ٹھوکریں کھائی ہیں جن

میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) مولف مذکور لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں نو چیزوں کو محرمات میں شامل کیا گیا (توضیح البیان ص ۲۲۷) اور ان کے صدر الافاضل لکھتے ہیں کہ گیارہ چیزوں کی حرمت کا ذکر کیا گیا (۱۵۵) اور یہی بیان مفتی احمد یار خان صاحب کا ہے وہ لکھتے ہیں کہ یہاں گیارہ چیزوں کی حرمت کا ذکر فرمایا (نور العرفان ص ۱۶۹) قارئین کرام خود اندازہ کر لیں کہ جو شخص اپنے بزرگوں کی اُردو تفسیروں سے ناواقف ہو اور باوجود ناواقفیت کے ان کی طرف سے تعصب میں مبتلا ہو کر دفاع کرتا ہو وہ عربی تفسیریں سمجھنے کے اہل کب ہو سکتا ہے؟ اور ان کے سمجھنے کی استعداد اس میں کیسے آسکتی ہے؟

(۲) مولف مذکور پہلے تو لکھتے ہیں کہ صدر الافاضل نے (لَا مَا ذَكَرْتُكَ) کی استثناء کا سبب اشارہ مذکورہ کے ساتھ حقوق کا دعوے نہیں کیا۔ جس میں وَمَا أَهْلُ لَعْنَةِ اللَّهِ بِهِ بھی شامل ہو (محلہ ص ۲۲۸) اور آگے لکھتے ہیں صدر الافاضل کی طرح صاحب روح المعانی حضرت علیؑ اور حضرت ابن عباسؓ نے بھی وَمَا أَهْلُ لَعْنَةِ اللَّهِ بِهِ (لَا مَا ذَكَرْتُكَ) کا استثناء لایا ہے (ص ۲۳۱ و ۲۳۲)

اور حضرات کا معاملہ تو آسان ہے کیونکہ ان کے کلام میں تعارض نہیں لیکن بقول نبوت مذکور کے ان کے صدر الافاضل کے نظریہ میں کھلا تعارض ہے جیسا کہ کسی بھی ذی شعور سے محض نہیں کہ استثناء کے حقوق کی نفی بھی ہے اور اثبات بھی۔

(۳) وَمَا أَهْلُ لَعْنَةِ اللَّهِ بِهِ اگر ذبح پر اس لیے حمل کیا جائے کہ مخلص مشرک ذبح کے وقت کھل کر اپنے معبودوں کا نام ذبح کے وقت لیتے تھے اور اسی کا اُن میں رواج تھا تو بجائے کیونکہ وَمَا أَهْلُ لَعْنَةِ اللَّهِ بِهِ کی ایک شے یہ بھی ہے اور بعض حضرات مفسرین کرام کے

دور میں اسی کا رواج تھا۔ کیونکہ اُس وقت کے مشرک شرک میں مخلص تھے اور انہوں نے بنا بر شرت کے اسی کا ذکر کیا ہے اور اگر یہ سزا ہو کہ ماک اہل کا معنی ماذیغ ہے تو بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب (کھامتر) یہ قرآن کریم کی تحریف کے قریب ہے۔ معاذ اللہ تعالیٰ۔

مؤلف مذکور کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ان حضرات معززین کرام (مثلاً امام رازی عسکرمشاہ) پر شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب اور صفت اکلیل وغیرہ) کا تذکرہ بھی صراحت سے کرتے جن کے بعض حوالے تنقید متین میں موجود ہیں جو ماک اہل کو ماذیغ پر محمول نہیں کرتے بلکہ شہرت شینے اور نامزد کرنے پر محمول کرتے ہیں اور ان کے نزدیک الا ماک ذکیستہ کے ساتھ لاجہ کرنے سے تحصیل حاصل لازم نہیں آتی۔ مؤلف مذکور نے ایک طرف کاروائی کیوں کی ہے اور اس کو نظر انداز کیوں کیا ہے؟

(۴) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ۔ کیونکہ علماء کی عبارت میں مضموم مخالف مقبرہ بتا ہے (۳۲) یہ قول ان کا بکل اور ہم سب مضموم مخالف کے محبت ہونے اور نہ ہونے میں اصول فقہ وغیرہ کا کلیوں میں غامض بحث ہے۔ علامہ فرمادی تو فرماتے ہیں کہ داخل الحنفیہ والاعتزلیہ (نبراس ص ۲۵) کہ حضرات احناف اور معتزلہ مضموم مخالف کی محبت کے منکر ہیں مگر معنی کہتے ہیں کہ سائے احناف منکر نہیں بلکہ بعض منکر ہیں کچھ بھی ہو یہ مسئلہ اختلافی ہے جو بظاہر مؤلف مذکور کو معلوم نہیں۔

(۵) حضرت عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاد محترم حضرت ملا جیون رحمہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح تفسیرات احمدیہ میں ماک اہل کا معنی ماذیغ نقل کیا ہے اور اس سے مراد۔ دم۔ لحم خنزیر اور ماک اہل لعنہ اللہ بہ کو خارج کیا ہے جو بجا ہے کیونکہ باحوالہ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ مخلص مشرک ذبیح کے وقت اپنے معبودوں کا نام لیتے تھے لیکن یوشیار چالاک پریٹ پرور اور منافق مشرک جانور کو نامزد کوئی کے نام پر کرتے ہیں جس میں کئے اور خنزیر سے بڑھ کر خباثت پیدا ہو جاتی ہے لیکن ذبیح کو کتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں اسی طرح حضرت ملا جیون نے ماک اہل کے معنی نامزد کئے

کے بھی کیے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

وَمَا أَهْلٌ بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ مَعْنَاهُ
قُبْحٌ بِهِ لَا سَمْعَ غَيْرِ اللَّهِ مِثْلَ
اس کو غیر اللہ کے نام کی خاطر ذبح کیا جائے۔
لَا تِ وَعِزَّتِي أَوْ أَسْمَاءَ الزُّبَيَّاءِ وَغَيْرِ ذَلِكَ
(تفسیرات احمدیہ ص ۲۹)
اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

أَوِ الْفَسَقِ الَّذِي ذَبَحَ بِهِ لَاسَمِ
غَيْرِ اللَّهِ مِثْلَ الْمَلَاةِ وَالْعُزَّى
یا نافرمان کرتے ہوئے اہل باور کو مثلاً لالت اور
عزئی وغیرہ کے ناموں کی خاطر ذبح کیا جائے
وغیر ذلک الخ (ص ۲۶۵)

دونوں جگہ موصوف لاسم غیر اللہ کا جملہ بولتے ہیں باسم غیر اللہ کا لفظ نہیں بولتے اور پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے لعنہ اللہ اور لعنہ اللہ کا فرق نقل کیا جا چکا ہے۔ حضرت ملا جیون کی پہلی عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ غیر اللہ میں صرف خنزیر اور بت ہی نہیں جیسا کہ اہل بدعت اس پرصر ہیں اور اسی کی رٹ لگاتے ہیں بلکہ غیر اللہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی شامل اور داخل ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہم کلہ توجیہ وغیرہ میں باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ لالت آدمی کا لقب تھا اور عزئی ایک پری تھی۔ الغرض حضرت ملا جیون کی نقل کردہ عبارت مؤلف مذکور کو مفید نہیں اور ہمیں کسی طعن بھی مضرت نہیں کیونکہ جس طرح الا ماک ذکیستہ کی استثنائے کے ماک اہل بہ کو لاجہ نہ ہونے کی علت اہل معنی ماذیغ سبھی طرح اس کا حرام لائق ہونا بھی علت ہے اور ان کی عبارت میں یہ الفاظ موجود ہیں لَانْ هَذِهِ الْأَشْيَاءُ مُحَرَّمٌ لِذَاتِهَا لَوْ يُلْحَقُهَا أَكُلٌ فِي حَالِ مِنَ الْأَحْوَالِ اور ایک چیز کی متعدد اور مختلف علتیں بھی ہوتی ہیں جیسے حرارت کے لیے آگ اور سورج مؤلف مذکور کی علمیت پر بنیاد ہی تعجب ہے کہ وہ حضرت ملا جیون کی عبارت نقل کر کے اور اس کا یوں ترجمہ کر کے۔ کیونکہ یہ اشیاء لائق حرام ہیں جنہیں کسی حال

میں جلوت لاسی نہیں ہوتی الحروف لکن ہذہ الاشیاء لاسی ایک واضح علت کو نظر انداز کر گئے ہیں اور طعن یوں دیتے کہ ممکن ہے مولوی سر فرید صاحب کو ان بعض مفسرین کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہو جائے تاہم تو معصوم ہے اور نہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ان لوگوں میں حضرات اہل کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اصولاً کسی اور کو معصوم سمجھتا ہے لیکن بعد ازاں تعالیٰ حضرات مفسرین کرام کی تعیسر اور دیگر دینی علوم کے سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

(۶) مؤلف مذکور نے علامہ آلوسیؒ کا جو حالہ حضرت علیؑ اور حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ اس کے آخر میں خود انہوں نے علیؑ سے نقل کیا ہے لیکن اس کا ترجمہ نہیں کیا اور اس کو بالکل پی گئے ہیں اہل علم ہی جانتے ہیں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ غیروہ جاتیں اور ان کا کام۔ علامہ آلوسیؒ وصاحب اہل لکھنؤ کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں۔

ای ما وقع متلباً بہ اہل مذبحہ یعنی وہ جانور کہ اس کے ذبح سے غیر اللہ تعالیٰ الصوت لغیر اللہ تعالیٰ واصل کی آواز اور شہرت والہ ہو یعنی غیر اللہ کے الاہلال عند کثیر من اہل لکھنؤ کے نزدیک اور اکثر اہل لغت کے نزدیک اللغۃ رؤیۃ الہلال لکن لما الہلال کے معنی چاند دیکھنا ہے لیکن یہ عادت جبریت العادۃ ان یرفع الصوت جاری ہے کہ جب چاند دیکھا جاتا ہے تو بیکر بالتکبیر اذا رؤی الہلال کے ساتھ آواز بلند کی جاتی ہے تو اس وجہ سے اس کو الہلال کہا جاتا ہے۔

اس عبارت میں الہلال کے لغوی معنی کو غور رکھ کر کہ شہرت اور نامزدگی کے میں وہ فرق ہے اس کے جانور کی ذبح کا مقصد الصوت لغیر اللہ تعالیٰ ہو یعنی ذبح غیر اللہ کی خاطر جو غیر اللہ تعالیٰ کا جملہ بولتے ہیں بغیر اللہ تعالیٰ کا نہیں بولتے اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ

وصاحب اہل لکھنؤ اللہ بلہ ای رفع اور صاحب اہل لکھنؤ اللہ بلہ کا مطلب الصوت لغیر اللہ تعالیٰ عند یہ ہے کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کی آواز بلند کی جائے ذبحہم والہلال ہذا ذکر کیا درجیہ شہرت دی جائے کہ یہ غلال کی خاطر ذبح یدفع لہ کاللات والعدی کیا جا رہا ہے اور اس کے اہلال سے مراد اس کا ذکر کرنا ہے جس کیلئے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا

(ص ۵۶)

اس عبارت میں بھی وہ لالت اور عجزی وغیرہ کی خاطر نامزد کر کے اور شہرت دیکر ذبح کرنا مراد لیتے ہیں اور غیر اللہ اور مایذبح لہ کے جملے لہستے ہیں ان تمام سوالوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ علامہ آلوسیؒ کے نزدیک غیر اللہ کے لیے نامزد کیا ہوا اور شہرت دیا ہوا جانور وصاحب اہل لکھنؤ اللہ بلہ کا مصدق ہے اور یہ محرمات میں داخل اور شامل ہے اور اس کی حرمت قطعی ہے پھر شرعیہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ حرام قطعی بلا کسی شرط کے محض بنام خدا ذبح کرنے سے ہی حلال ہو جائے تو یہ خیر کا کیا تصور ہے کہ وہ حلال نہ ہو؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ غیر اللہ تعالیٰ کے لیے نامزد کیا ہوا اور شہرت دیا ہوا جانور حرام ہے ہاں اگر ذبح کر لے تو حلال ہے کون الہلال اس معنی کا تصور کر لیتا ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کے فیض و بیغ کلام کا منہم ہو سکتا ہے؟ جو حرام ہے وہ بہر کیف اور بہر حال حرام ہے وہ حلال نہیں ہو سکتا اس کے حلال ہونے کی صرف وہی صورت ہے جو پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حوالے سے عرض کی جا چکی ہے کہ غیر اللہ کے لیے جانور کو نامزد کرنے اور شہرت دینے والا واضح الفاظ میں اپنے سابق اور باطل نظریہ سے تائب ہو جائے اور پھر اس کو بنام خدا تعالیٰ ذبح کرے تو حلال ہو جائے گا۔

مؤلف مذکور نے لفظ مذکور پر غور نہیں کیا حضرت علیؑ اور حضرت ابن عباسؓ سے مؤلف نے جانور ذبح کرنے کے بعد علامہ آلوسیؒ جو یہ نقل کیا ہے کہ لا ما ذکیت شہ کی استثناء مثلاً وصاحب اہل لکھنؤ کو بھی لاسی ہے تو اس سے ان کی کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہو کہ معاذ اللہ تعالیٰ غیر اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تقرب کے لیے نامزد کیا ہوا۔ اور شہرت دیا ہوا جانور حرام ہے ہاں اگر ذبح کر لیا جائے تو حلال ہے، تو ان پر خالص افتراء

اور بتاں ہے اور اللہ تعالیٰ کے فصیح و بلیغ کلام پر ایک قسم کا ظلم ہے اور تحریف کلام الہی ہے۔ جیسا کہ خنزیر (جو اسی عبارت میں بستور محرکات میں شامل ہے) ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا اگرچہ اس پر لیسم اللہ بھی پڑھی جائے کیونکہ وہ حرام لذاتہ ہے اسی طرح بغیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کے لیے مشہور اور نامزد کیا ہوا جانور بھی محض ذبح سے حلال نہیں ہوتا اور اگر ان کی مراد یہ ہو کہ شرعی طور پر اس کا تذکیہ اور ذبح ہو تو علی الرکس والعیین یہی ان حضرات کی مراد ہو سکتی ہے اور وہ یونہی ہو سکتا ہے کہ بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ایسا کرنے والا اپنے باطل نظریہ سے تائب ہو کر اُسے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اسی کے نام پر ذبح کرے چونکہ اس جانور کی حرمت خنزیر اور کتے کی طرح لذاتہا تو ہے نہیں کیونکہ فی ذاتہ وہ جانور شرعاً حلال ہے اس کی حرمت بغیر حساب ہے کہ وہ بغیر اللہ کے لیے تلمذ کیا گیا ہے جب وہ باطل نظریہ رفع ہو جائے تو حلت لوٹ آئے گی اور شرعی تذکیہ کے قاعدہ کے مطابق اَلَا مَا ذَکَّيْتُمْ کی استثنا اُسے لاقح ہو سکتی ہے اور یہ بات محل نزاع سے خارج ہے نزاع صرف اس نکتہ میں ہے کہ وہ جانور بغیر اللہ کے لیے نامزد بھی ہو اور پھر اس کو استثنا بھی لاقح ہو اور وہ اَلَا مَا ذَکَّيْتُمْ کی استثنا کے تحت حلال بھی ہو جائے جیسا کہ بظاہر مولف مذکور کا باطل دعویٰ ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولف مذکور کو شرعی باریکیاں سمجھنے کی توفیق بخشے۔

دین کی کمی اور عقل کی خامی فرقی مخالفت کے صدر الافاضل اور مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ بزرگ اپنی تفسیروں میں وَمَا اُھْلٌ لِّغَیْرِہِ اللہ پہ کی تفسیر میں و اشکات الفاظ میں یہ لکھتے ہیں کہ حضرات اولیاء کرام کے ایصال ثواب کے لیے نامزد کیا ہوا جانور وغیرہ اور اسی طرح ویسے اور حقیقتہً کاجرا وغیرہ حلال اور طیب ہیں۔ ایصال ثواب اور ولیمہ اور حقیقتہً کے بجائے وغیرہ کے حلال ہونے میں تو کسی کا بھی کوئی اختلاف اور نزاع نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وَمَا اُھْلٌ لِّغَیْرِہِ اللہ پہ کو صریح الفاظ کے ساتھ اِمَّا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِہٖ (پتہ - بقدرہ - ۲۱) (دہلک - المجلد - ۱۵) اور حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِہٖ (پتہ الماحشہ - ۱) کے تحت ذکر کر کے محرکات میں داخل کیا ہے

پھر مَا اُھْلٌ کی تفسیر میں ایصال ثواب، ولیمہ اور عقیقہ وغیرہ کے بجزوں کا ذکر یہ معنی دارد؛ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حرام کی تفسیر حلال و طیب ہے ہوئی؛ معاذ اللہ تعالیٰ دینی بصیرت سے محرومی اور عقل کی خامی کا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے جو بالکل عیال ہے مولف مذکور کے گذارش ہے کہ یہ ان مسائل میں ہے کچھ ثروت نگاہی درکار یہ حقائق میں تماشائے لب بام نہیں (۷) راقم اشیم نے فرقی مخالفت کے مفسر یہ جو تفتیح کی ہے اور ان کی قرآن دانی پر جو گرفت کی ہے وہ بجز اللہ تعالیٰ پر بستور باقی ہے وہ یوں کہ جو شخص بغیر اللہ اور بغیر اللہ اور بلاسم بغیر اللہ اور باسم بغیر اللہ کے فرق کو نہیں جانتا اور جو شخص مَا اُھْلٌ کے لغوی معنی سے ہی ناواقف ہے اور جو شخص مَا اُھْلٌ کا مصدق صرف پتھر اور بت قرار دیتا ہے اور حضرات اولیاء کرام اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور جنوں اور جاندار مخلوق کو اس سے خارج کرنا ہے اور جو شخص باطل کی تفسیر میں شہرت اور نامزد کرنے کی مشہور تفسیر سے جو تفسیروں (مثلاً تفسیر کبیر - تفسیر نیشاپوری - تفسیر طبرانی اور تفسیر عزیزی وغیرہ) میں مشغول ہے یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے اور جو شخص تقریباً اور تعظیم بغیر اللہ کے واقعہ کو کوید کاشی ایصال ثواب قرار دیکر ہے اور حرام کی تفسیر حلال اور طیب کرنا ہے اور جو شخص ثواب کے مستحقین (مثلاً ماں باپ وغیرہ) کی بجائے حضرات اولیاء کرام کے نام پر ہی ایصال ثواب کی تلقین کرنا ہے جو بغیر اللہ تعالیٰ ہمارے ایصال ثواب کے محتاج ہی نہیں اور جو شخص وَمَا اُھْلٌ لِّغَیْرِہِ اللہ کو حقیقتہً اور ویسے کے بجائے اور دُسنے کے مساوی قرار دیتا ہو اور جو شخص مَا اُھْلٌ کو وقت ذبح کے ساتھ عقیدہ کرنے پر ہی مقرر ہو اور دوسری شق کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہو اور جو شخص یہ حصر بیان کرتا ہو کہ اس آیت میں صرف اُسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت بغیر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو (ملاحظہ ص ۱۵۵) گویا ان کے نزدیک ذبح کے وقت بغیر خدا کا نام لینا ہی حلت کی شرط ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ اور جو شخص یہ کہتا ہو کہ وہابی جو ذبح کی قید نہیں لگاتے وہ آیت کے معنی میں غلطی کرتے ہیں اور ان کا قول تمام تفسیر معتبرہ کے خلاف ہے (حالا نکہ اہل حق اس تفسیر کو بھی مانتے اور ملحوظ رکھتے ہیں اور شہرت اور نامزدگی کی

بحث کر دی ہے۔ یہ بات ہم نے وَمَا أَهْلَ لَعْنِیْنِ اللّٰہِ بِہِ کی بحث میں کی ہے اور ہماری یہ علمی گرفت فریق مخالفت کے صدر الافاضل پر بستور جوں کی توں اور دوں کی دوں باقی ہے چنانچہ وہ وَمَا أَهْلَ لَعْنِیْنِ اللّٰہِ کی تفسیر میں ایک جگہ یوں لکھتے ہیں۔ یا جن اولیاء کے لیے ایصال ثواب منظور ہے ان کا نام لیا جائے (۳۹) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ وہ جانور جن سے اولیاء کی ارواح کو ثواب پہنچانا منظور ہو ان کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر ذبح اُن کا حفظ اللہ کے نام پر ہو اُس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال و طیب ہیں (۵۵) ان کی ان عبارات کے پیش نظر ہم نے ان پر گرفت کی ہے اور ہماری گرفت ناموزداتی ہے کہ اگر وَمَا أَهْلَ سے مراد ایصال ثواب ہے تو یہ مستحقین کو کیوں اس نہیں آتا اس کا مصداق حضرات اولیاء کرام ہی کیوں ہیں؟ ان کے صدر الافاضل کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ اولیاء اور مال باپ اور دیگر اعزہ و اقارب کے نام پر نامزد کردہ جانور حلال و طیب ہے صرف حضرات اولیاء کرام کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ چونکہ صدر الافاضل بخوبی جانتے تھے کہ اکثر عوام کو اپنے مال باپ اور اعزہ و اقارب سے اُس تقرب کے حاصل ہونے کی کوئی توقع نہیں ہوتی وہ جانتے ہیں کہ وہ کیا کچھ تھے؟ اس لیے ان کے نام پر جانور نامزد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کے لیے تجربہ وغیرہ کے ایصال ثواب میں دودھ بچل فروٹ اور عام کھانے نہ ہوں تو پانی ہی کفایت کر لی جاتی ہے اور یوں ان کو ٹھنڈا دیا جاتا ہے ان کے لیے اس موقع پر بچے اور دُسنے کون نامزد کرتے ہیں؟ اس لیے حضرات اولیاء کرام کی تخصیص کی گئی کہ ان سے عوام کی محبت (بلکہ بعض کی اندھی محبت) ہوتی ہے اور ان کے ناموں پر لوگ جانور نامزد کرتے ہیں لہذا کھانے پینے کا صیغہ بقرہ ہے گا۔ اور پہلے ضیاء صرم کے حوالہ سے ایصال ثواب کے مستحقین میں علماء کا لفظ بھی گزر چکا ہے۔ وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

مؤلف مذکور اور ان کے اکثر ہمنوا سختی ایصال ثواب کا فتویٰ

بزرگم خورش ایصال ثواب نذر موت کی اصل وجہ

محقق اور معتبر تفسیر کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں جو معتبر اور مستند تفسیر سے ثابت ہے۔ جیسا کہ نتیجہ متین اور اتمام البرہان کے مضمون حوالوں سے واضح ہے۔ یہ اور اس قسم کی دیگر باتیں کرنے والے شخص کی قرآن دانی کا رد کیا جائے؟ اب فیصلہ قارئین کرام کے ہاتھ میں ہے کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ سرخروئی کس کی قیمت اور قدر میں ہے؟ اور دینی و دنیوی رسوائی کس کا خاصہ لازمہ ہے؟ صد فوس کہ قرآن کریم عجمی معجز کتاب اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدین شریعت کو بھی ان لوگوں نے بدعات رسوات اور پیٹ پروری کا درجہ بنا رکھا ہے مگر ربیگا یہ قیامت تک سلامت معجزہ اُن کا وہ قرآن میں نور ہدایت سے لے کے آئے ہیں

سرفراز صاحب کا چٹا شبہ | مؤلف مذکور کا یہ اس بحث کا آخری شور ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔ مولوی سرفراز صاحب کی کچھٹی جبارت ملاحظہ ہو ایصال ثواب کا مسئلہ صحیح اور حق ہے لیکن آخر میں چن کر بزرگوں کو ہی کیوں اس کے لیے انتخاب کیا جاتا ہے اپنے مال باپ اور دیگر اعزہ و اقارب کو جو نفس الامم میں ثواب کے زیادہ محتاج ہیں ان کو یہ کیوں اس نہیں آتا؟ اتنی (مستقیمہ ۱۳۹) مولوی سرفراز صاحب کو خواہ مخواہ بزرگوں سے عدوت ہے ورنہ رشتہ داروں اور بزرگوں اور داروں کو بھی ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ یہ لغو اعتراض مولوی سرفراز صاحب اس کتاب میں متعدد بار کر چکے ہیں اور اس کے جواب میں مکمل تفصیل ہم نے دھمکاؤں و فتنوں کی بحث میں پیش کر دی ہے۔

مولوی سرفراز مار کھانے کے شوق میں بار بار پیٹے ہوئے مہروں کو آگے بڑھاتے ہیں اور اب کی مار کی گردان سے اپنے آپ کو طفل تلیاں دینا چاہتے ہیں اتنی بظہم (توضیح ص ۱۳) الجواب۔ قارئین کرام بخوبی ملاحظہ کر چکے ہیں کہ مؤلف مذکور نیکہ شناسی سے قطعاً محروم ہیں اور بالکل سلی ذہن رکھتے ہیں اس لیے قدم قدم پر علمی مار کھاتے ہیں اور رسوائی کا زیور پہنتے ہیں اور پھر شرم بھی محسوس نہیں کرتے۔ قارئین کرام خود امور ذیل کو ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ہم نے یہ بات مطلق ایصال ثواب کے بارے میں نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ ہم شرعی قاعدہ کے مطابق ایصال ثواب کے قائل ہیں اور وہ سنت وغیرہ متعدد کتابوں میں ہم نے اس کی باحوال

اور مروج لفظ بطور ہتھیار کے استعمال کرتے ہیں ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام خدائی اختیارات سے متصف ہیں اس لیے ان کے لیے ایصالِ ثواب اور نذر و منت سے ان کا اقرب حاصل ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ان کے خیال میں ان کی تمام ضرورتیں اور حاجتیں وہ پوری کر دیتے ہیں ان کے انحضرت کے حوالے تو اپنی جگہ بیان کیے جا چکے ہیں۔ ان کے دو مسلم بزرگوں کے حوالے مزید ملاحظہ فرمائیں (۱) ان کے مولانا امجد علی صاحب اپنی مشہور کتاب بہار شریعت میں لکھتے ہیں۔ "تختہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں تمام جہان حضور کے تحت تصرف کر دیا گیا جو چاہیں کریں جسے جو چاہیں دیں جس سے جو چاہیں واپس لیں جہاں میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں تمام جہاں ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں تمام آدمیوں کے مالک ہیں جو انہیں اپنا مالک نہ جانے ملاوت سنت سے محروم ہے تمام زمین ان کی ملک ہے تمام جنت ان کی جاگیر ہے ملکوت السموات والارض حضور کے زیر فرمان جنت و نار کی تسبیح و ست اقدس میں مے دی گئیں رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں دنیا و آخرت حضور کی عطا کا ایک حصہ ہے احکام شریعت حضور کے قبضہ میں کر دیے گئے ہیں کہ جس پر جو چاہیں حرام فرمائیں اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرمائیں۔ بلغظہ (بہار شریعت حصہ اول ص ۲۲)

(۲) مولف مذکور نوعمر اور محدود مطالعہ کے دلدلہ ہیں اس لیے ان کے معلومات کے لیے عرض ہے کہ ان کی جماعت میں ایک بزرگ گڈے ہیں جو اپنے دور میں ان کی جماعت میں منظر اعظم تصور ہوتے تھے جن کا نام نامی مولانا مولوی محمد حسرت علی صاحب تھی قادی بریلوی تھا انہوں نے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی کی نافع تر اور مفید عوام و خواص کتاب بہشتی زیور کار و لکھا ہے اس کا نام ہے اصلاح بہشتی زیور اس کی تشریح اور اعلان کے لیے یہ الفاظ اختیار کیے گئے ہیں۔ اس میں انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نیاز و فخر ہونے، نذر و منت ماننے، ان سے مدد چاہنے، انہیں پکارنے یا رسول اللہ۔ یا علی یا عیسیٰ وغیر

کئے۔ انہیں نفع و نقصان کا مختار سمجھئے۔ انہیں ہر حال کی خبر ہے۔ ان کے نام کا جانور پانے چھوڑنے، ذبح کرنے۔ ان کے منازات پر عرس کرنے۔ چراغ جلانے۔ چادر مٹانی علوہ گلنگے وغیرہ چڑھانے۔ ان کے نام کا وظیفہ کر لے۔ روزہ رکھنے۔ بازو پر پیسہ باندھنے۔ ان کی دعوائی جینے۔ خدائی رات کرنے۔ کسی جگہ کا ادب و تعظیم طواف و سجدہ کرنے۔ کسی کے سامنے ٹھکے۔ کھڑکھڑانے۔ عبد البی۔ غلام رسول۔ نبی بخش، علی بخش۔ غلام محمد الدین وغیرہ نام رکھنے گئے ہیں کھانا ڈالنے۔ پڑھی پڑھنے سہرا باندھنے اور ان کی مثل بہت سی باتوں کی جو بہشتی زیور میں مذکور اور وہابیہ کے نزدیک شرک و کفر و عمام و بدعت تھیں تو دید اور علاوہ ان کے بہت سے مسائل فقہ کی اصلاح و تصحیح کی گئی ہے مسلمانوں کو ضرور اسے منگا کر دیکھنا اور گمراہوں کی گمراہیوں سے بچنا چاہیے انہی بلغظہ (اندرونی مائیکل شمع ہدایت حصہ سوم مطبع رشید المطابع بریلی)

غلام رسول اور غلام محمد الدین نام رکھنے میں راقم انیم کو تو کسی معتبر عالم کا کوئی اختلاف معلوم نہیں یہ نام جائز ہیں اس کے علاوہ کتاب کے اشتہار اور اعلان میں کفر و شرک اور بدعت و رسم مشرکین کی کون سی اصولی شق اور باقی رہ جاتی ہے جس کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو، عرفہ نہیں کہ کس طرح نصوص قطعیہ، احادیث صحیحہ متواترہ۔ اجماع امت اور حضرات فقہاء کرام کے صریح اقوال کے خلاف اسلام کے نام سے ایک مصنوعی اسلام کا خفا کر پیش کیا گیا ہے اگر یہ امور اسلام میں تو کفر و شرک اور بدعت کس بلا کا نام ہے؟ مولف مذکور کو غصہ تھوڑا دینا چاہیے اور انصاف سے واضح الفاظ میں یہ بتانا چاہیے کہ کیا ان کے مسلم بزرگ کی کتاب اصلاح بہشتی زیور نے حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے نیاز و فخر کے علاوہ نذر و منت ماننے اور ان سے مدد چاہنے۔ انہیں نفع و نقصان کا مختار سمجھئے۔ انہیں ہر حال کی خبر ہونے ان کے نام کا جانور پانے اور چھوڑنے اور ان کے نام پر جانور ذبح کرنے وغیرہ کو کون سی کفریہ اور شرکیہ کاروائی کا مواد فراہم نہیں کر دیا۔ وہ کس جرات سے اہل حق کا مقابلہ کرتے اور ان کے منہ لگتے ہیں اور ایصالِ ثواب کا مروج لفظ استعمال کر کے علوم الناس کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اپنے بزرگوں کے نفس الامری اور واقعی عتاید اور نظریات عوام سے مخفی رکھنے کا ادھار

کھائے بیٹھے ہیں۔ عوام الناس بیچاڑے گویا ان سے یوں گویا ہیں۔
- راہوں کی مشکلات میں کھوتے تو عزم نہ تھا
رہا ہے اس کا ہم سر منزل بٹک گئے

(۲) ہم پر یہ الزام کہ معاذ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرات اولیاءِ کرام سے عداوت ہے سفید
جھوٹ اور خالص افتراء ہے ہم تو حضرات اولیاءِ کرام سے دشمنی رکھنے والے کو اس حدیث
قدسی کا مصداق گردانتے ہیں من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب (بخاری ۹۶۳)
رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کو میری طرف سے
میرے ساتھ جنگ کرنے کا اٹی میٹم ہے ہم تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے تذکرہ کو
نزولِ رحمتِ خداوندی کا سبب سمجھتے ہیں اور یہ تحقیرانہ نظریہ رکھتے ہیں کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ
کے نیک بندوں کا صحیح طور پر ذکر کیا جاتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔
(۳) بفضلہ تعالیٰ ہم نے بھی کوفہ کا رزق فتنہ کی تفسیر میں اتمامِ لیلین ہی میں مؤلف
تذکرہ کے بیان کردہ بے جان دلائل کا خوب خوب پرست مارٹم کیا ہے۔

لہذا اس مضمون کو وہاں ہی ملاحظہ فرمائیں اعلاہ کی ضرورت نہیں ہے۔ دعا ہے
کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان اور مسلمان کہلانے والے کو حق و باطل میں فرق و تمیز کرنے کی توفیق
بخشنے اور شرک و بدعات اور غیر اسلامی رسومات سے محفوظ رکھنے آمین۔
وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ محمد
وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ اجمعین

احقر

ابوالزہاد محمد سرفراز

خطیب جامع مسجد گھٹڑ و صدر مدرس مدرسہ نصرتہ العلوم

گوجرانوالہ ۱۲ شوال ۱۴۰۲ھ
۱۱ جولائی ۱۹۸۲ء

احسن الکلام

ترکِ اقراء خلف الامام (طبع سوم)

تالیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفہ مدظلہ

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث، آثارِ صحابہ کرامؓ و تابعینؓ و اتباع تابعین
اور دیگر مہمور فقہانہ اور محدثین عظام سے یہ بات ثابت کی گئی ہے
کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں کسی بھی قسم کی قرأتِ حونا اور سورۃ فاتحہ
کی قرأت خصوصاً ممنوع ہے اور جسی نمازوں میں تو امام کے
پیچھے قرأتِ کفائتِ قرآن کریم، حدیث صحیح اور اجماع کے خلاف
ہے اور فی نفسہ منکر اور شاذ ہے اور جبری نمازوں میں حضرات
ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ نیز عقلی اور قیاسی دلائل سے اس مسئلہ
پر فیصلہ کن بحث کی گئی ہے اور فریقِ ثانی کو مسکت جوابات دیئے
گئے ہیں اور اس طبع میں "خیر الکلام" اور "الاعتصام" میں کیے گئے
اعتراضات کے جوابات کو خصوصیت سے ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ناشر:

مکتبہ صفہ یہ نزد مدرسہ نصرتہ العلوم
گوجرانوالہ

غیر مقلدین کے رد میں قابل مطالعہ کتب

● — احسن الکلام فی ترکِ قرآۃ فاتحہ خلف الامام

● — اطیب الکلام ملخص احسن الکلام

● — طائفہ منصورہ

● — عمدۃ الائمۃ فی طلاقات الثلث

● — رسالہ تراویح مع اردو ترجمہ ینابیع

● — تحریری کیفیت منظرہ

● — نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح

ملنے کا پتہ

مکتبہ صفدیہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوہرانوالہ

مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

خزائن السنن تقریر ترمذی طبع سوم	احسن الکلام مسئلہ قاضی خلیف الامام کی مدلل بحث طبع ششم	تسکین الصدور مسئلہ حیات النبی ﷺ پر مدلل بحث طبع ہفتم	الکلام المفید مسئلہ تقلید پر مدلل بحث	ازالۃ الريب مسئلہ علم غیب پر مدلل بحث طبع ششم
راہ سنت روایت پر لا جواب کتاب	آنکھوں کی ٹھنڈک مسئلہ حاضر و غائب پر مدلل بحث	احسان الباری بخاری شریف کی ابتدائی ابواب	طائفہ منصورہ نجات پانچواں گروہ کی علامت	ارشاد الشیعہ شیعہ نظریات کا مدلل جواب
درویش شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ	عبارات اکابر اکابر علماء دین کی عبارات پر اعتراضات کے جوابات	تبلیغ اسلام ضروریات دین پر مختصر بحث	گلدستہ توحید مسئلہ توحید کی وضاحت	دل کا سرور مسئلہ عقائد کی مدلل بحث
راہ ہدایت کرامات و معجزات کے بارے میں صحیح عقیدہ کی وضاحت	بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم علی کے حالات زندگی اور ان پر اعتراضات کے جوابات	ینا بیع غیر مقلد عالم مولانا علامہ اقبال کے رسالہ تراویح کا اردو ترجمہ	چراغ کی روشنی میزان الیوم کے بارے میں قادیانی و غیرہ کے اعتراضات کے جوابات	مسئلہ قربانی قربانی کی فضیلت اور ایسا قربانی پر مدلل بحث
تیسریت کا پس منظر جیسائیوں کے عقائد کا رد	مقالہ ختم نبوت قرآن و سنت کی روشنی میں	المسلک المنصور	اتمام البرہان رد توفیق البیان	حلیۃ المسلمین دائرہ صحت کا مسئلہ
آئینہ مجری سیرت پر مختصر رسالہ	شوق حدیث حجیت حدیث پر مدلل بحث	ملا علی قاری اور مسئلہ علم غیب و حاضر و غائب	تنقید متین بر تفسیر تفسیر الدین	باب جنت نہجواب راہ جنت
مودودی صاحب کا غلط فتویٰ	تفریح الخواطر بہجواب تنویر الخواطر	چہل مسئلہ حضرات بریلویہ	عمدۃ الاثبات تین طلاقیں کا مسئلہ	الشہاب المبین بہجواب الشہاب الثاقب
سماع موتی چالیس دعائیں	مقام ابی حنیفہ	صرف ایک اسلام	علم الذکر بالجہر	شوق جہاد
اطیب الکلام مختص احسن الکلام	انکار حدیث کے نتائج منکرین حدیث کا رد	مرزائی کا جنازہ اور مسلمان	مولانا ارشاد الحق اثری کا مجذوبانہ و اوہلا	اخفاء الذکر ذکر آہستہ کرنا چاہیے

خزائن السنن جلد دوم کتاب الحج	جنت کے نظام علامہ ابن تیمیہ کی کتاب مادی الارواح کا اردو ترجمہ	حمیدیہ نہجواب عربی کتاب رشدیہ کا اردو ترجمہ	امام ابو حنیفہ کا عادلانہ دفاع	غیر مقلدین کے متضاد فتوے
بخاری شریف غیر مقلدین کی نظریات	شیخ صاحب عالی رحمہ کے خط و کتابت کے حالات وضو کا مسنون طریقہ	تین طاہروں کے مسئلہ یہ مقالہ کا جواب مقالہ	الدروس الواضحة فی شرح الکافیہ	مروجہ قضائے عمری بدعت ہے

مطبوعات
عمر اکادمی